قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار
بزرگانِ دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز،
وجد آفریں، اور انتہائی دلنشین ۲۰۰ بابرکت واقعات

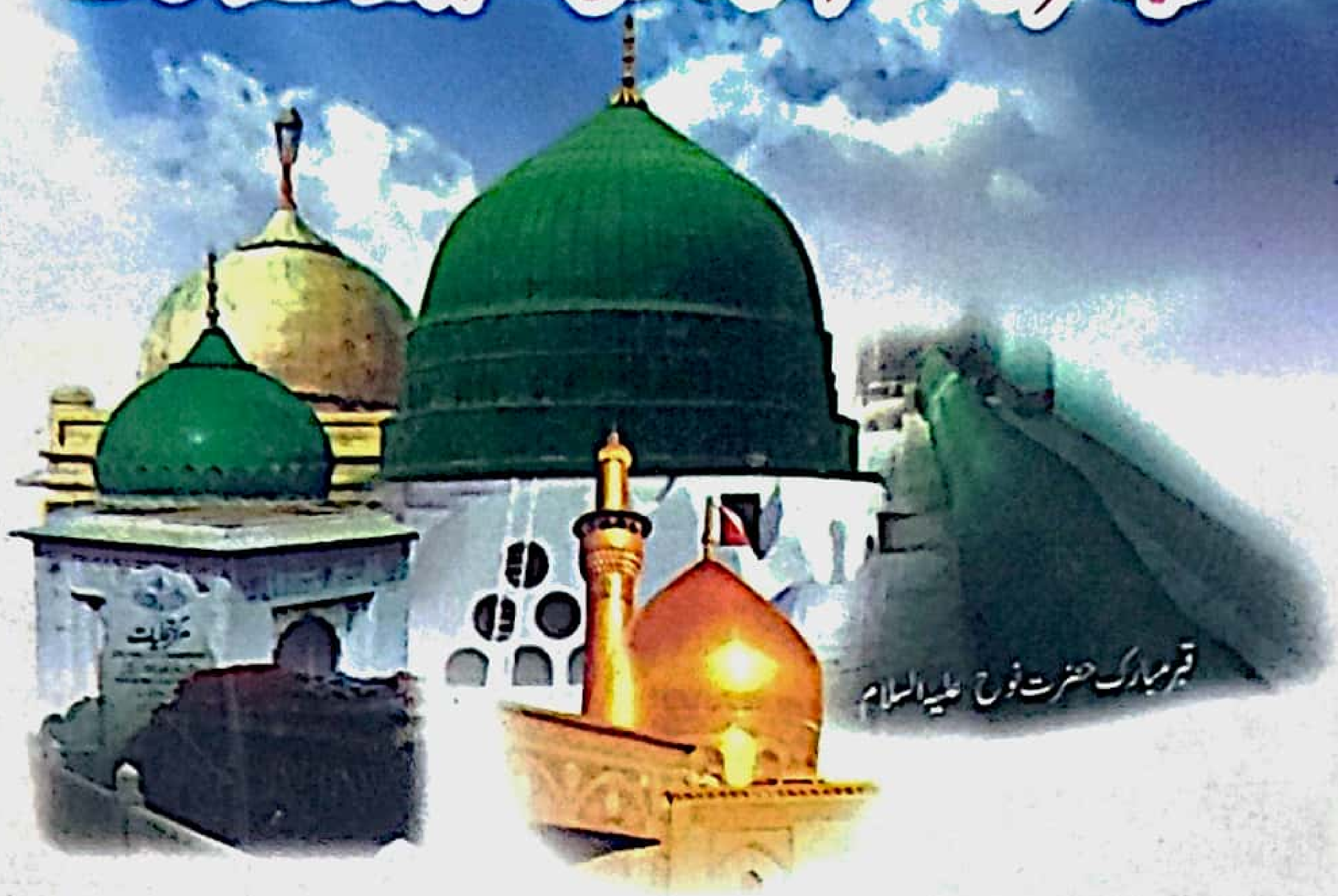

باکمال واقعات

تصنیف لطیف
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

(۱) رحمت خداوندی ص ۲۳ تا ص ۳۹ (سیدہ فاطمہ و حضرت علی کا اختلاف ص ۱۲۶)

(۲) عمر بن عبد العزیز ص ۴۸ تا ص ۶۸

(۳) حضرت طاؤس کی نصیحت ص ۷۰ تا ص ۷۲

(۴) حضرت بایزید بسطامی کے سوالات ص ۷۵ تا ص ۹۲ خاص طویل

(۵) حضرت امام شافعی ص ۱۰۳ تا ص ۱۲۲ طویل خاص

(۶) امام مالک بن انس ص ۱۳۲ تا ص ۱۵۳ طویل خاص۔

(۷) امام احمد بن حنبل ص ۱۵۱ تا ص ۱۶۵ طویل خاص۔

۸۔ حضرت صہیب رومی ص ۱۸۲ تا ص ۱۸۸ خاص طویل (حقیقت عبادت ص ۳۷۹ خاص طویل)

(۹) حضرت مصعب بن عمیر ص ۲۱۴ تا ص ۲۲۰ خاص۔ (دور حاضر کے علماء ص ۲۸۸ ص ۲۹۵ ص ۲۹۸ ص ۴۷۲)

۱۰۔ شہ پارۂ رسالت۔ نور الدین زنگی ص ۲۲۷ تا ص ۲۲۳ خاص (اشاعت اسلام اور اولیائے کرام ص ۳۳۶ خاص)

۱۱۔ حسن اخلاق ص ۲۴۱ تا ص ۲۴۹ (ص ۲۷۶)

۱۲۔ سب سے آخری جنتی ص ۲۵۳ ص ۲۵۸ خاص معمولی

۱۳۔ مفلس کون ہے ص ۲۸۱ ۱۴۔ (دل کی صفائی خاص ص ۲۸۸) لقوت ص ۳۰۳ دل جوئی ص ۳۱۸

مومن کا دل ص ۳۲۸ خاص — اولیاء کا استغناء ص ۳۴۹ — (خدمت خلق ص ۳۰۵ بڑا خاص) ص ۳۲۸ ص ۳۳۵ ص ۳۴۴ (ص ۳۷۰ گدھا (پارہ علم والا)) (ص ۳۹۲ تنبیہ کی کشتی ہے) تعلیم الدین کا فن ص ۴۷۹ (ص ۴۸۸ ام شرکائی کی شرم)

(۱۴) عبد اللہ بن زبیر خاص طویل ص ۳۹۲ تا ص ۳۹۹

(۱۵) سستی و ترارت ص ۴۱۳ (۱۶) امتیازات مصطفیٰ ص ۴۵۳

۱۷۔ ایک لقمے کا اثر ص ۴۸۴ (۱۸) مدینے کی آگ ص ۵۲۹ ۱۹ – دعا کی قبولیت کے اوقات ص ۴۳۶

۲۰۔ حضرت حافظ کے واقعات ص ۴۶۳

ہے عام اندگاہ سے شیطان ص ۵۲۴ کو لعنت ہے ص ۵۲۱ کرامت اور صاحب کرامت ص ۵۴۲

(۱۵) چرواہے کی پرہیزگاری ص ۵۹۳ (۱۶) ایک لقمے سے چالیس سال ص ۵۹۵

(۱۷) (والدین کی دعا کا اثر ص ۵۹۶ چلتا مرنا)

محمد بن یاد شویان ص ۲۰۶

دس باتوں کی تاکید ص ۷۳

فاروق اعظم کا عدل ص ۱۰۰

قرآن مجید کے آداب تلاوت ص ۱۶۶ ص ۱۶۸

عالم کا اپنا ہی جسم جانتا ص ۱۸۰ ص ۳۳۴

غازی کی برکت سے جان محفوظ ص ۲۲۲ ص ۹۳۷

ہارون الرشید کا طبیب حاذق ص ۲۵۰

امام حسین کے روضے کو گرا دیا ص ۲۶۲

بتوں کی بے بسی ص ۲۵۴ خاص

غلام کی دعا سے بارش کا برسنا ص ۲۶۲

۲۷ سال کے بعد بیٹا دیکھا ص ۳۷۱ بڑا عالم ص ۴۸۶

سجدہ دعا کی فضیلت ص ۴۲۲ خاص)

عورت کا بر عمر فاسق ص ۵۲۹

صبر کا پھل میٹھا ص ۶۴۴

بڑے عالم سے بیزاری ص ۳۲۲ مسجد نبوی میں آگ

شان اہلبیت جنت کے سردار ص ۴۸۴ ص ۴۹۳

امام حسین کا علم ص ۶۹۲

اللہ کی مدد ص ۵۶۲

نفس کو خوش کرنا ص ۶۹۸

مسلمان کی سیرت پوشی ص ۳۱۲ ص ۳۱۵ ص ۴۸۶

لفظ کا انعام ص ۵۶۷

عشق والدین ص ۶۹۳

امام اعظم کی والدہ ص ۱۵۶

مومن کو ترکیب ص ۶۵۷

علماء کے درس میں تعدد لوازم ص ۵۹۰

علماء کو درس کو طریقہ ص ۴۱۹ خاص
خلیفہ متوکل باللہ۔

جھوٹے بچوں کا انتقال ص ۲۳۸ ص ۴۸۹

علماء کی محبت علم ص ۶۲۸ ص ۶۵۴

علماء کی فضیلت ص ۵۵۸

قرآن بھول گیا ص ۴۲۱

عشق الہٰی سے مرنے والا ص ۲۹۰ ص ۲۹۸ ص ۲۹۶ تا ص ۳۰۰ ص ۳۵۷ ص ۳۷۰

نگاہ فقر میں ص ۴۱۱

حضرت سلیمان کی کرسی ص ۵۸۷ ص ۶۰۶

اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے ص ۳۱۰ ص ۳۱۷

اللہ کو پکارنا ص ۵۰۲

قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار، بزرگان دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز، وجد آفرین، اور انتہائی دلنشین ۲۰۰ بابرکت واقعات

باکمال واقعات

تصنیف لطیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر، ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

قرض کی ادائیگی کا احسن ص ۳۲۴، ص ۶۵۰، ص ۶۷۵

گستاخ رسول کو عبرتناک سزا ص ۶۱۱

امت محمدیہ پر انعامات ص ۴۵۸

حیادار مومن ص ۵۷۲

سفید بالوں کا اعزاز ص ۶۸۲

برکات استغفار ص ۴۵، ص ۵۴۷

جنت کی کھجور ص ۵۴۶ خاص عنوان

نوشیرواں کا عدل و انصاف ص ۶۲۵

شان اولیاء کہ ... ص ۳۲۶، ص ۳۲۷ ... (ص ۳۷۷ ...) ... ص ۳۰۳، ص ۴۲۵ ... ص ۴۷۲، ص ۶۰۸، ص ۶۱۹ ... ص ۶۶۰ (ص ۶۷ ...) ص ۶۷۲ (ص ۷۰۰ ... اجازت)

حشر کا بیان ص ۳۳۴، ۳۶۵

اولاد ... ص ۵۵۱، ۵۹۳، ۵۹۵، ص ۶۰۴
اللہ کی ... ص ۶۲۳، ۶۳۰

نماز ... ص ۶۰۲، ۶۳۴

ذہانت کا ... حجاج کا ... ص ۲۴۱

شہید ... ص ۶۸۰

شعبان کی پندرہ تاریخ ص ۲۴۳

عفو و درگزر ص ۵۵۷ خاص، ص ۵۹۸، ص ۶۰۸
ص ۶۲۷، ص ۶۷۵، ص ۶۷۹، ص ۷۰۴

صدقہ کی برکت ص ۲۰۰

حسن سلوک ... ص ۶۸۹

اولیاء اللہ کا جنازہ ... ص ۵۸۹

جنت کے تمام دروازوں سے ص ۷۰۲
... صدیق

موت کا بیان جنت کی ضمانت ص ۲۴۰، ص ۳۵۴
ص ۵۸۶، ص ۶۳۴

حسن سلوک ص ۴۸۹، ص ۵۵۲ بسم اللہ کی برکت

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

وعلیٰ اٰلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب	....	۲۰۰ باکمال واقعات
مؤلف	....	الحافظ القاری مفتی غلام حسن قادری مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور
پروف ریڈنگ	....	مولانا قاری محمد اصغر نورانی
خصوصی دعا	....	پیر سیّد طاہر حسین شاہ کاظمی، پاک پتن شریف
حسب فرمائش	....	پیر حافظ محمد عثمان نوشاہی قادری الحافظ القاری محمد اختر سیالوی، گڑھی شاہو لاہور
صفحات	....	704
تعداد	....	600
کمپوزنگ	....	عبدالسلام، قمر الزمان
اشاعت	....	فروری 2014ء
ناشر	....	محمد اکبر قادری
قیمت	....	450 روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر
اردو بازار لاہور

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی

یا رسول اللہ ﷺ

وعلیٰ اٰلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ

سُنّیم من نعرۂ تکبیر و رسالت می زنم
دم ز بوبکر و عمر و عثمان و حیدر می زنم

قادریم نعرۂ یا غوث اعظم می زنم
دم ز شیخ احمد رضا خان قطبِ عالم می زنم

سروریم نعرۂ سلطان باہو می زنم
دم ز بوالبرکات حضرت سیّد احمد می زنم

کتبہٗ: غلام حسن قادری حزب الاحناف لاہور

شرفِ انتساب

تاجدارِ کائنات، شہنشاہِ شش جہان، محبوبِ دو عالم، فخرِ آدم و بنی آدم

بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان الیٰ ابی البشر سیّدنا آدم صفی اللہ علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے نام جن کے اسماء گرامی کی سند بلاشبہ کائنات میں سب سے عالی واعظم اور سلسلۃ الذہب ہے:

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ ﷺ کے بعد

Scanned with CamScanner

الاھداء

سیدالسادات کرامتِ حضرت محدثِ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ

حضرت صاحب زادہ پیر سید

محمد یعقوب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر آف پھالیہ

خطیبِ اسلام مقبول عرب وعجم

حضرت صاحب زادہ پیر سید

شبیر حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حافظ آبادی

جن کی تقاریر سُن کر مجھے علمِ دین حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا
اور آج میں کچھ لکھنے کے قابل ہو سکا

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
شرفِ انتساب	۵	(11) دس باتوں کی تاکید	۷۳
الاھداء	۶	(12) حضرت بایزید بسطامی اور پادری	۷۵
خطبۃ الکتاب	۱۳	(13) سورۂ توحید کے جلوے	۹۳
حرفِ آغاز	۱۴	(14) ایک درویش خدا مست مجاہد کی داستانِ محبت	۹۵
(1) محمد ﷺ کی نسبت بڑی چیز ہے	۱۵	(15) یہ ہے احساسِ ذمہ داری	۱۰۰
(2) وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا	۱۷	(16) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ	۱۰۳
(3) آئے گا مصطفیٰ ﷺ کا نظام آئے گا	۲۰	(17) جادو اور اس کا علاج	۱۲۴
(4) قبولِ اسلام کی حسین داستانیں اور رحمتِ خداوندی	۲۳	(18) سیدہ فاطمہ اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہما	۱۲۶
(5) قرآن مجید میں قریش کے دو سفروں کا ذکر	۴۰	(19) ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز	۱۲۸
(6) خدا کو یاد کر پیارے قیامت آنے والی ہے	۴۲	(20) عالمِ مدینہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ	۱۳۲
(7) حضرت سفیان بن عیینہ کی دل برداشتگی	۴۴	(21) حضرت خضر کی بتائی ہوئی ایک دعا	۱۵۴
(8) تاریخِ اسلام کی عظیم انقلابی شخصیت	۴۸	(22) سخاوت ہو تو ایسی ہو	۱۵۵
(9) باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے	۶۹	(23) حضرت امامِ اعظم اور ان کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا	۱۵۶
(10) حق گوئی و بے باکی	۷۰	(24) صبر ورضا کا پیکر جمیل	۱۵۸
		(25) قرآن مجید کی تلاوت کے آداب	۱۶۶
		(26) حکمرانوں کی کامیابی	۱۶۹

Scanned with CamScanner

عنوان — صفحہ

(27) کائنات سے مولائے کائنات کا خطاب ۱۷۰
(28) بزبانِ مصطفیٰ شانِ اولیاء ۱۷۳
(29) عرب کا کسریٰ ۱۷۴
(30) دو نعمتیں اور چار نحوستیں ۱۷۶
(31) گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را ۱۷۸
(32) ابو یحییٰ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ۱۸۲
(33) بھرے دربار میں نعرۂ حق کی گھن گرج ۱۸۹
(34) سورۂ نمل میں چیونٹی کا ذکر ہے یا چیونٹے کا؟ ۲۰۲
(35) صحابی رسول ﷺ کی جرأت ۲۰۴
(36) ماضی قریب کا ایک عظیم واقعہ ۲۰۶
(37) ایک منہ چڑھا عیسائی طبیب ۲۱۲
(38) سفیرِ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ۲۱۴
(39) ایک یہودی کو دنداں شکن جواب ۲۲۱
(40) نماز کی برکت سے جان و مال محفوظ ہو گئے ۲۲۳
(41) تمہیں محتاجی کا خوف کیوں؟ ۲۲۶
(42) سلطان نور الدین زنگی کی سعادت مندی ۲۲۷
(43) اللہ تعالیٰ بُرے خاتمے سے بچائے ۲۲۷
(44) میں اسی لیے اپنے بیٹے کی موت کا متمنی تھا ۲۳۸
(45) عشقِ الٰہی میں سرشار عبادت گزار کا حال ۲۳۹
(46) حسنِ اخلاق اور دینِ اسلام ۲۴۱
(47) عیسائی طبیب کا سوال اور پھر قبولِ اسلام ۲۵۰
(45) آخری اور سب سے کم درجے والا جنتی ۲۵۳
(46) قابلِ رشک جوانی ۲۵۹
(47) ظلم جب بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے ۲۶۲
(48) مستجاب الدعوات لوگ ۲۶۴
(49) عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ۲۷۵
(50) صوفیاء کرام کا حسنِ اخلاق ۲۷۶
(51) دنیا تو قید خانہ ہے ۲۷۹
(52) مفلس و کنگال گورنر ۲۸۱
(53) دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست ۲۸۶
(54) ایسی نماز اب کون پڑھے گا؟ ۲۸۷
(55) تصوف اور دل کی صفائی ۲۸۸
(56) آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی ۲۹۲
(57) جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے ۲۹۸
(58) ایک اللہ والے کی توبہ کا واقعہ ۲۹۹

عنوان — صفحہ

(59) ایک عادل بادشاہ اور شیطان ۳۰۱
(60) رہبانیت اور تصوف ۳۰۳
(61) اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہلِ سنت کا عقیدہ ۳۱۰
(62) مسلمان کی پردہ پوشی ۳۱۲
(63) کیا یہ بھکاری ہے ۳۱۵
(64) اطاعت میں ہی عظمت ہے ۳۱۷
(65) دل جوئی کا مقام ۳۱۸
(66) ایک دل خراش واقعہ ۳۲۲
(67) خفیہ طور پر دس ہزار درہم کا قرض ادا کر دیا ۳۲۴
(68) کپڑے کو آگ نہ جلا سکی ۳۲۶
(69) ہم جو چیز دے دیں پھر واپس نہیں لیتے ۳۲۷
(70) مومن کا دل عرشِ الٰہی ۳۲۸
(71) ایک مناظرے کا حال ۳۳۴
(72) ذہانت کا پیکر بچہ ۳۳۸
(73) عہدۂ قضا اور عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ۳۴۴
(74) شوہر کی نافرمانی کا نتیجہ ۳۴۷
(75) اولیاء اللہ کا استغناء ۳۴۹
(76) جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون؟ ۳۵۲
(77) بتوں کی بے بسی ۳۵۴
(78) جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے ۳۵۷
(79) غلام کی دعا سے نزولِ رحمت ۳۶۲
(80) میں بندۂ پُر عیب وہ محبوبِ الٰہی ۳۶۵
(81) لگتا ہے امیر المومنین کا وصال ہو گیا ہے ۳۷۰
(82) اللہ کی قسم! تو نے مال ضائع نہیں کیا ۳۷۱
(83) ایک محدث ایک ولی اور مراقبہ کی برکت ۳۷۵
(84) حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات ۳۷۷
(85) حقیقت عبادات اور خدمتِ خلق ۳۷۹
(86) دورِ حاضر کے علماء و طلباء کے لیے ۳۸۸
(87) مدینہ شریف میں کھلنے والا پہلا مدنی پھول ۳۹۲
(88) ناصحانہ جواب اور صدقہ کی برکت ۴۰۰
(89) دشمن سے نجات اور بسم اللہ کی برکت ۴۰۳
(90) عمل ایک نتیجہ میں فرق ۴۰۵
(91) نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے ۴۱۱
(92) اتنی سستی وزارت؟ ۴۱۳
(93) وعدہ وفائی کی عجیب مثال ۴۲۲
(94) مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی ۴۲۵
(95) کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر ۴۲۸
(96) جدوں لعل ملدا اے لیراں چوں ملدا ۴۳۵

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ
(97) مجھے معلوم نہیں	۴۳۷
(98) جنتی محل کی ضمانت	۴۴۰
(99) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمنا	۴۴۳
(100) جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ	۴۴۴
(101) برکاتِ استغفار	۴۵۰
(102) امتیازاتِ مصطفیٰ ﷺ	۴۵۳
(103) ایک لاکھ درہم میں جنت کا محل	۴۵۴
(104) اُمتِ محمدیہ پہ انعامات	۴۵۸
(105) اشاعتِ اسلام اور اولیاء کرام .	۴۶۰
(106) تیری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے؟	۴۷۰
(107) عزت والے لوگ	۴۷۲
(108) بچے بھی ولی اللہ ہو سکتے ہیں ...	۴۷۴
(109) اللہ کے بندے	۴۷۷
(110) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا فیض	۴۷۹
(111) صرف ایک لقمہ وبالِ جان بن گیا	۴۸۴
(112) عاجزی وانکساری اور صدقہ و خیرات	۴۸۶
(113) مرشدِ کامل کی نظر	۴۸۸
(114) مچھلی پہ رحم اور یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک	۴۸۹
(115) تبلیغ میں کشش	۴۹۲
(116) فراستِ عالمانہ کے واقعات ..	۴۹۵

عنوان	صفحہ
(17|) اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ .	۴۹۸
118- اچھی شاعری نے بخشوالیا	۵۰۰
(119) دلِ مضطر سے نکلی ہوئی دعا	۵۰۲
(120) وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی	۵۰۴
(121) سلیمان علیہ السلام کا درباری پرندہ ہدہد	۵۱۰
(122) مدینے کے جنوں نے بھی اسلام قبول کرلیا	۵۱۳
(123) ان خاک نشینوں کو ٹھوکر میں زمانہ ہے	۵۱۵
(124) عورت کا توکل علی اللہ اور مرد کی غفلت عن ذکر اللہ	۵۱۹
(125) کرامت حق ہے	۵۲۱
(126) عورت نمبر لے گئی	۵۲۹
(127) جنت کی کھجور	۵۳۱
(128) عدل وانصاف کا فیصلہ	۵۳۶
(129) اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت	۵۴۰
(130) کرامات اور صاحبانِ کرامات -	۵۴۲
(131) تنگ دستی کیسے ختم ہو؟	۵۴۷
(132) موت کی سختیاں	۵۴۹
(133) لقمہ حلق سے نیچے نہ اُترا	۵۵۱
(134) حسنِ نیت بسم اللہ کی برکت اور اللہ کی رحمت	۵۵۲

عنوان	صفحہ
(135) حضرت ابراہیم بن ادھم اور ایک شرابی گویا	۵۵۷
(136) ایک محدث اور ایک طفیلی کا قصہ	۵۵۸
(137) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کا ساتھی	۵۶۱
(138) مجاہدِ اسلام	۵۶۲
(139) شیطان کی دشمنی	۵۶۳
(40) شیخ نجیب الدین سہروردی اور قیدی لوگ	۵۶۵
(141) تقویٰ اور اس پر ملنے والا انعام	۵۶۷
(142) ایک حیادار نوجوان	۵۷۲
(143) ہر سختی میں پڑھی جانے والی دعا .	۵۷۶
(144) حضرت فضیل بن عیاض اور ایک مسافر	۵۷۸
(145) قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات	۵۸۰
(146) ایک وقت میں کاروبار دوسرے میں یادِ پروردگار	۵۸۳
(147) ایثار کی ایک یادگار مثال	۵۸۵
(148) سیدنا سلیمان علیہ السلام کی کرسی	۵۸۷
(149) مسلکِ محبت	۵۸۹
(150) درسِ حدیث کی مجلس میں لوگوں کا ہجوم	۵۹۰
(151) ایک چرواہے کی پرہیزگاری ...	۵۹۳

عنوان	صفحہ
(152) ایک لقمے سے چالیس سال ریورس	۵۹۵
(153) ماں باپ کی خدمت کا صلہ	۵۹۶
(154) حضرت بایزید بسطامی اور ایک بربط بردار	۵۹۸
(155) خوفناک آگ اور ساتھ زلزلہ	۵۹۹
(156) یا اللہ! خاتمہ بالخیر ہو	۶۰۲
(157) اپنے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہ کرنے کی سزا	۶۰۴
(158) عظمت وشان حضرت سلیمان علیہ السلام	۶۰۶
(159) حضرت ابو عثمان حیری اور ایک شرابی	۶۰۸
(160) صاحبانِ عہدۂ قضاء	۶۰۹
(161) وہ بدبخت جس کو زمین نے بھی قبول نہ کیا	۶۱۱
(162) درجوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری	۶۱۳
(163) عیب کو دیکھنا بھی عیب ہے	۶۱۶
(164) حضرت جنید اور دعوت کنندہ اور چند گویے	۶۱۷
(165) کنویں کے اندر سے خطبہ	۶۱۹
(166) بدبخت ایمان فروش کو پورا قرآن بھول گیا	۶۲۱

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
(167) سخت گرمی اور نفلی روزہ.........	۶۲۳	(186) شیخ احمد نہروانی اور ایک چور...	۶۷۴
(168) نوشیرواں کا عدل وانصاف	۶۲۵	(187) گر کر قدموں پہ قرباں ہوگیا...	۶۷۵
(169) حضرت مسلم بن زیاد اور ایک دعوتِ ولیمہ..................	۶۲۷	(188) صبر کا پھل میٹھا..............	۶۷۷
(170) حصولِ علم کے لیے مشکلات کا سامنا......................	۶۲۸	(189) حضرت ابوعثمان حیری اور ایک دعوت	۶۷۹
(171) سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ.	۶۳۰	(190) شہید کی زندگی.............	۶۸۰
(172) نصیحت سے بھرپور کلام	۶۳۱	(191) سفید بالوں کا عنداللہ اعزاز ...	۶۸۲
(173) عیسیٰ علیہ السلام اور ایک ہرنی	۶۳۳	(192) جنت کے سردار	۶۸۴
(174) حضرت عزرائیل علیہ السلام کی تحریر.........................	۶۳۴	(193) ستائیس سال مسلسل جہاد کرنے والا	۶۸۶
(175) حضرت ابوسعید ابوالخیر اور شرابیوں کی توبہ	۶۳۶	(194) دیکھیے کس شان سے اُمت امام آتا ہے...............	۶۸۹
(174) نماز سب سے بڑی سفارش ہے	۶۳۷	(195) علی رضی اللہ عنہ کا گھر بھی کیا گھر ہے...	۶۹۲
(177) قبولیتِ دعا کے اوقات	۶۳۹	(196) والدین اور ان کی خدمت واحترام ودعا	۶۹۳
(178) مال ودولت کا بہترین استعمال	۶۵۰	(197) خواجہ نظام الدین اولیاء اور ادائیگی حقوق العباد	۶۹۸
(179) دربارِ رسالت مآب ﷺ میں تین طلبہ....................	۶۵۴	(198) میں نثار تیرے کلام پر......	۷۰۰
(180) مرحومین کو ثواب پہنچانا........	۶۵۷	(199) جنت کے تمام دروازوں سے بلاوا............................	۷۰۲
(181) دشمن کی دُور اندیشی...........	۶۵۸	(200) بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد ﷺ کے غلام اکثر................	۷۰۴
(182) حضرت احمد حضرویہ اور ایک چور	۶۶۰		
(183) ایک عارفہ کا عارفانہ کلام	۶۶۱		
(184) قوتِ حافظہ کے واقعات	۶۶۳		
(185) پڑھ کر کلمہ مسلماں ہوگیا........	۶۷۰		

حرفِ آغاز

اس حقیقت سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا کہ انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بزرگانِ دین علیہم الغفران و رحمتہ الرحمٰن کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ ایک مسلمان کے لیے نہ صرف مفید بلکہ ناگزیر بھی ہے لیکن جب ان کو حکایات وواقعات وقصص کی صورت میں پیش کیا جائے تو پڑھنے والے کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ادب میں افسانہ نگاری کی صنف اسی بناء پر عوامی دلچسپی کا باعث بنتی ہے کہ اس میں انسان کے بنیادی فطری تقاضے (تجسس) کی تسکین کا مواد بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے' سب سے بڑا اور ناقابلِ تردید ثبوت اس بات کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے پاک کلام (قرآن مجید) میں قصص کو شامل فرمایا ہے اور ان میں عبرت وسبق ہونا بیان کیا ہے تو ان کو پڑھ کر ہدایت و نصیحت کا ملنا یقینی ٹھہرا لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ حکایات وواقعات کسی معتبر اور مستند عالمِ دین کے تصنیف کردہ ہوں ورنہ الف لیلیٰ اور اس طرح کے دیگر قصے انسان کے کردار کو سنوارنے کی بجائے مزید مسخ کر دیتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب (باکمال واقعات) میں بھی ہم نے حسب معمول اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر واقعہ باحوالہ ہو اور مستند عالمِ دین کا تصنیف کردہ ہو اس سے پہلے اس سلسلہ کی تین کڑیاں (بابرکت واقعات' بے مثال واقعات اور لاجواب واقعات) آپ نے ملاحظہ فرمائے ان میں بھی ہمارا یہی معیار رہا ہے اور ان شاء اللہ عزوجل اس کے بعد بھی ہم اپنے معیار کو قائم رکھیں گے۔ خداوند تعالیٰ ہمیں ان حسین نقوش سے ہدایت کا نور حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ میرے تمام کرم فرماؤں کو خیر و برکت سے نوازے۔ آمین ثم آمین بحرمۃ سیّدالانبیاء والمرسلین۔

Scanned with CamScanner

خطبۃ الکتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْہِ لِسَبِیْلِ مَرْضَاتِہٖ وَوَجَّہَ لَہُ الْقَبُوْلَ وَاَسْبَغَ عَلَیْہِ جَمِیْلَ ھِبَاتِہٖ وَوَقَاہُ مَکَائِدَ الشَّیْطٰنِ وَمَکَارِہَ اٰفَاتِہٖ کَذٰلِکَ یَھْدِی اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ لِسُلُوْکِ سَبِیْلِ الرِّضْوَانِ وَیُحْکِمُ اٰیَاتِہٖ اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ عَلٰی نِعَمٍ تَتَجَدَّدُ بِالْغُدُوِّ وَالرَّوَاحِ وَاشْکُرُوْہُ عَلٰی مَا صَرَفَ مِنَ الْمَکْرُوْہِ وَاَزَاحَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کَثِیْرُ الْخَیْرِ دَآئِمُ الْاِحْسَانِ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سَیِّدُ وُلْدِ عَدْنَانَ صَاحِبُ الْاٰیَاتِ الْمُعْجِزَاتِ وَالْبُرْھَانِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ حَمَلَۃِ الْعِلْمِ وَالْقُرْاٰنِ ۔ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

(۱)

محمد ﷺ کی نسبت بڑی چیز ہے

خداوندِ قدوس کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اور غازیوں کا مرتبہ کتنا بلند و بالا اور کس قدر عظمت والا ہے اس کے بارے میں تو سینکڑوں آیتوں میں خداوند قدوس نے ان مردانِ حق کی مدح وثنا کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے مگر سورۂ والعادیات میں رب العزت جل جلالہ نے مجاہدین اور غازیوں کے گھوڑوں بلکہ ان گھوڑوں کی رفتار اور ان کی اداؤں کی قسم یاد فرما کر ان کی عزت وعظمت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ○ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ○ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ○ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا○ فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ○

(والعادیات)

”قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے پھر ان (گھوڑوں) کی جو پتھروں سے آگ نکال دیتے ہیں کھر مار کر پھر وہ صبح کو حملہ کرتے ہیں پھر اس وقت وہ غبار اُڑاتے ہیں پھر وہ دشمن کے بیچ لشکر میں چلے جاتے ہیں۔ بے شک آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے“۔

ان گھوڑوں سے مراد مفسرین کا اجماع ہے کہ مجاہدین اور غازیوں کے گھوڑے ہیں جو خداوند قدوس کے دربار میں اس قدر محبوب ومحترم ہیں کہ قرآن مجید میں حضرت حق جل مجدہٗ نے ان گھوڑوں بلکہ ان کی اداؤں کی قسم یاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: مجھے ان گھوڑوں کی قسم ہے جو جہاد میں دوڑتے ہوئے ہانپتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو پتھروں پر اپنے نعل والے کھر مار کر رات کی تاریکی میں چنگاری نکال دیتے ہیں اور مجھے ان گھوڑوں

Scanned with CamScanner

کی قسم ہے جو صبح سویرے کفار پر حملہ کر دیتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو میدانِ جنگ میں دوڑ کر غبار اُڑاتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو کفار کے بیچ لشکر میں گھس جاتے ہیں اتنی قسموں کے بعد رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے''۔

اللہ اکبر! خداوندِ قدوس جن چیزوں کی قسم یاد فرمائے ان چیزوں کی عظمت وشان کا کیا کہنا؟ قرآن مجید میں جن جن چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ مجھے ان کی قسم ہے۔ ان تمام چیزوں کا مرتبہ اتنا بلند وبالا اور اس قدر عظمت والا ہو گیا کہ وہ تمام چیزیں ہم مسلمانوں کے لیے بلکہ ساری کائنات کے لیے معزز ومحترم ہو گئیں تو پھر مجاہدین کے گھوڑوں کی عزت وعظمت اور ان کے تقدس واحترام کا کیا عالم ہوگا؟ اللہ اکبر اللہ اکبر!

اس سے ہدایت کا یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی ہر ہر چیز سے محبت فرماتا ہے اور خدا کے محبوبوں کی ہر ہر چیز قابلِ عزت ولائقِ احترام ہے۔ مجاہدینِ اسلام اور غازیانِ کرام چونکہ خداوندِ قدوس کے محبوب اور پیارے بندے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کے گھوڑوں سے بھی اس قدر پیار ومحبت فرماتا ہے کہ ان گھوڑوں بلکہ ان گھوڑوں کی رفتار اور میدانِ جنگ میں ان گھوڑوں کے حملوں کی قسم یاد فرما کر ان گھوڑوں کی عزت و عظمت کا اعلان فرما رہا ہے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

جب مجاہدینِ کرام کے گھوڑوں کے بلند درجات کا خطبہ قرآنِ عظیم نے پڑھا تو اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کے آلاتِ جنگ اور ان کے ہتھیاروں ان کی کمانوں ان کی تلواروں کا بھی مرتبہ بہت بلند ہے اسی لیے بعض خانقاہوں میں بعض غازیوں کی تلواروں کو بزرگوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ تبرک بنا کر برسہا برس سے محفوظ رکھا ہے جو بلاشبہ باعثِ برکت ولائقِ عزت واحترام ہیں پھر کیوں نہ کہا جائے:

محمد ﷺ کی نسبت بڑی چیز ہے
خدا دے یہ نعمت بڑی چیز ہے

(2)

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا

آج کا دور فتنوں کا دور ہے، ہر طرف بدعات وخرافات ہیں اور دین میں دانستہ ونادانستہ بعض ایسی اشیاء داخل کر دی گئی ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، انہیں بدعات کہا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں بدعت کا مطلب دین میں حصولِ ثواب کے لیے کسی ایسی چیز کا اضافہ کرنا ہے جس کی بنیاد یا اصل شریعت میں موجود نہ ہو۔ جامع ومانع اور وسیع مفہوم میں بدعت کا مطلب یہ ہے کہ عادی امور سے ہٹ کر کثرتِ ثواب کی غرض سے شریعت کی شکل میں کوئی چیز ایجاد کرنا جس کا وجود نہ قرآن وسنت میں ہو، نہ خلفائے راشدین کی سنت میں پایا جائے۔ (الاعتصام للشاطبی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ، فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَّکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ۔ ''دین میں نئی چیزیں ایجاد کرنے سے بچو اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (جو جہنم میں لے جاتی ہے)''

(صحیح، ابوداؤد: ۴۶۰۷، ترمذی: ۲۶۷۶، ابن ماجہ: ۴۲، ابن حبان: ۵)

دین کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز بدعات ہیں چونکہ بدعات نیکی سمجھ کر کی جاتی ہیں اس لیے بدعتی انہیں ترک کرنے کا تصور تک نہیں کرتا جب کہ دوسرے گناہوں کے معاملہ میں گناہ کا احساس موجود رہتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَبَی اللّٰہُ اَنْ یَّقْبَلَ

Scanned with CamScanner

عَمَلَ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتّٰی یَدَعَ بِدْعَتَهٗ ۔ ''اللہ تعالیٰ بدعتی کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ بدعت نہ چھوڑ دے''۔ (ابن ماجہ)

گویا بدعتی کی ساری محنت اور مشقت کی مثال اس مزدور کی سی ہے جو دن بھر محنت اور مزدوری کرتا رہے لیکن اسے کوئی مزدوری یا اُجرت نہ ملے سوائے تھکاوٹ اور بربادی کے''۔

ہر وہ عمل بدعت ہے جو ثواب اور نیکی سمجھ کر کیا جائے لیکن شریعت میں اس کی کوئی بنیاد یا ثبوت نہ ہو یعنی نہ تو رسولِ پاک ﷺ نے خود کیا ہو نہ کسی کو اس کا حکم دیا ہو اور نہ کسی کو اس کی اجازت دی ہو۔ ایسا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود (ناقابلِ قبول) ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ۔ ''جو کوئی ہمارے دین میں کوئی ایسی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں، وہ مردود ہے''۔ (بخاری: ۲۶۷۷، مسلم: ۱۷۱۸)

بدعتی اللہ تعالیٰ کی نظر میں اتنا مبغوض ہے کہ اسے حوضِ کوثر پر پہنچنے کے بعد وہاں پانی پینے سے روک دیا جائے گا اور رسولِ اکرم ﷺ وہاں سے ان بدعتیوں کو بھگا دیں گے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:
إِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنِيْ، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ، فَأَقُوْلُ: إِنَّهُمْ مِنِّيْ، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ، فَأَقُوْلُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ ۔
''میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیشرو ہوں گا جو وہاں آئے گا، پانی پیئے گا اور جس نے ایک بار پانی پی لیا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ بعض ایسے لوگ بھی وہاں

آئیں گے جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے (کہ میں ان کا رسول ہوں) پھر انہیں مجھ تک آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: یہ تو میرے اُمتی ہیں لیکن مجھے بتایا جائے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد ان لوگوں نے کیسی بدعات رائج کیں پھر میں کہوں گا دُوری ہو دُوری ہو ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد میرا دین بدل ڈالا''۔

(بخاری ۶۵۸۳_۶۵۸۴، مسلم: ۲۲۹۰_۲۲۹)

(3)

آئے گا مصطفیٰ ﷺ کا نظام آئے گا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو راستے میں لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا تمہیں کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟ اس نے کہا جزیئے' بڑھاپے اور حاجت نے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کس قوم سے ہو؟ اس نے کہا یہودی ہوں۔ آپ اسے عزت کے ساتھ اپنے گھر لے گئے' مال عطا کیا اور اس کا جزیہ معاف کر دیا اور اپنے عامل کو لکھا:

"اسے اور اس جیسے ضعیف افراد کو دیکھو' یہ انصاف نہیں ہے کہ اس کی جوانی کی کمائی حاصل کرو اور بڑھاپے میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ دو"۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے لیے کافی وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا یعنی زکوٰۃ سے نہیں بلکہ صدقات وغیرہ سے۔

اسلام نے غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ کمال رواداری کا سلوک کیا اس کا عظیم نمونہ یہ تھا کہ غیر مسلم ذمیوں نے اسلام کے قواعد' مقاصد اور انسانیت نواز انداز دیکھے۔ وہ اپنے بادشاہوں اور حکام کے معاملات سے تنگ تھے' انہوں نے اسلام کا وہ ہمدردانہ رویہ دیکھا جو انہیں اپنے حکمرانوں سے دیکھنے کو نہیں ملا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جبر اور خوف کے بغیر خوشی خوشی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ ٹیکسوں میں انہیں بہت چھوٹ اور رعایت دی جا رہی ہے اس طرح اسلام نے انسانیت کے لیے رحمت و شفقت کے دروازے کھول دیئے خصوصاً کمزوروں' فقیروں' بوڑھوں' عورتوں' بچوں اور معذوروں کو مراعات سے نوازا۔ انہوں نے رومیوں' فارسیوں اور دوسری قوموں کی نسبت اسلام کے

زیر سایہ دنیاوی زندگی آسان پائی۔ چنانچہ مختلف قومیں برضا و رغبت اسلام میں داخل ہو گئیں۔ اسلام کے بلند اخلاق کی ایک قابلِ ذکر مثال یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق میں حیرہ کے باشندوں سے یہ معاہدہ کیا:

☆......جب کوئی شخص کمائی کے قابل نہ رہے۔

☆......وہ کسی آفت کا شکار ہو جائے۔

☆......مالدار فقیر ہو جائے

☆......وہ ایسا بھکاری بن جائے کہ اس کے دین والے اسے صدقہ دینے لگیں۔

اسے جزیہ معاف ہے اور نہ صرف اسے بلکہ اس کے کنبے کو بھی مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مالی طور پر مستحکم ہو جائے۔

اس سے بھی بڑی مثال یہ ہے کہ جب شاہ روم ہرقل نے اسلامی لشکروں کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کیا اس وقت عساکر اسلام کے مرکز مختلف جگہوں پر تھے' مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنی تمام قوتیں اس معرکے پر مرکوز کر دیں۔ یہ صورتِ حال اسلامی لشکروں کے کمانڈر ان چیف حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے شام کے فتح کیے ہوئے شہروں کے گورنروں کو لکھا کہ ان شہروں کے باشندوں سے جو جزیہ تم نے وصول کیا ہے' انہیں واپس کر دو اور ان شہروں کے باشندوں کو لکھا:

"ہم نے تمہارے مال تمہیں واپس کر دیئے ہیں کیونکہ ہمیں اطلاع مل چکی ہے کہ ہمارے مقابل بہت سارے لشکر جمع کیے گئے ہیں' تمہارے ساتھ ہماری شرط یہ تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے لیکن اس وقت ہم تمہاری حفاظت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں' ہم اپنی اسی شرط پر قائم ہیں"۔

چنانچہ حکومت کے خزانے سے بہت سارے اموال ان شہروں کے باشندوں کو واپس کر دیئے گئے۔

ان شہروں کے غیر مسلم باشندے مسلمانوں کے کمانڈروں کے لیے نصرت و برکت کی دعائیں مانگتے تھے اور کہتے تھے:

Scanned with CamScanner

"اللہ تعالیٰ آپ کو جلد ہمارے پاس واپس لائے اور آپ کو روم اور اس کے حکمرانوں پر فتح عطا فرمائے"۔

جب رومیوں نے مسلمانوں کو شام اور فلسطین سے نکال دیا تو وہاں عیسائی باشندوں نے رومیوں کے اقتدار پر مسلمانوں کے اقتدار کو ترجیح دی اور جب اسلامی لشکر وادیٔ اردن پہنچا اور وہاں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کی صف بندی کی تو ان شہروں کے عیسائیوں نے آپ کو لکھا:

"مسلمانو! رومی اگرچہ ہمارے دین پر ہیں لیکن تم ہمیں ان سے زیادہ محبوب ہو' تم ہمارے حقوق بہتر ادا کرتے ہو' تم ہم پر زیادہ مہربان ہو' ہم پر ظلم کرنے سے گریز کرتے ہو اس لیے تمہاری حکومت بہتر ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ رومی ہمارے اقتدار اور ہمارے گھروں پر مسلط ہو چکے ہیں"۔

(کتاب الخراج' امام ابو یوسف۔ فتوح البلدان' بلاذری' احکام سلطانیہ' ماوردی' بتصرف)

یہ ہے اسلام کی فراخ دلی ذمیوں اور دوسرے لوگوں کے لیے جب کہ ہمیں بیسویں صدی میں تہذیب اور کمزوروں کی امداد کے لمبے چوڑے دعوے کرنے والی مہذب قوموں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام تھوڑی سی مدت میں کرۂ ارض پر چھا گیا اور اس کے انوار لوگوں کے دلوں میں جگمگا اُٹھے اور لوگ خوش دلی سے حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

اکیسویں صدی عیسوی کا آغاز مسلمانوں کے لہو سے خوں رنگ ہے' ظلم کی طاغوتی قوتوں کے منہ کو بے شک مسلمانوں کا خوف لگ چکا ہے لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ظلم سے دنیا بھر کے دلوں کو نفرت کی آماجگاہ تو بنایا جا سکتا ہے' انہیں محبت سے معمور نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اللہ واحد قہار کا قانونِ قدرت ہے کہ جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔

(سدابہار خوشبوئیں)

(4)

قبولِ اسلام کی حسین داستانیں اور رحمتِ خداوندی

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اللہ کے محبوب ﷺ نے وحشی کی طرف ایک قاصد بھیجا جو اس کو اسلام کی دعوت دے جب وحشی کو پیغام ملا تو اس نے عرض کی:

"اے محمد ﷺ! آپ کیسے مجھے دعوتِ اسلام دے رہے ہیں؟ حالانکہ آپ تو فرماتے ہیں کہ "جس نے کسی جان کو قتل کیا یا شریک ٹھہرایا یا زنا کیا قیامت کے دن اس کے لیے عذاب دُگنا کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا"۔ میں نے تو یہ سب کام کیے ہیں' کیا میرے لیے کوئی رخصت ہے؟" اللہ تعالیٰ عزوجل نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا (پ۱۹' الفرقان:۷۰)

"مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے"۔

حضور ﷺ نے بذریعۂ قاصد یہ آیتِ مبارکہ وحشی اور اس کے دوستوں کی طرف بھیجی تو اس نے عرض کی:

"یہ شرط تو بہت سخت ہے' ممکن ہے میں اس پر عمل نہ کر سکوں' کیا اس کے علاوہ (کوئی رخصت) ہے؟"

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

(پ۵' النساء:۴۸)

"بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے"۔

حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

"معنیٰ یہ ہیں کہ جو کفر پر مرے اس کی بخشش نہیں اس کے لیے ہمیشگی کا عذاب ہے اور جس نے کفر نہ کیا ہو وہ خواہ کتنا ہی گناہ گار، مرتکب کبائر ہو اور بے توبہ بھی مر جائے تو اس کے لیے خلود نہیں اس کی مغفرت اللہ کی مشیت میں ہے، چاہے معاف فرمائے یا اس کے گناہوں پر عذاب کرے پھر اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے اس آیت میں یہود کو ایمان کی ترغیب ہے اور اس پر بھی دلالت ہے کہ یہود پر عرفِ شرع میں مشرک کا اطلاق درست ہے"۔

بہر حال یہ آیتِ مبارکہ جب وحشی کی جانب بھیجی گئی تو اس نے پھر کہا:

"ابھی یہ شبہ باقی ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ میری مغفرت بھی ہوگی یا نہیں؟ کیا اس کے علاوہ (کوئی رخصت) ہے؟"

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

یہ آیت وحشی اور اس کے دوستوں کی طرف بھیجی گئی تو وحشی نے کہا:

"ہاں! یہ (ہماری بخشش کی گارنٹی) ہے"۔

چنانچہ وہ اور اس کے دوست حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی:

"یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ حکم خاص ان لوگوں کے لیے ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے؟"

ارشاد فرمایا:

"یہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے"۔ (المعجم الکبیر، الحدیث ۱۱۴۸۰، ج ۱۱، ص ۱۵۷)

گناہ گار مومن کے لئے خلود فی النار نہیں

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے مومن کو جہنم کا عذاب دینے اور ہمیشہ اس میں ٹھہرانے کا ارادہ فرمایا ہوتا تو اپنی معرفت و توحید کبھی اس کے دل میں نہ ڈالتا کیونکہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ (اللیل: ۱۵-۱۶)

"نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا"۔

حضرت سیّدنا قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے زمانۂ جاہلیت میں بہت گناہ کیے تھے جب اسلام آیا تو ان کو یہ خوف تھا کہ ان کی توبہ قبول نہ ہوگی"۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں ان کو مخاطب فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(پ ۲۴، الزمر: ۵۳)

"تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا ہے"۔ (تفسیر طبری، سورۃ الزمر، تحت الآیۃ ۵۳، الحدیث ۳۰۱۷۸، ج ۱۱، ص ۱۵)

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، شہنشاہِ مدینہ ﷺ کا فرمان ہے:

"اگر تم اتنی خطائیں کرو کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری توبہ قبول فرمائے گا"۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب التوبۃ، الحدیث ۴۲۴۸، ج ۴، ص ۴۷۵)

حضور پاک ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اے میرے بندو! تم رات دن گناہوں میں بسر کرتے ہو اور میں گناہوں کو

بخشتا رہتا ہوں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ پس تم مجھ سے بخشش طلب کرتے رہو میں تمہیں بخشتا رہوں گا''۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، الحدیث ۲۵۷۷، ص ۱۱۲۹)

حضرت سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا دستِ قدرت پھیلا دیتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمائے اور دن میں اپنا دستِ قدرت پھیلا دیتا ہے تاکہ رات کے وقت گناہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمائے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو''۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب......الخ، الحدیث ۲۷۵۹، ص ۱۱۵۴)

حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں نے حضور نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اے ابنِ آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے مغفرت کا سوال کرے تو میں تیری مغفرت فرما دوں گا اور اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر خطائیں لے کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میں اس کے مطابق تیری بخشش فرما دوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو''۔

(جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب الحدیث القدسی......الخ، الحدیث ۳۵۴۰، ص ۲۰۱۶)

اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

حضرت سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور ﷺ کا فرمان ہے:

''میری اُمت رحم کی ہوئی اُمت ہے، اس کا عذاب دنیا میں ہی زلزلوں اور فتنوں کے ذریعے ہو جائے گا جب قیامت کا دن ہو گا تو میرے ہر اُمتی کو ایک کتابی (یعنی عیسائی یا یہودی) دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ تیری طرف سے جہنم میں جائے گا''۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، باب ما یرجی فی القتل، الحدیث ۴۲۷۸، ص ۱۵۳۴۔ المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابن موسیٰ الاشعری، الحدیث ۱۹۶۷۸، ج ۱۵۶، بتغیر)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے خوش ہو کر تجلّی فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا:

''خوش ہو جاؤ، اے مسلمانوں کے گروہ! تم میں سے ہر ایک کی جگہ جہنم میں یہودی یا نصرانی کو ڈالا جائے گا''۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت وما بعدہ، الشطر الثانی سعۃ رحمۃ اللہ علی سبیل التفاؤل بذلک، ج ۵، ص ۳۱۲)

وسعتِ رحمتِ خداوندی

حضرت سیّدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل امید کے ایک کاغذ پر ایک معاہدہ لکھا پھر اس کو عرش پر رکھا اور ندا دی:

''اے اُمتِ محمدیہ! بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی، میں تمہارے سوال کرنے سے پہلے ہی تمہیں عطا کر دوں گا اور مغفرت کا سوال کرنے سے قبل ہی تمہیں بخش دوں گا، تم میں جو مجھ سے ملے اور یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) میرے بندے اور رسول ہیں تو میں اسے جنت میں داخل کر دوں گا''۔

(فردوس الاخبار للدیلمی، باب الواو، فصل فی تفسیر القرآن، الحدیث ۷۰۴۲، ج ۲، ص ۴۰۳)

حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''جب قیامت کا دن ہو گا تو عرش کے نیچے سے ایک منادی ندا کرے گا:

''اے اُمتِ محمدیہ! میرا جو حق تیرے ذمہ تھا وہ میں نے معاف کر دیا اب ایک دوسرے کو معاف کر کے میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ''۔

Scanned with CamScanner

(احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموت ومابعدہ، الشطر الثانی، سعۃ رحمۃ اللہ......الخ، ج۵، ص۳۱۳)

حضرت سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں اس نے ایک رحمت اہلِ دنیا کی طرف اُتاری تو وہ انہیں ان کی موت تک کافی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس رحمت کو قیامت تک روکے رکھے گا پھر قیامت کے دن اسے ننانوے رحمتوں میں ملا کر اپنے اولیائے کرام علیہم الرحمۃ اور اطاعت گزاروں کے لیے سو رحمتیں مکمل فرمادے گا''۔ (المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، الحدیث ۱۰۶۷۵، ج۳، ص۵۹۴، بتغیر)

امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو روتا ہوا دیکھ کر عرض گزار ہوئے:

''یارسول اللہ! عزوجل و ﷺ آپ کیوں رو رہے ہیں؟''

تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے کہا:

''اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو عذاب دے جو اسلام میں بوڑھا ہوا پھر اسلام میں بوڑھے ہونے والے کو حیاء کیوں نہیں آتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے''۔

(کشف الخفاء حرف الھمزۃ مع النون، الحدیث ۷۴۱، ج۱، ص۲۱۷، مختصراً)

حضرت سیّدنا احمد بن سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت سیّدنا یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر پوچھا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟''

تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے بلا کر ارشاد فرمایا: ''اے بوڑھے!''

میں نے عرض کی:

''یا اللہ! ہمیں حضرتِ سیّدنا عبدالرزاق نے حضرت سیّدنا معمر کے حوالے سے، انہوں نے حضرتِ سیّدنا زُہری کے حوالے سے، انہوں نے حضرت سیّدنا عروہ کے حوالے سے اور انہوں نے اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بات بتائی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا:

''حضرتِ جبرائیلِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''مجھے حیا آتی ہے کہ میں کسی سفید بالوں والے کو عذاب دوں جو اسلام میں بوڑھا ہوا ہو''۔ اور میں تو بہت عمر رسیدہ ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''عبدالرزاق نے سچ کہا، معمر نے سچ کہا، زُہری نے صحیح کہا، عروہ بھی سچا ہے، عائشہ نے بھی ٹھیک کہا، میرے نبی کریم ﷺ نے بھی سچ فرمایا، جبرائیل علیہ السلام نے بھی سچ بتایا اور میں نے بھی سچ فرمایا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دائیں طرف جنت میں جانے کا حکم فرمایا''۔

(تاریخ بغداد، الرقم ۷۴۸۹ یحییٰ بن اکثم، ج۱۴، ص۲۰۶، بدون عائشۃ رضی اللہ عنہا۔ کشف الخفاء، حرف الھمزۃ مع النون، تحت الحدیث ۷۴۱، ج۱، ص۲۱۷)

اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں

حضرت سیّدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سو رحمتیں پیدا فرمائیں۔ ہر رحمت زمین و آسمان کے درمیان تہہ در تہہ رکھ دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک رحمت زمین پر نازل ہوئی اسی سے والدہ اپنی اولاد پر، وحشی درندے اور پرندے ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں یہاں تک کہ گھوڑا اپنا پاؤں اپنے بچے سے دُور کر لیتا ہے کہ کہیں اسے چوٹ نہ لگ جائے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس رحمت کو دوسری ننانوے رحمتوں میں ملا کر سو مکمل فرمادے گا اور بروزِ قیامت اس سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا''۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ......الخ، الحدیث ۲۷۵۲/۵۳، ص۱۱۵۵)

میرے پیارے اسلامی بھائیو! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی رحیم و کریم نہیں اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرو۔

Scanned with CamScanner

جس حدیثِ پاک میں قیامت اور پل صراط کا بیان ہے اس کے آخر میں اللہ کے پیارے حبیب ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرمائے گا:

''جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی نیکی پاؤ اسے جہنم سے نکال دو''۔

فرشتے بہت سے لوگوں کو نکال کر عرض کریں گے:

''اے ہمارے رب! جن کے متعلق تو نے حکم دیا اب ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا''۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط (پ۹، الاعراف ۱۵۶)

''میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''۔

حضرت سیّدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر تم اس حدیثِ پاک کے متعلق میری تصدیق نہیں کرتے تو چاہو تو قرآنِ کریم کی یہ آیتِ مبارکہ پڑھ لو''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا (پ۵، النساء:۴۰)

''اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے''۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''فرشتوں نے شفاعت کر لی، انبیاء نے شفاعت کر لی اب صرف ارحم الراحمین کی ذات باقی ہے''۔

پس وہ (اپنی شان کے مطابق) جہنم سے ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو نکالے گا جن کا توحید پر ایمان کے علاوہ کوئی نیک عمل نہ ہوگا، ان کا جسم کوئلہ بن چکا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے دروازے پر آبِ حیات کی نہر میں ڈالے گا تو وہ ایسے نکلیں گے جیسے سیلاب کے کیچڑ سے دانہ اُگتا ہے، وہ موتیوں کی صورت میں نکالے جائیں گے، ان کی گردنوں میں سونے کے پٹے (یا ہار) ہوں گے۔ اہلِ جنت ان کو پہچان کر کہیں گے:

''یہ اللہ کے آزاد کردہ بندے ہیں جن کو وہ بغیر کسی عمل اور نیکی کے جنت میں داخل کرے گا''۔ ان سے کہا جائے گا:

''جنت میں داخل ہو جاؤ جو کچھ تم دیکھو گے وہ تمہارے لیے ہے''۔

وہ عرض کریں گے:

''اے ہمارے رب! تو نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا جو مخلوق میں سے کسی کو نہ دیا''۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

''تمہارے لیے میرے پاس اس سے بھی افضل چیز ہے''۔

وہ عرض کریں گے: ''اس سے افضل شے کون سی ہے؟''

تو ارشاد ہوگا: ''میں تم سے راضی ہو گیا ہوں اب کبھی ناراض نہ ہوں گا''۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ، الحدیث ۱۸۳، ص ۱۱۷)

حضرت آدم ایک کروڑ دس لاکھ کی شفاعت فرمائیں گے

مروی ہے، اللہ تعالیٰ اولادِ آدم میں سے ایک کروڑ دس لاکھ کے حق میں حضرتِ سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت قبول فرمائے گا''۔

(المعجم الاوسط، الحدیث ۶۸۴۰، ج ۵، ص ۱۳۸ ''الف الف'' بدلہ ''مائۃ الف الف'')

حضرت سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے:

''میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے ہے''۔

حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کیا انہیں شفاعت کی کیا حاجت؟ یعنی وہ شفاعت کے محتاج نہیں''۔

(جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب منہ حدیث شفاعتی لاھل الکبائر من امتی، الحدیث ۲۴۳۶، ص ۱۸۹۷)

ایک روایت میں ہے، ایک اعرابی نے عرض کی:

''یا رسول اللہ ﷺ! مخلوق کا حساب کون لے گا؟''

ارشاد فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ''

اس نے عرض کی: ''کیا وہ خود لے گا؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہاں'' تو وہ اعرابی مسکرا دیا۔ آپ ﷺ نے اس سے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو اس نے عرض کی:

''کریم جب کسی پر قدرت پاتا ہے تو معاف کر دیتا ہے، جب حساب لیتا ہے تو درگزر فرماتا ہے''۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اعرابی نے سچ کہا، جان لو! اللہ تعالیٰ سے بڑا کریم کوئی نہیں، وہ سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے''۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی حشر الناس بعد ما...الخ، الحدیث ۲۶۲، ج ۱، ص ۲۳۶)

پھر اس اعرابی نے عربی میں چند اشعار کہے جن کا مفہوم کچھ یوں ہے:

۱) کریم کا حق جب کسی شخص کے نزدیک متعین ہو جائے تو وہ اپنی عزت کی وجہ سے اسے معاف فرما دیتا ہے۔

۲) وہ نافرمان سے درگزر کر کے اس کے گناہ بخش دیتا ہے حالانکہ اس کا گناہ گار اور مجرم ہونا ثابت ہے۔ مشہور حدیثِ پاک ہے:

''اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے قبل یہ طے کر لیا تھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوگی''۔

(احیاء علوم الدین، کتاب الخوف والرجاء، بیان دواء الرجاء...الخ، ج ۴، ص ۱۸۲)

روایت میں ہے:

''جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں لکھا ہوگا میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی اور میں ارحم الراحمین (یعنی سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا) ہوں پھر وہ اہلِ جنت کے برابر (جہنمیوں کو) دوزخ سے نکال دے گا''۔

(احیاء علوم الدین، کتاب الذکر والموت و ما بعدہ، سعۃ رحمۃ اللہ علی سبیل التفاؤل بذلک، ج ۵، ص ۳۱۲)

ایک دیہاتی کا حسین خیال

مروی ہے: ''ایک اعرابی نے حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیتِ مبارکہ:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ

(پ ۴، ال عمران: ۱۰۳)

''اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا''۔

کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو عرض کی:

''اللہ کی قسم! اگر رحمٰن و رحیم عزوجل انہیں جہنم میں گرانے کا ارادہ فرما لیتا تو پھر انہیں اس میں گرنے سے نہ بچاتا''۔

حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

''اعرابی کی اس بات کو پلے باندھ لو حالانکہ یہ فقیہہ نہیں''۔

(احیاء علوم الدین، کتاب الذکر والموت و ما بعدہ، سعۃ رحمۃ اللہ علی سبیل التفاؤل بذلک، ج ۵، ص ۳۱۲)

منقول ہے:

''قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی پردہ پوشی چاہے گا اور اسے سب کے سامنے رسوا نہ کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو اس کا گناہوں بھرا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں عطا فرمائے گا۔ وہ بندہ اس کی وجہ سے خوف زدہ ہوگا جو اس کے نامۂ اعمال میں ہوگا کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ نامۂ اعمال میں جہاں گناہ لکھے ہوں گے وہاں وہ آواز آہستہ کر لے گا اور اپنے دل میں کہے گا:

''سبحان اللہ! میری تو ایک نیکی بھی نہیں''

جبکہ لوگ کہیں گے:

''سبحان اللہ! اس بندے کے نامۂ اعمال میں تو ایک گناہ بھی نہیں''۔

جب وہ آہستہ آواز میں پڑھ کر فارغ ہوگا تو اللہ فرمائے گا:

''اے میرے بندے! تیری نیکیوں کو میں نے اپنی مخلوق پر ظاہر کیا اور تیری

بُرائیوں کی دنیاوآخرت میں پردہ پوشی فرمائی۔اے میرے فرشتو!اس کو میرے عفووکرم سے جنت میں لے جاؤ''۔

حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں اپنی اُمت کے گناہوں کے متعلق دعا کی اور عرض کی:

''یااللہ! تو ان کا حساب میرے حوالے کر دے تا کہ ان کی بُرائیوں پر میرے علاوہ کوئی اور آگاہ نہ ہو''۔اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی:

''یہ تیری اُمت ہے' میں اس پر تجھ سے زیادہ رحم فرمانے والا ہوں' میں ان کا حساب کسی کے حوالے نہیں کروں گا تا کہ میرے علاوہ کوئی ان کی بُرائیاں نہ دیکھے''۔

(احیاءعلوم الدین' کتاب الخوف والرجاء' بیان دواء الرجاء......الخ' ج۴' ص۱۸۱)

سورۂ نساء کی چار آیات

حضرت سیّدنا معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشادفرمایا:

''سورۃ النساء کی یہ چار آیات اس اُمت کے لیے دنیا ومافیہا (یعنی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے) سے بہتر ہیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (پ۵' النساء:۴۸)

''بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے''۔

(۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔(پ۵' النساء:۶۴)

''اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو

بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

(۳) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ۝ (پ۵' النساء:۳۱)

''اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے''۔

(۴) وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (پ۵' النساء:۱۱۰)

''اور جو کوئی بُرائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا''۔

(شعب الایمان للبیہقی' باب فی معالجۃ کل ذنب بالتوبۃ' الحدیث ۷۱۴۱' ج۵' ص۴۲۵' المعجم الکبیر' الحدیث ۹۰۶۹' ج۹' ص۲۲۰)

حضرت سیّدنا ابوغالب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں ابوامامہ کے پاس شام کے وقت جایا کرتا تھا' ایک دن ان کے پڑوس میں ایک مریض کے پاس گیا تو وہ مریض کو جھڑک رہے تھے اور فرمارہے تھے:

''افسوس ہے تجھ پر! اے اپنی جان پر ظلم کرنے والے! کیا میں نے تجھے بھلائی کا حکم نہ دیا اور بُرائی سے نہ روکا تھا؟ تو وہ نوجوان بولا:

''اے میرے محترم! اگر اللہ تعالیٰ مجھے میری ماں کے سپرد کر دے اور میرا معاملہ اسی کے حوالے فرما دے تو میری ماں میرے ساتھ کیسا معاملہ فرمائے گی؟'' تو انہوں نے جواب دیا:

''وہ تجھے جنت میں داخل کر دے گی''۔تو اس نے عرض کی:

''اللہ تعالیٰ مجھ پر میری والدہ سے بھی زیادہ مہربان ہے''۔

پھر اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ چنانچہ جب اس کے چچا نے اس کے ساتھ قبر میں اُتر کر اسے دفن کیا اور قبر کو برابر کر دیا تو اس نے گھبرا کر چیخ

ماری۔ میں نے پوچھا: ''کیا ہوا؟''

تو کہنے لگا: ''اس کی قبر وسیع کر دی گئی اور نور سے بھر دی گئی ہے''۔

(شعب الایمان للبیہقی' باب فی معالجۃ کل ذنب بالتوبۃ' الحدیث ۷۱۱۵' ج ۵' ص ۴۱۷)

حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' حضور پاک ﷺ کی خدمت میں قیدیوں کو لایا گیا' ان میں ایک عورت بھاگ رہی تھی اس نے ایک قیدی بچے کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور اسے دودھ پلانے لگی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس عورت کو دیکھ کر بتاؤ کیا یہ اپنے بچے کو جہنم میں ڈال دے گی؟''

عرض کی گئی: ''نہیں! اللہ کی قسم! کبھی نہیں!''

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم وکرم کرتا ہے جتنی یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے''۔

(صحیح مسلم' کتاب التوبۃ' باب فی سعۃ رحمۃ اللہ......الخ' الحدیث ۲۷۵۴' ص ۱۱۵۵)

اے مسلمانو! جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے تو پھر بندہ اس کی اطاعت کی طرف آگے کیوں نہیں بڑھتا اور اس کی نافرمانی سے منہ کیوں نہیں موڑتا اور اپنے آگے ایسی چیز کیوں نہیں بھیجتا جس کا نفع اسی کی طرف لوٹے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (پ البقرۃ: ۱۱۰)

''اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے''۔

حضرت سیّدنا ابوبکر بن سلیم صواف فرماتے ہیں' ہم حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے پاس اس شام حاضر ہوئے جس شام ان کا انتقال ہوا تھا۔ ہم نے عرض کی:

''اے ابوعبداللہ! آپ کیا محسوس کر رہے ہیں؟'' ارشاد فرمایا:

''میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا کہوں' ہاں! تم اللہ تعالیٰ کا عفو وکرم دیکھتے رہو گے جب تک تمہارا حساب نہیں ہوگا''۔

ہم ان کی روح قبض ہونے تک وہیں ان کے پاس رہے''۔

(الموسوعۃ للامام ابن ابی الدنیا' کتاب حسن الظن باللہ' الحدیث ۸۵' ج ۱' ص ۹۵)

رحمت الٰہی اور قبر کی تنہائی

منقول ہے:

''اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم بندے پر اس وقت بہت زیادہ ہوتا ہے جب اس کو قبر میں اُتارا جاتا ہے اور سخت مٹی اس کے نرم و نازک رخسار پر رکھ دی جاتی ہے اور اس کے قرب میں رہنے والے' محبت کرنے والے جب بے وفائی کر جاتے ہیں جب میت کو اوّلاً تختۂ غسل پر رکھ کر اس کا لباس اُتار دیا جاتا ہے تو وہ اپنے احباب سے مایوس ہو کر پکارتا ہے: ''ہائے بربادی و رسوائی!''

اس کی ندا سوائے اللہ کے کوئی نہیں سنتا۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

''میرے بندے! میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی آخرت میں بھی پردہ پوشی کروں گا''۔

جب میت کو چارپائی پر رکھ کر گھر سے سوئے قبرستان چل پڑتے ہیں تو وہ چلاتا ہے: ''ہائے تنہائی!'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے میرے بندے! اگر تو آج تنہا ہے تو میں ہمیشہ تیرے قریب ہوں' خوف نہ رکھ میں تیرے گناہ مٹا دوں گا' قبر میں تیری تنہائی پر رحم کروں گا' میں تیری تنہائی میں تیرا مونس ہوں''

جب لوگ اس کو لحد میں اُتار کر اس کے نرم و نازک رخسار کو سخت مٹی پر رکھ کر پلٹ جاتے ہیں تو وہ چیختا ہے: ''ہائے تنہائی!''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے میرے بندے! کیا تجھے وحشت ہوتی ہے جب کہ میں تیرا انیس ہوں' کیا تو اکیلے پن کی شکایت کرتا ہے جب کہ میں تیرے قریب ہوں۔ اے

میرے بندے! کیا میں تیرا رب نہیں ہوں؟''

عرض کرے گا: ''کیوں نہیں! اے میرے رب!''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''اے میرے بندے! کیسے تو نے اس چیز کو چھوڑ دیا جس کا میں نے تجھے حکم دیا تھا' اور کیسے اس کا مرتکب ہوا جس سے میں نے تجھے منع کیا تھا؟ کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ تجھے میری طرف پلٹنا ہے؟ تیرے اعمال میرے سامنے پیش ہوں گے؟ کیا تو نے میرے عہد کو بھلا دیا تھا؟ تو میرے وعدے اور وعید کا منکر تھا؟ اب تیرے دوستوں نے تجھے تنہا چھوڑ دیا' مال ہاتھ سے چھوٹ گیا' مال نے تیرے مقصد میں تجھے کوئی نفع نہ دیا' نہ دوستوں نے تجھے تیرے بُرے اعمال سے بچایا اب تیرے پاس کیا عذر ہے؟''

بندہ عرض کرے گا:

''اے میرے پروردگار! میرا دل مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہوا' ان دونوں نے مجھے گناہوں پر آمادہ کیا اب میں تیرے جوارِ رحمت میں ہوں اور تیرا اس رات مہمان ہوں تو مجھے اپنی آگ سے عذاب نہ دینا اگر تو ہی مجھ پر رحم نہیں فرمائے گا تو پھر کون رحم کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''اے میرے بندے! لوگوں نے تجھے چھوڑ دیا اور اگر وہ تیرے پاس رہتے تو بھی تجھے ان سے نفع نہ ہوتا' انہوں نے تجھے میرے دروازے کی طرف متوجہ کر دیا اور میرے رحم و کرم پر چھوڑ کر گئے ہیں۔ اے میرے بندے! ٹھنڈی سانس لے اور آنکھوں کو بھی ٹھنڈا کر لے کہ تو آج رات میرا مہمان ہے اور کریم اپنے مہمان کو محروم نہیں چھوڑتا۔ اے فرشتو! احسن طریقے سے اس کی مہمان نوازی کرو اور اس پر اس کے گھر والوں اور قرابت داروں سے زیادہ مہربان ہو جاؤ''۔

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' حضور ﷺ کا فرمان ہے:

''اگر تمہاری خطائیں آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم توبہ کرو تو ضرور اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا''۔

(سنن ابن ماجہ' ابواب الزہد' باب ذکر التوبۃ' الحدیث ۴۲۴۸' ص ۲۷۳۵)

منقول ہے' حضرت سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مناجات میں عرض کیا: ''یارب!''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لبیک یا موسیٰ!''

آپ علیہ السلام نے عرض کی:

''یا اللہ! تو تو مالک ہے' میری کیا حیثیت کہ مجھے لبیک کہہ کر جواب دے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے یہ پسند ہے کہ کوئی بندہ مجھے ''یارب'' پکارے تو میں اسے ''لبیک'' کہہ کر جواب دوں''۔

حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی:

''یارب! کیا یہ ہر مطیع بندے کے لیے ہے؟''

فرمایا: ''ہاں! بلکہ ہر گناہ گار بندے کے لیے بھی ہے''۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

''فرماں بردار کے لیے تو اس کی اطاعت کے سبب ہے اور گناہ گار پہ یہ کرم کس وجہ سے؟'' فرمایا:

''اے موسیٰ! اگر میں بھلائی کرنے والوں کو ان کی بھلائی کا بدلہ دوں اور بُرائی کرنے والے کو اس کی بُرائی کے باوجود احسان نہ کروں تو میرا جود و کرم کہاں جائے گا؟'' (الروض الفائق)

Scanned with CamScanner

(5)

قرآن مجید میں قریش کے دوسفروں کا ذکر

مکہ مکرمہ میں نہ کاشت کاری ہوتی تھی نہ وہاں کوئی صنعت وحرفت تھی پھر بھی قبیلہ قریش کے لوگ کافی خوش حال اور صاحبِ مال تھے اور خوب دل کھول کر حاجیوں کی ضیافت اور مہمان نوازی کرتے تھے۔ قریش کی خوش حالی اور فارغ البالی کا راز یہ تھا کہ یہ لوگ ہر سال دو مرتبہ تجارتی سفر کیا کرتے تھے' جاڑے کے موسم میں یمن اور گرمی کے موسم میں شام کا سفر کرتے تھے اور ہر جگہ کے لوگ انہیں اہلِ حرم اور بیت اللہ شریف کا پڑوسی کہہ کر ان کا اکرام واحترام کرتے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ تجارتیں کرتے تھے اور قریش ان تجارتوں میں خوف نفع اُٹھاتے تھے اور ان لوگوں کے حرم کعبہ کا باشندہ ہونے کی بناء پر راستہ میں ان کے قافلوں پر کسی قسم کی رہزنی اور ڈکیتی نہیں ہوا کرتی تھی باوجودیکہ اطراف وجوانب میں ہر طرف قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ قریش کے سوا دوسرے قبیلوں کے لوگ جب سفر کرتے تو راستوں میں ان کے قافلے پر حملے ہوتے تھے اور مسافر لوٹے مارے جاتے تھے اس لیے قریش جس طرح امن وامان کے ساتھ یہ دونوں سجارتی سفر کرلیا کرتے تھے۔ دوسرے لوگوں کو یہ امن وامان نصیب نہیں تھا۔ (خزائن العرفان ص ۱۴۷۱ وغیرہ)

اللہ تعالیٰ نے قریش کو جو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی تھیں' ان میں سے خاص طور پر ان دو تجارتی سفروں کی نعمت کو یاد دِلا کر ان کو اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ ○ اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ ○ فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِ ○ الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ○

(سورۃ القریش)

''اس لیے کہ قریش کو (اللہ تعالیٰ نے) جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں کی اُلفت دِلائی اس لیے انہیں لازم ہے کہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی بندگی کریں جس نے ان لوگوں کو بھوک میں کھانا دیا اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا''۔

ان لوگوں کو بھوک میں کھانا دیا یعنی ان دونوں تجارتی سفروں کی بدولت ان لوگوں کے معاش اور روزی کا سامان پیدا کر دیا اور ان کے قافلوں کو لوٹ مار سے امن وامان عطا فرمایا لہٰذا ان لوگوں پر لازم ہے کہ یہ لوگ رب کعبہ کی عبادت کریں جس نے ان لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے نہ کہ یہ لوگ بتوں کی عبادت کریں جنہوں نے ان لوگوں کو کچھ بھی نہیں دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنی دو نعمتوں کو یاد دِلا کر بت پرستی چھوڑنے اور اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس سورہ میں اگرچہ خاص طور پر قریش کا ذکر ہے مگر یہ حکم تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے کہ لوگ خدا کی نعمتوں کو یاد کریں اور نعمت دینے والے خدائے واحد کی عبادت کریں اور بت پرستی سے باز رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

Scanned with CamScanner

(6)

خدا کو یاد کر پیارے قیامت آنے والی ہے

ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرمایا:

أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ، لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِيْ سَمِعَهُ مِنْهُ .

''لوگو! میں تمہیں ایک ایسی حدیث نہ سناؤں جس کو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، ہوسکتا ہے میرے بعد کوئی شخص آپ کو ایسا نہ ملے جس نے اس حدیث کو خود نبی کریم ﷺ سے سنا ہو''۔

اِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ . ''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے:

(۱) يُرْفَعَ الْعِلْمُ .

''علم اُٹھ جائے گا (ختم ہو جائے گا)''

(۲) وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ .

''جہالت عام ہو جائے گی''۔

(۳) وَيَفْشُوَ الزِّنَا .

''زنا عام ہو جائے گا''۔

(۴) وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ .

''شراب پی جائے گی''۔

(۵) وَيَذْهَبَ الرِّجَالُ .

''مرد ختم ہو جائیں گے (کم ہو جائیں گے)''

(۶) وَتَبْقَى النِّسَآءُ .

''عورتیں باقی رہ جائیں گی (زیادہ ہو جائیں گی)''

حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَأَةً قَيِّمٌ وَّاحِدٌ .

''یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی نگرانی ایک ہی مرد کرے گا (یعنی جنگ وجدال اور حادثات وغیرہ میں مردوں کی موت زیادہ ہونے کے سبب عورتیں زیادہ ہوں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ایک مرد کے اوپر ہوگی''۔

(بخاری ۵۲۳۱، مسلم ۲۶۷۱، الفاظ مسلم کے ہیں)

Scanned with CamScanner

(7)

حضرت سفیان بن عیینہ کی دل برداشتگی

ایک دن نامور محدث' فقیہ اور پیکر ورع وتقویٰ امام سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ اپنی مجلس میں حاضر ہونے والے طلباء اور سوال وجواب کرنے والوں سے دل برداشتہ تھے...... کہنے لگے:

''کیا یہ بدقسمتی نہیں ہے کہ میں حمزہ ابن سعد کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہ ابوسعید خدری کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ میں نے زانوئے تلمذ عمرو بن دینار کے سامنے اور انہوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے طے کیا۔ میں نے زُہری کی اور انہوں نے انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہما کی شاگردی اختیار کی یہاں تک کہ اربابِ علم کی ایک جماعت کا شمار کیا۔

پھر ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگے اور آج میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں۔ مجلس پر سناٹا چھا گیا اور کسی نے بھی بولنے کی جرأت نہ کی۔ مجلس میں سے ایک نوجوان اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''ابومحمد! کیا آپ انصاف فرمائیں گے؟''

امام عیینہ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ تعالیٰ''۔

نوجوان نے حیرت انگیز ادیبانہ جرأت کا مظاہرہ کیا جسے تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا۔ کہنے لگا:

''ابومحمد! اللہ کی قسم! آپ کا ہمارے پاس بیٹھنا اتنی ناگوار بات نہیں ہے جتنا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا آپ کے پاس بیٹھنا ناگوار ہے (یعنی ہمارے اور آپ کے درمیان مرتبے کا جو فرق ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کے اور صحابہؓ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فرق ہے)

امام سفیان نے اپنا سر جھکا لیا' انہیں اس نوجوان کی صاف گوئی اور بے باکی نے حیران کی کر دیا اس کی بات کو تسلیم کیا اور اپنی جگہ شرمندہ ہو کر رہ گئے اور زبان خاموشی سے ابونواس کا وہ شعر پڑھا:

مُتْ بِدَآءِ الصَّمْتِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ دَاءِ الْكَلَامِ
اِنَّمَا السَّالِمُ مَنْ اَلْجَمَ فَاهُ بِلِجَام

''خاموشی کی موت مرنا' تیرے لیے گفتگو کی بیماری سے بہتر ہے۔ سلامتی والا وہ ہے جو اپنے منہ کو لگام دے کر رکھے''۔

حاضرین اس نوجوان کے ذہن کی تیزی پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ لڑکا تو سلاطین کی مجلس کے لائق ہے اور آپ کی فراست سچی ثابت ہوئی۔ یہ لڑکا یحییٰ ابن اکثم تمیمی تھا جو بعد میں کوفہ کا قاضی بنا اور اتنی ترقی کی کہ مامون نے اسے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور امور مملکت کا ناظم (وزیراعظم) بنا دیا''۔ (تاریخ بغداد۔ کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تعارف شخصیات

اس واقعہ میں جن دس شخصیات کا نام آیا ہے ان کا مختصر تعارف اس طرح ہے:

۱) سفیان بن عیینہ ابن میمون ہلالی' کوفی' حرم مکی کے محدث تھے' ان کی کنیت ابومحمد ہے' کوفہ میں پیدا ہوئے' مکہ معظمہ میں رہے اور وہیں وفات پائی۔ حافظ الحدیث اور وسیع علم کے مالک تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر سفیان نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا''۔

ستر حج کیے' ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ (الاعلام: ۳/۱۰۷)

۲) حمزہ ابن سعید مروزی کی کنیت ابوسعید تھی' وہ تام ضبط رکھنے والے حافظ الحدیث تھے' انہوں نے ابن عیینہ' حفص بن غیاث وغیرہم سے روایت کی۔ ابن حبان نے ان کا ذکر

مستند محدثین میں کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب:۳/۳۰)

۳) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک انصاری خزرجی ہے' آپ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں' اُحد کے موقع پر انہیں کم عمر قرار دیا گیا (اور جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی) آپ کے والد اس غزوہ میں شہید ہوئے' آپ اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ سے کثیر حدیثیں روایت کیں' آپ نوعمر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں زیادہ فقیہ اور فضیلت والے تھے۔۶۴ھ میں فوت ہوئے۔ (اصابہ)

۴) عمرو بن دینار جمحی کی کنیت ابومحمد تھی' فارسی الاصل تھے' مکہ معظمہ کے مفتی اور فقیہ تھے۔۴۶ھ صنعاء میں پیدا ہوئے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حدیث کو یاد کرنے والا نہیں دیکھا' مستند اور پختہ کار محدث تھے' مکہ معظمہ ۱۲۶ھ میں وفات ہوئی۔

(تہذیب الکمال بتصرف)

۵) ابن عمر: عبداللہ ابن عمر بن خطاب قریشی رضی اللہ عنہما اپنے والد ماجد کے ہمراہ ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہی ہجرت کی' بکثرت احادیث کے راوی ہیں' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فقہاء اور اتقیاء میں سے تھے جب آپ کی وفات ہوئی تو لوگوں میں آپ جیسا کوئی نہ تھا۔ بدر میں حاضر ہوئے' بعثت کے تیسرے سال پیدا ہوئے اور ۸۷ سال کی عمر میں آپ کی رحلت ہوئی۔ (الاصابہ)

۶) الزہری: محمد بن مسلم بن عبداللہ زُہری قریشی' اکابر حفاظِ حدیث اور فقہاء میں سے تھے' آپ ہی نے سب سے پہلے حدیث مدون کی' تابعی ہیں۔۵۸ھ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے انہیں دو ہزار دو سو حدیثیں یاد تھیں۔ شام میں قیام پذیر ہوئے۔ شغب شہر میں ۱۲۴ھ میں انتقال ہوا۔ (الاعلام:۷/۹۷)

۷) حضرت انس بن مالک بن نضر انصاری خزرجی' رسول اللہ ﷺ کے خادم اور بکثرت احادیث روایت کرنے والے صحابی ہیں' آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا آپ کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائیں اور عرض کی: یہ آپ کا خادم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کے لیے دعا فرمائی بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے اس وقت آپ کی

عمر ایک سو بیس سال تھی۔ (اصابہ)

۸) ابونواس حسن بن ہانی' اپنے دور میں شاعرِ عراق تھا' ۱۴۶ھ اہواز میں پیدا ہوا' بصرہ میں پلا بڑھا پھر بغداد شریف گیا اور بنو عباس کے خلفاء کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور ان میں سے بعض کی مدح و ثنا کی۔۱۹۸ھ بغداد شریف میں فوت ہوا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا:

''اگر ابونواس کی فحش گوئی نہ ہوتی تو میں اس سے علم حاصل کرتا''۔ (الاعلام:۲/۲۲۵)

۹) یحییٰ ابن اکثم بن تمیمی مروزی' کی کنیت ابومحمد تھی' مشہور اور بلند مرتبہ قاضی اور عالی فکر فقیہ تھے۔۱۵۹ھ مرو میں پیدا ہوئے' مامون نے انہیں بغداد میں قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ یہ مامون کے دل پر چھائے ہوئے تھے' انہوں نے کئی جنگوں اور حملوں میں حصہ لیا۔ مامون کی وفات کے بعد معتصم نے انہیں معزول کر دیا چنانچہ یہ اپنے گھر بیٹھ گئے پھر متوکل نے انہیں قاضی مقرر کیا۔ بعد ازاں اس نے بھی معزول کر دیا' کچھ عرصہ مکہ مکرمہ میں رہے' اپنے وطن واپس آ رہے تھے' ۲۴۲ھ میں فوت ہو گئے۔ (الاعلام:۸/۱۳۸)

۱۰) ابوالعباس عبداللہ ابن ہارون الرشید' عراق میں بنو عباس کا ساتواں خلیفہ تھا' اپنی سیرت' علم اور ملک کی وسعت کے اعتبار سے بڑا بادشاہ تھا اس نے علماء کو قریب کیا اور انہیں احترام دیا' بہت سی یونانی اور فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کروایا۔۱۷۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۱۸ھ میں فوت ہوا۔ (الاعلام:۴/۱۴۲) (سدا بہار خوشبوئیں' علامہ شرف قادری علیہ الرحمہ)

Scanned with CamScanner

(8)

تاریخ اسلام کی عظیم انقلابی شخصیت

یہ ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ۔

حضرت سیّدنا محمد بن سعد علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''آپ کا پورا نام عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن ابی عاص بن امیہ بن عبدالشمس اور والدہ ماجدہ کا نام اُمِ عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہے اور کنیت ''ابوحفص'' ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۶۳ ہجری مدینہ شریف میں ہوئی اسی سال اُم المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الرقم ۹۹۵ عمر بن عبدالعزیز، ج ۵، ص ۲۵۳۔۲۵۴۔ تاریخ الاسلام للذھبی، حرف العین، عمر بن عبدالعزیز، ج ۲، ص ۳۲۶)

حضرت سیّدنا عباس بن راشد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور جب واپس جانے لگے تو میرے آقا نے مجھے حکم فرمایا: ''تم بھی ان کے ساتھ جاؤ''۔

چنانچہ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے کے لیے سوار ہوا جب ہمارا گزر ایک وادی سے ہوا تو اس میں راستے پر ایک مردہ سانپ پڑا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے نیچے اُترے اور سانپ کو دفن کر کے پھر سوار ہو گئے اور ہم اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ اتنے میں ایک غیبی آواز آئی:

یاخرقاء! یاخرقاء!

ہم آواز تو سن رہے تھے لیکن کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے غیبی آواز دینے والے! میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر تم سامنے آسکتے ہو تو آکر ہمیں بتاؤ کہ یہ خرقاء کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''خرقاء وہی سانپ ہے جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے دفن کر دیا ہے۔ میں نے ایک دن حضور پُرنور، شافع یوم النشور ﷺ کو اس سانپ سے یہ فرماتے سنا تھا: ''اے خرقاء! تم چٹیل زمین میں مرو گے اور زمانے کا سب سے بہتر مومن تمہیں دفن کرے گا''۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟''

اس نے بتایا: ''میں ان سات جنات میں سے ہوں جنہوں نے اس وادی میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پوچھا: ''کیا واقعی تم نے یہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!''

یہ سننا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے چل دیئے''۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر، الرقم ۵۲۴۲، عمر بن عبدالعزیز، ج ۴۵، ص ۱۳۵۔۱۳۶۔ حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۴۶۰، ج ۵، ص ۳۷۵)

حضرت سیّدنا مجاہد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امام سات ہیں جن میں سے پانچ دنیا سے رخصت ہو گئے اور دو باقی ہیں۔ حضرت سیّدنا خارجہ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''ان پانچ کے نام یہ ہیں:

۱) امیر المومنین حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق (۲) امیر المومنین حضرت سیّدنا عمر فاروقِ اعظم (۳) امیر المومنین حضرت سیّدنا عثمان غنی (۴) امیر المومنین

Scanned with CamScanner

حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور (۵) امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم“۔

(سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی التفضیل، الحدیث ۴۶۳۱، ۴، ص ۱۵۶۳)

حضرت سیّدنا زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ٹوکری تھی جس میں ایک اونی جبہ اور طوق ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے لیے مکان کے درمیان ایک کمرہ مخصوص تھا جہاں آپ رضی اللہ عنہ نماز ادا کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اس کمرے میں کوئی داخل نہ ہوتا تھا جب رات کا آخری وقت ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ ٹوکری کو کھولتے اور جبہ پہن کر طوق اپنی گردن میں ڈال لیتے اور طلوعِ فجر تک بارگاہِ الٰہی میں مناجات اور گریہ وزاری میں مشغول رہتے پھر اس جبہ اور طوق کو ٹوکری میں رکھ دیتے۔ ساری زندگی آپ رضی اللہ عنہ کا یہی معمول رہا“۔

(حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۲۶۸، ج ۵، ص ۳۲۴)

دنیا سے بے زاری اور خوفِ خدا

امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پڑوسی حضرت سیّدنا حارث بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”خدا کی قسم! جب رات کی تاریکی چھا جاتی اور ستارے روشن ہو جاتے تو آپ رضی اللہ عنہ مریض کی طرح بے چین و مضطرب ہو جاتے اور غم زدہ انسان کی طرح رونے لگتے۔ گویا میں آپ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سن رہا ہوں:

”اے دنیا! تو کیوں میرا پیچھا کرتی ہے یا مجھ میں دلچسپی کیوں لیتی ہے؟ جا! مجھ سے دُور ہو جا، کسی اور کو دھوکہ دے، میں تو تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اب دوبارہ تجھ سے رجوع نہیں ہو سکتا۔ تیری عمر کم، لذات حقیر اور خطرات زیادہ ہیں۔ ہائے افسوس! زادِ راہ کم، سفر طویل اور راستہ پُرخطر ہے“۔

آپ رضی اللہ عنہ جب نمازِ فجر پڑھ لیتے تو قرآنِ حکیم کو (پڑھنے کے لیے) اپنی گود میں رکھ

لیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے آنسوؤں سے داڑھی شریف تر ہو جاتی پھر جب کسی آیتِ خوف کی تلاوت فرماتے تو بار بار اس کو دہراتے رہتے اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ اس آیت سے آگے نہ بڑھ سکتے اور طلوعِ آفتاب تک یہی کیفیت رہتی۔ سبحان اللہ! ان نورانی چہروں کو دیکھنے کا کتنا شوق ہے؟ ان کی باتیں سن کر کتنی خوشی ہوتی ہے؟ اور ان کی نشانیاں مٹ جانے پر کس قدر غم ہوتا ہے؟ حضرت سیّدنا یزید بن خوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”میں نے حضرت سیّدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خوف کھانے والا کوئی نہیں دیکھا۔ گویا جہنم ان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ جب موت کو یاد کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے بدن کے جوڑ لرزنے لگ جاتے“۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الرقم ۹۹۵، عمر بن عبدالعزیز، ج ۵، ص ۳۱۱، حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۳۵۲، ج ۵، ص ۳۴۹)

منقول ہے کہ ایک دن حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت فرمائی:

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّ مَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيضُوْنَ فِيْهِ (پ ۱۱، یونس: ۶۱)

”اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن پڑھو اور تم لوگ کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کو شروع کرتے ہو“۔

تو اس شدت سے گریہ وزاری کرنے لگے کہ گھر والوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی آواز سن لی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا حاضر ہوئیں اور آپ رضی اللہ عنہ کے رونے کے سبب بیٹھ کر خود بھی رونے لگیں پھر ان دونوں کے رونے کی وجہ سے تمام گھر والے بھی رونے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالملک نے آ کر دیکھا کہ سب رو رہے ہیں تو عرض کی:

”اے ابا جان! کس چیز نے آپ کو رُلا دیا ہے؟“ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

”اے میرے بیٹے! تیرے باپ کی خواہش تھی کہ نہ وہ دنیا کو پہچانے اور نہ ہی

دنیا اس کو پہچانے لیکن اللہ کی قسم! اب تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں جہنمیوں میں نہ ہو جاؤں''۔ (موسوعۃ لابن ابی الدنیا' کتاب الرقۃ والبکاء' الحدیث ۹۱' ج ۳' ص ۱۸۷)

اے مسلمان! حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ عادل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتے تھے اور تو ظلم وستم کرنے کے باوجود اس قدر نڈر ہو چکا ہے۔ اے وہ شخص جو تقدیر سے بے خوف ہے اور جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے کوئی عذر نہیں! غور سے سن! وصال کے بارہ سال بعد آپ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''ابھی ابھی حساب سے فارغ ہوا ہوں''۔

- حضرت سیّدنا عطا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہر رات فقہاء کرام رحمہم اللہ کو اکٹھا کرتے اور موت' قیامت اور آخرت کی باتیں ہوتی رہتیں اور سب اس طرح روتے رہتے گویا ان کے سامنے کوئی جنازہ حاضر ہے''۔

(تاریخ دمشق' الرقم ۵۲۴۲ عمر بن عبدالعزیز' ج ۴۵' ص ۲۳۹۔ تاریخ الخلفاء للسیوطی عمر بن عبدالعزیز' ص ۱۹۱)

حضرت سیّدنا ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ (پ ۲۳' الصّٰفّٰت: ۲۴) ''اور انہیں ٹھہراؤ ان سے پوچھنا ہے''۔

پھر اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ بہت زیادہ رونے کی وجہ سے اس سے تجاوز نہ فرما سکے''۔

(موسوعۃ لابن ابی الدنیا' کتاب الرقۃ والبکاء' الحدیث ۹۴' ج ۳' ص ۱۸۸)

- اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث شریف مفسرینِ کرام نے بیان فرمائی ہے:

''روزِ قیامت بندہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا جب تک چار باتیں اس سے نہ

پوچھ لی جائیں۔ ایک اس کی عمر کہ کس کام میں گزری' دوسرے اس کا علم کہ اس پر کیا عمل کیا' تیسرے اس کا مال کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ چوتھے اس کا جسم کہ اس کو کس کام میں لایا؟'' (خزائن العرفان)

فکرِ آخرت

حضرت سیّدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے تھے جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دوست گفتگو میں مشغول تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: ''اے امیر المؤمنین! آپ کو کیا ہوا کہ آپ کلام نہیں فرما رہے؟''

تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''میں اہلِ جنت کے متعلق سوچ رہا ہوں کہ وہ جنت میں کیسے ایک دوسرے کی زیارت کریں گے؟ اور اہلِ دوزخ کے بارے میں سوچ رہا ہوں کہ وہ جہنم میں کیسے چلائیں گے؟'' پھر آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

(الموسوعۃ لابن ابی الدنیا' کتاب الرقۃ والبکاء' الحدیث ۶۴' ص ۱۸۲)

خراسان کے ایک بزرگ کا بیان ہے کہ جب خلیفہ ابوجعفر نے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ایک ایسے راہب کے پاس پڑاؤ کیا جہاں حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بھی پڑاؤ کیا ہوا تھا اس نے راہب سے پوچھا:

''اے راہب! مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) میں سب سے عجیب بات کون سی دیکھی؟'' اس نے جواب دیا:

''جی ہاں! اے خلیفۃ المسلمین! ایک رات آپ (رضی اللہ عنہ) میرے اس کمرے کی سنگِ مرمر سے بنی ہوئی چھت پر تھے اور میں اس کے نیچے گدی (یعنی گردن کے پچھلے حصے) کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اچانک پرنالے سے پانی کے قطرے میرے سینے پر گرنے لگے۔ میں نے سوچا ''اللہ کی قسم! نہ میرے پاس پانی ہے اور نہ ہی آسمان سے برس رہا ہے'' چنانچہ حقیقتِ حال سے آگاہی کے لیے چھت پر چڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) سجدہ ریز ہیں اور

آپ (رضی اللہ عنہ) کے آنسو پرنالے سے نیچے گر رہے ہیں''۔

(المرجع السابق، الحدیث ۷۱۲، ج ۳، ص ۱۹۶)

حضرت سیّدنا حسن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو خون کے آنسو روتے دیکھا ہے''۔ (الزھد للامام احمد بن حنبل، اخبار عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۱۶۸۹، ص ۲۹۸)

منقول ہے کہ جب سے آپ رضی اللہ عنہ کو عہدۂ خلافت سپرد کیا گیا تب سے آپ رضی اللہ عنہ کی عمارت میں اضافہ ہوا، نہ جانوروں میں اور نہ ہی بیویوں یا لونڈیوں میں یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

حضرت سیّدنا عمر بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم فرمایا: جب مجھے حق سے ہٹتا پاؤ تو اپنے ہاتھ میرے گریبان میں ڈال کر جھڑکتے ہوئے کہنا:

''اے عمر! کیا کر رہے ہو؟''

(حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۲۷۲، ج ۵، ص ۳۲۶)

اے اہلِ اسلام! انتہائی تعجب کی بات ہے کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کامل ہونے کے باوجود اس قدر خوف رکھتے تھے اور تم ناقص ہونے کے باوجود کتنے بے خوف ہو؟ دنیا آخرت کا آئینہ ہے جو دنیا میں کرو گے آخرت میں دیکھو گے، آج عمل کرو گے کل دیکھو گے اگر تم عقل مند ہو تو اپنے بُرے اعمال پر رویا کرو اور اگر غفلت کی نیند میں ہو تو عنقریب نیند کی یہ لذت تم سے دُور چلی جائے گی۔

پیارے بھائیو! دنیا جب سلف صالحین کے پاس آتی ہے تو وہ اسے آخرت کے لیے آگے بھیج دیتے ہیں۔ ہمارا ان سے کیا موازنہ ہے؟ ہم میں سے کتنے شب بے داری کرتے اور کتنے خوابِ غفلت میں رات گزار دیتے ہیں۔

تقویٰ و پرہیز گاری

حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس یمن کا (مال) خراج آتا تو آپ رضی اللہ عنہ

اسے بیت المال میں جمع کرا دیتے اور خود تاریکی میں رات گزارتے اور ارشاد فرمایا کرتے:

''جب میں عوام کے معاملات نمٹانے کے لیے بے دار رہتا ہوں تو بیت المال کا چراغ جلاتا ہوں اور جب اپنے کام کے لیے جاگتا ہوں تو ذاتی مال سے چراغ جلاتا ہوں''۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الرقم ۹۹۵ عمر بن عبدالعزیز، ج ۵، ص ۳۱۱۔۳۱۲۔ بتغیر)

منقول ہے کہ ایک مرتبہ یمن کا خراج آیا جس میں بارہ خچروں پر لدا ہوا عنبر بھی تھا۔ پہلے مال آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دیا پھر عنبر لانے کا حکم دیا جب عنبر لایا گیا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی ناک بند کر لی اور حکم دیا کہ اس کو بھی بیت المال میں جمع کر دو۔ عرض کی گئی:

''حضور! یہ عنبر ہے، یہ خوشبو سونگھنے سے کم نہیں ہوتا''۔

تو ارشاد فرمایا:

''اس کی خوشبو ہی سے نفع اُٹھایا جاتا ہے''۔

(حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۳۹۸، ج ۵، ص ۳۶۰، بتغیر۔ تاریخ دمشق لابن عساکر، الرقم ۵۲۳۲، عمر بن عبدالعزیز، ج ۴۵، ص ۲۱۷، بتغیر۔ سیر اعلام النبلاء، الرقم ۲۶۲، عمر بن عبدالعزیز، ج ۵، ص ۵۹۲۔ بتغیر)

منقول ہے کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چمک دار موتی بھیجا اور عرض کی: اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس قسم کا ایک اور موتی مجھے بھیج دیں تاکہ میں ان کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال سکوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے دو انگارے اپنی بیٹی کی طرف بھیجے اور ارشاد فرمایا:

''اگر تم اپنے کانوں میں ان دو انگاروں کو ڈالنے کی طاقت رکھتی ہو تو میں تمہاری طرف موتی بھیج دوں گا''۔

حضرت سیّدنا عیسیٰ بن سنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کوئی گھر تعمیر نہیں کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے

وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا:

''یہ نبی اکرم ﷺ کی سنّتِ مبارکہ ہے۔ آپ ﷺ اس حال میں دنیا سے پردہ فرما گئے کہ اینٹ پر اینٹ رکھی نہ سرکنڈے (یعنی کانے) پر سرکنڈا (یعنی آپ ﷺ نے کوئی عمارت نہ بنائی)''

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الزہد وقصر الامل فصل فی ذم بناء مالا......الخ، الحدیث ۱۰۷۳۶، ج ۷، ص ۳۹۵)

فقر و فاقہ

حضرت سیّدنا ابوداؤد وصی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی ایک سیڑھی تھی جس پر آپ رضی اللہ عنہ چڑھا کرتے تو اس سے آوازیں آتی تھیں اور کمزور ہونے کے سبب وہ ہلنے لگتی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں سے کسی نے اس کو گارے سے مضبوط کردیا جب آپ رضی اللہ عنہ اس پر چڑھے تو دیکھا کہ اب کی بار آواز نہیں آرہی۔ دریافت کرنے پر عرض کی گئی: ''فلاں نے اسے ٹھیک کردیا ہے''

تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''اس کو واپس اپنی حالت پر کردو کیونکہ جب مجھے خلافت کی ذمہ داری سونپی گئی میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کررکھا ہے کہ کوئی دیوار بناؤں گا نہ عمارت''

اے تعمیرِ دنیا میں عمر برباد کرنے والے! غور سے سن! اس کا نفع بہت کم اور نقصان بہت زیادہ ہے۔ ہمارے اسلافِ کرام رضی اللہ عنہم دنیا برباد کرکے آخرت آباد کرتے تھے جب کہ تم دنیا آباد کرکے آخرت برباد کرتے ہو۔

اے عمارتوں اور گھروں کے دل دادہ! موت کے جام تجھ پر گردش کررہے ہیں۔ اے تاریک دل والے! دل میں نور کہاں سے آئے جب کہ تیرا باطن خراب ہے اور ظاہر آباد ہے اگر تو قبروں کو یاد کرتا تو دنیا آباد کرنے کی فکر نہ کرتا۔ اے مغرور! عنقریب تجھ سے دنوں اور مہینوں کا حساب لیا جائے گا۔ اے وہ شخص جو حضوریٔ قلب کے بغیر نماز پڑھتا ہے اور جس کا روزہ غیبت میں چھپا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کب تک تجھ پر لطف و کرم کرتا رہے گا اور تو اس سے

دُوری اختیار کرتا رہے گا۔ اے ناشکرے! کب تک وہ تجھ پر احسان فرماتا رہے گا اور تو چھپ چھپ کر گناہوں سے اس کا مقابلہ کرتا رہے گا اور کب تک وہ تجھے مہلت دیتا رہے گا کہ تو توبہ کرلے کیونکہ وہ تو غفور و رحیم ہے اور جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔ (خزائن العرفان)

حضرت سیّدنا الامام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سبزی سے سحری اور افطاری کرتے۔ اکثر اوقات روٹی کو نمک سے ملا کر تناول فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک پلیٹ بطورِ ہدیہ پیش کی اس میں سیب اور مختلف پھل رکھے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کچھ کھائے بغیر واپس لوٹا دیا تو آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی:

''کیا حضور ﷺ ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''کیوں نہیں! لیکن رسولِ اکرم ﷺ کی طرف بھیجا ہوا ہدیہ، ہدیہ تھا جب کہ ہمارے اور ہمارے بعد والوں کے لیے رشوت ہے''۔

(حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۲۷۷، ج ۵، ص ۳۲۷)

حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اپنے نفس کو خواہشات سے باز رکھتے اور لوگوں کو عطیات سے نوازتے تھے۔ حضرت سیّدنا خزیمہ ابو محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''میں کسی کو مال دیتا ہوں تو اسے کم خیال کرتا ہوں کیونکہ مجھے حیاء آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کے لیے جنت مانگوں اور خود اس پر (مال) دنیا میں بخل کروں''۔

(موسوعۃ لابن ابی الدنیا، کتاب الاخوان، باب فی سخاء......الخ، الحدیث ۱۶۰، ج ۸، ص ۱۸۱)

حضرت سیّدنا عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اڑھائی سال منصبِ خلافت پر فائز رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے وصال سے پہلے ایک شخص کثیر مال لے کر ہمارے پاس

Scanned with CamScanner

آیا اور کہنے لگا: ''جہاں مناسب سمجھو یہ مال فقراء میں تقسیم کردو''۔ مگر اسے اپنا مال لے کر واپس جانا پڑا کیونکہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے عطیات سے لوگوں کو غنی کر دیا تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجاء فی اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشر الذی۔ بعمر بن عبدالعزیز......الخ، ج۶، ص۴۹۳)

نوکرانی کو پنکھا جھلنے والا خلیفہ

حضرت سیّدنا نضر بن سہل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والدِ محترم کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنی نوکرانی سے فرمایا:

''مجھے پنکھے سے ہوا دو تاکہ میں سو سکوں''۔

تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کو پنکھا جھلنے لگی اور آپ رضی اللہ عنہ سو گئے اور نیند کے غلبہ سے اس کی بھی آنکھ لگ گئی جب آپ رضی اللہ عنہ بے دار ہوئے تو اسے پنکھا جھلنے لگے جب کنیز بے دار ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ کو پنکھا جھلتے ہوئے دیکھا تو اس کی چیخیں نکل گئیں اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''تو بھی میری طرح انسان ہے، تجھے بھی میری طرح گرمی لگتی ہے لہٰذا میں نے چاہا کہ تجھے پنکھا جھلوں جیسے تو مجھے جھل رہی تھی''۔

(البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر، عمر بن عبدالعزیز، ج۶، ص۳۴۸، مختصراً)

سبحان اللہ! ہمارے سلف صالحین رحمہم اللہ نے عاجزی وانکساری کو اپنا شعار بنایا، تقویٰ کو اپنی چادر بنایا اور دنیا کے لہو ولعب اور دھوکوں سے بچے رہے۔ دنیا ان کے سامنے مزین ہو کر آئی مگر جب انہوں نے اسے عاریتاً دیئے ہوئے کپڑے کی طرح پایا تو ٹھکرا دیا اس دنیا نے کتنوں کو فکرِ آخرت سے روکے رکھا، کتنی آنکھیں اندھی کر دیں اور کتنوں نے اس کے ڈر سے اس کا لحاظ رکھا پھر بھی اس نے دن رات ان سے کوئی رعایت نہ برتی۔

اے مسلمان! اپنے پختہ عزم کے ساتھ اس سے دُوری اختیار کر لے اور آخرت کو اپنا ٹھکانہ بنا لے اور اس کے تکلیف دہ لباس سے اجتناب کر کیونکہ ایسا لباس پہننے والے کتنے ہی لوگوں نے شرمندگی کا لباس پہنا۔

حضرت سیّدنا ہلال بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سن ۱۰۱ ہجری ماہِ رجب المرجب کی ابتداء میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ مرض بیس دن تک رہا''۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الرقم ۹۹۵ عمر بن عبدالعزیز، ج۵، ص۳۱۶)

آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا

ولید بن ہشام کا بیان ہے:

''میری ایک یہودی سے ملاقات ہوئی اس نے حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے سے پہلے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنیں گے اور عدل کریں گے۔ میں نے حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مل کر انہیں یہ بات بتا دی جب آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اور چند روز بعد دوبارہ اسی یہودی سے میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگا:

''کیا میں نے تمہیں بتایا نہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ عنقریب خلیفہ بن جائیں گے اور وہی ہوا جو میں نے کہا تھا''۔ میں نے کہا: ''ہاں! ایسا ہی ہوا''۔

پھر اس نے مجھے بتایا کہ اب آپ رضی اللہ عنہ نے زہر پی لیا ہے لہٰذا انہیں کہو کہ اپنا علاج معالجہ کر کے جان کی حفاظت کریں۔ ولید بن ہشام کا کہنا ہے:

''پھر میری ملاقات حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ہوئی، میں نے زہر کا معاملہ ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں وہ گھڑی جانتا ہوں جس میں مجھے زہر دیا گیا تھا اگر میری شفا اپنے کانوں کی لَو چھونے یا خوشبو سونگھنے میں ہوتی تو بھی میں انکار ہی کرتا رہتا''۔ (حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۴۶۸، ج۵، ص۳۷۷، بتغیر)

حضرت سیّدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الموت میں مجھ سے دریافت فرمایا: ''لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں؟''

میں نے عرض کی:

''لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے''۔

تو ارشاد فرمایا:

''مجھ پر کوئی جادو نہیں کیا گیا' ہاں! مجھے زہر پلایا گیا ہے''۔

پھر غلام کو بلوایا اور استفسار فرمایا:

''تو نے مجھے زہر کیوں دیا تھا؟''

وہ کہنے لگا: ''مجھے ایک ہزار دینار دیئے گئے اور آزادی کا بھی وعدہ کیا گیا''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ ہزار دینار لاؤ''۔

پس وہ رقم لے آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بیت المال میں جمع کروا دیا اور غلام سے فرمایا: ''جہاں جی چاہے چلے جاؤ' آج سے تم آزاد ہو''۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۶۶۲ عمر بن عبد العزیز، ج ۵ ص ۵۹۵۔ بتغیر)

خواب میں اچھے خاتمہ کی بشارت

حضرت سیّدنا ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک بار حضرت سیّدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کسی تکلیف پہنچنے کے فوراً بعد محوِ خواب تھے' پہلے آپ رضی اللہ عنہ روئے پھر مسکرانے لگے۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے عرض کی:

''اے امیر المومنین! خواب میں کیسا معاملہ پیش آیا کہ آپ رو پڑے پھر مسکرانے لگے''۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا تم نے دیکھ لیا تھا؟'' میں نے عرض کی: ''جی ہاں! اور ارد گرد کے تمام لوگوں نے بھی دیکھ لیا تھا''۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا:

''میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے' قبروں سے اُٹھنے کے بعد لوگوں کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ہیں۔ اچانک منادی نے ندا دی:

''(حضرت سیّدنا) عبد اللہ بن ابی قحافہ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا تو فرشتوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ خداوندی میں کھڑا کر دیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ سے آسان حساب لیا گیا۔ فارغ ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا گیا کہ دائیں جانب والوں (یعنی جنتیوں) کی طرف آ جاؤ پھر امیر المومنین حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب بھی با آسانی مکمل ہو گیا پھر دونوں حضرات (یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو دخولِ جنت کا حکم دیا گیا اس کے بعد امیر المومنین حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے بھی ویسا ہی حساب لیا گیا پھر جنت میں جانے کا حکم دیا گیا''۔ پھر امیر المومنین حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو لایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے بھی ویسا ہی حساب لیا گیا اور دخولِ جنت کا حکم دیا گیا''۔

حضرت سیّدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب پکارا گیا کہ عمر بن عبد العزیز کہاں ہے؟'' تو مجھے پسینہ آ گیا اور ملائکہ نے مجھے پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے معمولی معمولی چیزوں اور میرے تمام فیصلوں کے متعلق پوچھ گچھ فرمائی پھر مجھے بخش دیا اور جنت میں جانے کا حکم ہوا پھر میرا گزر ایک نیم مردہ شخص پر ہوا۔ میں نے ملائکہ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ خود اس سے پوچھیں یہ جواب دے گا۔ میں نے اپنے پاؤں سے اسے ٹھوکر ماری تو اس نے سر اُٹھا کر اپنی آنکھیں کھول دیں۔ میں نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' تو وہ کہنے لگا: ''آپ کون ہیں؟'' میں نے اپنا نام بتایا اس نے پھر پوچھا ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' میں نے جواب دیا ''اس نے مجھ پر اپنا رحم و کرم فرمایا اور میرے ساتھ بھی وہی معاملہ فرمایا جو گزشتہ خلفاء (یعنی چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) کے ساتھ فرمایا''۔ یہ سن کر اس نے مجھے مبارک دی۔ میں نے پھر اپنا سوال دُہراتے ہوئے پوچھا ''تم کون ہو؟'' جواب ملا ''میں حجاج بن یوسف ثقفی ہوں' مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو میں نے اسے شدید غضب میں پایا۔ مجھے میرے ہر مقتول کے بدلے قتل کیا گیا اور

حضرت سیّدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے بدلے ستر مرتبہ قتل کیا گیا اور اب میں اپنے رب کی بارگاہ میں اسی چیز کا انتظار کر رہا ہوں جس کا تمام کلمہ گو انتظار کر رہے ہیں یعنی جنت یا جہنم"۔ حضرت سیّدنا ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے یہ خواب سننے کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے کو آگ کی تکلیف نہیں دوں گا"۔

(حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ۷۲۹۸، ج ۵، ص ۳۳۲۔ بتغیر)

اشرار کے لئے ہلاکت ہے

گناہوں کے بوجھ کی وجہ سے ظالموں کے لیے ہلاکت ہے، ان کو دنیا بھر میں بُرے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے لیے بطور ننگ و عار یہی کافی ہے کہ انہیں "اشرار" یعنی بُرے لوگ کہا گیا۔ ان کے ظلم کی لذات ختم ہو گئیں اور صرف شرمندگی باقی رہ گئیں۔ انہوں نے عذاب کے گھر میں ٹھکانہ بنا لیا اور ان کے گھروں پر غیروں نے قبضہ جما لیا۔ ان ظالموں کو جہنم کے کنوؤں اور پتھروں میں عذاب کے لیے تنہا چھوڑ دیا گیا اب ان کے لیے راحت ہے نہ سکون اور نہ ہی قرار۔ یہ کثرت سے نہروں کی مثل آنسو بہائیں گے۔ انہوں نے لمبی امیدوں کی عمارت کو بہت مضبوط بنایا تھا مگر وہ اچانک گر گئی۔ حجاج بن یوسف نے کتنے ہی قتل کیے، ظلم کے کتنے پہاڑ توڑے۔ کیا اسے معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ظلم و ستم کرنے والوں سے انتقام لے گا؟ بروزِ قیامت جب وہ اُٹھیں گے تو ان کا حشر فاجروں کے ساتھ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ (پ۱۳، ابراھیم: ۵۰)

"ان کے کُرتے رال کے ہوں گے اور ان کے چہرے آگ ڈھانپ لے گی"۔

صدر الافاضل، سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

"سیاہ رنگ، بدبودار جن سے آگ کے شعلے اور زیادہ تیز ہو جائیں۔ (مدارک و خازن) تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ان کے بدنوں پر رال لیپ دی جائے گی۔ وہ مثل کُرتے کے ہو جائے گی اس کی سوزش اور اس کے رنگ کی وحشت و بدبو سے تکلیف پائیں گے"۔

مسلمہ بن عبدالملک حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ان کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: "یا امیر المومنین! آپ اپنے خاندان کا وصی کس کو مقرر کرتے ہیں؟"

ارشاد فرمایا: "ان کا والی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی صالحین کا والی ہے"۔

(الطبقات الکبریٰ، الرقم ۹۹۵، عمر بن عبدالعزیز، ج ۵، ص ۳۱۷)

بعدِ وصال چہرہ جگمگا اُٹھا

حضرت سیّدنا رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے مرضِ وصال میں مجھے حکم فرمایا:

"اے رجاء! تم مجھے غسل دینے، کفن پہنانے اور لحد میں اُتارنے والوں میں رہنا جب لوگ مجھے لحد میں اُتار دیں تو کفن کی گرہ کھول کر میرا چہرہ دیکھنا کیونکہ میں نے تین خلفاء کو دفن کیا ہے جب انہیں قبر میں اُتار کر کفن کی گرہ کھولی اور چہرہ دیکھا تو وہ قبلہ سے پھر کر سیاہ ہو چکا تھا۔"

حضرت سیّدنا رجاء رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"جب آپ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کو غسل دینے والوں میں شامل تھا تدفین کے وقت جب میں نے گرہ کھول کر آپ رضی اللہ عنہ کا چہرۂ انور دیکھا تو وہ قبلہ رُخ تھا اور چودھویں کے چاند کی طرح چمک دَمک رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی"۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الرقم ۹۹۵، عمر بن عبدالعزیز، ج ۵، ص ۳۱۸۔ بتغیر قلیل)

Scanned with CamScanner

حضرت سیّدنا عبیدہ بن حسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا وقتِ وصال قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''سب میرے پاس سے چلے جاؤ یہاں تک کہ کوئی شخص نہ رہے۔ مسلمہ بن عبدالملک بھی وہاں موجود تھے۔ چنانچہ سب لوگ باہر چلے گئے جب کہ مسلمہ بن عبدالملک اور ان کی بہن حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں' دروازے کی دہلیز پر بیٹھ گئے پھر لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا:

''ان مبارک چہروں کو مرحبا! یہ پیاری صورتیں نہ انسانوں کی ہیں نہ جنوں''۔

راوی کا بیان ہے: ''ہم نے گھر کے ایک کونے سے اس آیۂ کریمہ کی تلاوت سنی۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًاؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۝ (پ۲۰،القصص:۸۳)

''یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے''۔

پھر جب لوگ کمرے میں آئے تو آپ رضی اللہ عنہ سفرِ آخرت پر روانہ ہو چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا چہرۂ اقدس قبلہ رو تھا اور آنکھیں اور منہ بند تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۶۶۲ عمر بن عبدالعزیز' ج ۵' ص ۵۹۶۔ الطبقات الکبری لابن سعد' الرقم ۹۹۵ عمر بن عبدالعزیز' ج ۵' ص ۳۱۸)

حضرت سیّدنا امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''میں پسند نہیں کرتا کہ مجھ پر موت کی سختیوں کو آسان کر دیا جائے کیونکہ یہی تو وہ آخری چیز ہے جو بندۂ مومن کو اجر و ثواب عطا کرتی ہے''۔

(حلیۃ الاولیاء' عمر بن عبدالعزیز' الحدیث ۷۳۵۵' ج ۵' ص ۳۵' بتغیر)

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''میں پسند نہیں کرتا کہ مجھ سے موت کی سختیاں آسان کر دی جائیں کیونکہ یہی

تو وہ آخری چیز ہے جس کے ذریعے بندۂ مومن کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں''۔ (الزھد للامام احمد بن حنبل' اخبار عمر بن عبدالعزیز' الحدیث ۱۷۱۸' ص ۳۰۴' بتغیر)

کفن و مدفن

منقول ہے کہ جب حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن عبدالملک کو حکم فرمایا: ''میرے مال میں سے دو دینار لے کر میرے لیے کفن خرید لاؤ''۔

اس نے عرض کی: ''اے امیرالمومنین! آپ جیسی قد آور شخصیت کا کفن دو دینار میں نہیں مل سکتا''۔ تو ارشاد فرمایا: ''اے مسلمہ! اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوا تو اس کم قیمت کفن کو اس سے بہتر سے بدل دے گا اور اگر ناراض ہوا تو یہ آگ کا ایندھن بن جائے گا''۔

منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو کچے دھاگے سے بُنے ہوئے کپڑے کا کفن پہنایا گیا۔ ایک قول کے مطابق وہ یمنی چادر کا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کا مقبرہ سرزمینِ حمص' دیر سمعان میں ہے۔ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس زمین کے مالک کو اپنی قبر کی جگہ کی قیمت بھیجی تو اس نے عرض کی:

''اے امیرالمومنین! اللہ کی قسم! میں آپ کی قبرِ انور سے برکت حاصل کروں گا' میں نے یہ جگہ آپ رضی اللہ عنہ کے لیے مباح کر دی ہے''۔

لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے بلا قیمت جگہ لینے سے انکار کر دیا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد' الرقم ۹۹۵ عمر بن عبدالعزیز' ج ۵' ص ۳۱۶۔ بتغیر)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے زمین کے مالکوں سے اپنی قبر کی جگہ دو دینار کے عوض خریدی تھی پھر ان سے ارشاد فرمایا:

''مجھے اپنی زمین کے درمیان میں جگہ دو اور جب میں دفن کر دیا جاؤں تو تم اپنی زمین میں ہل چلانا اور کھیتی باڑی کرنا اور عمارت بنانا چاہو تو وہ بھی بنا سکتے ہو بلکہ اس زمین سے جس طرح چاہو نفع اُٹھاؤ کہ مجھے ان میں سے کوئی چیز

Scanned with CamScanner

نقصان نہ پہنچائے گی''۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الرقم ٩٩٥ عمر بن عبدالعزیز، ج ٥، ص ٣١٦)

منقول ہے کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدتِ خلافت دس دن کم تیس مہینے تھی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حسرت آیات پینتالیس سال کی عمر میں ہوئی۔ (الطبقات الکبریٰ، الرقم ٩٩٥، ج ٥، ص ٣١٩۔ بتغیر)

حضرت سیّدنا خالد ربعی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''تورات میں لکھا ہوا ہے کہ زمین وآسمان حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر چالیس دن تک آہ وفغاں کرتے رہیں گے''۔

(حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ٧٣٦٥، ج ٥، ص ٣٧٧)

اہل بصرہ کا غم والم

منقول ہے کہ حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاصد جب بھی بصرہ پہنچتا تو لوگ خوشی اور مسرت سے اس کا استقبال کرتے کیونکہ جب بھی وہ آتا تو فقراء کی خبر گیری کر کے ان پر بخشش وعطا اور مال ودولت نچھاور کرتا۔ چنانچہ جب قاصد موت کی خبر لے کر بصرہ پہنچا تو لوگ اپنی عادت کے مطابق خوش وخرم اس کے پاس آئے لیکن جب اس نے انہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کی خبر سنائی تو سب لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اہل بصرہ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرنے کا غم اس لیے زیادہ تھا کیونکہ یہ ان کے لیے بہت بڑی مصیبت تھی۔ منقول ہے کہ ایک جن نے ان الفاظ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرثیہ کہا (یعنی اظہارِ غم کے اشعار کہے)

عَنَّا جَزَاكَ مَلِيْكُ النَّاسِ صَالِحَةً
فِيْ جَنَّةِ الْخُلْدِ وَالْفِرْدَوْسِ يَا عُمَرُ!
اَنْتَ الَّذِيْ لَا نَرٰى عَدْلًا نُسَرُّ بِهٖ
مِنْ بَعْدِهٖ مَا جَرٰى شَمْسٌ وَّلَا قَمَرُ

''اے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ! لوگوں کے عظیم بادشاہ! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

ہماری طرف سے جنت الخلد اور جنت الفردوس میں بہترین جزاء عطا فرمائے''۔ (آمین) ''جب تک سورج چاند طلوع ہوتے رہیں گے، ہم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ایسا عادل خلیفہ کبھی نہ پائیں گے جسے ہم فریاد کر سکیں''۔

(اخبار مکۃ للفاکھی، ذکر السمر والحدیث فی المسجد الحرام، الحدیث ١٣٣٩، ج ٢، ص ١٥١)

جب حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال فرمایا تو مشہور عربی شاعر جریر نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرثیہ ان الفاظ میں لکھا:

تَنْعَى النُّعَاةُ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَنَا
مُفَضَّلًا حَجَّ بَيْتَ اللّٰهِ وَاعْتَمَرَا
حَمَلْتَ اَمْرًا عَظِيْمًا فَاسْتَطَعْتَ لَهٗ
وَسِرْتَ فِيْهِ بِاَمْرِ اللّٰهِ مُؤْتَمِرَا

''خبر دینے والوں نے امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کی خبر کو حج وعمرہ کے ساتھ ملا دیا۔ انہوں نے ایک بہت بڑی بات کو برداشت کیا اور میں نے اس الم ناک خبر کو محض اس وجہ سے برداشت کر لیا کہ میں احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں مگن تھا''۔ (حلیۃ الاولیاء، عمر بن عبدالعزیز، الحدیث ٧٣٧٤، ج ٥، ص ٣٥٥۔ بتغیر)

ائمہ ھدیٰ کے ساتھ ٹھکانہ اور سبز پرچہ

مسلمہ بن عبدالملک کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا: ''اے امیر المؤمنین! کیسے حالات پیش آئے؟''

ارشاد فرمایا: ''اے مسلمہ! اب میں فارغ ہوں، بخدا میں نے دنیا میں کبھی آرام نہ کیا''۔

میں نے عرض کی: ''اے امیر المؤمنین! آپ اس وقت کہاں ہیں؟''

جواب دیا: ''میں ہدایت یافتہ اماموں کے ساتھ جنتِ عدن میں ہوں''۔

(تاریخ دمشق، الرقم ٥٢٣٢، عمر بن عبدالعزیز، ج ٤٥، ص ٢٦٢)

حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت غیر آباد مساجد میں تشریف لے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھتے رہتے جب سحری کا وقت ہوتا تو پیشانی زمین پر رکھ دیتے اور مٹی پر اپنے رخسار ملنے لگتے اور پھر طلوع فجر تک روتے رہتے اسی طرح جب ایک رات اپنی عادت کے مطابق انہوں نے کیا اور پھر جب فارغ ہو کر سر اُٹھایا تو ایک سبز پرچہ ملا جس کا نور آسمان تک پھیلا ہوا تھا اس پر لکھا تھا:

هٰذِهٖ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ مِنَ الْمَلِكِ الْعَزِيْزِ لِعَبْدِهٖ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ.

''یعنی خدائے مالک و غالب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ''جہنم کی آگ سے برأت نامہ'' ہے جو اس کے بندے عمر بن عبدالعزیز کو عطا ہوا ہے''۔

(تفسیر روح البیان، سورۃ الدخان، تحت الآیۃ ۳، ج ۸، ص ۴۰۲)

یاد رہے! یہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ساتھ فرماتا ہے جب کہ حدیث شریف میں ہے: ''جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے:

''اے انسان! تیری ہلاکت ہو تجھے میرے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈالا؟ کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میں فتنوں کا گھر، اندھیری کوٹھڑی، تنہائی اور وحشت کی جگہ اور کیڑوں مکوڑوں کا ٹھکانہ ہوں۔ تجھے میرے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈالا کہ تو میرے اوپر اکڑ اکڑ کر چلتا تھا اگر مردہ نیک ہو تو اس کی طرف سے کوئی جواب دینے والا قبر کو جواب دیتا ہے اور کہتا ہے:

''کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ شخص نیکی کا حکم دیتا اور بُرائی سے منع کرتا تھا''۔

تو قبر کہتی ہے:

''اگر یہ بات ہے تو میں اس پر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہوں اور اس کا جسم نور میں بدل جائے گا اور روح اللہ کی طرف پرواز کر جائے گی''۔

(المعجم الکبیر، الحدیث ۹۴۲، ص ۳۷۷۔ المعجم الاوسط، الحدیث ۶۱۳، ۸ ج ۶، ص ۲۳۲)

(9)

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے

کفارِ قریش میں سے ایک جماعت دربارِ رسالت میں آئی اور یہ کہا: آپ ہمارے دین کی پیروی کریں تو ہم بھی آپ کے دین کا اتباع کریں گے۔ ایک سال آپ ہمارے معبودوں (بتوں) کی عبادت کریں، ایک سال ہم آپ کے معبود اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراؤں۔ یہ سن کر کفارِ قریش نے کہا: اگر آپ بتوں کی عبادت نہیں کر سکتے تو کم سے کم آپ ہمارے بت کو ہاتھ ہی لگا دیجیے تو ہم آپ کی تصدیق کر لیں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے اس موقع پر سورۂ قل یایھا الکفرون نازل ہوئی اور حضور سید عالم ﷺ حرم کعبہ میں تشریف لے گئے اور کفارِ قریش کو یہ سورہ پڑھ کر سنائی تو کفارِ قریش مایوس ہو گئے اور پھر غصہ میں جل بھن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو طرح طرح کی ایذائیں دینے پر تل گئے۔ (خزائن العرفان ص ۷۱۵)

اس سورۂ پاک کے مضمون اور حضور سید لولاک ﷺ کے طرزِ عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کفر و اسلام میں کبھی مفاہمت اور موافقت نہیں ہو سکتی جو مسلمان کفار کی خوشنودی اور ان کی خوشامد کے لیے ان کی مذہبی تقریبات میں حصہ لیتے ہیں اور بت پرستی کی مشرکانہ رسموں میں چندہ دے کر شرکت کرتے ہیں ان کو اس سورۃ سے ہدایت کا نورانی سبق حاصل کرنا چاہیے اور ایمان رکھنا چاہیے کہ توحید اور شرک کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے جو مؤحد ہوگا وہ کبھی مشرک نہیں ہو سکتا اور جو مشرک ہوگا وہ کبھی مؤحد نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(10)

حق گوئی و بے باکی

خلیفہ ہشام بن عبدالملک حج کے لیے مکہ مکرمہ آیا ہوا تھا' ایک دن اہلِ مکہ سے کہا:

''کوئی صحابیِ رسول اگر زندہ ہیں تو ان سے ملنے کی خواہش رکھتا ہوں''۔

کہا گیا: ''تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وفات پا چکے ہیں''۔

کہنے لگا: ''اچھا تابعی ہی سہی''

چنانچہ حضرت طاؤس بن کیسان یمانی رحمۃ اللہ علیہ مکہ میں موجود تھے' لوگ گئے اور ان کو خلیفہ کے پاس لے آئے جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو اپنے جوتے قالین کے کنارے سے لگا کر اُتارے اور اس کو امیر المومنین کہنے کی بجائے پکارا:

''السلام علیکم! پھر اس کے قریب جا کر بیٹھ گئے''۔

ہشام کے چہرے پر غصے کے آثار دکھائی دیے اس وقت کا دستور تھا کہ خلیفہ کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ امیر المومنین کہہ کر کنیت کے ساتھ پکارا جاتا تھا لیکن حضرت طاؤس نے کنیت کی بجائے اس سے کہا:

كَيْفَ أَنْتَ يَا هِشَامُ؟ ''ہشام! تم کیسے ہو؟''

اب تو ہشام کو اور زیادہ غصہ آیا اور آپے سے باہر ہو کر بولا:

يَاطَاوُوْسُ' مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟

''اے طاؤس! آپ کو ایسا کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟''

حضرت طاؤس نے فرمایا:

وَمَا صَنَعْتُ؟ ''میں نے کیا کیا ہے؟'' اب خلیفہ ہشام کے غصے میں اور اضافہ ہو

گیا۔

بولا: پہلی غلطی یہ کہ آپ نے قالین کے کنارے سے لگا کر اپنے جوتے اُتارے (یہ ادب کے خلاف ہے)' دوسری غلطی یہ کہ آپ نے مجھے امیر المومنین کہہ کر سلام نہیں کیا اور مجھے میری کنیت سے پکارنے کی بجائے میرے نام سے پکارا ہے۔ مزید یہ کہ آپ نے کہا:

''اے ہشام! تم کیسے ہو؟ بھلا حکمرانوں کو ایسے پکارا جاتا ہے اور اس پر بھی طرہ یہ کہ میری اجازت کے بغیر میرے پاس آ کر بیٹھ گئے؟''

حضرت طاؤس نے فوراً جواب دیا:

''ہاں! میں نے تمہارے پاس داخل ہونے سے پہلے اپنے جوتے اُتارے مگر سنو! میں تو ہر روز پانچ مرتبہ اپنے رب تعالیٰ کے گھر کے دروازے پر جوتے اُتارتا ہوں اور وہ کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہوا''۔

تمہارا یہ کہنا کہ میں نے تمہیں امیر المومنین کہہ کر سلام نہیں کیا تو بات یہ ہے کہ تمام لوگ تو تمہاری خلافت سے راضی نہیں ہیں اور نہ ہی تمام مسلمان تمہیں امیر المومنین مانتے ہیں لہٰذا اس میں جھوٹ کا احتمال تھا اس لیے میں نے تمہیں امیر المومنین کہہ کر سلام نہیں کیا۔

تمہارا یہ کہنا کہ میں نے تمہیں کنیت کے ساتھ کیوں نہیں پکارا اور نام لے کر کیوں پکارا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دوستوں (نبیوں) کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: يَادَاوُدُ يَا يَحْيٰى' يَا مُوْسٰى ۔ اور اپنے بدترین دشمن کا کنیت سے ذکر کیا اور کہا:

تَبَّتْ يَدَا أَبِىْ لَهَبٍ ۔ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں''۔

رہا تمہارا یہ کہنا کہ میں بغیر اجازت کے تمہارے پاس آ کر بیٹھ گیا تو سنو! میں نے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

اِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ النَّارِ فَانْظُرْ اِلٰى رَجُلٍ جَالِسٍ وَحَوْلَهٗ قَوْمٌ قِيَامٌ ۔

''اگر تو کسی جہنمی کو دیکھنا چاہے تو اس آدمی کو دیکھ لے جو بیٹھا ہوا اور اس کے

Scanned with CamScanner

اردگرد لوگ ادب کے ساتھ کھڑے ہوں“۔

اس لیے میں کھڑا رہنے کے بجائے بیٹھ گیا۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک لاجواب ہوگیا اور غصہ ضبط کرنے کے کچھ دیر بعد بولا ”عظنی“ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔

حضرت طاؤس نے فرمایا:

اِنِّیْ سَمِعْتُ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ: اِنَّ فِیْ جَهَنَّمَ حَیَّاتٍ كَالْقِلَالِ وَعَقَارِبَ كَالْبِغَالِ تَلْدَغُ كُلَّ اَمِیْرٍ لَا یَعْدِلُ فِیْ رَعِیَّتِهٖ۔

”میں نے امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جہنم میں پہاڑ کی چوٹیوں کی طرح لمبے تڑنگے سانپ ہوں گے اور خچروں کی طرح بڑے بڑے بچھو ہوں گے جو رعایا کے ساتھ عدل وانصاف نہ کرنے والے امیر کو ڈسیں گے“۔ حضرت طاؤس کی وفات ۱۰۶ھ میں ہوئی۔

(وفیات الاعیان، ابن خلکان ۲/۵۱۰ دار صادر، بیروت)

(۱۱)

دس باتوں کی تاکید

رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو جھنڈا باندھ کر دیا اس کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو روانہ کرتے وقت جو وصیت فرمائی وہ گوش دل سے سننے کے لائق ہے کیونکہ اس میں ایسی اسلامی تعلیمات ہیں جو تمام جہان کے لیے رحمت اور برکت ہیں، ان کا مقابلہ تہذیب وثقافت کی دعوے دار موجودہ بیسویں صدی سے کیجیے۔ پوری دنیا کے مقابلے میں اسلام کی عظمت ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لوگو! ٹھہر جاؤ“ میں تمہیں دس باتوں کی تاکید کرتا ہوں، انہیں مجھ سے یاد رکھنا:

☆......خیانت نہ کرنا

☆......مال غنیمت میں سے کچھ نہ چھپانا

☆......معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرنا

☆......کسی جان دار کے اعضاء نہ کاٹنا

☆......کسی بچے، بوڑھے ضعیف اور عورت کو قتل نہ کرنا

☆......کسی کھجور کو کاٹنا، نہ ہی جلانا

☆......پھل دار درخت کو نہ کاٹنا

☆......کھانے کی ضرورت کے بغیر کسی بکری، گائے یا اونٹ کو ذبح نہ کرنا

☆......تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں کے لیے وقف کر دیا ہے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا

☆......تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے تو تمہارے پاس برتنوں میں رنگا رنگ

Scanned with CamScanner

کھانے لائیں گے جب تم ان میں سے کچھ کھاؤ تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا اب اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جاؤ''۔

(الخلفاء الراشدون للنجار بتصرف)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو اور ان پر رحم فرمائے۔ انہوں نے صرف مجاہدین اور مسلم اُمہ کو ہی نصیحت نہیں کی بلکہ دنیا بھر کے تمام لوگوں کو ایک اہم نصیحت سے روشناس کرایا ہے۔ مسلمان مجاہدین نے ان کی نصیحت کی روح پر عمل کیا اور دشمنوں پر فتح پائی۔ یہ اسلام کی بنیادی اور عمدہ ترین تعلیمات ہیں جنہیں عقلِ سلیم قبول کرتی ہے۔

ہمیں اسلام کی تعلیم اور فراخ دِلی پر غور کرنا چاہیے جو پوری عظمت کے ساتھ ان ہدایات میں جلوہ گر ہے۔ نیز علم، تہذیب وتمدن اور روشنی کے دعوے دار ممالک کے کرتوتوں اور اسلام کی جنگ اور فتح کے درمیان موازنہ کرنا چاہیے۔ ترقی اور تہذیب کے دعوے دار یہ ممالک جنگوں اور فتوحات میں اچانک اور اذیت ناک حملے کو کامیابی قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی بچے، بوڑھے، عورت یا فقیر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے پھر یہ اپنے مخفی عزائم کو دھوکے اور فریب سے پورا کرنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور ایسے حربے استعمال کرتے ہیں جن کی اجازت نہ تو شرافت دیتی ہے اور نہ ہی صحیح دین۔

افغانستان میں کیا ہوا؟ دنیا کی طاقت ور ترین قوت دنیا کے کمزور ترین ملک پر بغیر کسی ثبوت جرم کے چڑھ دوڑتی ہے اور قیدیوں کو کیوبا کے پنجروں میں بند کر دیتی ہے، انہیں وکیل تک کی سہولت فراہم نہیں کی جاتی، یہ جنگل کا قانون نہیں ہے تو کیا ہے؟

(سدا بہار خوشبوئیں)

(12)

حضرت بایزید بسطامی اور پادری

حضرت سیّدنا بایزید بسطامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ایک دن میں کسی سفر میں اپنی خلوت و راحت سے لطف اُٹھا رہا تھا، غور و فکر اور یادِ الٰہی میں مشغول تھا کہ اچانک میرے دل میں بات ڈالی گئی کہ اے بایزید بسطامی! سمعان کے گرجا گھر میں جاؤ اور راہبوں کے ساتھ ان کی عید اور قربانی میں شرکت کرلو۔ اس میں ہمارے لیے ایک خبر اور اہم معاملہ ہے''۔

فرماتے ہیں: ''میں نے اس خیال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی اور کہا:

''میں اس کی پرواہ نہیں کروں گا''۔

جب رات ہوئی تو خواب میں ہاتفِ غیبی کی آواز آئی اور اس نے وہی بات دہرائی۔ میں ہانپتے کانپتے بے دار ہو کر اُٹھ بیٹھا اور ابھی اس سوچ میں گم تھا کہ دل میں پھر ندا آئی:

''تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، تم ہمارے ولی و نیک بندے ہو، تمہارا نام فرماں برداروں کے رجسٹر میں درج ہے لیکن ہماری خاطر راہبوں کا سا لباس اور زنار پہن لو، تم پر کوئی گناہ نہیں''۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں صبح سویرے اُٹھا اور حکم کی بجا آوری میں جلدی کی۔ راہبوں کا لباس پہنا اور سمعان کے گرجا گھر پہنچ گیا جب ان کا بڑا پادری آیا تو تمام راہب اکٹھے ہو گئے اور اس کو سننے کے لیے سب نے کان لگا دیئے لیکن اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور وہ کوئی بات نہ کر سکا گویا اس کے منہ میں لگام دے دی گئی ہو۔ یہ

Scanned with CamScanner

(۲۲) ان چودہ کے متعلق بتاؤ جنہوں نے رب العالمین جل جلالہ سے کلام کیا۔

(۲۳) کون سی قبر صاحبِ قبر کو لے کر چلی؟

(۲۴) وہ کون سا پانی ہے جو آسمان سے اُترا نہ زمین سے نکلا؟

(۲۵) ان چار کے نام بتاؤ جو باپ کی پشت سے پیدا ہوئے نہ ماں کے بطن سے۔

(۲۶) زمین پر سب سے پہلا خون کس کا بہایا گیا۔

(۲۷) اس شئے کے متعلق بتاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھر خود ہی خرید لیا۔

(۲۸) ایسی شئے کے متعلق بتاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور خود ہی ناپسند فرمایا۔

(۲۹) اس چیز کے متعلق بتاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور عظمت بھی بخشی۔

(۳۰) اس چیز کے متعلق بتاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھر خود ہی اس کے متعلق سوال کیا۔

(۳۱) سب سے افضل عورتیں کون ہیں؟

(۳۲) سب سے افضل دریا کون سے ہیں؟

(۳۳) افضل ترین پہاڑ کون سا ہے؟

(۳۴) سب سے افضل چوپایہ کون سا ہے؟

(۳۵) افضل ترین مہینہ کون سا ہے؟

(۳۶) سب سے افضل رات کون سی ہے؟

(۳۷) ''الطامۃ'' سے کیا مراد ہے؟

(۳۸) وہ کون سا درخت ہے جس کی بارہ شاخیں ہیں' ہر شاخ پر تیس پتے ہیں اور ہر پتے میں پانچ رنگ ہیں' دو سورج کی روشنی میں اور تین سائے میں؟

(۳۹) وہ کون سی چیز ہے جس نے بیت الحرام کا حج کیا اور طواف کیا حالانکہ اس میں روح نہیں اور نہ ہی اس پر حج فرض تھا؟

(۴۰) اللہ تعالیٰ نے کتنے نبی پیدا فرمائے؟

(۴۱) ان میں سے کتنے مرسل اور کتنے غیر مرسل ہیں؟

(۴۲) وہ کون سی چار چیزیں ہیں جن کا رنگ اور ذائقہ مختلف ہے مگر اصل ایک ہے؟

(۴۳) نقیر کیا ہے؟

(۴۴) قطمیر کیا ہے؟

(۴۵) فتیل کیا ہے؟

(۴۶) السبد کیا ہے؟

(۴۷) اللبد کیا ہے؟

(۴۸) الطم کیا ہے؟

(۴۹) الرم کیا ہے؟

(۵۰) کتا بھونکنے میں کیا کہتا ہے؟

(۵۱) گدھا رینکنے میں کیا کہتا ہے؟

(۵۲) بیل ڈکرانے میں کیا کہتا ہے؟

(۵۳) گھوڑا ہنہنانے میں کیا کہتا ہے؟

(۵۴) اونٹ بلبلانے میں کیا کہتا ہے؟

(۵۵) مور اپنی چیخ و پکار میں کیا کہتا ہے؟

(۵۶) تیتر اپنی سیٹی میں کیا کہتا ہے؟

(۵۷) بلبل اپنے نغموں میں کیا کہتا ہے؟

(۵۸) مینڈک اپنی تسبیح میں کیا کہتا ہے؟

(۵۹) ناقوس (نصاریٰ کا گھنٹہ جسے وہ اپنی عبادت کے وقت بجاتے ہیں) اپنی آواز میں کیا کہتا ہے؟

(۶۰) ایسی قوم کے متعلق بتاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی وہ جنوں میں سے ہے نہ انسانوں میں سے اور نہ ہی فرشتوں میں سے؟

(۶۱) جب دن نکلتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے اور

(۶۲) جب رات چھا جاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟''

Scanned with CamScanner

حضرت سیّدنا ابویزید بسطامی قدس سرہ النورانی نے پوچھا:

''کیا ان کے علاوہ بھی کوئی سوال ہے؟'' تو سب پادریوں نے کہا: ''نہیں!''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''اگر میں نے ان کے جوابات صحیح طور پر دے دیئے تو کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ گے؟''

سب نے کہا: ''جی ہاں!''

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

''یا اللہ! تو ان کی باتوں پر گواہ ہے''۔

پھر فرمایا: ''اب اپنے سوالات کے جوابات سنتے جاؤ:

۱) وہ ایک جس کا دوسرا نہیں تو وہ اللہ واحد قہار ہے۔

۲) وہ دو جن کا تیسرا نہیں تو وہ دن اور رات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ (پ۱۵ بنی اسرائیل:۱۲)

''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا''۔

۳) وہ تین جن کا چوتھا نہیں تو وہ عرش، کرسی اور قلم ہیں۔

۴) وہ چار جن کا پانچواں نہیں تو وہ آسمانی کتابیں ''تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک'' ہیں۔

۵) وہ پانچ جن کا چھٹا نہیں تو وہ پانچ نمازیں ہیں جو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہیں۔

۶) وہ چھ جن کا ساتواں نہیں تو وہ چھ دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا ذکر قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ق (پ۲۶ ق:۳۸)

''اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ

دن میں بنایا''۔

۷) وہ سات جن کا آٹھواں نہیں تو وہ سات آسمان ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۔ (پ۲۹ الملک:۳)

''سات آسمان ایک کے اوپر دوسرا''۔

۸) وہ آٹھ جن کا نواں نہیں تو وہ عرش اُٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ (پ۲۹ الحاقۃ:۱۷)

''اور اس دن تمہارے رب کا عرش اپنے اوپر آٹھ فرشتے اُٹھائیں گے''۔

(حدیث شریف میں ہے کہ حاملینِ عرش آج کل چار ہیں، روزِ قیامت ان کی تائید کے لیے چار کا اور اضافہ کیا جائے گا، آٹھ ہو جائیں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے ملائکہ کی آٹھ صفیں مراد ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانے) (خزائن العرفان)

۹) وہ نو جن کا دسواں نہیں تو وہ نو افراد کی جماعت تھی جو فساد برپا کرنے والے تھے۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ (پ۱۹ النمل:۴۸)

''اور شہر میں نو شخص تھے زمین میں فساد کرتے اور سنوار نہ چاہتے''۔

۱۰) عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (یعنی مکمل دس دن) سے مراد وہ دن ہیں جن میں حج تمتع کرنے والا ہدی کا جانور نہ پانے کی صورت میں روزے رکھتا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ (پ۲ البقرۃ:۱۹۶)

''تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھو اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ یہ

پورے دس ہوئے"۔

۱۱) وہ گیارہ جن کا بارہواں نہیں تو وہ حضرت سیّدنا یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت سیّدنا یوسف علیہ السلام کا قول حکایت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا (یوسف:۴)

"میں نے گیارہ ستارے دیکھے"۔

(صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیۂ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

"حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ آسمان سے گیارہ ستارے اُترے اور ان کے ساتھ سورج اور چاند بھی ہیں' ان سب نے آپ کو سجدہ کیا۔ یہ خواب شبِ جمعہ کو دیکھا' یہ رات شبِ قدر تھی۔ ستاروں کی تعبیر آپ کے گیارہ بھائی ہیں اور سورج آپ کے والد اور چاند آپ کی والدہ یا خالہ۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام راحیل ہے۔ سدی کا قول ہے کہ چونکہ راحیل کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے قمر سے آپ کی خالہ مراد ہیں اور سجدہ کرنے سے تواضع کرنا اور مطیع ہونا مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حقیقتاً سجدہ مراد ہے کیونکہ اس زمانہ میں سلام کی طرح سجدۂ تحیت تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف اس وقت بارہ سال تھی اور سات اور سترہ کے قول بھی آئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی اس لیے ان کے ساتھ ان کے بھائی حسد کرتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اس پر مطلع تھے اس لیے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

"اے میرے بچے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا"۔

۱۲) وہ بارہ جن کا تیرہواں نہیں تو وہ مہینوں کی تعداد ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ

(پ۱۰التوبۃ:۳۶)

"بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں"۔

۱۳) وہ تیرہ جن کا چودہواں نہیں تو وہ حضرت سیّدنا یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب ہے جیسا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝ (پ۱۲یوسف:۴)

"میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا"۔

۱۴) وہ قوم جنہوں نے جھوٹ بولا پھر بھی جنت میں داخل کر دیے گئے تو وہ حضرت سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی ہیں جیسا کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُۚ (پ۱۲یوسف:۱۷)

"اے ہمارے باپ! ہم دوڑ کرتے نکل گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا"۔

انہوں نے جھوٹ بولا پھر بھی جنت میں داخل کر دیے گئے۔

۱۵) وہ قوم جنہوں نے سچ بولا لیکن جہنم میں داخل کر دیے گئے تو وہ یہود و نصاریٰ ہیں اور ان کا یہ قول ہے:

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ (پ۱البقرۃ:۱۱۳)

"اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں"۔

Scanned with CamScanner

(صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیۂ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

''شانِ نزول: نجران کے نصاریٰ کا وفد سید عالم ﷺ کی خدمت میں آیا تو علمائے یہود آئے اور دونوں میں مناظرہ شروع ہوگیا۔ آوازیں بلند ہوئیں' شور مچا۔ یہود نے کہا: نصاریٰ کا دین کچھ نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل شریف کا انکار کیا اسی طرح نصاریٰ نے یہود سے کہا: تمہارا دین کچھ نہیں اور توریت شریف و حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی)

انہوں نے سچ کہا لیکن جہنم میں داخل کردیے گئے۔

۱۶) تمہارے جسم میں تمہارے نام کا ٹھکانہ کان ہیں (یعنی جب کوئی نام بولا جاتا ہے تو کان ہی سنتے ہیں)

۱۷) الذریت ذروا (یعنی بکھیر کر اڑانے والیاں) سے مراد چار ہوائیں ہیں'

ان چار ہواؤں کے نام یہ ہیں:

الف) پُروا یعنی مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی ہوا۔

ب) پچھوا یعنی مغرب سے مشرق کی طرف چلنے والی ہوا۔

ج) جنوبی یعنی جنوب سے شمال کی طرف چلنے والی ہوا اور

د) شمالی یعنی شمال سے جنوب کی طرف چلنے والی ہوا

نیز حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

''ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں' ان میں چار باعثِ رحمت ہیں:

الف) الناشرات: بادلوں کو اٹھانے اور اڑانے والی ہوائیں۔

ب) المبشرات: بارش کی خبر دینے والی ہوائیں۔

ج) الذاریات: خاک وغیرہ اڑانے والی ہوائیں اور

د) المرسلات: مسلسل چلنے والی ہوائیں

اور چار باعثِ زحمت ہیں،

الف) العاصفات: تیز ہوائیں آندھیاں

ب) القاصب: زوردار گرج والی ہوائیں' یہ دونوں تری میں چلتی ہیں

ج) الصرصر: انتہائی سرد برفیلی ہوائیں یا شدید آواز والی ہوائیں اور

د) العقیم: بے بارش ہوا۔ آخری دونوں ہوائیں خشکی میں چلتی ہیں''۔

(الموسوعۃ لابن ابی الدنیا' کتاب المطر والرعد والبرق والریح' باب فی الریح' الحدیث ۱۴۷' ج ۸' ص ۴۵۱)

۱۸) ''الحملت وقرا'' سے مراد بادل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (پ۲' البقرہ: ۱۶۴)

''اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے''۔

۱۹) اَلْجٰرِيٰتِ يُسْرًا (یعنی نرم چلنے والیاں) سے مراد دریا میں چلنے والی کشتیاں ہیں۔

۲۰) ''فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا'' سے مراد ملائکہ ہیں جو لوگوں کا رزق پندرہ شعبان سے دوسرے سال پندرہ شعبان تک تقسیم کرتے ہیں۔

۲۱) جن چودہ نے رب العلمین عزوجل سے کلام کیا تو وہ سات آسمان اور سات زمینیں ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے:

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○

(پ۲۴' حم السجدہ: ۱۱)

''تو اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا: دونوں حاضر ہو جاؤ خوشی سے چاہے ناخوشی سے' دونوں نے عرض کی: ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے''۔

۲۲) وہ قبر جو صاحب قبر کو ساتھ لے کر چلی تو وہ حضرت سیدنا یونس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مچھلی ہے۔

۲۳) جو چیز بلا روح ہے مگر سانس لیتی ہے تو وہ صبح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ○ (پ۳۰' التکویر: ۱۸)

Scanned with CamScanner

"اور صبح کی جب دَم لے"۔

۲۴) وہ پانی جو آسمان سے اُترا نہ زمین سے نکلا تو وہ گھوڑوں کا پسینہ ہے جس کو شیشے کی بوتل میں بھر کر ملکۂ بلقیس نے حضرت سیّدنا سلیمان بن داؤد علیہما الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا تھا۔

۲۵) وہ چار نفوس جو باپ کی پشت سے پیدا ہوئے نہ ماں کے بطن سے تو وہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت سیدہ حوا رضی اللہ عنہا، حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا اور حضرت سیّدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہیں۔

۲۶) زمین پر سب سے پہلا خون ہابیل کا بہایا گیا جب قابیل نے اسے قتل کیا۔

۲۷) ایسی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا پھر خرید لیا تو وہ مومن کی جان ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
(پ۱۱، التوبۃ:۱۱۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے"۔

(صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیہ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

"راہِ خدا میں جان و مال خرچ کر کے جنت پانے والے ایمان داروں کی ایک تمثیل ہے جس سے کمالِ لطف و کرم کا اظہار ہوتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے انہیں جنت عطا فرمانا ان کے جان و مال کا عوض قرار دیا اور اپنے آپ کو خریدار فرمایا۔ یہ کمال عزت افزائی ہے کہ وہ ہمارا خریدار بنے اور ہم سے خریدے کس چیز کو جو نہ ہماری بنائی ہوئی نہ ہماری پیدا کی ہوئی۔ جان ہے تو اس کی پیدا کی ہوئی۔ مال ہے تو اس کا عطا فرمایا ہوا۔

شانِ نزول: جب انصار نے رسول کریم ﷺ سے شب عقبہ بیعت کی تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے کچھ شرط فرمالیجیے جو آپ چاہیں۔ فرمایا: میں اپنے رب کے لیے تو یہ شرط کرتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لیے یہ کہ جن چیزوں سے تم اپنے جان و مال کو بچاتے اور محفوظ رکھتے ہو اس کو میرے لیے بھی گوارا نہ کرو"۔

انہوں نے عرض کیا: "ہم ایسا کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟"

فرمایا: "جنت"۔

۲۸) ایسی شئے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ناپسند کیا تو وہ گدھے کی آواز ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (پ۲۱، لقمان:۱۹)

"بے شک سب آوازوں میں بُری آواز، آواز گدھے کی"۔

(صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیہ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

"مدعا یہ ہے کہ شور مچانا اور آواز بلند کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے اور اس میں کچھ فضیلت نہیں ہے گدھے کی آواز باوجود بلند ہونے کے مکروہ اور وحشت انگیز ہے نبی کریم ﷺ کو نرم آواز سے کلام کرنا پسند تھا اور سخت آواز سے بولنے کو ناپسند رکھتے تھے)

۲۹) ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اسے بڑا کہا تو وہ عورتوں کا مکر ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۔ (پ۱۲، یوسف:۲۸)

"بے شک تمہارا چرتر (فریب) بڑا ہے"۔

۳۰) وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر اس کے متعلق سوال کیا تو وہ حضرت سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک فرماتا ہے: وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا

Scanned with CamScanner

عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ (پ۱۶،طٰہٰ:۱۷۔۱۸)

''اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! عرض کی یہ میرا عصا ہے' میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں''۔

(صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیہ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

''اس سوال کی حکمت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو دیکھ لیں اور یہ بات قلب میں خوب راسخ ہو جائے کہ یہ عصا ہے تاکہ جس وقت وہ سانپ کی شکل میں ہو تو آپ کے خاطر مبارک پر کوئی پریشانی نہ ہو یا یہ حکم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانوس کیا جائے تاکہ ہیبت مکالمت کا اثر کم ہو''۔(مدارک وغیرہ) اس عصا میں اوپر کی جانب دو شاخیں تھیں اور اس کا نام ''نبعہ'' تھا)

۳۱) سب سے افضل عورتیں اُم البشر حضرت سیدہ حوا رضی اللہ عنہا' حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا' حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' حضرت سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا ہیں۔

۳۲) سب سے افضل دریا سیحون جیحون' دجلہ' فرات اور مصر کا دریائے نیل ہیں۔

۳۳) سب سے افضل پہاڑ طور ہے۔

۳۴) سب سے افضل چوپایہ گھوڑا ہے۔

۳۵) سب سے افضل مہینہ ماہِ رمضان المبارک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (پ۲،البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا۔

۳۶) سب سے افضل رات شبِ قدر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ (پ۳۰،القدر:۳)

''شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر''۔

۳۷) ''الطامۃ'' سے مراد قیامت ہے۔

۳۸) وہ درخت جس کی بارہ شاخیں ہیں' ہر شاخ میں تیس پتے' ہر پتے میں پانچ رنگ' دو سورج کی روشنی میں اور تین سائے میں تو وہ درخت سال ہے' بارہ مہینے اس کی بارہ شاخیں ہیں' تیس پتے تیس دن ہیں اور پانچ رنگ پانچ نمازیں ہیں' تین سائے یعنی مغرب' عشا اور فجر' دو روشنی میں یعنی ظہر اور عصر۔

۳۹) وہ ایسی چیز جس میں روح نہیں اور نہ ہی اس پر حج واجب تھا پھر بھی اس نے کعبہ مبارکہ کا طواف کیا تو وہ حضرت سیّدنا نوح نجی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی ہے۔

۴۰) اللہ تعالیٰ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء پیدا فرمائے۔

۴۱) ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

۴۲) چار اشیاء جن کا ذائقہ اور رنگ مختلف ہے مگر اصل ایک ہے تو وہ آنکھ' ناک' منہ اور کان ہے۔ آنکھ کا پانی نمکین' منہ کا پانی میٹھا' ناک کا پانی ترش اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے۔

۴۳) نقیر ایک جھلی ہے جو گٹھلی کے اوپر ہوتی ہے۔

۴۴) قطمیر انڈے کے چھلکے کو کہتے ہیں۔

۴۵) فتیل سے مراد گٹھلی کے اندر کا گودا ہے۔

۴۶) السبند اور

۴۷) اللبد بھیڑ اور بکری کے بالوں کو کہتے ہیں۔

۴۸) الطم اور

۴۹) الرم ہمارے باپ حضرت سیّدنا آدم صفی اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کی جنات قومیں ہیں۔

۵۰) گدھا جب شیطان کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ (ناجائز) ٹیکس لینے والے پر لعنت فرمائے''۔

Scanned with CamScanner

٥١) کتا اپنے بھونکنے میں کہتا ہے:

وَيْلٌ لِّاَهْلِ النَّارِ مِنْ غَضَبِ الْجَبَّارِ .

''دوزخیوں کے لیے ہلاکت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہیں''۔

٥٢) بیل اپنے ڈکرانے میں کہتا ہے:

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ .

٥٣) گھوڑا اپنے ہنہنانے میں کہتا ہے:

''پاک ہے میری حفاظت فرمانے والا جب جنگجو لڑتے ہیں اور مردانِ کار لڑائی میں مصروف ہوتے ہیں''۔

٥٤) اونٹ اپنے بلبلانے میں کہتا ہے:

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَكَفٰى بِهٖ وَكِيْلًا .

''میرے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی اور وہی میرا کارساز ہے''۔

٥٥) مور اپنی چیخ و پکار میں کہتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى . (پ١٦، طٰہ:٥)

''وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے''۔

٥٦) تیتر اپنی سیٹی میں کہتا ہے:

بِالشُّكْرِ تَدُوْمُ النِّعَمُ .

''اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے نعمتیں ہمیشہ رہتی ہیں''۔

٥٧) بلبل اپنے نغموں میں یوں گویا ہوتا ہے:

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ٥ (پ٢١، الروم:١٧)

''تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور جب صبح ہو''۔

(صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیہ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

''پاکی بولنے سے یا تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و ثنا مراد ہے اور اس کی احادیث میں بہت فضیلتیں وارد ہیں یا اس سے نماز مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ کیا پنج گانہ نمازوں کا بیان قرآن پاک میں ہے؟''

فرمایا: ''ہاں!''

اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا: ان میں پانچوں نمازیں اور ان کے اوقات مذکور ہیں''۔

٥٨) مینڈک اپنی تسبیح میں کہتا ہے:

سُبْحَانَ الْمَعْبُوْدِ فِي الْبَرَارِيْ وَالْقِفَارِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ .

''پاک ہے جنگلوں اور چٹیل میدانوں میں عظیم معبود، پاک ہے خدائے جبار''۔

٥٩) ناقوس اپنی آواز میں کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ حق ہے، اے ابن آدم! اس دنیا کے مشرق و مغرب میں دیکھ! کسی کو ہمیشہ باقی رہنے والا نہ پائے گا''۔

٦٠) ایسی قوم جس کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی، وہ جنوں میں سے ہے نہ انسانوں میں سے اور نہ ہی ملائکہ میں سے تو وہ شہد کی مکھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ٥ (پ١٤، النحل:٦٨)

''اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں اور چھتوں میں''۔

٦١) جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ اور

٦٢) جب رات چھا جاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟ یہ تو اللہ کے پوشیدہ علم میں ہے، کسی نبی یا مقرب فرشتے پر بھی ظاہر نہیں۔

مذکورہ تمام جواب دینے کے بعد حضرت سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ النورانی نے

Scanned with CamScanner

پوچھا:

"کیا تمہارا کوئی سوال باقی ہے؟"

انہوں نے کہا: "نہیں!

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پادری سے فرمایا:

"بتاؤ آسمانوں اور جنت کی چابی کیا ہے؟"

ان کا بڑا پادری خاموش رہا تو سب نے اسے کہا:

"آپ نے اتنے سوال پوچھے اور انہوں نے سب کے جواب دیئے اب انہوں نے ایک ہی سوال کیا اور آپ جواب دینے سے عاجز آ گئے"۔

پادری نے کہا:

"میں عاجز نہیں آیا لیکن مجھے ڈر ہے کہ میں جواب دوں گا تو تم تسلیم نہیں کرو گے"۔ انہوں نے کہا:

"کیوں نہیں! ہم مانیں گے کیونکہ آپ ہمارے بزرگ ہیں' آپ جو بھی فرمائیں گے ہم سر تسلیم خم کریں گے"۔

تو بڑے پادری نے کہا:

"آسمان اور جنت کی چابی کلمۂ طیبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے"۔

جب دیگر پادریوں اور راہبوں نے سنا تو وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے گرجا گھر توڑ کر اسے مسجد میں تبدیل کر دیا اور اپنے اپنے زنار بھی توڑ دیئے۔ حضرت سیّدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ النورانی کو غیب سے آواز آئی:

"اے ابو یزید! تو نے ہمارے لیے ایک زنار باندھا تو ہم نے تیری خاطر پانچ سو زنار توڑ دیئے"۔ (الروض الفائق)

(13)

سورۂ توحید کے جلوے

کفارِ عرب نے حضورِ اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے سوال کیے۔ کوئی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نسب اور خاندان کیا ہے؟ اس نے ربوبیت کس سے میراث میں پائی ہے؟ اور اس کا وارث کون ہوگا؟ کسی نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سونے کا ہے' چاندی کا' لوہے کا ہے یا لکڑی کا؟ کسی نے یہ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کیا کھاتا پیتا ہے؟

ان سوالوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ نازل فرمائی اور اپنی ذات وصفات کا واضح بیان فرما کر اپنی معرفت کی راہ روشن کر دی اور کفار کے جاہلانہ خیالات و اوہام کی تاریکیوں کو جن میں وہ لوگ گرفتار تھے' اپنی ذات وصفات کے نورانی بیان سے دُور فرما دیا اور ارشاد فرمایا: (خزائن العرفان ۷۱۶)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۂ اخلاص)

"تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کی چند آیتوں میں "علم الٰہیات" کے وہ نفیس اور اعلیٰ مطالب بیان فرما دیئے ہیں کہ جن کی تفصیلات اگر بیان کی جائیں تو کتب خانے کے کتب خانے پر ہو جائیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور الوہیت میں صفت عظمت و کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ مثل و نظیر و شبیہ سے پاک ہے ان کا کوئی شریک نہیں۔

Scanned with CamScanner

وہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ کسی کا محتاج ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

وہ قدیم ہے اور پیدا ہونا حادث کی شان ہے اس لیے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ اس کا کوئی مجانس ہے نہ اس کا عدیل ومثیل ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کی فضیلتوں کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اس کو تہائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے یعنی اگر تین مرتبہ اس سورہ کو پڑھا جائے تو پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔

ایک شخص نے حضور سید عالم ﷺ سے عرض کیا:

مجھے اس سورہ سے محبت ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی"۔

(خزائن العرفان ص۱۰۷۶ بحوالہ ترمذی)

ایک پنجابی شاعر نے اس پوری سورۃ کا بہت خوب صورت ترجمہ ایک شعر میں کیا ہے

آکھ دیو اوہ اللہ اک ہے جی خاص بے پرواہ اللہ ذات ہے جی
نہ اس جمیاں جایا نہ کسے اس نوں سانویں نال اس دے کدی بات ہے جی

(14)

ایک درویش خدا مست مجاہد کی داستانِ محبت

یہ سن ۱۴ ہجری کی بات ہے' ایرانی سپہ سالار رستم کی قیادت میں بیاسی ہزار کا فر فوجیں تھیں جب مجاہدینِ اسلام (جن کی تعداد سات یا آٹھ ہزار تھی) اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایرانی سرحد پر قادسیہ کے مقام پر جمع ہوئے تو رستم نے مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ کہہ کر اپنا ایلچی بھیجا کہ تم فوجیوں میں سے کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر میرے پاس بھیجو تاکہ اس سے تبادلہ خیال کروں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا جو تیس سالہ جوان تھے اور فقراءِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تھے اور ان سے فرمایا:

"جاؤ اور اپنی وضع قطع میں کچھ تبدیلی نہ کرنا کیونکہ ہم ایسی قوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے عزت وشان بخشی ہے اگر ہم نے اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ذریعے سے عزت وشان طلب کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل ورسوا کر دے گا"۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی نصیحت سن کر اپنے دُبلے پتلے اور لاغر گھوڑے پر سوار ہوئے اور پھٹا پرانا لباس پہنے ہوئے ہاتھ میں چھوٹا سا نیزہ لے کر روانہ ہو گئے جب رستم کو خبر پہنچی کہ مسلمانوں کا نمائندہ اس کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہے تو اس نے اپنے اردگرد حکماء ووزراء اور فوجیوں کو اکٹھا کیا۔ وہ تمام کے تمام صف بندی کر کے تیار ہو گئے تاکہ ان کی یہ ہیئت دیکھ کر مسلمان نمائندہ مرعوب ہو

جائے اور اچھی طرح گفتگو نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں مسلم نمائندے کی آمد کی خبر سن کر رستم نے اپنی مجلس کو سونے کے تاروں سے کڑھے ہوئے تکیوں اور ریشم کی مسندوں سے سجایا اور قیمتی یاقوت و جواہرات سے مزین تاج پہنے ہوئے سونے کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

جب ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو رستم نے اپنے فوجیوں اور وزیروں کو انہیں اندر لانے کا حکم دیا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ بوسیدہ کپڑوں میں اپنے چھوٹے سے گھوڑے پر سوار ہی داخل ہوئے اور ریشم کی مسندوں کے کناروں کو اپنے گھوڑے کے سموں سے روندتے ہوتے آگے بڑھے، آپ کے جسم پر ہتھیار، زرہ اور خود تھا۔

سپاہیوں نے کہا: ''اپنے ہتھیار اُتار دو''۔

ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اِنِّیْ لَمْ اٰتِکُمْ، وَاِنَّمَا جِئْتُکُمْ حِیْنَ دَعَوْتُمُوْنِیْ، فَاِنْ تَرَکْتُمُوْنِیْ هٰکَذَا، وَاِلَّا رَجَعْتُ .

''میں خود سے بغیر بلائے تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ تمہاری دعوت پر یہاں آیا ہوں لہٰذا اگر تم نے مجھے اس حال میں چھوڑا تو ٹھیک ورنہ واپس جاتا ہوں''۔

یہ سن کر رستم نے اپنے سپاہیوں سے کہا: ''اس کو ایسے ہی آنے دو''۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ مسندوں کے اوپر اپنے نیزے پر ٹیک لگاتے ہوئے اور اکثر مسندوں کو نیزے کی اَنی سے پھاڑتے ہوئے داخل ہوئے تاکہ رستم اور اس کے سپاہیوں کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ یہ دنیا انتہائی حقیر و ذلیل ہے، اللہ کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہیں اور اس کی حقارت و رذالت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ناز و نعم اپنے ایک کافر بندے کے حوالے کر دیے ہیں۔

ادھر مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ وہ زمین پر بغیر کسی بچھونے کے سو جاتے تھے۔

جب حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ رستم کے سامنے کھڑے ہوئے تو اس نے کہا:

''بیٹھ جاؤ''۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں تیرے پاس مہمان بن کر نہیں آیا کہ بیٹھوں بلکہ ایک نمائندے کی حیثیت سے آیا ہوں۔ تمہیں جو بات کرنی ہے کرو''۔ رستم نے ترجمان کی وساطت سے کہنا شروع کیا:

''اہلِ عرب! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ قسم میرے معبود کی! تم لوگوں سے زیادہ ذلیل و خوار قوم ہم نے کہیں اور نہیں دیکھی۔ رومیوں کی اپنی ایک تہذیب ہے، اہلِ فارس کی اپنی ایک تہذیب ہے، یونان کی اپنی ایک تہذیب ہے، ہندوستانیوں کی اپنی ایک تہذیب ہے مگر تم اہلِ عرب جھگڑالو اور ضدی لوگ ہو، بکریوں اور اونٹوں کو ریگستان میں دوڑانے والے ہو، آخر تم لوگ کس نیت سے ہماری سرحد میں آئے ہو؟'' ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہاں اے بادشاہ! ہم ویسے ہی تھے جیسا کہ تم نے کہا ہے بلکہ ہم اس سے بھی گئے گزرے تھے، ہم جاہل و گنوار تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے، بکریوں کو پانی پلانے پر جھگڑتے، اپنے قریبی عزیز کو معمولی بات پر قتل کر دیتے، ہمیں کسی نظام اور دستور کا کچھ علم تھا اور نہ ہی ہمارے پاس تہذیب و تمدن نام کی کوئی چیز تھی''۔

یہ کہہ کر ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کو تھوڑا سا جھکا دیا اور پھر رستم کی طرف مخاطب ہوئے۔ ان کی آواز بلند ہو گئی تھی اور وہ کہہ رہے تھے:

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰی عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ، وَمِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا اِلٰی سَعَةِ الْاٰخِرَةِ، وَمِنْ جَوْرِ الْاَدْیَانِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ .

''لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لے جائیں، دنیا کی تنگی و پریشانی سے نکال کر آخرت کی وسعت و فراوانی کی طرف لے جائیں اور مختلف مذاہب کے ظلم و جور سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف کی طرف

Scanned with CamScanner

لے جائیں''۔ یہ سننا تھا کہ رستم غصے میں آگ بگولا ہوگیا اور کہنے لگا:

وَاللّٰہِ لَا تَخْرُجُ حَتّٰی تَحْمِلَ تُرَابًا مِنْ بِسَاطِیْ ۔

''اللہ کی قسم! تم اس وقت تک واپس نہیں جاسکتے جب تک کہ اپنے سر پر میری سرزمین کی مٹی اُٹھا کر نہ لے جاؤ''۔

رستم نے حکم دیا کہ ان کے سر پر مٹی کا ٹوکرا رکھ دیا جائے۔ کسریٰ کے غلام نے حکم کی تعمیل میں مٹی کا ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا جسے لے کر وہ تیزی سے مسلمانوں کے کیمپ میں واپس آئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کے منتظر تھے۔ دیکھا کہ ربعی کے سر پر مٹی کا ٹوکرا ہے۔ پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' عرض کیا:

''آپ کو فتح مبارک ہو، دشمن نے اپنی سرزمین کی مٹی لڑائی سے پہلے ہی آپ کے حوالے کردی ہے''۔

مسلمانوں نے ربعی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ خیمے گونج اُٹھے۔ آواز بلند ہوئی: ''یہ مٹی کا ٹوکرا فتح کی نشانی ہے''۔

اگلا دن مسلمانوں کے لیے فتح ونصرت کا تھا۔ سورج کی شعاعیں کفر کی ظلمت کو مٹانے کے لیے روشن ہوئیں۔ مسلمانوں کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مجاہدین کی صفِ اوّل میں نکلے پھر مجاہدینِ اسلام اور دشمنانِ اسلام آمنے سامنے ہوئے اور دونوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ تین دن تک گھمسان کا رن پڑا اس مدت میں ضلالت وگمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ایرانی فوجیوں کے سروں کو جو کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی پہچان سے خالی تھے مجاہدینِ اسلام کچلتے رہے اور کفار کے سروں کو اُڑاتے رہے یہاں تک کہ دشمنانِ اسلام شکستِ فاش سے دوچار ہوگئے۔ وہ مسلمانوں کی تلواروں کی جھنکار اور ان کے خنجروں کی چمک کی تاب نہ لاسکے، مسلمانوں کو تاریخ ساز فتح نصیب ہوئی۔ چوتھے روز سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے جس نے ایک ہزار سال تک لوگوں پر حکمرانی کی تھی جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے محل میں سونے سے ملمع سازی کا کام دیکھا اور وہاں ہیرے جواہرات، قیمتی پتھر اور موتیوں کے نقش ونگار دیکھے تو اللہ کے اس انعام پر بے

اختیار رونے لگے اور قرآنِ کریم کی ان آیات کی تلاوت کرنے لگے:

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝

(الدخان: ۲۵ تا ۲۹)

''وہ (فرعون اور اس کی جماعت) بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے، کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کررہے تھے اسی طرح ہوگیا (جس طرح بیان کیا گیا ہے) اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنادیا۔ چنانچہ ان پر آسمان وزمین روئے نہ انہیں مہلت ملی''۔

(اس واقعہ کی تفصیل البدایۃ والنہایۃ ۹/۶۲۱، حیاۃ الصحابۃ ۴/۵۱۵، تاریخ طبری ۳/۳۳ اور دیگر تاریخ کی کتب میں دیکھی جاسکتی ہے)

(15)

یہ ہے احساسِ ذمہ داری

"اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ تیرا گناہ نہیں بلکہ میری ذمہ داری ہے"۔

یہ وہ کلمات ہیں جو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نصر بن حجاج کو کہے۔ یہ ایک نوجوان تھا جسے اللہ تعالیٰ نے دل فریب حسن و جمال عطا فرمایا تھا اور عورتیں راتوں کو اس کے نام کے گیت گاتی تھیں۔

اس کا سبب یہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب نے لوگوں کی جانوں، عزتوں اور مالوں کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ ایک رات گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت کے گانے کی آواز ان کے کان میں پڑی۔ وہ کہہ رہی تھی:

هَلْ مِنْ سَبِيلٍ إِلَى خَمْرٍ فَأَشْرَبَهَا
أَمْ هَلْ سَبِيلٌ إِلَى نَصْرِ بْنِ حَجَّاجِ

"کیا مجھے پینے کے لیے شراب مل سکتی ہے؟ یا نصر بن حجاج تک پہنچنے کا راستہ مل سکتا ہے؟"

حضرت فاروقِ اعظم نے دل میں سوچا کہ یہ نصر بن حجاج کون ہے؟ جس کے بارے میں پردہ نشین خواتین گیت گاتی ہیں۔ کیا عمر کے دَور میں بھی ایسا ہو سکتا ہے؟

صبح ہوئی تو اس کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ بنو سُلیم میں سے ہے۔ آپ نے اسے طلب کیا، جب وہ آیا تو دیکھا کہ وہ تو واقعی حسن و جمال کا پیکر مجسم ہے۔ وہ تو عورتوں کے لیے آئیڈیل بلکہ فتنہ ہے۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ سر کے بال استرے سے منڈوا دے۔ حکم کی تعمیل کی گئی تو اس کا حسن مزید دوبالا ہو گیا تب آپ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تو اس خطۂ زمین پر نہیں رہے گا جہاں میں موجود ہوں"۔

اسے ضرورت کا ساز و سامان دے کر بصرہ کے ایک گاؤں میں بھیج دیا۔

اسی طرح ایک رات گشت پر نکلے تو کچھ عورتوں کو آپس میں گفتگو کرتے ہوئے سنا۔

ایک عورت نے پوچھا:

"مدینہ منورہ کا حسین ترین نوجوان کون سا ہے؟"

دوسری عورت نے کہا:

"ابوذئب! میں نے اس سے زیادہ خوب صورت آج تک نہیں دیکھا"۔

صبح ہوئی تو آپ نے اس کے بارے میں دریافت کیا اور اسے طلب کیا جب اسے دیکھا تو وہ سچ مچ انسانوں کے درمیان چلتا پھرتا فتنہ دِکھائی دیا۔ آپ کو محسوس ہوا کہ یہ تو مسلمانوں کی عزتوں کے لیے خطرہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! تو بھیڑیا ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم تو تو عورتوں کا بھیڑیا ہے"۔

پھر فرمایا:

"میری جان کے مالک کی قسم! میں اور تم ایک آبادی میں نہیں رہ سکتے"۔

اسے ضرورت کی چیزیں فراہم کیں اور اسے بصرہ بھیج دیا اور اس طرح اس کا شر اور فتنہ دُور کر دیا۔

یہ تھا حضرت فاروقِ اعظم کو بڑی باز پرس کا احساس۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"مجھ سے قیامت کے دن مسلمانوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ مجھ ہی سے آخرت میں مسلمانوں کے بارے میں باز پرس ہوگی"۔

اللہ تعالیٰ کے خوف کے سبب اس بھاری ذمہ داری کے شعور نے انہیں اُمتِ مسلمہ کا پاسبان بنا دیا تھا جو حاکم خیانت، فریب اور غداری کا مرتکب ہو اس کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

نصر بن حجاج کی ماں حضرت فاروقِ اعظم کے پاس حاضر ہوئی اور کہنے لگی:

Scanned with CamScanner

"آپ کے بیٹے عبداللہ کی ماں تو اپنے بیٹے سے پیار کرتی ہے اور اسے دیکھ کر راحت حاصل کرتی ہے۔ آپ نے میرے بیٹے کو جلاوطن کر کے بصرہ بھیج دیا ہے اور مجھے دردوغم میں مبتلا کر دیا ہے"۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! اگر نوخیز لڑکیاں میرے بیٹے عبداللہ کا ذکر اس رومانوی انداز میں کریں جس طرح تیرے بیٹے نصر بن حجاج کا کرتی ہیں تو میں اپنے بیٹے کو بھی اس کے پاس بھیج دوں گا لیکن ان دونوں میں فرق ہے"۔

اللہ تعالیٰ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر رحمت و رضوان کی برکھا برسائے' وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی جان' عزت اور مال کا محافظ سمجھتے تھے اسی لیے آپ نے لشکروں کے کمانڈروں کو حکم دے رکھا تھا کہ شادی شدہ افراد کو چار ماہ میں پندرہ دن کے لیے ان کے اہل وعیال کے پاس بھیج دیا کریں تاکہ ان کی پاک دامنی محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا عمل اپنایا جا سکے۔

(من رشحات القلم للشیخ السید محمد صالح فرفور علیہ الرحمہ)

(16)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رضی اللہ عنہ کا پورا نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے اور نسب مبارک، عبدِ مناف جا کر نبی پاک ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بغداد شریف کا سفر کیا اور دو سال وہاں قیام فرمایا پھر مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور یہاں چند ماہ قیام فرمایا پھر مصر تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ رات کو تین حصوں میں تقسیم فرمالیتے:

"تہائی علم کے لیے' تہائی نماز کے لیے اور تہائی نیند کے لیے"۔

(احیاء علوم الدین' کتاب العلم' باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما' ج ۱ ص ۴۴)

حضرت سیدنا ربیع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"حضرت سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ روزانہ ایک قرآنِ عظیم ختم کیا کرتے تھے"۔ (تاریخ بغداد' الرقم ۴۵۴' محمد بن ادریس الشافعی' ج ۲' ص ۶۱)

مزید فرماتے ہیں:

"حضرت سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ماہِ رمضان المبارک کے نوافل میں ساٹھ بار قرآن پاک ختم کرتے تھے"۔

(احیاء علوم الدین' کتاب العلم' باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما' ج ۱ ص ۴۴)

مؤرخین (تاریخ لکھنے والے) فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ فلسطین کے ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر دو سال تھی کہ والدِ محترم انتقال فرما گئے۔ والدہ ماجدہ آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً و تکریماً لے آئیں۔ وہیں آپ رضی اللہ عنہ نے پرورش پائی اور اہلِ علم کے اجتماعات میں شرکت فرمائی۔ پس اللہ تعالیٰ

نے آپ رضی اللہ عنہ پر علم کا وہ دروازہ کھولا جو کسی پر نہ کھولا تھا یہاں تک کہ جب عمر مبارک پندرہ برس ہوئی تو مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً کے مفتی اعظم حضرت سیّدنا مسلم بن خالد زنجی علیہ رحمۃ اللہ آپ رضی اللہ عنہ کو فتوٰی کی ترغیب دینے لگے۔

(کتاب الثقات لابن حبان، باب المیم، الرقم ۲۹۹۷ محمد بن ادریس الشافعی، ج۵، ص۴۰۶)

حضرت سیّدنا حسن کرابیسی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے کئی بار حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ الکافی کی معیت میں رات گزاری۔ میں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک تہائی رات نماز پڑھتے اور کبھی پچاس آیات سے زیادہ تلاوت نہ کرتے اگر کبھی زیادہ پڑھتے تو بھی سو آیات تک پہنچتے جب کسی آیتِ رحمت کی تلاوت کرتے تو بارگاہِ الٰہی میں اپنے لیے اور تمام مومنین کے لیے اطاعت پر قائم رہنے کی دعا کرتے اور جب آیتِ عذاب پڑھتے تو اس سے پناہ طلب کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمام اہلِ ایمان کے لیے نجات کی دعا کرتے''۔

(تاریخ بغداد، الرقم ۴۵۴، محمد بن ادریس الشافعی، ج۲، ص۶۱)

آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''میں نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی نہ سچی قسم کھائی نہ جھوٹی''۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۹۱، ج۹، ص۱۳۶، ج۹، ص۱۳۵)

آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''سولہ سال سے میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کیونکہ یہ بدن کو بھاری کرتا، دل کو سخت کرتا، ذہانت کو ختم کرتا، نیند کو غالب کرتا اور بندے کو عبادت میں سست کرتا ہے''۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۹۱، ج۹، ص۱۳۶، بدون "فی عمری")

ایک بار آپ رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ خاموش رہے پھر جواب دیا جب آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا:

''آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟''

تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''تاکہ میں جان سکوں کہ خاموش رہنے میں بہتری ہے یا جواب دینے میں''۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج۱، ص۴۴)

حضرت سیّدنا حمیدی علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ اپنے کسی کام کے سلسلے میں یمن تشریف لے گئے جب واپس مکہ مکرمہ آئے تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس دس ہزار درہم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مکہ شریف سے باہر ہی خیمہ نصب کر لیا۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے رہے جب آپ رضی اللہ عنہ خیمے سے باہر نکلے تو سارا مال راہِ خدا میں تقسیم کر چکے تھے''۔

ایک دفعہ حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ حمام سے باہر نکلے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سارا مال حمام کو دے دیا۔

(المرجع السابق، ج۱، ص۴۵، بتغیر قلیل)

ایک دن آپ رضی اللہ عنہ سوار تھے کہ کوڑا ہاتھ سے گر گیا۔ ایک شخص نے اُٹھا کر پیش کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سونے کے پچاس دینار عطا فرمائے۔

(المرجع السابق، ج۱، ص۴۵۔ بتغیر قلیل)

اکتسابِ فیض

حضرت سیّدنا امام مزنی علیہ الرحمہ اور حضرت سیّدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''میں آپ سے مؤطا پڑھنا چاہتا ہوں''۔

حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میرے کاتب حبیب کے پاس چلے جاؤ' وہ اس کی قرأت کرتا ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو! مجھ سے ایک صفحہ سن لیجیے اگر میرا پڑھنا اچھا لگے تو میں آپ رضی اللہ عنہ کو پڑھ کر سناؤں گا ورنہ چھوڑ دوں گا"۔

حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"پڑھیے!"

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک صفحہ پڑھا اور خاموش ہو گئے۔

حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مزید پڑھیے"۔

آپ رضی اللہ عنہ ایک صفحہ پڑھ کر پھر خاموش ہو گئے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے پھر ارشاد فرمایا:

"مزید پڑھیے"

آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پڑھا تو امام مالک رضی اللہ عنہ کو بہت اچھا لگا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے امام مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں پوری مؤطا پڑھی اور جب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے تو امام مالک رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو تمہیں پڑھائے"۔

حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی:

"حضور! میں چاہتا ہوں کہ آپ خود میرا پڑھنا سماعت فرمائیں اگر اچھا نہ پڑھ سکوں تو کوئی پڑھانے والا تلاش کر لوں گا"۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"اچھا! ٹھیک ہے' پڑھیے"

تو حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے از اوّل تا آخر پوری مؤطا شریف زبانی پڑھ ڈالی۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس پر حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے دعا دی اور انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا"۔

(حلیۃ الاولیاء' الامام الشافعی' الحدیث ۱۳۱۷۷/۱۳۱۷۸/۱۳۱۸۰' ج ۹' ص ۷۸' بتغیر)

حضرت سیّدنا ربیع بن سلیمان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"ایک بار میں نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے لدا ہوا بُختی اونٹ لیا جس پر میرے ان سے سنے ہوئے علم کے سوا کچھ نہ تھا"۔

(حلیۃ الاولیاء' الامام الشافعی' الحدیث ۱۳۱۹۸' ج ۹' ص ۸۶)

حضرت سیّدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"میں نے بچپن ہی میں علم کی تلاش شروع کر دی تھی جب کہ میرے پاس کوئی مال نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ میں مکتب جاتا اور تیر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے کر ان پر احادیثِ مبارکہ لکھ لیا کرتا تھا"۔

(حلیۃ الاولیاء' امام الشافعی' الحدیث ۱۳۱۹۵' ج ۹' ص ۸۵۔ بدون "فی الصغر")

اے اہلِ اسلام! لگاتار محنت کر کے یہ لوگ مراد کو پہنچے' سچی طلب کی بدولت ان کو توفیق کی دولت ملی اور عظیم ہمت کی وجہ سے لوگوں کے پیشوا بن گئے۔ اے سننے والے! یاد رکھ! بلند ہمتیں انسان کو اہم درجات کے قریب کر دیتی ہیں جو اپنے آپ کو تھکاتا ہے وہی آرام پاتا ہے۔ اے فضول کاموں میں عمر برباد کرنے والے! تو ہلاک ہوا جب کہ باقی لوگ اپنا مقصد پا کر کامیاب ہو گئے۔ اے بُرے انجام سے اپنی نگاہیں ہٹانے والے! فضائل و مناقب کو ضائع کرنے سے بچ تو نے کھیل کود میں جو عمر گزاری وہ تجھے کافی نہ ہوئی اور اپنی حالت کی تبدیلی سے بھی تو نے کوئی وعظ و نصیحت حاصل نہ کی اور تیری ساری عمر نقصان کی کمائی میں گزر گئی اور تو آخرت میں اس حالت میں آئے گا جو تجھے خوش نہ کرے گی۔

حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

"جس نے دعویٰ کیا کہ میں نے دنیا اور خالقِ دنیا کی محبت اپنے دل میں جمع کر لی تو اس نے جھوٹ بولا"۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۵)

گر کر قدموں پہ قرباں ہو گیا

منقول ہے کہ ایک بار حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ نے کسی درزی سے قمیص سلوائی۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ سے ناواقف تھا اس نے مذاق کرتے ہوئے دائیں آستین اتنی تنگ کر دی کہ اس میں آپ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بمشکل داخل ہوتا اور بائیں اتنی کشادہ کر دی کہ اس میں سر بھی داخل ہو سکتا تھا جب قمیص آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ تنگ آستین وضو میں اوپر چڑھانے کے لیے بہتر ہے اور کھلی آستین کتاب رکھنے کے لیے موزوں ہے"۔

اسی دوران خلیفۂ وقت کا قاصد دس ہزار درہم لے کر آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ درزی کے پاس ہی اس کی آپ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قاصد کو فرمایا:

"اس درزی کو کپڑوں کی سلائی دے دو"۔

جب درزی نے قاصد سے آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا:

"یہ حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں"۔

یہ سنتے ہی وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہو لیا اور قدم بوسی کر کے معذرت کی پھر آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہی رہنے لگا اور آپ رضی اللہ عنہ کے حلقۂ احباب میں شامل ہو گیا۔

حضرت سیّدنا ربیع علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"جب میرا نکاح ہوا تو حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا:

"تو نے کتنا مہر مقرر کیا؟"

عرض کی:

"تیس دینار"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا:

"اپنی اہلیہ کو کتنی رقم دی؟"

میں نے عرض کی:

"چھ دینار"۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک تھیلی بھجوائی جس میں چوبیس دینار تھے اور ۲۰۱ سنِ ہجری مجھے جامع مسجد میں مؤذن لگوا دیا"۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الجود والسخاء، الحدیث ۱۰۹۶۲، ج ۷، ص ۴۵۲)

آپ رضی اللہ عنہ کا ارشادِ پاک ہے:

"اپنی جان پر سب سے زیادہ ظلم کرنے والا وہ ہے کہ جب وہ کوئی مرتبہ حاصل کر لے تو اپنے عزیز و اقارب پر ظلم کرے، شناسا و واقف کار لوگوں کو نہ پہچانے، شرفاء کو حقیر جانے اور صاحبِ فضل پر تکبر کرے"۔

خوفِ خدا کا عالم

ایک دن کسی نے حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کے سامنے اس آیتِ مبارکہ کی تلاوت کی:

هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ ۝

(پ ۲۹، المرسلٰت: ۳۵۔۳۶)

"یہ دن ہے کہ وہ بول نہ سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں"۔

(صدر الافاضل، سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

"نہ کوئی ایسی حجت پیش کر سکیں گے جو انہیں کام دے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"روزِ قیامت بہت سے موقع ہوں گے، بعض میں کلام کریں گے، بعض میں کچھ بول نہ سکیں گے اور در حقیقت ان کے پاس کوئی عذر ہی نہ ہوگا کیونکہ دنیا

Scanned with CamScanner

میں حجتیں تمام کر دی گئیں اور آخرت کے لیے کوئی جائے عذر باقی نہیں رکھی گئی البتہ انہیں یہ خیالِ فاسد آئے گا کہ کچھ حیلے بہانے بنائیں۔ مگر حیلے پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی"۔

جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس کو عذر ہی کیا ہے جس نے نعمت دینے والے سے روگردانی کی' اس کی نعمتوں کو جھٹلایا اس کے احسانوں کی ناسپاسی کی"۔)

تو آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ متغیر ہو گیا' رونگٹے کھڑے ہو گئے اور جسم کے جوڑ کپکپانے لگے اور آپ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو کر زمین پر تشریف لے آئے جب افاقہ ہوا تو عرض کی:

"یاالٰہی! میں جھوٹوں کے ٹھکانے اور غافل لوگوں کے منہ پھیرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ یااللہ! اہلِ معرفت کے دل تیرے لیے جھک گئے اور مشتاق لوگوں کی گردنیں تیری ہیبت کے سامنے جھک گئیں۔ اے میرے مالک و مولیٰ! مجھے اپنا فضل و کرم عطا فرما اور اپنے پردۂ بخشش میں چھپا لے اور اپنے لطف و کرم سے میری کوتاہیاں معاف فرما دے"۔

(احیاالعلوم' کتاب العلم' باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما' ج ۱' ص ۴۵)

اے مسلمان! دیکھ! جب حضرت سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اتنے علم کے باوجود یہ حال ہے تو تو بے علم ہونے کے باوجود کیسے بے خوف ہے۔ غافل جاہلوں کے لیے بربادی ہے۔ ان کی عمریں چھین لی جائیں گی' زندگی کے شب و روز ختم ہو جائیں گے اور گناہ لکھ دیئے جائیں گے اب وہ نصیحت حاصل کرنے سے بہرے یا اندھے ہیں جب کہ نصیحتیں تو واضح ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا○ (پ۵' النساء: ۷۸)

"تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے"۔

سخت دل والے ذکر کے اجتماعات سے ایسے ہی نکلتے ہیں جیسے داخل ہوئے تھے۔

چنانچہ ربِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○ (پ۲۲' یٰس: ۱۰)

"اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں"۔

نصیحتیں ان کے دلوں کے گرد گھومتی رہتی ہیں مگر داخل ہونے کا راستہ نہیں پاتیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫

(پ۱' البقرہ: ۷)

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے"۔

(خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کفار ضلالت و گمراہی میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ حق کے دیکھنے' سننے' سمجھنے سے اس طرح محروم ہو گئے جیسے کسی کے دل اور کانوں پر مہر لگی ہو اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندوں کے افعال بھی تحتِ قدرتِ الٰہی ہیں۔)

اس کے باوجود مایوس نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ شراب ایک رات میں سرکہ بن جاتی ہے چنانچہ مقلب القلوب ارشاد فرماتا ہے:

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ (پ۱۸' النور: ۴۴)

"اللہ بدلی کرتا ہے رات اور دن کی"۔

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے گھر سے نکلے تو سخت دل تھے لیکن جب ایمان لائے تو دل صاف ہونے پر نرم پڑ گئے۔

اے مسلمان!!! اللہ تجھ پر رحم فرمائے اگر تجھے اندھیرے ڈھانپ لیں تو علمائے اسلام کی پیروی کر۔

Scanned with CamScanner

ایک نوجوان کو نصیحت

حضرت سیِّدنا عبداللہ بن محمد بلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں حضرت سیِّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بغداد کے کسی علاقے میں تھا' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اچھے طریقے سے وضو کر رہا تھا تو اسے ارشاد فرمایا:

''اے لڑکے! اپنا وضو ٹھیک کر۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں تجھ پر احسان فرمائے گا''۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ نوجوان نے جلدی سے وضو مکمل کیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملا۔ وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو پہچانتا نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور استفسار فرمایا:

''کیا کوئی کام ہے؟''

عرض کی:

''جی ہاں! مجھے بھی وہ علم سکھائیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے''۔

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جان لے! جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت پالی وہ نجات پا گیا' جس نے اپنے دین کے معاملے میں خوف کیا وہ تباہی سے بچ گیا' جس نے دنیا میں زُہد اختیار کیا تو کل (بروزِ قیامت) جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ثواب دیکھے گا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی''۔

(پھر فرمایا) کیا تجھے کچھ مزید بتاؤں؟

''اس نے عرض کی:

''جی ہاں! ضرور بتائیے''۔

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''جس میں تین خوبیاں جمع ہو گئیں اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

۱) جو نیکی کا حکم دے اور خود بھی اس پر عمل کرے۔

۲) جو بُرائی سے منع کرے اور خود بھی اس سے باز رہے۔

۳) جو حدودِ الٰہی کی حفاظت کرے''۔

پھر ارشاد فرمایا:

''کیا کچھ اور بھی بتاؤں؟''

عرض کی:

''کیوں نہیں! ضرور بتائیے''۔

تو ارشاد فرمایا:

''دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا شوق رکھنے والا ہو جا اور اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے سچ کا معاملہ کر نجات پانے والوں کے ساتھ نجات پا جائے گا''۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ چل دیئے۔ بعد میں اس نوجوان نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا تو اسے بتایا گیا:

''یہ حضرت سیِّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے''۔

(احیاء علوم الدین' کتاب العلم' باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم ......الخ' ج ۱' ص ۴۵ ملخصاً)

آپ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ لوگ (میرے) اس علم سے فائدہ اُٹھائیں اور میری طرف اس میں سے کسی شئے کو منسوب نہ کریں''۔

(المرجع السابق' ج ۱' ص ۴۶)

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے جس سے بھی مناظرہ کیا تو یہی خواہش رہی کہ اسے حق کی توفیق ملے' وہ سیدھے راستے پر رہے' اس کی مدد کی جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی حفاظت و رعایت حاصل ہو۔ میں نے جس سے بھی کلام کیا تو یہی پسند کیا کہ

اس کے سامنے حق ظاہر ہو اور اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی کہ اللہ تعالیٰ میری زبان پر حق واضح کرتا ہے یا دوسرے کی زبان پر"۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۴۱، ج ۹، ص ۱۲۵۔ المرجع السابق، ج ۱، ص ۳۶ بتغیر)

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جس پر حق اور دلیل قائم کی اور اس نے میری بات مان لی تو میں نے اس کی تعظیم و توقیر کی اور اس کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی اور جس نے حق بات میں میرا انکار کیا اور میری دلیل کی (بے جا) مخالفت کی تو وہ میری نگاہوں سے گر گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ (حلیۃ الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۲۷، ج ۹، ص ۱۲۵)

حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں چالیس سال سے جو بھی نماز پڑھتا ہوں اس میں حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعا ضرور کرتا ہوں"۔

آپ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے نے عرض کی:

"اے والدِ محترم! یہ شافعی کون شخص ہے، جس کے لیے آپ دعا کرتے ہیں؟"

تو حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"اے میرے بیٹے! حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے لیے سورج کی طرح اور لوگوں کے لیے عافیت کا باعث تھے تو اب بتاؤ۔ کیا ان دو صفات میں کوئی ان کا نائب ہے؟"

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم، ج ۱، ص ۳۶)

قارئین کرام! ایسے ہی صالح و پاک باز علمائے کرام رحمہم اللہ دنیا کے لیے سورج کی طرح اور لوگوں کے لیے عافیت کا باعث ہیں۔ ان کا نائب بھی کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے بلائیں دُور کرتا اور آسانیاں نازل فرماتا ہے۔ برکت عام ہوتی ہے اور رحمت بٹتی ہے۔

سبحان اللہ! یہ کیسے عظیم لوگ تھے۔ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو جاتے تھے جب کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کی طرف بھاگتے ہو۔ اسلافِ کرام رحمہم

اللہ شیطان کو نامراد کرتے تھے جب کہ تم سے شیطان مسخری کرتا ہے۔ تمہارے اور ان کے درمیان کتنی دُوری ہے؟ دنیا تم پر حکمرانی کر رہی ہے جب کہ وہ دنیا پر حکمرانی کرتے تھے۔ پس تم دنیا کے غلام ہو جب کہ وہ اس کی غلامی سے آزاد تھے۔ ان کے پاس سفرِ آخرت کا زادِ راہ تھا اس لیے انہیں شرمندگی نہ اُٹھانی پڑی۔ انہوں نے زمانے کی قدر جانی تو زندگی میں ہوشیار رہے اگر تم سحری کے وقت ان کا دیدار کرو تو انہیں ہدایت کے ستارے پاؤ گے۔ نہیں بلکہ وہ تو ہدایت کے چاند ہیں جو رات کی تاریکی میں بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہو کر عذر پیش کرتے رہتے ہیں جب کہ تم نیند اور غفلت کے طوفانی سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہو۔

دنیا سے بے رغبتی

حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کو دنیا سے کوئی رغبت نہ تھی۔ لغو اور بے ہودہ باتوں سے اجتناب فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو کسی عالم کی بُرائی کر رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اپنے کانوں کو غیبت سننے سے پاک رکھو جیسے اپنی زبان کو غیبت کرنے سے بچاتے ہو اس لیے کہ غیبت سننے والا بھی کرنے والے کا شریک ہوتا ہے بلاشبہ بے وقوف شخص جب اپنے برتن میں گندگی دیکھتا ہے تو اسے تمہارے برتنوں میں انڈیلنا چاہتا ہے اگر بے وقوف کی بات کاسختی سے انکار کر دیا گیا تو انکار کرنے والا اسی طرح خوش بختی سے سرفراز ہو جیسے بے وقوف بدبختی کا مستحق بنتا ہے"۔

(احیاء الاولیاء، الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۳۶۴، ج ۹، ص ۱۳۰)

منقول ہے کہ حضرت سیّدنا عبدالقاہر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ ایک متقی اور نیک شخص تھے۔ وہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تقویٰ کے مسائل دریافت کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ ان کے تقویٰ کی وجہ سے ان کی طرف توجہ فرماتے۔ ایک بار انہوں نے عرض کی:

"صبر، آزمائش اور طاقت و قدرت میں سے کون سی چیز افضل ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "طاقت کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا درجہ ہے اور

آزمائش کے بعد ہی طاقت ملتی ہے جب کسی کی آزمائش ہوتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے تو اسے طاقت دی جاتی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزمائش میں ڈالا پھر انہیں طاقت عطا فرمائی۔ حضرت سیّدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزمائش میں مبتلا فرمایا پھر انہیں قوت عطا فرمائی اسی طرح حضرت سیّدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتحان لیا پھر انہیں بھی طاقت دی اور حضرت سیّدنا سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی آزمائش میں مبتلا فرما کر عظیم بادشاہت عطا فرمائی۔ پس طاقت کا درجہ سب سے بلند ہے''۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۶)

حضرت سیّدنا عبدالملک بن عبدالحمید میمونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر ہوا تو میں نے دیکھا کہ امام احمد رضی اللہ عنہ ان کی بہت تعظیم کر رہے تھے پھر ارشاد فرمایا:

''مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ اس اُمت میں ہر سو سال کے سرے پر ایک ایسا شخص بھیجے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو قائم کرے گا''۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب مایذکر فی قرن المائۃ، الحدیث ۴۲۹۱، ص ۱۵۳۵)

(پھر فرمایا) حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز پہلی صدی کے مجدد تھے اور میں امید کرتا ہوں کہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی کے مجدد ہیں''۔

(المستدرک، کتاب الفتن والملاحم، باب ذکر بعض المجددین فی ھذہ الامۃ، روایۃ استاذ ابی الولید، تحت الحدیث ۸۶۳۹، ج ۵، ص ۷۳۰)

حضرت سیّدنا ہارون بن سعید بن ہیثم ایلی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی نہ دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ مصر

میں ہمارے پاس تشریف لائے تو لوگوں نے کہا: ''ایک قریشی فقیہہ ہمارے پاس آئے ہیں''۔

پس ہم آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوب صورت چہرے والا اور آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ ہم انتظار کرتے رہے جب آپ رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کر لی تو گفتگو کا آغاز فرمایا۔ ہم نے آپ رضی اللہ عنہ سے اچھا کلام کرنے والا بھی کوئی نہ دیکھا''۔

حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عام طور پر حقیقت دنیا سے بے رغبتی اور دلوں کے بھیدوں کے متعلق کلام فرمایا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے:

''وہ شخص دنیا سے کیسے بے رغبت ہو سکتا ہے جو آخرت کی معرفت نہیں رکھتا؟ وہ کیسے دنیا سے خلاصی پا سکتا ہے جو خود کو جھوٹی طمع سے خالی نہ کرے؟ وہ کیسے سلامتی پا سکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ نہ ہوں؟ وہ کیسے حکمت پا سکتا ہے جس کا کلام رضائے الٰہی کے لیے نہ ہو؟''

کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ریا کیا ہے؟''

تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''جب تجھے اپنے عمل میں خود پسندی کا ڈر ہو تو دیکھ تو کس کی رضا کا طالب ہے؟ کس ثواب کی طرف رغبت رکھتا ہے؟ کس عذاب سے ڈرتا ہے؟ کس عافیت کا شکر ادا کرتا ہے؟ اور کس مصیبت کو یاد کرتا ہے؟'' (جب تو ان میں سے کسی چیز میں غور و فکر کرے گا تو اپنے اعمال کو حقیر پائے گا)

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج ۱، ص ۴۶)

شعری ذوق

حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کے بہت سے اشعار ہیں جو حکمت ونصیحت پر مشتمل ہیں۔ ہم یہاں پر ان کا ذکر کریں گے جو ہم تک پہنچے اور آپ رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہیں۔

Scanned with CamScanner

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام حقائق اور دقیق معانی پر بھی مشتمل ہے جس میں سے کچھ حضرت سیِّدنا سوید بن سعید علیہ رحمۃ اللہ المجید نے نقل فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیِّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی مدینہ منورہ میں نمازِ فجر کے بعد بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کی:

''میں گناہوں کے سبب اس بات سے خوف زدہ ہوں کہ اپنے رب کے حضور پیشی کے وقت میرے پاس سوائے توحید کے کوئی عمل نہ ہوگا''۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:

''اے بندۂ مومن! اگر اللہ تعالیٰ تجھے معافی سے مایوس کرنے کا ارادہ بھی کر لے تو بھی تیرے گناہ بخشنا اس کے لیے ناممکن نہیں کیونکہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے: وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (پ۴،اٰل عمران:۱۳۵)

''اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے''۔

اور اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جہنم کی سزا اور ہمیشہ اس میں ٹھہرانے کا ارادہ فرمالیا ہوتا تو تجھے توحید و مغفرت کی توفیق نہ دیتا پھر آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے چند اشعار پڑھے جو یہ ہیں:

اِنْ كُنْتَ تَغْدُوْ فِي الذُّنُوْبِ جَلِيْدًا
وَتَخَافُ فِيْ يَوْمِ الْمَعَادِ وَعِيْدًا
فَلَقَدْ اَتَاكَ مِنَ الْمُهَيْمِنِ عَفْوُهٗ
وَاَتَاحَ مِنْ نِعَمٍ عَلَيْكَ مَزِيْدًا
لَا تَيْاَسَنَّ مِنْ لُطْفِ رَبِّكَ فِي الْحَشَا
فِيْ بَطْنِ اُمِّكَ مُضْغَةً وَّوَلِيْدًا
لَوْ شَاءَ اَنْ تَصْلٰى جَهَنَّمَ خَالِدًا
مَا كَانَ اَلْهَمَ قَلْبَكَ التَّوْحِيْدَا

''اگر تو گناہوں میں پگھل کر برف بن چکا ہے اور اب قیامت کے دن کی سزا

سے ڈر رہا ہے تو یاد رکھ! حفاظت فرمانے والا خدا عزوجل تجھ پر عفو و کرم فرمائے گا اور تجھے اپنی مزید نعمتیں فراہم کرے گا۔ اے شخص! تو اپنی ماں کے پیٹ کے اندر لوتھڑے اور نوزائیدہ بچے کی طرح تھا تو تب بھی اس نے اپنے لطف و کرم سے تجھے مایوس نہ کیا اگر وہ تجھے ہمیشہ جہنم میں جلانا چاہتا تو تیرے دل میں اپنی وحدت پر ایمان داخل نہ کرتا''۔

یہ سن کر وہ آدمی رو پڑا اور عبادت شروع کر دی۔ وہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کلام سے بہت مسرور ہوا۔

آپ علیہ رحمۃ اللہ کی چند دعائیں

آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کئی اشعار اور دعائیں ارشاد فرمائی ہیں۔ حضرت سیِّدنا عبداللہ بن مروان علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''میں حضرت سیِّدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ کے علمی حلقہ میں بیٹھتا اور آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے سیکھ کر لکھا کرتا۔ ایک صبح میں آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے پاس حاضر ہوا تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو مسجد میں موجود پایا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں بیٹھ گیا حتّٰی کہ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز سے فارغ ہوئے تو دعائیں فرمائیں۔ ان میں سے کچھ میں نے یاد کر لیں جن میں سے ایک یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ امْنُنْ عَلَيْنَا بِصَفَاءِ الْمَعْرِفَةِ وَهَبْ لَنَا تَصْحِيْحَ الْمُعَامَلَةِ فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ عَلَى السُّنَّةِ وَارْزُقْنَا صِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ وَامْنُنْ عَلَيْنَا بِكُلِّ مَا يُقَرِّبُنَا اِلَيْكَ مَقْرُوْنًا بِعَوَافِي الدَّارَيْنِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔

''یعنی اے اللہ! ہم پر احسان فرماتے ہوئے خالص معرفت عطا فرما۔ ہمیں ان معاملات کی درستگی عطا فرما جو ہمارے اور تیرے درمیان ہیں اور اپنی ذات پر سچا توکل اور حسنِ یقین عطا فرما۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنی خاص رحمت سے ہمیں ہر وہ بھلائی عطا فرما جو دنیا و آخرت کی عافیتوں

Scanned with CamScanner

کے ساتھ ساتھ تیرا قرب بخشے''۔ آمین!

حضرت عبداللہ علیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''جب آپ رضی اللہ عنہ دعا سے فارغ ہوئے تو مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہولیا پھر آپ رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور آسمان کو دیکھ کر زیرِ لب کچھ اشعار پڑھنے لگے۔ آپ علیہ الرحمہ بارگاہِ خداوندی میں یوں دعا کرتے:

''یارب العالمین! میں تیری پاکیزگی کے نورِ عظمت اور تیرے جلال کی برکت کی پناہ مانگتا ہوں ہر آفت و مصیبت اور شریر جن وانس کے پیش آنے سے، سوائے اس کے جو خیر لائے۔ اے اللہ! تو ہی میری پناہ گاہ اور جائے قرار ہے لہٰذا میں تجھی سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ اے وہ ذات جس کے آگے بڑے بڑے جابروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں خم ہو جاتی ہیں۔ یاالٰہی! میں تیرے سامنے رسوا ہونے، عیبوں کا پردہ چاک ہونے، تیری یاد بھول جانے اور تیرے شکر سے منہ موڑنے سے تیرے جلال و کرم کی پناہ میں آتا ہوں۔ میرے دن رات، آرام وسکون اور سفر تیرے حفظ و امان میں ہیں۔ تیری حمد وثنا میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں ہر عیب سے تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیرے وجہ کریم کی تکریم کرتا ہوں۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! مجھے رسوائی اور اپنے بندوں کے شر سے محفوظ فرما اور بُری خفیہ تدبیر سے محفوظ فرما۔ مجھ پر اپنی حفاظت کے خیمے اوڑھا دے اور مجھے اپنی عنایت کی حفاظت میں داخل فرما دے''۔ آمین!

(حلیۃ الاولیاء الامام الشافعی، الحدیث ۱۳۲۰۲/۱۳۲۰۳، ج۹، ص۸۷)

اے مسلمانو! سلف صالحین علمائے کرام اور مجتہدینِ عظام رحمہم اللہ اس دنیائے فانی سے تو کوچ کر گئے لیکن ان کی نشانیاں باقی ہیں، ان کے طریقے مٹا دیئے گئے مگر ان کی خوبیاں اور اچھی باتیں نہیں مٹائی جاسکیں۔

فیضانِ مرتضوی اور امام شافعی

حضرت سیّدنا ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا:

''قیامِ یمن کے دوران میں نے خواب میں دیکھا، گویا کہ میں طواف کی جگہ بیٹھا ہوں اسی دوران شیرِ خدا، حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تشریف لائے۔ میں جلدی سے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف لپکا، سلام عرض کیا اور مصافحہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے سینے سے لگالیا اور اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر میری انگلی میں پہنا دی''۔ صبح کے وقت جب میں نیند سے بیدار ہوا تو معبر (یعنی خواب کی تعبیر بتانے والے) سے اپنا خواب بیان کیا تو اس نے مجھے بتایا:

''اے ابوعبداللہ! آپ کو خوش خبری ہو! آپ کا مسجدِ حرام میں حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا دیدار کرنا عذابِ نار سے نجات کی بشارت ہے۔ آپ کا ان سے مصافحہ کرنا یومِ حساب میں امان ہے اور رہا ان کا آپ کی انگلی میں انگوٹھی پہنانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب ساری دنیا میں آپ کی شہرت ایسی ہوگی جیسی حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ہے''۔

(تاریخ بغداد، الرقم ۴۵۴، محمد بن ادریس الشافعی، ج۲، ص۵۸، بتغیر)

ان کا سونا ہماری عبادت سے بہتر

حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ کثرت سے آپ رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے۔ حضرت سیّدنا امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک نیک سیرت بیٹی تھی جو رات شب بے داری میں اور دن روزے میں گزارتی۔ وہ صالحین کے واقعات کو بہت پسند کرتی تھی اور حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ ان کے والد محترم امام احمد رضی اللہ عنہ ان کی بہت

زیادہ عظمت وشان بیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاقاً حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے ہاں رات گزاری۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹی بہت خوش ہوئی۔ اسے امید تھی کہ آج امام شافعی رضی اللہ عنہ کے افعال یعنی ان کی عبادت اور کلام کو دیکھنے اور سننے کا خوب موقع ملے گا جب رات ہوئی تو حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نماز اور یادِ الٰہی کے لیے کھڑے ہو گئے جب کہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چت لیٹے رہے۔ بچی فجر تک آپ رضی اللہ عنہ کو اسی حالت میں دیکھتی رہی اور صبح اپنے باپ سے عرض کی:

''میں نے دیکھا کہ آپ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت تعظیم کرتے ہیں لیکن میں نے تو ان کو آج رات نماز' ذکر یا دیگر اوراد و وظائف میں مشغول نہیں پایا''۔

ابھی یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''رات کیسی گزری؟'' ارشاد فرمایا:

''اس سے زیادہ برکت ونفع والی اور اچھی رات میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی''۔

حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' تو فرمانے لگے:

''وہ یوں کہ میں نے آج رات پیٹھ کے بل لیٹے لیٹے سو مسائل اخذ کیے جو تمام کے تمام مسلمانوں کے نفع کے لیے ہیں''۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے رخصت لی اور تشریف لے گئے۔ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی سے فرمایا:

''یہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا آج رات کا عمل تھا۔ وہ سوئے ہوئے اس سے افضل عمل کر رہے تھے جو میں نے کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہوئے کیا''۔

اے مسلمانو! ان برگزیدہ بندوں کی حرکات وسکنات اللہ تعالیٰ کے لیے تھیں۔ ان کے افعال واحوال اسی کے لیے تھے' ان کا ذکر وفکر بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا' ان کا قیام اطاعتِ الٰہی تھا' ان کی نیند صدقہ تھی' ان کا ذکر رب کی تسبیح کرنا تھا۔ ان کا سکوتِ فکرِ آخرت

تھا۔ ان کا علم اُمت کے لیے شفا اور رحمت تھا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت کچھ عطا فرمایا' ان کی تعریف وتوصیف فرمائی اور انہیں اسلام کا امام اور لوگوں کا پیشوا بنایا۔

منقول ہے کہ حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ علمی معاملات اور ذکرِ الٰہی میں رات گزارتے' حقائق واسرار کی سرزمین میں گھومتے اور فکرِ آخرت کے پاکیزہ باغات میں سیر وسیاحت کرتے جب سحری کی ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے تو آپ رضی اللہ عنہ بے چین ہو جاتے' رنگ متغیر ہو جاتا اور محبت کی آگ بھڑک اُٹھتی اور ایسی حالت طاری ہو جاتی جسے اربابِ احوال (یعنی اہلِ معرفت) کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا:

''اگر سحری کے وقت تم پر وہ باتیں ظاہر ہوں جو مجھ پر ہوتی ہیں تو دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ اور آخرت کی تیاری پر کمر بستہ ہو جاؤ''۔ (الروض الفائق)

(17)

جادواوراس کاعلاج

روایت ہے کہ لبید بن اعصم یہودی اوراس کی بیٹیوں نے حضور سید عالم ﷺ پر جادو کردیا تھا جس کا اثر حضور ﷺ کے جسم مبارک پر نمودار ہوا لیکن آپ کے قلب اور عقل و اعتقاد پر کچھ بھی اثر نہیں ہو سکا۔ چند روز کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ایک یہودی نے آپ پر جادو کردیا ہے اور جادو کا کچھ سامان ہے وہ فلاں کنویں میں ایک پتھر کے نیچے دبادیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے کنویں کا پانی نکال کر پتھر اُٹھایا تو اس کے نیچے سے کھجور کے گابھے کی تھیلی برآمد ہوئی اس میں حضور ﷺ کے موئے مبارک جو کنگھی سے ٹوٹے تھے اور کنگھی کے ٹوٹے ہوئے کچھ دندانے اور ایک ڈورا یا کمان کا چلہ جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ایک موم کا پتلا جس میں گیارہ سوئیاں چبھی تھیں یہ سب سامان پتھر کے نیچے سے نکلا اور یہ سب سامان حضور پاک ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی دونوں سورتیں ''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس'' نازل ہوئیں۔ ان دونوں سورتوں میں گیارہ آیتیں ہیں۔ ہر ایک آیت کے پڑھنے سے ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالکل شفایاب ہوگئے۔ (تفسیر خزائن العرفان) اور جادو کا سارا سامان زیرِ زمین دفن کردیا گیا۔

تعویذات اور عملیات جس میں کوئی لفظ کفر یا شرک کا نہ ہو جائز ہیں اسی طرح گنڈے بنانا اور ان پر گرہیں لگا کر آیاتِ قرآن اور اسماء الٰہیہ پڑھ کر پھونک مارنا بھی جائز ہے۔ جمہور

صحابہ اور تابعین اسی پر ہیں اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب حضور سید عالم ﷺ کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر اس پر دم فرماتے تھے اور بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ رات کو جب بستر مبارک پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو جمع فرما کر سورہ قل ھو اللہ و سورہ قل اعوذ برب الفلق و سورہ قل اعوذ برب الناس پڑھ کر ہاتھوں پر دم فرمایا کرتے اور اپنے سر سے پاؤں تک پورے جسم مبارک پر اپنے ہاتھوں کو پھرایا کرتے تھے جہاں تک دستِ مبارک پہنچ سکتے یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** یہ دونوں سورتیں جن و شیاطین اور نظر بد و آسیب اور تمام امراض خصوصاً جادو ٹونے کا مجرب علاج ہیں۔ ان کو لکھ کر تعویذ بنائیں اور گلے میں پہنائیں اور ان کو بار بار پڑھ کر مریض پر دم کریں اور کھانے پانی اور دواؤں پر پڑھ کر پھونک ماریں اور مریض کو کھلائیں پلائیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مرض خصوصاً جادو ٹونا دفع ہوجائے گا اور مریض شفایاب ہوجائے گا۔

اسی طرح قرآن مجید کی دوسری تمام سورتوں کے خصوصی خواص ہیں' مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان اعمال قرآنی کے فوائد و منافع سے خود بھی فیض یاب ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''خیر الناس من ینفع الناس'' ''بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

Scanned with CamScanner

(18)

سیدہ فاطمہ اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہما

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ دیکھا گھر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟

"تمہارے چچا کے بیٹے کدھر ہیں؟"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ، وَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي .

"میرے اور ان کے درمیان کچھ اَن بن ہو گئی تھی چنانچہ وہ مجھ سے ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا"۔

اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص سے کہا: اُنْظُرْ أَيْنَ هُوَ ۔ "دیکھو علی کہاں ہیں؟"

وہ آدمی گیا اور آکر بتایا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چادر ان کے پہلو سے اُتر گئی تھی اور جسم کو مٹی لگ گئی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

قُمْ يَا أَبَا تُرَابٍ، قُمْ يَا أَبَا تُرَابٍ .

"اُٹھو اے ابوتراب! اُٹھو اے ابوتراب"۔ (بخاری ۴۴۱، مسلم ۲۴۰۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (پھر) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سب سے پسندیدہ کنیت ابوتراب (ہوگئی) تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراضی کے سبب گھر سے نکلے تھے وہ گھر سے اس لیے نکل گئے تا کہ دونوں کو اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے اور غور وفکر کا موقع مل جائے۔

ذرا غور فرمائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس قدر حکمت اور دانش مندی سے کام لیا کہ آپ نے فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا جب پتہ چلا کہ وہ مسجد کے اندر ہیں تو اسی وقت ان کے پاس پہنچے اور بڑے ہی پیارے انداز میں ان کو پکارا: يَا أَبَا تُرَاب!

ان سے ہرگز یہ نہیں پوچھا کہ گھر میں کیا جھگڑا ہوا ہے؟ اس کی تفاصیل کیا ہیں؟ کون سچا ہے' اس کا سبب کیا ہے؟ وغیرہ

ادھر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اسوہ کو بھی دیکھیں اور غور فرمائیں۔ والد گھر پر آئے ہیں لیکن انہوں نے ہرگز اپنے اختلاف کی تفصیل بیان نہیں کی کہ خاوند کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے. بس اتنی بات کہی:

كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ وَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي .

"میرے اور ان کے درمیان کچھ اَن بن ہو گئی تھی چنانچہ وہ مجھ سے ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ نہیں کیا"۔

لہٰذا اے میری بیٹیو، بہنو، عزیز بھائیو! اللہ کے رسول ﷺ سے اپنے گھر کے مسائل کے حل کے بارے میں سیکھو...... اور ہاں ذرا فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بہترین اسوہ یاد رکھنا' اس کو بھول نہ جانا۔

(19)

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز

مامون الرشید کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اس کے پاس ایک پرچہ تھا جس میں امیرالمومنین کے ظلم کی شکایت کی گئی تھی۔ مامون کو تعجب ہوا کہ یہ شخص میرے ظلم کی شکایت کر رہا ہے اور مجھے اس کا علم ہی نہیں ہے اس شخص سے پوچھا کہ میرا ظلم کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ امیرالمومنین! کیا میں آپ کے علاوہ کسی دوسرے سے بات کر رہا ہوں؟ مامون اس کی بات سن کر حیران رہ گئے...... کہنے لگا: ''تجھ پر ظلم کیا گیا ہے؟''

کہنے لگا: ''آپ کے وکیل سعید نے مجھ سے تیس ہزار دینار کے جواہر خریدے ہیں''۔

مامون نے کہا: ''اس نے تجھ سے جواہر خریدے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تو تو میرے پاس میرے ظلم کی شکایت کرنے حاضر ہوا ہے''۔

اس نے کہا: ''جی ہاں! امیرالمومنین! جب آپ کا اسے وکیل بنانا درست ہے تو زیادتی بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہوگی''۔

مامون نے کہا: ''ہوسکتا ہے سعید نے تم سے جواہر خریدے ہوں اور ان کی رقم ادا کردی ہو یا اس نے اپنے لیے جواہر خریدے ہوں' ان دونوں صورتوں میں تمہارا حق لازم نہیں آئے گا اور میری طرف سے تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا''

مامون نے گمان کیا کہ اس کا ذمہ بری ہوگیا ہے اور ظلم کی شکایت بھی ختم ہوگئی ہے اور معقول دلیل سے اسے لاجواب کردیا ہے لیکن وہ شخص مامون کی بات سے مطمئن نہیں ہوا اور کہنے لگا:

''امیرالمومنین! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وصیت میں آیا ہے کہ گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور منکر کے ذمہ قسم ہے''۔

مامون نے کہا: ''تمہارے پاس گواہ نہیں ہیں لہٰذا میرے ذمہ یہ ہے کہ میں تمہارے لیے قسم کھاؤں اور اگر میں قسم کھاؤں تو میں سچا ہوں گا کیونکہ مجھے علم نہیں ہے کہ تمہارا کوئی حق میرے ذمہ لازم ہے''۔

اس شخص نے کہا: ''مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو اس قاضی کے پاس بلاؤں جسے آپ نے رعایا کے لیے مقرر کیا ہے''۔

مامون نے کہا: ''ٹھیک ہے''۔ وہ اس بات پر راضی ہوگیا کہ ایک عام آدمی کے ساتھ قاضی کے سامنے حاضر ہو اس نے نہ تو تکبر کیا اور نہ ہی عار محسوس کی۔

مامون نے کہا: ''میرے پاس قاضی یحیٰی ابن اکثم کو بلایا جائے''۔

قاضی صاحب آگئے تو مامون نے کہا: ''ہمارے درمیان فیصلہ کیجیے''۔

قاضی نے کہا: ''مقدمے کا فیصلہ کرتا ہے؟'' مامون نے کہا: ''ہاں!''

قاضی نے کہا: ''آپ نے یہ مقدمہ مجلس قضا (عدالت) میں پیش نہیں کیا۔

مامون نے کہا: ''میں یہ مقدمہ عدالت کے سامنے پیش کرتا ہوں''۔

مامون نے قاضی (جج) کے حکم کی تعمیل کی' لوگ مامون کو دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ خلیفہ کس طرح اس بات پر راضی ہوگا کہ ایک بازاری آدمی کے ساتھ قاضی کے سامنے مقدمہ لڑے اور عوام دیکھ رہے ہوں۔ قاضی صرف اس صورت میں فیصلہ کرنے پر راضی ہوا کہ باقاعدہ عدالت لگے' لوگ دیکھ اور سن رہے ہوں اور خلیفۂ وقت ان کے درمیان موجود ہو۔ خلیفہ نے یہ مطالبہ بھی نہیں کیا کہ میرے اور مدعی کے درمیان بند کمرے میں فیصلہ کیا جائے۔ قاضی نے کہا:

''سب سے پہلے تو عوام الناس کو حاضر ہونے کی اجازت دی جائے تا کہ عدالتی مجلس کا ماحول قائم ہو''۔ مامون نے کہا:

''عوام کو اجازت دے دو چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا اور عوام کو عدالت میں

Scanned with CamScanner

حاضر ہونے کی اجازت دے دی گئی پھر ظلم کی فریاد کرنے والے شخص کو بلایا گیا۔ قاضی نے اسے کہا: ''تم کیا کہتے ہو؟ اور تم پر کیا ظلم کیا گیا ہے؟''

اس نے کہا:

''میری گزارش ہے کہ آپ میرے فریق ثانی امیر المومنین مامون کو بلائیں''۔

پیش کار نے اعلان کیا کہ امیر المومنین! تشریف لائیں۔ مامون آیا تو اس کے ساتھ اس کا غلام مصلیٰ اُٹھائے ہوئے تھا۔ مامون قاضی یحییٰ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ قاضی بیٹھا رہا' شریعت اور فیصلے کے احترام کے پیشِ نظر کھڑا نہیں ہوا۔ غلام نے امیر المومنین کے بیٹھنے کے لیے مصلیٰ بچھا دیا۔ قاضی نے کہا:

''امیر المومنین! آپ مدعی کے مقابل امتیازی نشست اختیار نہ کریں''۔

مدعی کے لیے بھی مصلیٰ بچھا دیا گیا تا کہ دونوں کی نشست برابر ہو۔

پھر قاضی نے اس شخص کے دعوے کی طرف توجہ کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مامون پر قسم آتی ہے اس سے قسم کا مطالبہ کیا۔ مامون نے جبر واکراہ اور شرمندگی کے بغیر رضا مندی سے قسم کھائی۔ لوگ دیکھ اور سن رہے تھے اور ایک عام آدمی کے سامنے خلیفہ کے قسم اُٹھانے پر حیرت زدہ تھے۔ مامون کے قسم کھاتے ہی قاضی یحییٰ اُچھل کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ مامون نے انہیں پوچھا: ''آپ کو کس چیز نے کھڑا کیا ہے؟''

قاضی نے جواب دیا:

''میں اللہ تعالیٰ کے حق میں مصروف تھا' وہ میں نے آپ سے لے لیا ہے اب مجھے حق نہیں پہنچتا کہ آپ پر برتری کا اظہار کروں۔ امیر المومنین! آپ کی اطاعت مجھ پر لازم ہے''۔

پھر مامون نے حکم دیا کہ: جس مال کا اس شخص نے دعویٰ کیا ہے' حاضر کیا جائے اور اس شخص کو کہا:

''یہ مال لے لے...... اللہ کی قسم! میری یہ عادت نہیں کہ میں جھوٹی قسم کھاؤں میں نے یہ مال اس لیے دیا ہے تا کہ میرا دین اور میری دنیا برباد نہ ہو جائے۔

اللہ کی قسم! میں نے یہ مال تمہیں اس لیے دیا ہے کہ رعایا یہ گمان نہ کرے کہ میں نے یہ مال اقتدار اور سرکاری طاقت کی بناء پر تم سے لیا ہے''۔

(عیون الاخبار' کسی قدر تصرف کے ساتھ)

یہ تھے تاریخ اسلام کے خلفاء اور حکام جو حق کی پیروی کے لیے اپنے آپ کو عدالت کے سامنے جھکا دیتے تھے۔ عدلیہ بھی خلفاء کا تقرب حاصل کرنے سے دُور رہتی تھی اور چمک سے متاثر نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان بابرکت طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی جن سے اُمتِ مسلمہ نے حیاتِ نو' عظمتِ رفتہ اور پائندہ وقار حاصل کیا اور سلف صالحین میں ایسے قاضی (جج) پیدا فرمائے جنھوں نے نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے احکام امیر و وزیر اور شاہ و گدا پر یکساں نافذ کیے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔

Scanned with CamScanner

(20)

عالمِ مدینہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ

حافظ ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الانساب'' میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سیّدنا امام مالک بن انس بن ابی عامر اصبحی رضی اللہ عنہ مدینۃ الرسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے امام ہیں۔ یہیں سے حق ظاہر اور غالب ہوا۔ یہیں سے دین کی ابتدا ہوئی اور اسے شہرت ملی۔ یہیں سے شہر فتح کیے گئے اور مسلسل مدد ملی۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کو ''عالمِ مدینہ'' کہا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے علم کی شہرت ہر طرف پھیلی اور آپ رضی اللہ عنہ سے اکتسابِ علم کے لیے لوگوں نے دُور دراز کے سفر طے کیے۔ (سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۱۸۰، مالک الامام، ج ۷، ص ۳۸۸ ملتقطاً)

☆...... حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سترہ برس کی عمر میں تدریسِ علم کی مسند پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس مسائل کے حل کے لیے آتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تقریباً نوے سال کی عمر پائی اور ستر سال تک فتویٰ نویسی فرمائی اور لوگوں کو علم سکھاتے رہے۔

جلیل القدر تابعینِ کرام رحمہم اللہ آپ رضی اللہ عنہ سے فقہ اور حدیث کا علم حاصل کرتے رہے۔ مشہور ائمہ حدیث اور علمائے کرام نے آپ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱) امام السنہ حضرت سیّدنا محمد بن شہاب زُہری
۲) فقیہ اہلِ مدینہ حضرت سیّدنا ربیعہ بن عبدالرحمٰن
۳) حضرت سیّدنا یحییٰ بن سعید انصاری
۴) حضرت سیّدنا موسیٰ بن عقبہ رحمہم اللہ۔

یہ تمام آپ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کرام رحمہم اللہ ہیں اور ان سب نے آپ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۱۸۰، مالک الامام، ج ۷، ص ۳۸۵، مفصلاً)

☆...... تابعین و تبع تابعین علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وہ عالم ہیں جن کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی چنانچہ حضرت سیّدنا امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''جامع ترمذی'' میں حدیث شریف نقل فرماتے ہیں:

''علم منقطع ہوجائے گا تو عالمِ مدینہ سے زیادہ علم والا باقی نہ رہے گا''۔

(جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی عالم المدینۃ، الحدیث ۲۶۸۰، ص ۱۹۲۲، مختصراً)

دوسری حدیث پاک میں ہے:

''دنیا میں اس (عالمِ مدینہ) سے بڑھ کر کوئی عالم نہ ہوگا، لوگ اس کی طرف سفر کر کے آئیں گے''۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک، الفصل الاول فی ترجیح من طریق النقل، ج ۱، ص ۱۸)

ایک حدیث پاک میں یوں ہے:

''عنقریب لوگ (علم کے لیے) سفر کریں گے تو عالمِ مدینہ سے زیادہ علم والا کوئی نہ پائیں گے''۔

(المستدرک، کتاب العلم، باب یوشک الناس......الخ، الحدیث ۳۱۴، ج ۱، ص ۲۸۰)

حضرت سیّدنا ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''محدثینِ کرام کے نزدیک ''عالمِ مدینہ'' سے مراد حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ ہیں''۔

(التمہید لابن عبدالبر، زید بن رباح، تحت الحدیث ۱۲۲، ج ۲، ص ۶۷۴)

حضرت سیّدنا عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہماری رائے یہ ہے کہ حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی ''عالمِ مدینہ'' کے نام سے معروف نہیں۔ لوگوں نے حصولِ علم کے لیے

Scanned with CamScanner

آپ رضی اللہ عنہ کی طرف جتنا سفر کیا اتنا کسی کی طرف نہیں کیا"۔

(جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی عالم المدینۃ، تحت الحدیث ۲۶۸۰، ص ۱۹۲۲، مختصرا)

حضرت سیدنا ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم لگا رہتا اور لوگ بہت زیادہ بھیڑ کی وجہ سے طلب علم کے شوق میں ایک دوسرے سے لڑ پڑتے"۔ (سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۱۸۰، مالک الامام، ج ۷، ص ۳۲۲، بتغیر قلیل)

حضرت سیدنا یحییٰ بن شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں مدینہ منورہ میں سن ۱۴۴ ہجری میں حاضر ہوا اس وقت حضرت سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی داڑھی اور سر کے بال سیاہ تھے۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے گرد خاموش بیٹھے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے رُعب کی وجہ سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ مسجدِ نبوی شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گیا اور ایک سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے حدیثِ پاک سے جواب دیا۔ میں نے پھر سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے پھر جواب ارشاد فرمایا پھر آپ رضی اللہ عنہ کے دوستوں نے مجھے جھنجھوڑا تو میں خاموش ہو گیا"۔ (ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب صفۃ مجلس مالک للعلم، ج ۱، ص ۴۸)

آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"میں افتاء اور حدیث کے لیے اس وقت تک مسند نشین نہ ہوا جب تک کہ ستر علمائے کرام ومشائخ عظام رحمہم اللہ نے میری اہلیت کی گواہی نہ دے دی"۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب فی ابتداء ظہورہ فی العلم وقعودہ للفتوی والتعلیم، ج ۱، ص ۳۴)

حضرت سیدنا حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آیا جس میں لوگوں کا اختلاف تھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اے بھائی! اگر تو اپنے دین کی سلامتی چاہتا ہے تو عالمِ مدینہ سے پوچھ اور ان کی بات توجہ سے سن کیونکہ وہ حجت (یعنی دلیل) ہیں اور لوگوں کے امام

ہیں"۔ (المرجع السابق، ص ۳۷)

حضرت سیدنا حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر مجھے کہا جائے کہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے کوئی امام اختیار کرو جس سے لوگ علمِ دین حاصل کریں تو میں حضرت سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو اس کا حق دار اور اہل سمجھتا ہوں اور میری یہ رائے اُمت کی بہتری کے لیے ہے"۔ (المرجع السابق، ص ۳۶)

حضرت سیدنا لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کا علم پرہیزگاری کا علم ہے اور اس کے لیے حفظ وامان کا باعث ہے جو اسے حاصل کرے"۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب شہادۃ السلف الصالح واہل العلم لہ بالامامۃ فی العلم، ج ۱، ص ۳۶)

حضرت سیدنا عبد الرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"میں اپنے دین میں دو آدمیوں کی پیروی کرتا ہوں۔ عِلم میں حضرت سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی اور تقویٰ میں حضرت سیدنا سلیمان بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی"۔ (حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۸۷۸، ج ۶، ص ۳۵۰)

سبحان اللہ! یہ کیسے عظیم لوگ تھے جنہوں نے اپنی جانیں لوگوں کے نفع کے لیے راہِ خدا میں وقف کر دیں، انہیں مشکلات میں ڈالا اور طلب علم میں خوب جدوجہد کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔

علم وعلماء کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جو شخص طلب علم کے لیے کسی راستہ پر چلے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے"۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، الحدیث ۲۶۹۹، ص ۱۱۴۷)

حدیث پاک میں ہے: "ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے"۔

(جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، الحدیث ۲۶۸۱، ص ۱۹۲۲، "العالم" بدلہ "فقیہ")

اگر اسلام میں ایک عابد فوت ہو جائے تو اس میں صرف ایک شخص کی کمی ہوگی اور اگر ایک عالم چل بسے تو گویا لوگوں میں سے ایک قبیلہ فوت ہو گیا۔ روئے زمین پر جب کوئی عالم انتقال کر جائے تو اسلام میں ایک ایسا شگاف پڑتا ہے جسے اس وقت تک کوئی بند نہیں کر سکتا جب تک دن رات آتے جاتے رہیں گے۔

جان لو! ''طالبِ علم کے عمل سے خوش ہو کر اس کے لیے ملائکہ اپنے پر بچھا دیتے ہیں''۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان' کتاب الطھارۃ' باب المسح علی الخفین وغیرھا' الحدیث ۱۳۱۶' ج ۲' ص ۳۰۷)

علماء کے قلموں کی سیاہی اللہ تعالیٰ کے ہاں شہداء کے خون سے افضل ہے۔

(الجامع الصغیر' الحدیث ۹۶۱۹' ص ۵۷۱ ملخصاً)

بروزِ قیامت جب لوگ راہِ خدا عزوجل میں شہید ہونے والے علماء کی فضیلت دیکھیں گے تو تمنا کریں گے۔ کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی علماء میں اُٹھاتا جس نے علم کو پالیا تحقیق اس نے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کو پالیا اور جس نے علماء کو اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ کیا۔

سرکار ﷺ کا کرم

حضرت سیّدنا محمد بن رمح رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''میرے بچپن کا واقعہ ہے جب کہ میں ابھی بالغ تھا۔ میں اپنے والد محترم کے ساتھ حج کو گیا۔ میں مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مزارِ اقدس اور منبر شریف کے درمیان جنت کی کیاری میں آرام کر رہا تھا کہ مجھے حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ حضرت سیّدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو پہلو میں لیے مزارِ پُرانوار سے باہر تشریف لائے۔ میں نے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے مجھے جواب مرحمت فرمایا۔ میں نے عرض کی:

''یارسول اللہ ﷺ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟''

ارشاد فرمایا: ''مالک کے لیے سیدھی راہ قائم کر رہا ہوں''۔

بے دار ہونے کے بعد جب میں اور والدِ محترم باہر آئے تو لوگوں کو حضرت سیّدنا امام

مالک بن انس ﷺ کے پاس جمع دیکھا۔ آپ ﷺ نے مؤطا شریف نکالی ہوئی تھی اور یہ مؤطا شریف کی پہلی آمد تھی''۔

(ترتیب المدارک و تقریب المسالک' باب ذکر المؤطا و تالیف مالک ایاہ' ج ۱' ص ۶۰ بتغیرٍ قلیل)

آپ کی کتاب کا مقام

حضرت سیّدنا محمد بن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سیّدنا محمد بن ابوسری عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ میں خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے علم کی ایسی بات ارشاد فرمایئے جسے میں آپ ﷺ کے حوالے سے بیان کروں''۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے مالک کو ایک خزانہ عطا فرمایا ہے جو وہ تم میں تقسیم کرے گا''۔

آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑا اور دوبارہ عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ علم عطا فرمایئے جسے میں آپ ﷺ کے حوالے سے بیان کروں''۔ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا:

''میں نے مالک کو ایک خزانہ عطا فرمایا ہے جو وہ تم میں تقسیم کرے گا''۔

پھر جب آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا اور تیسری بار بھی یہی عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی علم کی بات ارشاد فرما دیجیے جسے میں آپ ﷺ کے حوالے سے بیان کروں''۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے ابنِ سری! میں نے مالک کو ایک خزانہ دیا ہے جو وہ تم میں تقسیم کرے گا۔ سن لے! وہ مؤطا ہے اور قرآن مجید اور میری سنت کے بعد مسلمانوں کے گروہ میں ''مؤطا'' (امام مالک) سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں لہٰذا تو اسے سن کر اس سے نفع حاصل کر''۔

(مؤطا امام محمد مع التعلیق الممجد علی الموطا' ج ۱' ص ۷۲)

امام مالک علیہ الرحمۃ اور خلیفۂ وقت

حضرت سیّدنا عتیق بن یعقوب زبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ خلیفہ ہارونِ الرشید مدینہ منورہ زادھا اللہ تعظیماً وتکریماً حاضر ہوئے اور انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث کی ''مؤطا'' نامی کتاب ہے جو وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید نے (اپنے وزیر) برمکی کو آپ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ کہتے ہوئے بھیجا کہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ کتاب لے کر میرے پاس آئیں اور مجھے پڑھ کر سنائیں۔ برمکی نے جب آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''جاؤ! خلیفہ کو میرا سلام کہو اور پھر کہو علم کے پاس جانا پڑتا ہے' یہ خود کسی کے پاس نہیں آتا اور علم حاصل کرنا پڑتا ہے' یہ خود حاصل نہیں ہوتا''۔

برمکی نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس آ کر جب یہ سب کچھ بیان کیا تو اس وقت دربار میں قاضی ابو یوسف بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے:

''اے امیر المومنین! اہلِ عراق کو یہ بات پہنچ سکتی ہے کہ آپ نے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا مگر انہوں نے نافرمانی کی لہٰذا آپ ان پر سختی کریں''۔

ابھی یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ حضرت سیّدنا مالک بن انس رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا:

''اے ابن ابی عامر! میں نے آپ کو پیغام بھیجا تھا اور آپ نے انکار کر دیا''۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے امیر المومنین! حضرت سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

''میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں وحی لکھا کرتا تھا۔ میں نے یہ آیتِ مبارکہ لکھی:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

وَالْمُجَاهِدُونَ

''برابر نہیں وہ مسلمان کہ جہاد سے بیٹھے رہیں اور وہ کہ جہاد کرتے ہیں''۔

اس وقت حضرت سیّدنا ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ تاجدارِ رسالت ﷺ کی خدمتِ سراپا عظمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک نابینا و معذور شخص ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی بہت فضیلت ارشاد فرمائی ہے۔ تو حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں اپنے اندازے سے نہیں جانتا (کہ معذور کیا کریں)''

حضرت سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میرا قلم ابھی روشنائی سے تر تھا' خشک بھی نہیں ہوا تھا کہ حضور ﷺ کی ران مبارک (وحی کے بوجھ سے) مجھ پر بھاری ہونے لگی جب آپ ﷺ کو افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا: ''اے زید! اب لکھو: غیر اولی الضرر''۔ یعنی آیتِ مبارکہ کی ترتیب اس طرح ہوگئی۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

(پ۵' النساء:۹۵)

''برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں''۔

(پھر فرمایا) اے امیر المومنین! جب ایک حرف کے لیے حضرت سیّدنا جبرائیل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں نے پانچ ہزار سال کی مسافت برداشت کی تو کیا مجھ پر اس کی عزت و جلالت کا پاس رکھنا ضروری نہیں؟ اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا اور مسندِ خلافت پر فائز کیا ہے۔ پس آپ علم کا مرتبہ گھٹانے والے سب سے پہلے شخص نہ بنیں ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کی قدر و منزلت کم کر دے گا''۔

راوی فرماتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید اُٹھے اور حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر کی طرف چل پڑے تا کہ آپ سے مؤطا سنیں۔ آپ نے خلیفہ کو

Scanned with CamScanner

اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا جب خلیفہ نے آپ سے مؤطا پڑھنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے:

’’آپ مجھے پڑھ کر سنائیں‘‘۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ’’اے خلیفۃ المسلمین! میں نے آج تک کسی کو پڑھ کر نہیں سنایا‘‘۔

ہارون الرشید نے کہا: ’’لوگ باہر چلے جائیں تو میں پڑھ کر سناتا ہوں‘‘۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’جب خاص لوگوں کی وجہ سے عام لوگوں سے علم کو روک دیا جائے تو اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کو بھی اس سے نفع نہ دے گا‘‘۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا: ’’معن بن عیسیٰ قزاز کو پڑھ کر سناؤ‘‘۔

جب خلیفہ نے پڑھنا شروع کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

’’اے امیر المؤمنین! میں نے اپنے ملک کے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ علم کے لیے عاجزی کرنا پسند کرتے ہیں‘‘۔

یہ سن کر ہارون الرشید مسند سے نیچے اُترے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیٹھ گئے‘‘۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر، الرقم ۴۱۴۲ عبدالعزیز بن عبدالقریب ابو یعلیٰ، ج ۳۶، ص ۳۱۱-۳۱۲)

امام مالک اور علم کی قدر

حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے حصولِ علم کے متعلق سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: ’’علم سیکھنا بہت اچھا ہے لیکن یہ خیال رکھو کہ جو شخص صبح سے شام تک تمہارے ساتھ رہے تم بھی اسے لازم پکڑو‘‘۔

(حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۸۷۰، ج ۶، ص ۳۴۹)

حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ علم دین کی حد درجہ تعظیم فرماتے تھے یہاں تک کہ جب حدیثِ پاک بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو وضو کر کے دو نفل پڑھتے پھر داڑھی میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے اور عزت و وقار کے ساتھ اپنی مسند کے صدر مقام پر تشریف فرما ہو کر حدیثِ پاک بیان کرتے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا:

’’مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کی حدیثِ پاک کی تعظیم کروں‘‘۔ (حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۸۵۸، ج ۶، ص ۳۴۷)

یوں ہی علم کی تعظیم کی جاتی ہے۔ علمائے کرام رحمہم اللہ جب علم کی تعظیم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت ڈال دیتا ہے اور بادشاہوں اور دوسرے افراد کے دلوں میں ان کا رعب و دبدبہ بٹھا دیتا ہے۔

اے علم کے طلب گار! علم کے لیے عاجزی اختیار کر جو اس کے لیے عاجزی کرتا ہے حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرما دیتا ہے بلاشبہ مٹی قدموں کے نیچے آ کر حقیر ہوتی ہے تو چہرے کے لیے پاکی کا باعث بن جاتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ (پ۶، المائدۃ: ۶)

’’تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس (مٹی) سے مسح کرو‘‘۔

اے میرے بھائی! علم کے اجتماع میں حاضری کو اس طرح یقینی بنا لے جس طرح بچہ ہر وقت دودھ کا محتاج ہوتا ہے مگر جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اسے چھوڑنے پر صبر کر لیتا ہے۔ یاد رکھ! فضائل کا راستہ مصیبتوں سے بھرا ہوا ہے تاکہ ناپختہ ارادے والا راستے ہی سے لوٹ آئے۔ اے نوجوان! تیرے نفس کا موتی علم سیکھنا ہے اور اس کا زیور عمل ہے اگر تو نے میری نصیحت مان لی تو تیرے لیے مسندِ صدارت ہے یا منبر کی اونچائی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوْهُ صَانَهُمْ
وَلَوْ عَظَّمُوْهُ فِي النُّفُوْسِ لَعَظُمَا
اَغْرِسُهُ عِزًّا وَاَجْنِيْهِ ذِلَّةً
اِذًا فَاتِّبَاعُ الْجَهْلِ قَدْ كَانَ اَحْزَمَا

تَعَلَّمْ فَلَيْسَ الْمَرْءُ يُخْلَقُ عَالِمًا
وَلَيْسَ اَخُوْ عِلْمٍ كَمَنْ هُوَ جَاهِلُ

وَاِنَّ كَبِيْرَ الْقَوْمِ لَاعِلْمَ عِنْدَهٗ
صَغِيْرٌ اِذَا الْتَفَتَ عَلَيْهِ الْمَحَافِلُ

"اگر علمائے کرام علم کی حفاظت کریں گے تو یہ ان کی حفاظت کرے گا اگر وہ دل سے اس کی تعظیم کریں گے تو یہ بھی ان کو عزت دے گا۔ کیا میں عزت کا بیج بو کر ذلت کا پھل توڑوں گا؟ اگر ایسا ہے تو جاہل کی اتباع میں ہی احتیاط ہے۔ اے بھائی! علم حاصل کر کیونکہ انسان پیدائشی طور پر عالم نہیں ہوتا اور علم والا جاہل کی طرح نہیں ہو سکتا۔ قوم کا بے علم سردار چھوٹا ہے جب کہ لوگ اس سے منہ موڑ لیں"۔

اہلِ علم کی منزلت اور امام مالک

منقول ہے کہ جب حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے علم کا شہرہ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر اور فضیلت دوسرے ممالک تک پھیل گئی تو آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں علم کی ترویج و اشاعت کے لیے مال و دولت حاضر کیا جاتا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کو اپنے دوست واحباب میں تقسیم فرما دیتے اور آپ رضی اللہ عنہ کے دوست آپ رضی اللہ عنہ کی پیروی میں اسے بھلائی کے کاموں میں خرچ کر ڈالتے اس میں سے کچھ بھی آپ رضی اللہ عنہ بچا کر نہ رکھتے اور فرمایا کرتے:

"زُہد (یعنی دنیا سے بے رغبتی) مال نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ زُہد تو یہ ہے کہ دل اس سے فارغ ہو"۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج۱، ص ۴۸)

مزید ارشاد فرمایا:

"جو بندہ حدیث کے بیان میں سچا ہوتا ہے اور جھوٹ نہیں بولتا اللہ تعالیٰ اسے اس کی عقل سے نفع عطا فرماتا ہے اور بڑھاپے میں اسے کوئی آفت نہیں پہنچتی اور نہ ہی اس کی عقل خراب ہوتی ہے"۔ (المرجع السابق ص ۴۷)

حضرت سیّدنا عمر بن ابو سلمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب میں نے مؤطا امام مالک پڑھی تو خواب میں ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا:

"بلاشبہ یہ حضور ﷺ کا کلام ہے"۔

(التمہید لابن عبد البر، مقدمۃ المصنف، باب ذکر عیون من اخبار مالک وذکر فضل مؤطئہ، ج۱، ص ۶۰)

منقول ہے کہ جب حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب "مؤطا" تالیف کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس میں غور وفکر کرنے لگے کہ اس کا نام کیا رکھا جائے؟ فرماتے ہیں: "ایک دن جب میں سویا تو سرکارِ مدینہ ﷺ کی زیارت سے فیض یاب ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَطِّئْ هٰذَا الْعِلْمَ لِلنَّاسِ .

"یعنی اس علم کو لوگوں کے لیے آسان (یا تیار) کر دو"۔

لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا نام "مؤطا" رکھا۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہم حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ رضی اللہ عنہ ہمیں حدیثِ پاک بیان فرما رہے تھے اچانک ایک بچھو نے آپ رضی اللہ عنہ کو سولہ مرتبہ ڈنگ مارا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ بدل کر زرد پڑ گیا اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ حدیثِ پاک بیان کرتے رہے جب سب لوگ چلے گئے تو میں نے عرض کی "اے ابو عبد اللہ! آج میں نے آپ کی عجیب حالت دیکھی ہے؟" تو ارشاد فرمایا "ہاں! میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی حدیثِ پاک کی تعظیم کرتے ہوئے صبر کیا ہے"۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب صفۃ مجلس مالک للعلم، ج۱، ص ۴۵)

حضرت سیّدنا مصعب بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ جب حضور نبی پاک ﷺ کا نامِ نامی اسمِ گرامی لیتے تو آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ بدل جاتا اور آپ رضی اللہ عنہ پر کپکپی طاری ہو جاتی یہاں تک کہ حاضرینِ اجتماع پر برداشت مشکل ہو جاتی

جب آپ سے وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا:

"اگرتم بھی اسے دیکھ لیتے جو میں دیکھتا ہوں تو تم پر گراں نہ گزرتا"۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب فی ذکر عبادۃ مالک وورعہ وعزلتہ واجابۃ دعاءہ، ج۱، ص۵۵)

حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ راستے میں یا کھڑے کھڑے یا جلدی میں حدیثِ پاک بیان کرنے کو ناپسند فرماتے اور ارشاد فرمایا کرتے:

"مجھے یہ پسند ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی حدیثِ پاک کی تعظیم کروں"۔

(حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۸۵۸، ج۶، ص ۳۴۷، بتقدم وتاخر)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے انگوٹھی پہنائی

حضرت سیّدنا امام دراوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میں نے خواب میں اپنے آپ کو مسجدِ نبوی میں یوں حاضر پایا کہ میں حضور ﷺ کے جلوہ نور بار سے ضیابار ہو رہا ہوں اور آپ ﷺ لوگوں کے سامنے بیان فرما رہے ہیں اسی دوران حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے جب نبی پاک ﷺ نے انہیں دیکھا تو ارشاد فرمایا "ادھر میرے پاس آؤ"۔ آپ رضی اللہ عنہ قریب ہوئے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور آپ کی چھنگلیا میں پہنا دی میرے خیال میں اس سے مراد علم ہے جو حضور ﷺ نے انہیں عطا فرمایا۔ علم کے سبب علمائے کرام رحمہم اللہ آپ رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے۔ امراء آپ رضی اللہ عنہ کی رائے سے روشنی پاتے۔ عام لوگ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمان دل و جان سے تسلیم کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا حکم بغیر دلیل کے نافذ ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہ جب کسی سوال کا جواب ارشاد فرما دیتے تو اس میں مزید مشورے کی ضرورت نہ رہتی"۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۱۸۰، مالک الامام، ج۷، ص ۳۰۲-۳۰۳ بتغیر۔ حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۸۵۳، ج۶، ص ۳۴۸)

اے مسلمان! خدائے ذوالجلال عزوجل کی قسم! یہ ان علماء کی صفات ہیں جن کے

وصال پر زمین و آسمان روتے ہیں جن کے صدقے بندوں پر کرم ہوتا ہے جن کی برکت سے شہر آفات سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ وہ علماء ہیں جن کی سیرت میں دنیا سے بے رغبتی جھلکتی ہے جو اخلاص و صداقت کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں۔ لوگوں کے دل ان کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں۔ لوگ ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیتے ہیں۔ ان کے سامنے بڑی بڑی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور بڑے بڑے جابروں کے سر جھک جاتے ہیں۔ یہ دنیا کے تمام گوشوں میں سورج چاند کی طرح اپنے علم کی روشنی پھیلاتے ہیں بلاشبہ ان کا ذکرِ خیر کتابوں میں لکھا جا چکا ہے البتہ جو اپنے عمل میں ریاکاری کرتا ہے اور اہلِ دنیا کے لیے اچھے اعمال کرتا ہے اسے جھوٹی امیدوں نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ وہ ایسی خوبیوں پر اپنی تعریف چاہتا ہے جو اس میں نہیں پائی جاتیں۔ (یعنی اپنی جھوٹی تعریف کی خواہش کرتا ہے) تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اُلٹے دماغ اور گھٹیا سوچ کے مالک ہوتے ہیں ایسے لوگ جب کوئی ایسی بات سنتے ہیں جو ان کی سمجھ میں نہیں آتی اور ان کا علم اس سے قاصر ہوتا ہے تو ان کے اصول و قواعد بگڑ جاتے ہیں ان کے لیے اپنے مقصد کا حصول مشتبہ ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کی صورت میں گناہ کرنے لگ جاتے ہیں، برائیوں کو اچھائیاں سمجھ کر ان کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور یوں عمل میں خیانت کرتے اور حصولِ مراد میں ناکام و بے مراد ہو جاتے ہیں۔

اے غافل انسان!

تعجب اس پر نہیں جو ناواقف ہے اور جہالت کی وجہ سے مرتکبِ گناہ ہوا اور نافرمانی کا اعتراف بھی کر چکا ہے کیونکہ اس کے لیے تو بخشش ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (پ۹، الانفال: ۳۸)

"تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا"۔

بلکہ تعجب تو اس پر ہے جو علم کا دعویٰ کرے مگر اس کا مقصد حصولِ دنیا ہو ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملامت کی جائے گی۔ یہ لوگوں کے نزدیک قابلِ مذمت اور

Scanned with CamScanner

اجروثواب سے محروم ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کوہنسی مذاق اور کھیل کود بنالیا۔انہوں نے اپنے مواعظ وبیانات کوخوش کن اور تیزتر کرلیا لیکن ان کی بات دل سے نہیں سنی جاتی۔ یہ وعظ ونصیحت کرتے ہیں مگران کا بیان لوگوں کے دل پراثرنہیں کرتا اور نہ ہی آنکھوں سے اشک زاری ہوتی ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۝ (پ۱۶الکہف:۱۰۴)

''اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں''۔

یہ لوگ بغیرعزم وحوصلے کے اظہارغم کرتے ہیں'بغیرعلم کے بحث مباحثہ کرتے ہیں اور بلاسوچے سمجھے سوال کرتے ہیں۔یقیناً یہی وہ لوگ ہیں جو جہالت کی تلوار سے پچھاڑ کھائے ہوئے ہیں۔

حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سحری کے وقت کثرت کے ساتھ نماز'ذکرِالٰہی اور اورادووظائف کا اہتمام فرماتے پھر درس وتدریس میں مشغول ہوجاتے۔آپ رضی اللہ عنہ ایسے خوش بخت ہیں جن کی تعریف اللہ کے پیارے محبوب ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے ہوئی مگرآپ رضی اللہ عنہ نے اس پرکبھی فخر نہ کیا یہاں تک کہ حصولِ علم کے لیے مشکل ترین راستوں کا سفرکیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے علم حاصل کرنے کی خاطرتمام مشکلات کا سامنا کیا۔

''اے غافل انسان! تو جہالت کے گڑھے میں گراہوا ہے اور اللہ کے احکام کو چھوڑ بیٹھا ہے''۔

تعظیمِ خاکِ مدینہ اور مشاہیر کے تأثرات

حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے دروازے پرخراسان یا مصر کے گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے جوآپ رضی اللہ عنہ کوبطورِہدیہ پیش کیے گئے تھے'ان سے زیادہ عمدہ گھوڑے میں نے کبھی نہ دیکھے تھے۔چنانچہ میں نے عرض کی''یہ کتنے عمدہ گھوڑے ہیں''۔توآپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا''میں یہ سب آپ

کو تحفے میں دیتا ہوں'' میں نے عرض کی''ایک گھوڑا آپ اپنے لیے رکھ لیں''۔توفرمایا''مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ اس مبارک زمین کو اپنے گھوڑے کے قدموں تلے روندوں جس میں اس کے پیارے رسول ﷺ کا روضۂ انور ہے''۔

(احیاء علوم الدین' کتاب العلم' باب ثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما' ج۱' ص۴۸)

حضرت سیّدنا یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے ''حافظ الحدیث'' تھے۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک' باب شھادۃ السلف الصالح واھل العلم لہ بالامامۃ فی العلم' ج۱' ص۳۷)

حضرت سیّدنا ابوعبداللہ غتاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کوایک لاکھ احادیث یادتھیں''۔

(شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک' ج۱' ص۳۵)

حضرت سیّدنا لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! مجھے روئے زمین پرسب سے زیادہ محبت حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے ہے''۔آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''یااللہ! میری عمر بھی امام مالک رضی اللہ عنہ کو لگادے''۔

حضرت سیّدنا امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیّدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کی بہت تعظیم کیا کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بات کرتے توعظیم القابات سے یادفرماتے ہوئے یوں گویا ہوتے:

''عالم العلماء نے یوں کہا'عالمِ مدینہ نے یہ فرمایا اور مفتی حرمین کا فرمان یہ ہے''۔

(سیر اعلام النبلاء'الرقم ۱۱۸۰' مالک الامام' ج۷' ص۳۱۲۔ترتیب المدارک وتقریب المسالک' الفصل الاول فی ترجمۃ من طریق الفضل' ج۱' ص۱۹)

حضرت سیّدنا مثنی بن سعید قصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں نے حضرت سیّدنا امام مالک

بن انس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: ''میں ہر رات سرکارِ ابدقرار صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرتا ہوں''۔
(حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۸۵۵، ج ۶، ص ۴۳۶)

جہنم سے نجات کی بشارت

حضرت سیّدنا ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے مرضِ وصال میں آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت سیّدنا ابنِ دراوردی حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے ابوعبداللہ! گزشتہ رات میں نے ایک خواب میں دیکھا ہے کیا آپ سننا پسند فرمائیں گے؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''سنائیے''

توانہوں نے خواب بیان کرتے ہوئے کہا:

''میں نے سفید لباس میں ملبوس ایک آدمی دیکھا جو آسمان سے اُترا اس کے ہاتھ میں ایک ایسا رجسٹر تھا جو زمین وآسمان کے درمیان پھیلا ہوا تھا اس نے تین مرتبہ کہا: ھٰذَا بَرَاءَۃٌ لِّمَا لَكٍ مِّنَ النَّارِ ۔

یہ حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے لیے دوزخ سے برأت نامہ ہے''۔

ابھی یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ خلیفہ کا قاصد حاضر ہوکر عرض گزار ہوا:

''اے ابوعبداللہ! مسجدِ نبوی شریف زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً کے مؤذن نے گزشتہ رات ایک خواب دیکھا ہے جو میں نے اس سے سنا ہے۔ چنانچہ اس نے بھی پہلے خواب کی مثل خواب سنایا''۔ اس پر حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مددگار ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے''۔

روئے زمین کا سب سے بڑا عالم

حضرت سیّدنا ابوزکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیّدنا امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا: ''جب ہم مکہ میں مقیم تھے تو مجھے میری پھوپھی نے بتایا کہ میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے''۔ میں نے کہا: ''سنائیے، کیا خواب ہے؟''

توانہوں نے فرمایا:

''میں نے فلاں کو یہ کہتے سنا کہ آج رات اہلِ زمین کا سب سے بڑا عالم فوت ہوگیا ہے''۔

جب ہم نے حساب لگایا تو وہ حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے انتقال کا دن تھا''۔ (حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۹۳۴، ج ۶، ص ۳۶۰۔ ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب ذکر وفاۃ مالک، ج ۱، ص ۷۸)

حضرت سیّدنا یونس بن عبدالاعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سیّدنا بشر بن بکر رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''میں نے حضرت سیّدنا امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو علمائے کرام رحمہم اللہ کے ایک گروہ کے ساتھ جنت میں دیکھ کر پوچھا:

''حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟''

توانہوں نے بتایا: ''ان کے درجات بہت بلند ہیں''۔

میں نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

جواب ملا: ''ان کی سچائی کی بدولت''۔

(التمہید لابن عبدالبر، مقدمۃ المصنف، باب ذکر عیون من اخبار مالک وذکر فضل مؤطئہ، ج ۱، ص ۵۶)

ایک کلمے کے سبب بخشش

کسی نیک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو بعدِ وصال خواب میں دیکھ کر پوچھا: ''مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِكَ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟''

ارشاد فرمایا: ''اس نے مجھے بخش دیا''۔ پوچھا: ''کس سبب سے؟''

فرمایا: ''ایک کلمہ کے سبب جو میں نے امیر المومنین حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی سے سنا تھا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کسی مردے کو دیکھتے تھے تو پڑھتے:

اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ ۔

Scanned with CamScanner

یعنی وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ آپ زندہ ہے، دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، پاک ہے وہ ذات جو خود زندہ ہے کہ اسے کبھی موت نہیں''

تو میں بھی اپنی زندگی میں جب کسی مردے کو دیکھتا تو ہمیشہ یہ کلمہ پڑھا کرتا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں داخل فرما دیا''۔

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب ذکر وفاۃ مالک، ج۱، ص۷۸)

آپ کا وصال اور تجہیز وتکفین

حضرت سیّدنا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا وصال دس ربیع الاوّل سن ۱۷۹ ہجری میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہفتے کے دن بیمار ہوئے اور اسی دن اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نوّے برس کی عمر پائی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ مجھے میرے اپنے کپڑوں میں ہی کفن دیا جائے اور جنازگاہ میں نمازِ جنازہ ادا کی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ کثیر لوگوں نے ادا کی جن میں حضرت سیّدنا ابن عیاش، حضرت سیّدنا ہاشم، حضرت سیّدنا ابن کنانہ، حضرت سیّدنا شعبہ بن داؤد، آپ کے کاتب حضرت سیّدنا حبیب اور ان کے بیٹے رحمہم اللہ جیسی شخصیات بھی شامل تھیں۔ کئی لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک میں بھی اُترے''۔

(التمہید لابن عبدالبر، مقدمۃ المصنف، باب ذکر عیون من اخبار مالک وذکر فضل موطئہ، ج۱، ص۶۷)

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۱۸۰، مالک الامام وفاۃ مالک، ج۷، ص۴۳۵)

جب حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے وصال کی خبر عراق پہنچی تو گویا عراق کی سرزمین لرزنے لگی وہاں کے لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر بہت صدمہ پہنچا۔ ایک آدمی نے حضرت سیّدنا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی:

''اے ابو محمد! ایک شخص کی خواہش ہے کہ وہ کسی ایسے عالم سے مسئلہ دریافت کرے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دلیل ہو''۔

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''ایسے عالم تو حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ جنہیں آدمی اپنے اور اللہ کے درمیان دلیل بنا سکتا ہے''۔

لیکن جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا کہ وہ تو وصال فرما چکے ہیں تو بصد حسرت وافسوس کہنے لگے: ''ہائے! اچھے لوگ دنیا سے چلے گئے''۔

آدمی کا نسب ہی اس کا مکان ہے

حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ دنیا سے بہت زیادہ بے رغبت رہتے اور امورِ آخرت میں غور وفکر کرتے رہتے تھے۔ حصولِ علم میں بہت کوشاں رہتے اور مومنین کی خیر خواہی کرتے تھے۔ خلیفۃ المسلمین مہدی نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا آپ کا کوئی مکان ہے؟''

تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ''نہیں! لیکن میں آپ کو ایک حدیثِ پاک سناتا ہوں، میں نے حضرت سیّدنا ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا: ''آدمی کا نسب ہی اس کا مکان ہے''۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، الباب الثانی فی العلم المحمود والمذموم واقسامھما واحکامھما، ج۱، ص۴۷)

(ترتیب المدارک وتقریب المسالک، باب فی مجلسہ وطیبہ......الخ، ج۱، ص۳۰)

حضرت سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے خلیفہ ہارون الرشید نے پوچھا:

''کیا آپ کا کوئی مکان ہے؟'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں!''

اس نے تین ہزار دینار پیش کرتے ہوئے کہا: ان سے مکان خرید لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دینار لے لیے لیکن انہیں خرچ نہ کیا جب ہارون الرشید نے بغداد روانگی کا ارادہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کی:

''آپ بھی میرے ساتھ چلیں، میں نے عزم کیا ہے کہ لوگوں کو اسی طرح مؤطا کی ترغیب دلاؤں جس طرح امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قرآن کی ترغیب دلائی''۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

Scanned with CamScanner

"لوگوں کو مؤطا شریف کی ترغیب دِلانے کی حاجت نہیں کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے (پردہ فرمانے کے) بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان مختلف شہروں میں پھیل گئے اور لوگوں کو احادیثِ مبارکہ بیان کرتے رہے۔ جس کی بدولت آج ہر شہر میں کثیر علمِ حدیث موجود ہے"۔

(احیاء علوم الدین، ج۱، ص۴۷۔ حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۹۳۲، ج۶، ص۳۶۱)

اور حضور ﷺ کا فرمان ہے:

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ ۔ "یعنی میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے"۔

(شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ۔۔۔الخ، ج۱۱، ص۹۱)

اور تمہارے ساتھ بغداد جانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"ان (لوگوں) کے لیے مدینہ بہتر تھا اگر وہ جانتے"۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی خبثھا۔۔۔الخ، الحدیث ۱۳۸۱، ص۹۰۷)

اور یہ بھی حدیث ہے:

"مدینہ منورہ میل کچیل کو یوں دُور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا میل دُور کرتی ہے"۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینۃ تنفی خبثھا وتسمی طابۃ وطیبۃ، الحدیث ۱۳۸۱/۱۳۸۳، ص۹۰۷)

اور یہ ہیں تمہارے دینار، جیسے تم نے دیئے تھے ویسے ہی ہیں اگر چاہو تو لے لو اور چاہو تو چھوڑ دو یعنی تم نے یہ دینار دے کر مجھے مدینہ منورہ چھوڑنے پر مجبور کیا ہے لہٰذا اب تم انہیں واپس لے لو کیونکہ میں مدینۃ الرسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر دنیا و مافیہا کو ترجیح نہیں دوں گا"۔

(حلیۃ الاولیاء، مالک بن انس، الحدیث ۸۹۳۲، ج۶، ص۳۶۱۔ احیاء علوم الدین، کتاب العلم، ج۱، ص۴۷)

ائمۂ اربعہ اور مذاہبِ اربعہ حق ہیں

ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے، میں نے خواب میں اپنے آپ کو جنت میں پایا۔ کیا

دیکھتا ہوں کہ اس کے درمیان ایک نورانی ستون ہے اس کی چاروں سمتوں میں چار افراد ہیں جو چار زنجیروں سے اسے اپنی اپنی طرف کھینچ رہے ہیں لیکن وہ اتنی مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہے کہ ذرہ برابر حرکت نہیں کرتا۔ میں نے کہا:

"کتنے تعجب کی بات ہے اگر یہ لوگ ایک ہی سمت سے کھینچتے تو ان کو آسانی ہوتی"۔ پھر میں نے ایک فرشتے سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا:

"یہ ستون دینِ اسلام ہے اور یہ چار زنجیریں مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) ہیں اور جو حضرات اس کو کھینچ رہے ہیں وہ ائمۂ اسلام ہیں۔ حضرت سیّدنا امام محمد بن ادریس شافعی، حضرت سیّدنا امام مالک بن انس، حضرت سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ جس بات پر یہ متفق ہو جائیں وہ فرض ہے، ان کے اقوال حق ہیں اور ان کا اختلاف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے"۔

(الروض الفائق)

Scanned with CamScanner

(21)

حضرت خضر کی بتائی ہوئی ایک دعا

حضرت علامہ محمد بن سماک بہت جلیل القدر محدث اور باکرامت ولی تھے۔ ایک مرتبہ یہ بہت سخت بیمار ہوگئے تو ان کے متوسلین ان کا قارورہ لے کر ایک نصرانی طبیب کے پاس چلے۔ راستے میں ان لوگوں کو ایک بہت ہی خوش پوشاک بزرگ ملے جن کے بدن سے بہترین خوشبو آ رہی تھی۔ انہوں نے پوچھا: تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: حضرت محمد بن سماک بہت سخت علیل ہیں یہ ان کا قارورہ ہے جس کو ہم فلاں طبیب کے پاس لے کر جا رہے ہیں۔ یہ سن کر ان بزرگ نے فرمایا: سبحان اللہ! ایک اللہ کے ولی کے لیے تم لوگ ایک اللہ کے دشمن سے مدد طلب کر رہے ہو؟ قارورہ پھینک کر واپس جاؤ اور محمد بن سماک سے کہہ دو کہ مقام درد پر وبالحق انزلناہ وبالحق نزل پڑھ کر دم کریں۔ یہ فرما کر وہ بزرگ غائب ہوگئے اور لوگوں نے واپس آ کر حضرت محمد بن سماک سے ذکر کیا آپ نے مقامِ درد پر ہاتھ رکھ کر آیت کے ان دونوں جملوں کو پڑھا تو فوراً ہی آرام ہوگیا۔

پھر حضرت محمد بن سماک نے لوگوں سے فرمایا: وہ بزرگ جنہوں نے تم لوگوں کو یہ وظیفہ بتایا تمہیں یہ خبر ہے کہ وہ کون بزرگ تھے؟ لوگوں نے کہا جی نہیں! ہم لوگوں نے انہیں نہیں پہچانا تو حضرت محمد بن سماک نے فرمایا: وہ بزرگ حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ السلام تھے۔

(مدارک التنزیل ج ۲، ص ۳۲۰)

قرآن مجید کی آیت کا اتنا سا ٹکڑا ہر مرض کی مکمل دوا اور مجرب علاج ہے۔ مرض کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھ دیا جائے تو بیماری دُور ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پڑھنے والا پابند شریعت اور صدق مقال و رزقِ حلال پر کاربند ہو۔ بلاشبہ یہ آیت شفاء امراض کے لیے قرآن مجید کے عجائب میں سے ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(22)

سخاوت ہو تو ایسی ہو

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ عراق کے شہر "مرو" میں قیام پذیر تھے۔ اکثر و بیشتر حج کرتے، ان کے عزیز، رشتہ دار اور دوست اس بات کی تمنا کرتے کہ ان کے ہمراہ حج کے لیے جائیں، خود مخیر تھے، حجاج پر خوب خرچ کرتے۔ ایک سال حج کے موقع پر لوگ ان کے پاس آئے اور عرض کیا:

"حضرت! آپ حج پر جانا چاہتے ہیں، ہمیں بھی ساتھ لے لیں"۔

فرمایا: "ٹھیک ہے اپنا زادِ راہ میرے پاس جمع کروا دو"۔

ان کا زادِ راہ لے لیا اور اس کو ایک بڑے صندوق میں ڈال کر تالا لگا دیا پھر کرایہ پر سواریاں لے کر مرو سے بغداد تک گئے اس دوران سارے قافلے کو عمدہ کھانا پینا مہیا کیا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے پھل اور میوہ جات مہیا کیے یہاں تک کہ بغداد پہنچ گئے پھر قافلے کو لے کر پوری شان و شوکت کے ساتھ بغداد سے نکلے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہر ایک کو فرداً فرداً بلوا کر پوچھا کہ تمہارے گھر والوں نے مدینۃ الرسول سے کیا تحفے تحائف لانے کے لیے کہا تھا؟

لوگ بتلانے لگے کہ فلاں فلاں چیز لانے کے لیے کہا تھا۔ ان کو وہ چیزیں خرید کر دے دیں اسی طرح مکہ مکرمہ پہنچے، حج کے بعد پھر فرداً فرداً ہر ایک سے پوچھا کہ مکہ مکرمہ سے تمہارے گھر والوں نے تم سے کیا کیا تحائف لانے کے لیے کہا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں فلاں چیز تو ہر ایک کو اس کی پسند خرید کر دے دی۔ مکہ سے مرو تک وہ مسلسل اخراجات کرتے رہے جب ادائیگی حج کے بعد مرو واپس آئے اور دو تین دن کے بعد حجاج کی تھکاوٹ دُور ہو گئی تو ایک بڑی دعوت کی اور تمام حجاج کو کپڑے بھی دیئے اس کے بعد انہوں نے صندوق منگوا کر اسے کھولا اور اس میں سے ہر آدمی کی زادِ راہ والی تھیلی نکالی جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا، وہ اس کو واپس کر دی۔ (سیر أعلام النبلاء ۸/۳۸۵_۳۸۶)

(23)

حضرت امامِ اعظم اور ان کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہما

علماء کی بے قدری کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کے گھر والے، پڑوسی اور متعلقین ان کے مقام و مرتبہ سے بے خبر ہوتے ہیں اور ان کی وفات سے پہلے ان کی قدر و قیمت نہیں جانتے ہمارے ہاں مشرق میں یہ مصیبت مسلسل جاری رہتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی۔

امام ابو یوسفؒ اکثر اوقات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنی والدہ محترمہ کو مادہ دراز گوش پر سوار کر کے ایک قصہ گو واعظ عمر بن ذر کی مجلس میں لے جاتے تھے۔ ان کی والدہ اس واعظ کے درس میں حاضر ہوتی تھیں اس کے علم کی معتقد تھیں لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے علم کو وقعت نہیں دیتی تھی۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”بعض اوقات میں انہیں عمر کی مجلس میں لے گیا، بعض اوقات انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس واعظ کے پاس جاؤں اور اس سے ایک مسئلہ پوچھ کر آؤں۔ میں اس کے پاس جاتا اور اس کے سامنے وہ مسئلہ پیش کرتا جو میری والدہ دریافت کرنا چاہتی تھیں۔ میں اسے کہتا کہ میری والدہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہ مسئلہ آپ سے دریافت کروں۔

عمر تعجب کرتا اور کہتا کہ آپ یہ مسئلہ مجھ سے پوچھتے ہیں؟ حالانکہ آپ ہمارے استاذ اور امام ہیں۔

میں کہتا کہ میری والدہ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ وہ مجھے اتنی دھیمی آواز میں کہتا کہ میری والدہ نہ سن سکیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ مسئلہ کیا ہے (اور کیسے ہے؟)

تا کہ میں سمجھ کر آپ کو بتادوں۔ میں اسے چپکے سے مسئلے کا جواب بتا دیتا۔ وہ بلند آواز میں مجھے جواب دیتا اور میں اپنی والدہ ماجدہ کو بتا دیتا۔ وہ میرے جواب پر نہیں بلکہ عمر کے جواب پر راضی ہوتی تھیں۔ بعض اوقات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے تو وہ اس پر مطمئن نہیں ہوتی تھیں بلکہ کہتی تھیں کہ میں خود زُرعہ نامی واعظ کے پاس جاؤں گی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے پاس جاتیں۔ امامِ اعظم ان سے وہ مسئلہ پوچھتے جو آپ کی والدہ پوچھنا چاہتی تھیں۔ وہ کہتے: ”استاذ گرامی! آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ اس مسئلے کا جواب کیا ہے؟“

آپ فرماتے کہ جواب یہ ہے۔ واعظ زُرعہ امام ابوحنیفہ کی والدہ کو جواب دیتے تو وہ راضی ہو جاتیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں لے کر واپس آ جاتے، ان کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ یہ فتویٰ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے“۔

(الخیرات الحسان، حسن المحاضرۃ، کسی قدر تصرف کے ساتھ)

عالم کا علم اگر خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ صرف ان لوگوں کو اہمیت دے جو اس کی قدر و قیمت جانتے ہوں۔ بہت سے متبحر علماء وہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا مقام بہت بلند ہے اور اکثر لوگ انہیں پہچانتے نہیں ہیں۔ (شیخ فرفور)

اندازہ کیجیے کہ امامِ اعظم علیہ الرحمہ والدۂ ماجدہ کا کتنا احترام کرتے تھے؟ خود امام مجتہد اور اماموں کے امام تھے لیکن والدہ کے حکم سے سرتابی نہ کرتے اور ایک واعظ کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لیے چلے جاتے۔ (سدا بہار خوشبوئیں)

(24)

صبرورضا کا پیکرِ جمیل

حضرت سیّدنا ادریس حداد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی رضی اللہ عنہ حدیثِ پاک میں صاحبِ روایت تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہ تھا''۔

(طبقات الحنابلۃ، مقدمۃ المصنف، الرقم ۱، احمد بن محمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۰)

حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ انتہائی صالح و متقی تھے اور آپ رضی اللہ عنہ میں سچے ایمان داروں کی علامات پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت سیّدنا ادریس حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سیّدنا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے لیے روٹی اور کچھ سالن دینا اپنے ذمہ لے رکھا تھا جب وہ قاضی بن گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے روٹی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اس سے کبھی کھانا نہ کھاؤں گا''۔ اور مرتے دم تک آپ رضی اللہ عنہ اپنے اس قول پر کاربند رہے''۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۹۷)

حضرت ادریس حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ نماز پڑھتے، تلاوتِ قرآن کرتے یا کوئی کتاب پڑھتے دیکھا اور کبھی کسی دنیوی معاملے میں مشغول نہ پایا اور جب ان مذکورہ کاموں میں شدت آجاتی تو ایک دو یا تین دن تک کچھ نہ کھاتے جب اپنے گھر والوں کو دیکھتے تو پانی پی لیتے جس سے وہ

سمجھتے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا پیٹ بھرا ہوا ہے''۔

حضرت سیّدنا مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک کو غیرِ مخلوق ماننے پر خلیفہ واثق کے قید خانہ میں ڈالا گیا تو ایک دن داروغۂ جیل آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا:

''اے ابوعبداللہ! کیا وہ حدیث صحیح ہے جو ظالموں اور ان کے مددگاروں کے متعلق ہے؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جی ہاں! صحیح ہے''۔

اس نے کہا: ''پھر تو میں بھی ظالموں کے مددگاروں میں سے ہوں''۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں (تو ظالموں کا مددگار نہیں)''

اس نے کہا: ''کیوں نہیں؟'' فرمایا:

''ظالموں کا مددگار تو وہ ہے جو تیرے بال سنوارے، کپڑے دھوئے اور تیرے لیے کھانا لائے جب کہ تو خود ظالم ہے''۔

(صید الخاطر لابن الجوزی، فصل انقطع بالعمل، ص ۱۴۲)

حضرت سیّدنا ادریس حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی ابتلا و آزمائش کی گھڑیاں ختم ہوئیں تو آپ رضی اللہ عنہ کو گھر لایا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی طرف کثیر مال بھیجا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ضرورت کے باوجود سارا مال واپس کر دیا اور اس میں سے کچھ نہ لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت سیّدنا اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس دن کے لوٹائے ہوئے مال کا حساب لگایا تو وہ پچاس ہزار دینار کا تھا اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے چچا سے فرمایا:

''اے چچا! میں آپ کو ایسے حساب میں مشغول پاتا ہوں جو آپ کے لیے بے فائدہ ہے''۔

چچا نے کہا: ''آج تم نے اتنا مال واپس کر دیا حالانکہ تمہیں ایک ایک دانہ کی ضرورت ہے''۔

Scanned with CamScanner

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر ہم اسے طلب کرتے تو یہ نہ ملتا اور جب ہم نے اسے چھوڑ دیا تو یہ ہمارے پاس آیا ہے''۔

(سیر اعلام النبلاء، الرقم ۱۸۷۶، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، ج ۹، ص ۵۱۱)

حضرت سیّدنا علی بن سعید رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''ایک دن ہم حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلیفہ متوکل کے دروازے پر پہنچے جب درباریوں نے آپ کو خاص دروازے سے اندر داخل کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں ارشاد فرمایا: ''واپس لوٹ جاؤ! اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت عطا فرمائے''۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی دعا کی برکت سے آج تک ہم میں سے کوئی بیمار نہ ہوا''۔

(المرجع السابق، ص ۵۱۲)

حضرت سیّدنا ہلال بن علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''چار شخصیات ایسی ہیں جن کا اسلام پر احسان ہے:

(۱) حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ جو اذیت و تکلیف پر ثابت قدم رہے اور قرآنِ عظیم کو مخلوق نہ کہا۔

(۲) حضرت سیّدنا ابو عبد اللہ شافعی رضی اللہ عنہ جنہوں نے کتاب وسنت پر فقہ کی بنیاد رکھی۔

(۳) حضرت سیّدنا ابو عبد اللہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حضور نبی پاک، صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تشریح فرمائی

(۴) حضرت سیّدنا ابو زکریا رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح احادیث میں فرق واضح کیا''۔

حضرت سیّدنا محمد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا حسین بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مصر سے بہت سا مالِ وراثت بھیجا گیا تو انہوں نے حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تین تھیلے پیش کیے۔ ہر تھیلے میں ہزار دینار تھے اور عرض کی:

''اے ابو عبد اللہ! اسے اپنے گھر والوں پر خرچ کر لیجیے''۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے اس مال کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے میرا اللہ تعالیٰ کافی ہے''۔

اور سارا مال لوٹا دیا۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، الحدیث ۱۳۶۳۶، ج ۹، ص ۱۸۷)

حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سیّدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میرے والدِ محترم ہر رات ایک منزل قرآنِ حکیم پڑھتے اور سات دن میں قرآن مجید ختم فرماتے پھر صبح تک کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہتے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہر دن تین سو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کمزور پڑ گئے۔ اور پھر ہر دن ایک سو پچاس رکعت ادا فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ تین بار سکون میں آتے اور تین بار آپ رضی اللہ عنہ کی چیخ بلند ہوتی''۔

جواب لاجواب

حضرت سیّدنا عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک روز میرے والدِ محترم حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے قریب سے حضرت سیّدنا شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ کا گزر ہوا۔ انہوں نے اونی جبہ پہن رکھا تھا۔ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

''اے ابو عبد اللہ! کیا میں اس ناواقف کو اس کی ناواقفیت پر آگاہ نہ کروں؟''

حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''چھوڑیئے! اسے اپنے حال پر رہنے دیجیے''۔

حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نہیں! اسے سمجھانا بہت ضروری ہے''۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیّدنا شیبان رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس بلا کر استفسار فرمایا:

Scanned with CamScanner

"اے شیبان! اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو جو کسی دن اپنی نماز بھول گیا اور نہیں جانتا کہ کون سی نماز تھی تو اب اس پر کیا واجب ہے؟"

تو حضرت سیدنا شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

"اے احمد! ایسے شخص کا دل یادِ الٰہی سے غافل ہے اور وہ بھولا ہوا غافل ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ سیکھے تاکہ دوبارہ کبھی نماز سے غافل نہ ہو اور اس دن کی ساری نمازیں بھی قضا کرے پھر وہ حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"کیا آپ دونوں میرے جواب کا رد کر سکتے ہیں؟"

یہ سن کر حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ خوشی سے چلا اُٹھے اور فرمایا:

"نہیں! اللہ کی قسم! یہی جواب صحیح ہے"۔

چنانچہ ان کو وہیں چھوڑ کر حضرت سیدنا شیبان رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے"۔

حضرت سیدنا ادریس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سلا ہوا لباس نہ پہنتے تھے بلکہ کچی سلائی کر کے درمیان سے گول کاٹ لیتے اور سر اس میں داخل کر لیتے اور فرماتے:

"جو مر جائے گا اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ زیادہ تر خودرو زمینی سبزی تناول کرتے اور فرماتے:

"اللہ کی قسم! یہ وہ حلال چیز ہے جس میں کوئی حساب و کتاب نہیں"۔

حضرت بشر حافی کی بہن کے سوال کا جواب

حضرت سیدنا ادریس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک روز آپ رضی اللہ عنہ کے رفقاء کی عورتوں کا ایک گروہ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آگے بڑھ کر عرض کرنے لگی:

"یا سیدی! ہم اپنے گھروں میں سوت کات رہی ہوتی ہیں تو قریب سے سپاہی مشعل لے کر گزرتے ہیں تو کیا ہمارے لیے ان مشعلوں کی روشنی میں اون کاتنا جائز ہے؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ عرض کی: میں حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ کی بہن ہوں۔ فرمایا:

"تمہارے گھر سے تقویٰ کا ظہور ہوا اس لیے تم اس کی روشنی میں اون مت کاتو"۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان' حرف الباء' الرقم ۱۱۴' الثانی' ج ۱' ص ۲۶۸۔ بتغیر)

تقویٰ وخوفِ خدا

حضرت سیدنا ادریس حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حج کے لیے مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً حاضر ہوئے وہاں آپ رضی اللہ عنہ پر تنگ دستی غالب آ گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بالٹی تھی۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی چیز کے بدلے ایک سبزی فروش کے پاس گروی رکھ دی جب اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کی تنگ دستی دُور فرما دی تو آپ رضی اللہ عنہ اس سبزی فروش کے پاس آئے اور اسے رقم دے کر اپنی بالٹی کا مطالبہ کیا۔ سبزی فروش کھڑا ہوا اور ایک جیسی دو بالٹیاں حاضر کر دیں اور کہنے لگا:

"مجھ پر آپ کی بالٹی مشتبہ ہو گئی ہے' آپ ان میں سے جو چاہیں لے لیں"۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھ پر بھی معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے کہ کون سی بالٹی میری ہے؟ اللہ کی قسم! میں اسے بالکل نہ لوں گا"۔ سبزی فروش نے کہا:

"اللہ کی قسم! میں بھی اس کو دیئے بغیر نہ رہوں گا"۔

آخر کار دونوں اس کو فروخت کر کے رقم صدقہ کرنے پر رضا مند ہو گئے۔

(حلیۃ الاولیاء' الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ' الحدیث ۱۳۶۰۱' ج ۹' ص ۱۸۱۔ بتغیر)

حضرت سیدنا ادریس حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب بھی حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کسی جنازہ میں جاتے تو اس دن نہ کھانا کھاتے نہ اس رات سوتے۔ آپ رضی اللہ عنہ جب کوئی قبر دیکھتے تو اس طرح روتے جیسے وہ عورت روتی ہے جس کا بچہ فوت ہو چکا ہو"۔

Scanned with CamScanner

ایک روز حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اچانک گھر سے باہر نکلے تو ایک عورت پر نظر پڑی جس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً پڑھا:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

''بلند و برتر پروردگار کے سوا کوئی طاقت و قوت نہیں''۔

اور قسم کھائی کہ آئندہ جب بھی نکلوں گا چہرہ ڈھانپ کر نکلوں گا تا کہ کسی عورت پر نظر نہ پڑے۔

جب بھی کوئی نیا واقعہ یا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اس کو اس وقت تک نہ لکھتے جب تک علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش نہ فرما لیتے اگر آپ رضی اللہ عنہ کی رائے ان کی رائے کے مطابق ہوتی تو لکھ لیتے ورنہ چھوڑ دیتے اور دل میں آنے والی بات پر استغفار کرتے۔

حضرت سیّدنا ادریس حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے زہد و ورع کا یہ عالم تھا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ کا قلم خشک ہو جاتا تو اسے اپنے سر سے پونچھتے، اپنے کپڑے سے نہ پونچھتے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا:

''یہ روشنائی علم کا باقی ماندہ حصہ ہے لہٰذا میں اسے کپڑوں سے صاف نہیں کرتا کہ ہو سکتا ہے وہ کپڑا گندگی میں ڈال دیا جائے''۔

آٹھ لاکھ، ساٹھ ہزار شرکائے جنازہ

حضرت سیّدنا محمد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سن ۱۶۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور بوقتِ وصال آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک ۷۷ سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو جمعہ کی نماز کے بعد دفنایا گیا۔ کثیر لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں اکٹھے ہوئے۔ حضرت سیّدنا محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی جب نمازِ جنازہ میں حاضرین کو شمار کیا گیا تو آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھیں۔ جس جگہ آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی وہ چونسٹھ جریب تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کے لیے خلیفہ متوکل یا خلیفہ واثق بیٹھا تو حکماء و امراء اور خاص لوگوں سے کہا گیا کہ خلیفہ سے تعزیت کریں۔

(حلیۃ الاولیاء، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، الحدیث ۱۳۵۶۳، ج ۹، ص ۱۷۴۔ الطبقات الکبریٰ للشعرانی، الرقم ۹۴، الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، ج ۱، ص ۸۰)

دس لاکھ احادیث لکھنے والا امام

حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد، متقی، فقیہ اور پرہیزگار تھے۔ حدیثِ پاک کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صحیح احادیث کو غیر صحیح احادیث سے علیحدہ کر کے نشان دہی کی۔ آپ رضی اللہ عنہ رجالِ حدیث (یعنی حدیث کے راویوں) اور ان میں سے سچے راویوں کے متعلق بھی سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دس لاکھ احادیث تحریر فرمائیں جن میں سند اور متن والی احادیث کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار ہے۔

منقول ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ پر تشدد کیا گیا اور مصائب و آلام ڈھائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے۔ جس کی وجہ سے اہلِ مشرق و مغرب کے محبوب بن گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں میں باعزت رہے یہاں تک کہ جب لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو گویا وہ کسی شیر کو دیکھ رہے ہوتے۔

حضرت سیّدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مرضِ وصال میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ رضی اللہ عنہ قریب المرگ تھے۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رونے لگے اور عرض کی: ''اے ابو عبداللہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیے''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۲۳، الصّٰفّٰت: ۶۱﴾

''ایسی ہی بات کے لیے کامیوں کو کام کرنا چاہیے''۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور آپ کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

(25)

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلٰی خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٌ وَّحَرَامٌ وَّمُحْكَمٌ وَّمُتَشَابِهٌ وَّاَمْثَالٌ فَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ وَاٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ

(مشکوۃ ج۱ص۳)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پانچ طریقوں پر نازل ہوا۔ حلال وحرام ومحکم ومتشابہ اور امثال۔ تو تم لوگ حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام جانو اور محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ اور مثالوں (گزشتہ اُمتوں کے قصوں اور مثالوں سے عبرت حاصل کرو)"

قرآنِ عظیم کے مذکورہ بالا پانچوں مضامین پر مطلع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن پاک کو بغور اور بار بار سمجھ کر پڑھا جائے اسی لیے تلاوت قرآن مجید کا اس قدر زیادہ ثواب ہے کہ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ مثلاً کسی نے صرف الم پڑھا اور اس کی تلاوت مقبول ہوگئی تو اس کو تیس نیکیاں ملیں گی کیونکہ اس نے قرآن کے تین حرفوں کو پڑھا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے چند آداب مندرجہ ذیل ہیں:

۱) مسواک کر کے صحیح طریقے سے وضو کرلے اور قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر الفاظ ومعانی میں غور وفکر کرتے ہوئے دل کو پوری طرح متوجہ کر کے خضوع وخشوع اور نہایت عجز وانکساری کے ساتھ تلاوت میں مشغول ہو اور نہ بہت بلند آواز سے پڑھے اور نہ بہت پست آواز کرے

بلکہ درمیانی آواز سے پڑھے۔

۲) بہتر یہ ہے کہ دیکھ کر تلاوت کرے کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور دو عبادتوں میں ثواب بھی دُگنا ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی اس کے لیے دو ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے زبانی پڑھا اس کے لیے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (کنز العمال ج۲ص۲۷۷)

۳) تین دن سے کم مدت میں قرآنِ کریم نہ ختم کرے بلکہ کم از کم تین دن یا سات دن یا چالیس دن میں قرآنِ کریم ختم کرے تاکہ معانی ومطالب کو سمجھ کر تلاوت کرے۔

۴) ترتیل کے ساتھ اطمینان سے اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا۔ "خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کو پڑھو"۔

اس میں کئی فائدے ہیں اوّلاً تو اس سے قرآن مجید کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور ثانیاً قرآنِ کریم کے عجائب وغرائب کو سوچنا اور معانی کو سمجھنا ہی تلاوت کا مقصودِ اعظم ہے اور یہ ترتیل کے بغیر دشوار ہے۔

۵) بوقتِ تلاوت ہر لفظ کے معانی پر نظر رکھے اور وعدہ وعید کو سمجھنے کی کوشش کرے اور ہر خطاب میں اپنے کو مخاطب تصور کرلے اور امر ونہی اور قصص وحکایات میں اپنے آپ کو مرجع خطاب سمجھے اور احکام پر عمل پیرا ہونے اور ممنوعات سے باز رہنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

۶) دورانِ تلاوت جس جگہ جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر آئے یا حفظ وامان اور سلامتی ایمان یا کسی بھی پسندیدہ چیز کا ذکر آئے تو ٹھہر کر دعا کرے اور جس جگہ جہنم اور اس کے عذابوں کا ذکر آیا ان جیسی کسی بھی باعثِ خوف چیز کا تذکرہ آئے تو ٹھہر کر ان چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے اور خوفِ الٰہی سے رو پڑے اور اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی صورت بنالے۔

۷) رات کے وقت تلاوت کی کثرت کرے کیونکہ اس وقت ذہن پُرسکون اور دل مطمئن ہوتا ہے۔ تلاوت کے لیے سب سے افضل وقت سال بھر میں رمضان شریف کے آخری دس ایام اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں اس کے بعد جمعہ پھر دوشنبہ پھر پنج شنبہ اور رات کو تلاوت کا بہترین وقت مغرب اور عشا کے درمیان ہے اور اس کے بعد نصف شب

کے بعد اور دن میں سب سے عمدہ صبح کا وقت ہے۔

۸) خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ حروف کی صحیح ادائیگی اور اوقات کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرے مگر اس کا لحاظ رہے کہ خوش الحانی کے لیے قواعد موسیقی اور گانے کے لہجوں کا ہرگز ہرگز استعمال نہ کرے۔

۹) تلاوت کے وقت قرآنِ کریم کی عظمت پر نظر رکھے اور آیتِ کریمہ:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

''یعنی اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارتے تو ضرور تم اسے دیکھتے کہ وہ جھک کر اللہ کے خوف سے پاش پاش ہوجاتا''۔

اس آیت کے اس مضمون کو بوقتِ تلاوت اپنے ذہن میں حاضر رکھے اور خوفِ الٰہی سے بھرپور ہوکر نہایت عاجزی کے ساتھ تلاوت کرے۔

۱۰) جو آیتیں اپنے حال کے مطابق ہوں اُن کو بار بار پڑھنا چاہیے اور قرآنِ عظیم پڑھتے وقت یہ خیال جمائے کہ گویا خداوند تعالیٰ کے حضور میں پڑھ رہا ہے جب اس منزل پہنچ جائے تو یہ تصور لیا جائے کہ گویا رب کریم مجھ ہی سے خطاب فرمارہا ہے اور اس ترقی کی انتہا یہ ہے کہ یہ تصور پیدا ہوجائے کہ قرآنِ عظیم پڑھنے والا گویا اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات وافعال کو اس کے کلام میں دیکھ رہا ہے لیکن یہ بلند مرتبہ صدیقین کے لیے مخصوص ہے ہر کس وناکس کو یہ حاصل نہیں ہوتا۔

۱۱) جب تنہائی میں ہو تو درمیانی آواز سے تلاوت کرنا بہتر ہے لیکن اگر بلند آواز سے تلاوت کرنے میں ریاکاری کا خوف ہو یا کسی نمازی کی نماز میں خلل کا اندیشہ ہو یا کچھ لوگ گفتگو میں مصروف ہیں اور ان کے تلاوت نہ سننے کا گمان ہو تو ان صورتوں میں قرآن مجید کو آہستہ پڑھنا بہتر ہے ایسے ہی مواقع کے لیے حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ''پوشیدہ عمل' ظاہری عمل سے ستر گنا زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ بہرحال قرآن مجید کی تلاوت کے وقت آداب کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ دین و دنیا کی بے شمار برکتیں حاصل ہوں اور ہرگز ہرگز آداب سے غفلت نہ ہونے پائے کہ یہ غفلت برکات دارین سے بہت بڑی محرومی کا سبب ہے۔ (عجائب القرآن' علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ)

(26)

حکمرانوں کی کامیابی

شیخ علی طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''رجال من التاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''حضرات! ہم اس وقت ''دارالخضراء'' میں کھڑے ہیں۔ یہ عظیم الشان محل جواموی خلافت کے وقار اور سطوت کا امین ہے۔ ہجرت کا ۸۶واں سال ہے۔ ولید بن عبدالملک کی حکومت ہے اس شخصیت نے ایسے کارنامے سرانجام دیئے ہیں کہ خواب محسوس ہوتا ہے اس نے ایسا اجتماعی نظام اُمتِ اسلامیہ کو دیا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک رسی میں پرو دیا ہے۔

فقر و فاقہ' بیماری اور جہالت پر قابو پایا گیا' دائمی مریضوں کی لسٹیں تیار کی گئیں' ایسے مریضوں کے لیے ان کے گھروں میں خادم مہیا کیے گئے جو ان کے لیے ہمہ وقت خدمت سرانجام دیتے تھے۔ ان کی تنخواہ سرکاری خزانے سے دی جاتی۔ نابینا لوگوں کے لیے ہمہ وقت ساتھ رہنے والے خادم مقرر کیے گئے۔ یہ بھی سرکاری ملازم تھے۔ یتیم بچوں کے لیے مفت سکول کھولے گئے۔ ان کے تمام کھانے پینے کے اخراجات حکومت کے ذمہ تھے۔ جہالت اور ناخواندگی کے خلاف مہم چلائی گئی۔ علماء کے بھاری وظیفے مقرر کیے گئے' ملک بھر میں بھیک مانگنے پر پابندی تھی' کہیں کوئی بھکاری نظر نہیں آتا تھا۔ فقراء' عاجزوں اور پناہ گزینوں کے لیے وظائف اور تنخواہیں مقرر کی گئیں تاکہ وہ اطمینان سے اپنی زندگی گزاریں اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں''۔

قارئین! اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ ان کی خلافت کا دائرہ کوئی معمولی نہ تھا۔ آج کے تمام عرب ممالک اور افریقہ کے بعض ممالک ان کی قلم رو میں شامل تھے اور ہاں یہ ساتویں صدی عیسوی کی بات ہے' اکیسویں صدی کی نہیں۔ (رجال من التاریخ)

Scanned with CamScanner

(27)

کائنات سے مولائے کائنات کا خطاب

''اے دنیا! تو مجھے دھوکہ دینا چاہتی ہے؟ تو مجھ ایسے کے لیے بناؤ سنگھار کرتی ہے؟''

یہ کلمات حضرت امیرالمومنین سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمائے۔ کہتے ہیں کہ ضرار بن ضمرہ کنانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''ضرار! میرے سامنے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو''۔

ضرار کہنے لگے: ''امیرالمومنین! آپ مجھے معاف نہیں رکھیں گے؟''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں! تم ضرور کچھ بیان کرو''۔

ضرار نے کہا:

''اللہ کی قسم! ان کی انتہا بہت بعید تھی' ان کی قوتیں پورے عروج پر تھیں' وہ دو ٹوک گفتگو کرتے تھے اور عدل وانصاف پر مبنی فیصلہ کرتے تھے' علم ان کے اطراف سے پھوٹتا تھا' ان کے آس پاس سے حکمت ودانش کے چشمے پھوٹتے تھے' وہ دنیا اور اس کی زیب وزینت سے متنفر اور رات اور اس کی تاریکی سے مانوس تھے۔

اللہ کی قسم! ان کی آنکھیں اکثر اشک بار رہتی تھیں اور وہ اکثر وبیشتر غور وفکر میں مصروف رہتے تھے' وہ اپنا ہاتھ اُلٹا کر دیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو مخاطب کیا کرتے تھے' انہیں چھوٹا کپڑا اور خشک روٹی پسند تھی۔

جب ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہمیں اپنے قریب کرتے تھے اور

جب انہیں بلاتے تو ہماری دعوت قبول فرماتے تھے' کمزور آدمی ان کے انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ دین داروں کی تعظیم کرتے تھے' مسکینوں سے محبت فرماتے تھے اور جب گفتگو کرتے تو ان کے الفاظ لڑی میں پروئے ہوئے موتی معلوم ہوتے تھے۔

میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے انہیں بعض مواقع پر دیکھا اس وقت رات نے اپنے پردے لٹکا رکھے تھے' ستارے ڈوب چکے تھے' آپ اپنی داڑھی کو پکڑے ہوئے محراب میں کھڑے ہوئے تھے' ڈسے ہوئے شخص کی طرح تڑپ رہے تھے اور غم زدہ شخص کی طرح رو رہے تھے' اپنے رب سے مناجات کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''اے ہمارے رب! اے ہمارے رب!''

پھر دنیا کو مخاطب کر کے کہتے:

''کیا تجھے مجھ سے غلط فہمی ہوئی ہے؟ کیا تو نے میرے لیے بناؤ سنگھار کیا ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا' یہ نہیں ہو سکتا' اے دنیا کسی دوسرے کو دھوکہ دے' اے دنیا کسی دوسرے کو دھوکہ دے' میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور رجوع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تیری عمر بہت چھوٹی ہے' تیری مجلس حقیر ہے' تیرا خیال بہت ہی معمولی ہے...... افسوس! افسوس! زادِ راہ کم ہے' سفر بہت لمبا اور راستہ پُرخطر ہے''۔

یہ گفتگو سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنسو ان کی داڑھی پر بہنے لگے اور وہ اپنی آستین سے انہیں پونچھنے لگے۔ تمام حاضرین مجلس پر گریہ طاری ہو گیا پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اے ضرار! تمہیں ان کا غم کیسا لاحق ہے؟'' کہنے لگے:

''اس عورت جیسا جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو اس کے آنسو تھمتے ہیں اور نہ ہی اسے سکون ملتا ہے پھر اُٹھے اور باہر نکل گئے''۔

(حیاۃ الصحابہ...... کسی قدر تصرف کے ساتھ)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس کے احسان سے نیکیاں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔

یہ ہے ایک صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل...... حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا اختلاف بھی تھا' ان کے ساتھ جنگ (جنگِ صفین) بھی ہوئی اس کے باوجود ان کے فضائل و محاسن سننے کے خواہش مند بھی ہیں اور سن کر ان پر رقت بھی طاری ہو جاتی ہے۔

(28)

بزبانِ مصطفیٰ شانِ اولیاء

(صلی اللہ علیہ وسلم، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا گیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کے اولیاء کون ہیں جنہیں نہ غم ہے نہ خوف ہے؟''

فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے اولیاء وہ ہیں کہ جب لوگ دنیا کا ظاہر دیکھتے ہیں تو وہ اس کا باطن دیکھتے ہیں اور جب لوگ دنیا کی جلد آنے والی شئی کا اہتمام کرتے ہیں تو ان کی نظر دنیا کی دیر سے آنے والی چیز پر ہوتی ہے وہ دنیا کی ہر اس چیز کو ختم کر دیتے ہیں جس کے متعلق انہیں خوف ہو کہ وہ انہیں ختم کر دے گی اور دنیا کی ہر اس چیز کو چھوڑ دیتے ہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ عنقریب وہ انہیں چھوڑ دے گی۔ دنیا کے عطیات میں سے کوئی چیز ان کے آڑے آئے تو وہ اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی رفعتوں میں سے کوئی چیز انہیں دھوکہ دے تو وہ اسے ترک کر دیتے ہیں۔ دنیا ان کے نزدیک پرانی ہو چکی ہے' وہ دوبارہ اسے نیا نہیں کرتے۔ یہ ان کے سامنے ویران ہو چکی ہے' وہ اسے آباد نہیں کرتے۔ یہ ان کے سینوں میں مر چکی ہے' وہ اسے زندہ نہیں کرتے بلکہ سرے سے گرا دیتے ہیں۔ دنیا سے اپنی آخرت کی بنیاد رکھتے ہیں اور اسے بیچ کر باقی رہنے والی چیز خریدتے ہیں۔ ان کی نظر میں دنیا دار وہ نیم مردہ لوگ ہیں جن کے لیے عبرت ناک سزا لکھ دی گئی ہے لہٰذا دنیا دار جس چیز کی امید رکھتے ہیں وہ اسے امان نہیں سمجھتے اور جس چیز سے اہلِ دنیا ڈرتے ہیں وہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوتے''۔

(الفتوحات المکیۃ لمحی الحق والدین المعروف بابن عربی الباب الیونی متین...... الخ' ج ۸' ص ۳۶۱)

(29)

عرب کا کسریٰ

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی نہایت سادگی سے گزاری باوجودیکہ دنیا کے ایک بڑے حصے کے حکمران تھے مگر شان و شوکت ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی تھی چونکہ خود اپنے نفس پر بڑی حد تک قابو تھا اس لیے تمام گورنر اور مختلف علاقوں کے امراء بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔

ایک مرتبہ اپنے عہدِ خلافت میں ملک شام تشریف لے گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر تھے۔ وہ ایک عالی شان جلوس کے ساتھ' بڑی شان و شوکت سے ان کے استقبال کے لیے نکلے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نہایت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا' بے اختیار بول پڑے:

هٰذَا وَاللّٰهِ هُوَ كِسْرَى الْعَرَبِ ۔ ''اللہ کی قسم! یہ عرب کا کسریٰ ہے''۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ناراض بھی ہوئے کہ یہ میں کیا منظر دیکھ رہا ہوں؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب نہایت ذہانت سے دیا۔ عرض کیا:

''امیر المؤمنین! ہم ایک ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں دشمن کے بہت سے جاسوس ہیں۔ حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان پر اپنی دھاک بٹھائے رکھیں تاکہ وہ مسلمانوں سے خوف زدہ رہیں لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی شان و شوکت کا اظہار کریں' اسلحے کی نمائش کریں اور فوجی پریڈ ہو وغیرہ وغیرہ تاکہ دشمن ہمارے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو اب آپ کی مرضی ہے اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں رُک جاؤں اور ایسا نہ کروں اور اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس کام کو جاری رکھوں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر بات وہی ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے تو پھر آپ کا جواب بہتر اور تشفی بخش ہے اور اگر درست نہیں ہے تو: فَإِنَّهُ لَخُدْعَةُ أَدِيبٍ ۔ ''پھر یہ ایک ادیب کی دھوکہ بازی ہے''۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین! تو پھر مجھے واضح حکم دیجیے''۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَا آمُرُكَ وَلَا أَنْهَاكَ ۔ ''نہ تو میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی اس سے روکتا ہوں''۔ (کتاب الاذکیاء لابن الجوزی)

اس جگہ مشہور عالم شاعر فرزدق کا شعر مناسب حال ہے:

أُولَـٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

''یہ ہمارے آباء ہیں' ان کی مثال پیش کر وائے جریر! جب ہمیں مجلسیں جمع کریں''۔

ہمارے آباء وہ ہیں جنہوں نے قلعوں کے فتح کرنے سے پہلے دلوں کو فتح کیا۔ تخت و تاج کے جھک جانے سے پہلے روحیں ان کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ انہوں نے الٰہی انصاف اور نبوی ہدایت کی بدولت زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک حکومت کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ عزت عطا فرمائی جو ان سے پہلے کسی بادشاہ کو عطا نہیں کی اور ان کے بعد بھی شاید ہی کسی کو ملے یہاں تک کہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد کی جامع مسجد کے منبر پر بیٹھے ہوئے فضا میں رواں دواں بادل کو مخاطب کرتے ہوئے ایسی بات کہی جو تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ ''تو چاہے جہاں بھی جا کر برس' تیرا خراج تو میرے دارالخلافہ کے خزانے میں ہی آئے گا''۔

ہمارے رب کریم نے سچ فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے کہ انہیں ضرور ضرور زمین میں خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور قوت عطا فرمائے گا جو ان کے لیے پسند فرمایا اور ان کی حالت کو خوف کے بعد ضرور امن سے بدل دے گا''۔

(30)

دو نعمتیں اور چار نحوستیں

حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے:

صَلَاةُ لِجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً ۔

''با جماعت نماز پڑھنا اکیلے پڑھنے سے ستائیس گنا افضل ہے''۔

(صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب فضل صلاۃ الجماعۃ' الحدیث ۶۴۵' ص ۵۲)

حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''جو شخص مؤذن کی آواز سن کر اس کا جواب نہ دے اس نے بھلائی کا ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا''۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص چالیس دن با جماعت نماز پڑھے اور اس کی تکبیر اولیٰ (یعنی پہلی تکبیر) فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو براٗتیں لکھ دیتا ہے۔

۱) منافقت سے براٗت

۲) دوزخ کی آگ سے براٗت''

(جامع الترمذی' ابواب الصلاۃ' باب ماجاء فی فضیلۃ التکبیرۃ الاولی الحدیث ۲۴۱' ص ۱۶۶۱ بتغیر)

☆......حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ کلام فرمائے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی ان پر نظرِ رحمت فرمائے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور وہ تین یہ ہیں:

بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر''

(صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان غلظ تحریم......الخ' الحدیث:۲۹۶' ص ۶۹۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ان چار لوگوں کو قطعاً پسند نہیں فرماتا:

۱) کثرت سے قسمیں کھانے والا تاجر

۲) متکبر فقیر

۳) بوڑھا زانی

۴) ظالم حکمران''

(سنن النسائی' کتاب الزکاۃ' باب الفقیر المختال' الحدیث: ۲۵۷۷' ص ۲۲۵۴)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

وَمَا نَحْنُ اِلَّا مِثْلُهُمْ غَيْرَ اَنَّهُمْ

مَضَوْا قَبْلَنَا قِدْمًا وَنَحْنُ عَلَى الْاَثَرْ

''ہم بھی ان جیسے ہیں لیکن وہ ہم سے پہلے گزر گئے اور ہم ان کے پیچھے چل رہے ہیں''۔

(31)

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

یاد رہے اُمتِ مسلمہ کے لیے یہ ایک بہت بڑا سانحہ الیمہ ہے کہ کچھ تو دَورِ حاضر کے نام نہاد مولویوں کی کوتاہیوں اور دشمنانِ اسلام کے غلط پراپیگنڈہ کے باعث علماءِ اُمت کا وقار، عامۃ المسلمین کی نگاہوں سے برابر گرتا چلا جا رہا ہے۔ حد ہوگئی کہ مسلم عوام مصنوعی درویشوں، جاہل باباؤں اور بے شرع فقیروں کی طرف راغب ومائل ہوکر ان کے مرید ومعتقد بن رہے ہیں اور اپنے حقیقی رہنماؤں یعنی ''علماءِ حق'' سے متنفر ہوکر برگشتہ ہوتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ عوام کا ایک بہت بڑا گروہ اس گمراہ کن غلط فہمی میں مبتلا ہوگیا ہے کہ طبقۂ علماء میں کوئی باکمال ولی اور صاحبِ کرامت ہوا ہی نہیں حالانکہ تاریخ اسلام کے صفحات گواہ ہیں کہ طبقۂ علماء یعنی فقہاء محدثین میں ایسے ایسے باکمال اولیاء اور صاحبانِ کرامت بزرگ ہوئے ہیں جو اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کی بدولت شریعت وطریقت کی روشنی کا منارہ بن کر ساری دنیا کو رشد وہدایت سے پُرنور کرتے اور آسمان ولایت میں ستاروں کی طرح چمکتے رہے ہیں۔

مگر افسوس کہ نہ تو اردو کے مصنفین ہی نے آسمان اُمت کے ان روشن ستاروں کی چمک دَمک سے دنیائے اسلام کو روشناس کیا نہ ہی ہمارے واعظین ومقررین ہی نے اپنی مجالس میں ان باکمال لوگوں کے نورانی درشن سے مسلم عوام کو متعارف کرایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج اسلامی دنیا کشتی اسلام کے ان ناخداؤں کے کمالات وکرامات تو کجا ان کے ناموں تک سے بھی واقف نہیں اب تو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے کہ عوام آج کے نام نہاد مولویوں پر قیاس کر کے ''علمائے سلف'' پر بھی زبان طعن دراز کرنے لگے ہیں۔

اس خوفناک ماحول اور ذہنی انقلاب کے محشر میں دینی درد رکھنے والے اہلِ زبان اور اہلِ قلم پر ایک بہت بڑی اور نہایت اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پوری جدوجہد کے ساتھ ''علماءِ سلف'' کے اسلامی کارناموں کے شاندار نقوش کو اپنی زبان وقلم سے اجاگر کر کے عوام کے ذہنوں میں ایک ایسا روحانی انقلاب پیدا کریں کہ وہ پھر اپنے حقیقی رہنماؤں یعنی ''علمائے حق'' کی بے پناہ عظمتوں کا احساس واعتراف کر کے ان کے نقشِ قدم پر چلنے لگیں اور پھر ملتِ اسلامیہ کا پرچم عظمت فضائے آسمانی پر لہرانے لگے۔

تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

ایک ایمان افروز تحریر

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اہلِ حق کا مذہب اور مشاہدہ یہ ہے کہ ایمان کی دو جزئیں ہیں:

۱) زبان سے اقرار:

جب مومن نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلیا، اپنے تمام ظاہری اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کا اس طرح تابع بنالیا کہ اپنی ظاہری گردن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے پٹے سے بال برابر بھی باہر نہیں نکالا تو اس کی زبان کا اقرار سچا ہوگیا اور شریعتِ مبارکہ کے مطابق وہ مومن اور مسلمان ہوگیا۔

۲) اس کے باوجود ابھی اس سے دل کی تصدیق واقع نہیں ہوئی یہاں تک کہ وہ ظاہری اطاعت سے ترقی کر کے اپنے دل کو ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ احکام کا فرماں بردار بنالے اور اپنی تمام خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مشیت میں فنا کردے اور اپنے دل کی خواہشات کو مکمل طور پر ترک کردے اپنے باطن کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور تسلیم کے سپرد کردے اس وقت اس کے دل کی تصدیق سچی ہوئی، کامل ایمان حاصل ہوا اور وہ مقام طریقت میں پہنچ

Scanned with CamScanner

گیا ہے۔

پہلا مرتبہ شریعت ہے اور دوسرا مرتبہ طریقت' ان میں سے کوئی مرتبہ بھی دوسرے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ حدیث شریف: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے'' سے مراد یہی دل کی تصدیق ہے۔

(تقریظ ایمان افروز بر کتاب مبارک ''انوار التجید فی ادلۃ التوحید'' مصنفہ مولانا محمد انوار اللہ خاں حیدرآبادی' سابق مدیر المہام امور مذہبی' حیدرآباد دکن)

چو سرمۂ رازی را از دیدہ فروشستم
تقدیر اُمم دیدم پنہاں بہ کتاب اندر

جس خیاباں میں شجر ہی نہیں تو پھل کیا ہوگا

حافظ الحدیث عامر بن شرجیل متوفی ۱۰۹ھ جو امام شعبی کے لقب سے مشہور ہیں' بہت ہی عظیم الشان تابعی محدث ہیں' ان کی علمی جلالت اور عظمتِ شان کے لیے یہ کافی ہے کہ امام زُہری بہانگِ دُہل فرمایا کرتے تھے کہ عالمِ حدیث کہلانے کے مستحق صرف چار ہی شخص ہیں۔ امام شعبی کوفہ میں' حسن بصری بصرہ میں' سعید بن مسیب مدینہ میں' مکحول شام میں۔

امام شعبی اپنی عظمت اور عالمانہ وجاہت کے باوجود بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب میں لا اعلم فرمایا میں ''نہیں جانتا'' سائل نے طیش میں آکر کہا: تمہیں شرم نہیں آتی کہ فقیہہ عراق ہوکر کہتے ہو کہ ''میں نہیں جانتا''

آپ نے نہایت متانت سے فرمایا: میں ایسی بات کہنے سے کیوں شرم کروں گا جس بات کے کہنے سے فرشتے بھی نہیں شرمائے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ جب باری تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا:

اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ ۔

''یعنی تم سب ان چیزوں کے نام بتاؤ؟''

تو فرشتوں نے بھی تو یہی کہا تھا: لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۔

''یعنی ہم نہیں جانتے۔ بجز ان چیزوں کے جن کا علم تو نے ہمیں دیا ہے''۔

سائل آپ کے جواب سے شرمندہ ہوکر خاموش ہوگیا۔ (روح البیان ج۲ص۹۱)

لہٰذا عالم کو چاہیے کہ اسے جس مسئلہ کا علم نہ ہو بلا جھجک اس کے بارے میں یہ کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے اس پر زمین و آسمان کے تمام فرشتے لعنت کرتے ہیں اور سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے۔

چنانچہ ہثیم بن جمیل کا بیان ہے کہ میں امام مالک کی مجلس میں حاضر تھا۔ لوگوں نے آپ سے اس مجلس میں اڑتالیس مسائل دریافت کیے تو آپ نے بتیس سوالوں کے جواب میں یہی فرمایا: ''لا اعلم'' یعنی ''میں نہیں جانتا'' (مسطرف ۳۰ص۳۰) سبحان اللہ! سچ ہے۔

علم ہی جب نہیں تم میں تو عمل کیا ہوگا
جس خیاباں میں شجر ہی نہیں تو پھل کیا ہوگا

(32)

ابو یحییٰ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

اس بات کو کئی صدیاں گزر چکی ہیں، روم کے ایک عالی شان محل کے کشادہ کمرے میں ایک پادری رئیسِ قبیلہ کے ساتھ محوِ گفتگو ہے۔ گفتگو کا محور عیسائیت ہے کہ رفتہ رفتہ اس کے مخالفین میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور بے شمار لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا انکار کرنے لگے ہیں۔ اچانک پادری نے پُر جوش انداز میں کہنا شروع کیا:

"جزیرۂ عرب کے شہر مکہ میں ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ چکا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصدیق کریں گے اور لوگوں کو ظلم و ستم سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں گے"۔

یہ گفتگو ان کا ایک غلام بڑے غور سے سن رہا تھا جیسے جیسے وہ گفتگو سنتا گیا، اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑتی چلی گئی۔

اس نوعمر غلام کے چہرے سے ذہانت و متانت ٹپکتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی اچھے خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ وہ اس معاشرے سے بخوبی واقف تھا جس میں سوائے فحاشی، عریانی، بے حیائی اور ایک دوسرے پر ظلم و ستم ڈھانے کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ پہروں بیٹھ کر سوچا کرتا کہ آخر وہ کب تک غلامی کی زندگی بسر کرتا رہے گا؟ وہ ان ہزاروں غلاموں میں سے ایک تھا جن کو زبردستی پکڑ کر بازارِ غلاماں میں بیچ دیا گیا تھا کبھی کبھار اس کو اپنا ماضی یاد آتا، اپنی مادری زبان یاد آتی جس کو وہ آہستہ آہستہ بھول رہا تھا اور رومیوں کی زبان اس کی مادری زبان پر غالب آ رہی تھی اب اس کی عمر تیس سال سے اوپر ہو چلی تھی بھرپور جوانی اس سے بار بار مطالبہ کرتی تھی کہ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالے، آخر وہ ایک بڑے باپ کا بیٹا

تھا جو کبھی ایک بستی پر حکمران تھا۔

وہ اس دن کو کبھی نہیں بھول سکا تھا کہ جب وہ اپنی والدہ کے ہمراہ سیر و تفریح کے لیے فرات کے کنارے کسی بستی میں ٹھہرا ہوا تھا اس کا والد سنان النمیری ایران کے بادشاہ کسریٰ کی جانب سے عراق کی ایک بستی کا گورنر تھا اور خالص عربی النسل تھا اس کی والدہ بھی عرب کے مشہور قبیلے بنی تمیم سے تعلق رکھتی تھی۔ والدہ کی طرح اس کا باپ بھی اس سے شدید محبت کرتا تھا۔ گورنر کا بیٹا ہونے کے ناطے اس کا بچپن بڑا خوب صورت اور خوب ناز و نعم میں گزرا تھا۔ بچپن سے وہ تیر اندازی کا ماہر تھا، تلوار کے کرتب دکھاتا اور دوڑ میں اپنے ساتھیوں سے آگے نکل جاتا۔

اس کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی مگر وہ اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اپنی عمر سے کہیں بڑا نظر آتا تھا اس زمانے میں وقت کی دو بڑی طاقتوں ایران اور روم میں مسلسل لڑائی رہتی تھی کبھی ایک کا پلہ بھاری ہو جاتا کبھی دوسرے کا۔ ایک دوسرے کے علاقوں میں شب خون مارے جاتے، مال و متاع لوٹ لیا جاتا، عورتوں کو لونڈیاں اور مردوں کو غلام بنا لیا جاتا۔

اس نوجوان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، یہ اپنے وطن سے کچھ فاصلے پر تھا کہ اچانک رومی لٹیروں نے شب خون مارا، سامان لوٹ لیا، کتنے ہی قتل ہو گئے اور بقایا کو گرفتار کر کے غلام بنا لیا گیا۔ ان گرفتار ہونے والوں میں یہ نوجوان بھی شامل تھا جو مختلف لوگوں کے ہاتھوں بکتا بکاتا روم پہنچ گیا تھا اور اب غلامی کی زندگی گزار رہا تھا۔ مقامی زبان پر خوب دسترس حاصل ہو چکی تھی اور عربی زبان آہستہ آہستہ بھول رہا تھا مگر جب وہ اپنے ماضی پر غور کرتا تو بے اختیار کہہ اٹھتا کہ میں عربی النسل ہوں اور صحرا کا بیٹا ہوں۔

یہ نوجوان جس کا تذکرہ ہم پڑھ رہے ہیں، مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ تھے، ان کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور ان کے بارے میں عموماً یہ تصور پایا جاتا تھا کہ وہ رومی النسل تھے۔ پادری سے اللہ کے رسول کی آمد کی بشارت سنی تو مکہ کی طرف بھاگنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ایک لمبی جدوجہد کے بعد وہ مکہ پہنچ گئے۔ ان کے سر کے بال سرخ تھے، رومی زبان بھی عربی زبان پر غالب آ چکی تھی لہٰذا مکہ والوں نے ان کا نام صہیب رومی رکھ

Scanned with CamScanner

دیا۔ مکہ کے سادات میں سے عبداللہ بن جدعان کی کفالت میں کاروبار شروع کیا اور جلد ہی ان کا شمار امیر ترین تاجروں میں ہونے لگا۔

تجارت کے ساتھ ساتھ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے مقصد کو کبھی نہیں بھولے۔ ایک دفعہ ایک لمبے تجارتی سفر پر انہیں جانا پڑا جب سفر سے واپس آئے تو لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص محمد بن عبداللہ تعالیٰ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ لوگوں کو مکارمِ اخلاق کا درس دیتے ہیں' نیکی کی دعوت دیتے اور بُرائی سے منع کرتے ہیں' ایک رب کی طرف بلاتے ہیں اور غیر اللہ کی پوجا سے روکتے ہیں۔ حضرت صہیب نے پوچھا:

''کہیں وہی تو نہیں جن کا نام امین ہے؟''

جواب ملا: ''ہاں وہی''

مزید تصدیق چاہی: ''اچھا جن کو صادق بھی کہا جاتا ہے؟''

لوگوں نے کہا: ''ہاں وہی ہیں''۔

''تو ان سے کہاں ملا جا سکتا ہے' ان کا پتہ اور ٹھکانہ کیا ہے؟'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں صفا پہاڑی کے دامن میں واقع ارقم بن ابی ارقم کے گھر (دارِ ارقم) کو اسلام کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم کے لیے خاموشی سے استعمال کر رہے تھے۔ کسی بہی خواہ نے پتہ بتایا اور ساتھ ہی کہا: ذرا دیکھ بھال کر جانا' کہیں قریش کو پتہ نہ چل جائے کیونکہ وہ اس دعوت کے سخت مخالف ہیں اور اگر اسلام قبول کرنے والے کا طاقتور قبیلہ نہ ہو یا غلام اور کمزور ہو تو اسے خوب مارتے اور تنگ کرتے ہیں اور پھر ایک دن حضرت صہیب دارِ ارقم پہنچ گئے۔

گھر میں داخل ہونے لگے تو عمار بن یاسر نظر آئے۔ پوچھا: ''عمار! تم یہاں کہاں؟''

عمار نے پوچھا: ''آپ کہاں؟''

دراصل دونوں کی منزل ایک ہی تھی۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے اور اکٹھے ہی

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو گلے لگایا اور اکٹھے ہی کلمہ پڑھایا۔ چنانچہ یہ دونوں عظیم شخصیات ایک ہی دن' ایک ہی وقت میں اسلام لائیں۔

سیرت کے قارئین کے لیے دورِ مکی کی آزمائشوں اور تکالیف کا تذکرہ ضروری نہیں ہے تاہم جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ کمزوروں' غلاموں' یتیموں اور بے قبیلہ لوگوں پر قریش کا خوب زور چلتا تھا اس ضمن میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے وافر حصہ پایا اور بے پناہ طور پر ستائے گئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پہلے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لیے اذنِ عام دیا۔ لوگ رفتہ رفتہ جیسے جیسے حالات اجازت دیتے' ایک ایک کر کے مکہ سے ہجرت کرتے گئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی دِلی خواہش تھی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہجرت کریں مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی ان کے ایمان کا مزید امتحان مقصود تھا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو باقی ماندہ مسلمانوں پر عرصۂ حیات مزید تنگ ہو گیا' ان میں صہیب رومی رضی اللہ عنہ سرِ فہرست تھے۔ یہ مال دار تو تھے مگر ان کا کوئی قبیلہ نہ تھا۔ مشرکین نے ان پر پہرے دار مقرر کر دیئے کہ ہجرت نہ کرنے پائیں۔ ادھر انہوں نے جو مال کمایا تھا اس کو سونے' چاندی کی صورت میں جمع کر کے گھر کے کونے میں دفن کر دیا۔

اور پھر ایک سرِ رات کو تیر کمان سنبھالی' تلوار گلے میں لٹکائی' پہرے داروں کو چکما دیا اور مدینے کی راہ پر چل دیئے۔ پہرے داروں کو جب احساس ہوا کہ صہیب رضی اللہ عنہ نکل چکے ہیں تو فوراً پیچھا کیا۔ اتنے میں صبح نمودار ہو چکی تھی چنانچہ انہوں نے صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ کوشش کر کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور اپنی کمان میں تیر چڑھا کر قریش کو للکارا:

وَاللهِ! لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ مِنْ اَرْمَاکُمْ رَجُلًا' وَاللهِ! لَا تَصِلُوْنَ اِلَیَّ حَتّٰی
اَقْتُلَ بِکُلِّ سَھْمٍ مِّنْ ھٰذِہٖ رَجُلًا مِّنْکُمْ' ثُمَّ اُقَاتِلُکُمْ بِسَیْفِیْ حَتّٰی

أُقتَلَ ۔

''اللہ کی قسم! تم لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ ماہر تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ بڑا زبردست ہے۔ اللہ کی قسم! تم میری طرف بڑھنے کی غلطی کرو گے تو میں اپنے ایک ایک تیر سے تمہارے ایک ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اُتار دوں گا (کیونکہ تم سب میرے تیروں کی زد میں ہو) پھر جو بچ گئے ان کا اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا تا آنکہ میں قتل ہو جاؤں''۔

قریش میں سے ایک بولا:

''دیکھو صہیب! ایسا ممکن نہیں کہ تم اپنا مال اور جان دونوں سلامتی کے ساتھ مدینے لے جاؤ۔ تم اپنے ماضی کو فراموش کر بیٹھے‘ تم تو مکہ میں فقیر‘ مفلس اور قلاش ہو کر آئے تھے یہاں تم نے بہت کچھ کمایا‘ کاروبار کیا اور مال دار بن گئے''۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان کی گفتگو سنی‘ ذرا سا تامل کیا اور پوچھا:

''اگر میں تمہیں اپنا سارا مال دے دوں تو میرا راستہ چھوڑ دو گے؟''

انہوں نے کہا: ''ہاں!''

آپ نے ان کو دفینے والی جگہ بتائی اور انہوں نے آپ کا راستہ چھوڑ دیا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی کی کمائی اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کی خاطر لٹا دی اب وہ تھے اور مدینے کا سفر تھا۔ خواہش یہی تھی کہ جلد از جلد اللہ کے رسول ﷺ کے قدموں میں پہنچ جائیں۔ سفر میں تھکاوٹ محسوس ہوتی تو اللہ کے رسول ﷺ کی محبت دل میں تازہ کر لیتے اور تازہ دم ہو کر پھر چل پڑتے۔ اللہ کے رسول ﷺ ابھی قبا میں ہی مقیم تھے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے غلام کا والہانہ استقبال کیا‘ محبت سے گلے لگایا اور تین مرتبہ فرمایا: رَبِحَ الْبَيْعُ أَبَا يَحْيٰى ۔

''ابو یحییٰ! تجارت نہایت کامیاب رہی''۔ (البدایۃ والنہایۃ ۴/۳۳۳و۱۰/۶۷۰‘ دار ہجر قاہرہ)

حضرت صہیب کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور انہوں نے فوراً کہا:

''اللہ کی قسم! اس واقعہ کا میرے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا یہ یقیناً حضرت جبریل

علیہ السلام آپ کو بتا کر گئے ہیں''۔

اللہ رب العزت کو اپنے بندے پر پیار آ گیا اور جبریل امین آسمان سے وحی لے کر آ گئے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (البقرۃ: ۲۰۷)

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے''۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نہایت اعلیٰ مقام و مرتبہ تھا‘ اللہ کے رسول ﷺ بھی ان سے خوب محبت فرماتے۔ بعض اوقات ہنسی مذاق کی نوبت بھی آ جاتی لیکن یہ ایک اسلامی معاشرے کا لطیف مزاح ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی آنکھ دُکھ رہی تھی‘ آنکھ میں درد اور سامنے تازہ کھجوروں کا خوشہ‘ وہ چُن چُن کر کھا رہے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے متبسم نگاہوں سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے فرمایا:

أَتَأْكُلُ الرُّطَبَ وَفِيْ عَيْنِكَ رَمَدٌ؟''

''صہیب! تمہیں تو آشوبِ چشم ہے اس کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہو؟''

فوراً عرض کیا: ''میں بیمار آنکھ کی طرف سے نہیں بلکہ دوسری آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں۔ (جس میں درد نہیں ہے)'' (ابن ماجہ ۳۴۴۳)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نہایت نڈر اور دلیر تھے‘ محبتِ رسول ﷺ سے سرشار تھے‘ اپنی زندگی کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

''اللہ کے رسول ﷺ جس میدانِ جنگ میں بھی تشریف لے گئے‘ میں آپ کے ہمراہ ہوتا تھا جب کبھی آپ نے کسی سے بیعت لی‘ میں وہاں حاضر ہوتا تھا‘ کوئی بھی فوجی دستہ حرکت میں آتا‘ میں اس کے ساتھ جاتا۔ آپ کسی بھی غزوے میں شریک ہوتے میں ہمیشہ

آپ کے دائیں بائیں ہوتا۔ مسلمانوں کو کہیں سے کوئی خوف و خطرہ محسوس ہوتا تو میں ہمیشہ اس کو ٹالنے میں سبقت کرتا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دشمن کو اللہ کے رسول ﷺ کے قریب پھٹکنے دیا ہو۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اتنے سخی تھے کہ جو مال بھی ملتا اس کو مستحقین میں تقسیم فرما دیتے' دستر خوان نہایت وسیع تھا۔ مسکین' یتیم' قیدی' مسافر بھی شریکِ طعام ہوتے۔ وہ نبی ﷺ کے اس فرمان پر عمل پیرا رہتے تھے جس میں آپ نے فرمایا ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ .

''اے لوگو! آپس میں خوب سلام پھیلایا کرو اور کثرت سے کھانا کھلایا کرو''۔

(ترمذی ۲۴۸۵۔ ارواء الغلیل ۳/۲۳۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ نے اپنے مصلیٰ پر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا بلکہ حکماً فرمایا کہ لوگوں کو نماز صہیب رومی رضی اللہ عنہ پڑھائیں حالانکہ اس وقت دوسرے کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۳۸ھ میں ہوا۔

(33)

بھرے دربار میں نعرۂ حق کی گھن گرج

جامع مسجد رُصافہ' بغداد میں لوگ نمازِ جمعہ پڑھ کر فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک شخص پہلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ وہ شخص صورت اور لباس سے مکہ معظمہ کا باشندہ معلوم ہو رہا تھا اس کا نوعمر بیٹا ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نووارد نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''بیٹے! تو قرآن کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

بیٹے نے بلند آواز میں جواب دیا: ''قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے''۔

اس سوال و جواب کی ایک ہی صدا نے پوری مسجد میں تہلکہ مچا دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بہت ہی طاقت ور بم پھٹا ہو یا بجلی گری ہو۔ نمازی اس بات سے خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی آنے والی مصیبت کی زد میں آ جائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد خالی ہو گئی۔

مامون الرشید کی شخصیت متضاد صفات کا عجیب مجموعہ تھی۔ ایک طرف وہ علومِ اسلامیہ اور فنونِ عربیہ کا ماہر تھا اور علم و حکمت عاشق' حریتِ فکر کا حامی تھا اس کے دَور میں الحاد آزاد تھا' شعوبیت پر کوئی پابندی نہ تھی' یونان اور ایران کے جن ملحدانہ مذاہب کو کہیں پناہ نہ ملتی تھی وہ بغداد کے گلی کوچوں میں پرورش پا رہے تھے لیکن دوسری طرف اسلام کے اندر اختلافات و مذاہب کے بارے میں اس کا رویہ بڑا جابرانہ تھا۔ قرآن پاک مخلوق ہے یا نہیں؟ اس مسئلے نے تیسری صدی ہجری میں علمائے حق کے لیے بڑی نازک صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔ علماء اہلِ سنت کا مؤقف یہ تھا کہ کلام دو ہیں ایک لفظی جو پڑھنے میں آتا ہے' یہ بے شک

Scanned with CamScanner

حادث اور مخلوق ہے۔ دوسرا کلام نفسی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدیم صفت ہے اور مخلوق نہیں۔ ان کے نزدیک کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے' پورا قرآن پاک اس کی تعبیر ہے۔ معتزلہ اس کلام کو نہیں مانتے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اسی لیے وہ پورے شدومد کے ساتھ قرآن پاک کو مخلوق اور حادث قرار دیتے ہیں۔ مامون الرشید نے بھی معتزلہ کا مذہب قبول کر لیا تھا صرف قبول ہی نہیں کیا تھا بلکہ اسے بزورِ شمشیر علمائے اسلام سے منوانا بھی چاہتا تھا۔

مامون الرشید نے ۲۱۲ھ میں سرکاری طور پر اعلان کیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ ۲۱۸ھ میں اس نے فیصلہ کیا کہ بزورِ تلوار یہ عقیدہ مسلمانوں پر مسلط کیا جائے۔ چنانچہ اسی سال بغداد کے گورنر کے نام فرمان بھیجا گیا کہ تمام علمائے شہر کو طلب کرو جو لوگ ''خلقِ قرآن'' کا اقرار کر لیں انہیں چھوڑ دو اور جو انکار کریں ان کی اطلاع دو۔ دوسرا فرمان یہ بھیجا کہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بشیر بن ولید کندی اور ابراہیم بن مہدی اگر انکار کریں تو انہیں قتل کر دو۔ دوسرے علماء انکار کریں تو انہیں قید کر دو۔ یہ دونوں علماء دباؤ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے ''خلقِ قرآن'' کا اقرار کر کے اپنی جان بچالی۔ مامون اپنے بھائی امین الرشید کو جیل کی کوٹھڑی میں قتل کرا سکتا تھا تو اختلاف کرنے والے علماء پر جبر و تشدد سے اسے کون روک سکتا تھا؟ تاہم اللہ کی زمین کی اسی دھرتی پر ایسے علمائے حق بھی موجود تھے جن کے پاؤں میں اس کی حکومت کی پوری قوت بھی لغزش نہیں لا سکتی تھی ایسے علمائے حق کے مقتدا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جنہوں نے برسرِ عام کوڑے کھانا منظور کر لیا مگر مسلک اہلِ سنت و جماعت سے منحرف ہونے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ فقہائے کرام نے فقہ مرتب کرتے وقت مزاج شاہی کو ملحوظ رکھا تھا اگر ایسا ہوتا تو امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد کو کوڑے نہ لگائے جاتے اور امام شافعی کے قتل کا فیصلہ نہ کیا جاتا۔

بغداد کی سب سے بڑی مسجد ''جامع رُصافہ'' تھی اس کا صحن ہمیشہ علمائے اُمت کے درس اور مواعظ کی مجلسوں سے پُر رہتا تھا۔ مامون نے حکم دیا کہ وہاں معتزلہ کے پیشوا بشر مریسی اور محمد بن جہم کے علاوہ کوئی عالم درس نہ دے۔ مسئلہ ''خلقِ قرآن'' کے بارے میں

ان کا فیصلہ حرفِ آخر تھا ان کی مخالفت میں جو عالم ایک لفظ بھی منہ سے نکالتا پولیس اسے گرفتار کر کے ان کے سامنے پیش کر دیتی' وہ جو فیصلہ کر دیتے اس پر فوری عمل کیا جاتا۔ بہت سے علماء بظاہر ان کے ہم نوا ہو گئے۔ بہت سے ہجرت کر گئے کئی علماء گھروں میں اس طرح گوشہ نشین ہو گئے کہ جمعہ و جماعت سے بھی محروم ہو گئے۔

محدثِ عصر شیخ عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ معظمہ کے نامور عالم تھے' انہوں نے اس فتنے کا حال سنا تو غیرتِ حق کے جوش میں بے چین ہو گئے اور فیصلہ کیا کہ اسے فتنے کے سدّباب کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ شیخ تن تنہا اپنے بیٹے کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور بغداد پہنچ گئے وہاں جا کر انہیں اندازہ ہوا کہ حالات اس سے کہیں زیادہ خراب ہیں جتنے انہوں نے سنے تھے اب سوال یہ تھا کہ مامون کے دربار میں کس طرح پہنچا جائے؟ اس کے لیے انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس کا ابتدا میں ذکر ہوا۔ چشمِ زدن میں مسجد رُصافہ نمازیوں سے خالی ہو گئی اور پولیس نے گھیراؤ کر کے شیخ کو گرفتار کر لیا۔

اس پُرخطر ماحول میں اس ایک صدا کا بلند کرنا جہادِ اعظم تھا جس کے آگے ہزار سال کی شب بے داری اور اتنے دنوں کے روزے ہیچ ہیں اس لیے کہ جبر و استبداد سے کلمۂ حق کہنا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ زبانوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے تھے اس وقت ہر مسلمان پر فرض ہو گیا تھا کہ وہ پرچمِ حق بلند کرے اور انسانی جبر کو توڑ کر اللہ تعالیٰ کی وفاداری کا اعلان کرے کیونکہ یہی مدعائے توحید ہے۔ یہ فرضِ کفایہ محدث کنانی نے ڈنکے کی چوٹ پر ادا کیا۔ ؒ

اس وقت بغداد کا کمشنر عمرو بن مسعدہ تھا' وہ انہیں ہیڈ کوارٹر لے گیا اس نے انکوائری کرتے ہوئے پوچھا: ''آج تم نے مسجد میں جو کچھ کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟''

شیخ نے کہا:

''اللہ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا اس کے علاوہ امیر المومنین کے دربار میں پہنچ کر مدعیانِ ''خلقِ قرآن'' سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں''۔

ابن مسعدہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کا یہی مقصد ہے جب اسے یقین آ گیا کہ واقعی

شیخ کا یہی مقصد ہے تو وہ ایوانِ خلافت میں گیا اور واپس آ کر بتایا کہ میں نے تمہارا حال امیر المومنین کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔ انہوں نے پیر کا دن مناظرہ کے لیے مقرر کیا ہے۔ امیر المومنین خود بنفسِ نفیس اس میں شریک ہوں گے۔

بغداد کے جبر و تشدد سے معمور ماحول میں جہاں بڑے بڑے دلاوروں کے پتے پانی ہو رہے تھے' ایک عالم کا مکہ معظمہ سے بغداد آ کر چیلنج کرنا کہ میں ''خلقِ قرآن'' کے قائلین سے اور وہ بھی مامون کے دربار میں مناظرہ کروں گا اس بات کی دلیل تھا کہ وہ عالم بڑا متبحر فاضل بھی ہے اور نڈر بھی۔ یہی سوچ کر مامون نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ دربارِ شاہی منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور پولیس کمشنر عمرو بن مسعدہ کو حکم دیا کہ شیخ کو قصرِ خلافت کے گیٹ پر بٹھائے رکھیں تا کہ تمام آنے والوں کو جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھ لیں اور انہیں اندازہ ہو جائے کہ کیسے پُر ہیبت دربار میں مناظرہ کرنا پڑے گا۔

سب سے پہلے بنو ہاشم گزرے جن کے عماموں اور قباؤں کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی پھر دار الخلافہ کے علماء و فضلا گزرے جن کے ساتھ غلاموں اور خادموں کی فوج ظفر موج تھی۔ علماء میں سب سے پہلے بشر مریسی گزرا جو فرقۂ معتزلہ کا رئیس شمار کیا جاتا تھا اس کے بعد دوسرے علماء کی ایک قطار تھی۔ ان کے بعد وزراء اور ارکانِ سلطنت تھے' ان کے بعد فوجی افسران تھے جو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ آ رہے تھے' وہ تیر و تفنگ اور شمشیر و سناں کی نمائش کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا اہتمام صرف شیخ کو مرعوب کرنے کے لیے ہی نہیں تھا بلکہ اس لیے بھی تھا کہ کہیں رعایا میں مخالفانہ جوش نہ پیدا ہو جائے اللہ اکبر! مامونِ اعظم کی حکومت جو شاہِ روم کو ''روم کا کتا'' کہہ کر پکارتی تھی' ایک عالم ربانی کے نعرۂ حق سے اس طرح لرز اُٹھی کہ گھبرا کر فوجوں اور ان کے اسلحہ کی نمائش ضروری سمجھی گئی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ رعایا کے دل سے میری ہیبت ہی نکل جائے۔ یہ اس شیخ کے ایمان کی قوت اور تعلق باللہ کی ہیبت تھی کہ جس مامون سے شاہِ روم اور شاہِ فرانس ڈرتا تھا وہ ایک غریب الوطن اور یکہ و تنہا عالم سے خوف زدہ ہو گیا تھا اور مصنوعی کروفر سے اسے مرعوب کرنا چاہتا تھا۔

بالآخر جب تمام شرکاءِ مجلس مناظرہ آ چکے تو شیخ عبد العزیز کو بھی طلب کیا گیا۔ انہوں نے ایک کے بعد دوسری دہلیز طے کی اسی طرح متعدد دہلیزیں طے کیں پھر محلاتِ خلافت کا سلسلہ شروع ہوا' ہر محل شاہی ساز و سامان سے سجا ہوا تھا۔ ایوانِ دربار میں پہنچنے سے پہلے شیخ کو کہا گیا کہ آپ چاہیں تو دو رکعت نفل پڑھ لیں۔ شیخ نے دو نفل پڑھے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انہوں نے کس حال میں پڑھے ہوں گے؟ انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں ضرور عرض کیا ہو گا کہ بارالٰہا! یہ سب مخلوق ایک طرف اور تیرے دین کے برحق مسئلے کی حمایت کے لیے میں تن تنہا ایک طرف تو ہی مجھے ہمت و قوت اور کامیابی عطا فرما۔

اب پردہ اُٹھا اور اس وقت روئے زمین کا سب سے بڑا شہنشاہ (مامونِ اعظم) ان کے سامنے تھا' لباسوں اور ہتھیاروں کی سج دھج اور چمک دمک دیکھ کر یہ بہت مشکل تھا کہ ایک غریب الوطن متاثر نہ ہوتا پھر دربانوں اور حاجبوں کو معلوم تھا کہ یہ شخص شاہی معتوب ہے اس لیے انہوں نے اہانت آمیز سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ کسی نے گردن سے پکڑا' کسی نے بازو پکڑا اور کوئی پشت پر ہاتھ رکھ کر دھکیل رہا تھا۔ مامون نے دیکھا تو اس نے حکم دیا کہ انہیں چھوڑ دو تب کہیں ان کی خلاصی ہوئی۔

مامون نے انہیں اپنے اپنے قریب بلایا' ان کے نام' ولدیت' خاندان وغیرہ کے بارے میں سوالات کیے پھر کہنے لگا:

''تمہارا بغداد میں آنا' جامع رُصافہ میں کھڑے ہو کر میرے حکم دینی کو توڑنا اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوسری چیزوں کو شریک کرنا اور مناظرہ کی خواہش کرنا یہ سب حالات میں نے سنے ہیں اسی لیے آج میں نے علماء کو بلایا ہے تا کہ اس مسئلے پر مناظرہ ہو جائے''۔

شیخ کہتے ہیں کہ ابھی تک دربارِ شاہی کی ہیبت میرے دل پر باقی تھی لیکن جونہی مامون نے کہا: تم خدا کی صفات میں دوسری چیزوں کو شریک کرتے ہو تو تمام دہشت کافور ہو گئی اور میں دو بدو جواب دینے اور امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرنے کے لیے پوری مستعدی کے ساتھ تیار ہو گیا۔

Scanned with CamScanner

مامون کی گفتگو بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ شیخ کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح دربار میں گونجی، درباری انہیں ٹوکتے رہے لیکن انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔ حمد وثنا کے بعد پوری بے باکی کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا اور مامون کو اس طرح مخاطب کیا جیسے وہ ایک معمولی انسان ہو۔ انہوں نے فرمایا:

''امیرالمومنین! میں ایک فقیرالحال طالب علم ہوں، اپنے وطن اور خانۂ خدا کے مقدس پڑوس میں تھا کہ میں نے خلیفۂ وقت کے مظالم و جبر کی دردانگیز سرگزشت سنی مجھے معلوم ہوا کہ حق مظلوم ہوگیا ہے، سنت کی روشنی بجھ گئی ہے، بدعت کی آندھیاں زور شور سے چل رہی ہیں، حق کہنا جرم ہوگیا ہے اور باطل پرستی کے صلہ میں جاہ وعزت سے نوازا جارہا ہے''۔

جس چیز کا اقرار اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مرحومہ سے نہیں کرایا جس کی گواہی اس کے رسولوں نے نہیں دی جس کا اعلان خلفائے راشدین نے نہیں کیا جن کی خلافت طریقِ نبوت پر تھی اور جس کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کی زبان کو بھی حرکت نہیں ہوئی اس کے اقرار کو آج ایک انسان ہر فرد کے لیے لازم قرار دے رہا ہے جو ہارون الرشید کے گھر پیدا ہوا اور وہ ہادی کا بیٹا تھا اس نے نہ تو تابعین کو پایا نہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کی۔ نہ عہدِ نبوت کی برکتوں میں اس کا کوئی حصہ ہے اس کے باوجود وہ شریعتِ الٰہی کے اس مخفی راز کو جانتا ہے جس کو تابعین نے کفر نہ جانا اگرچہ وہ دنیا سے مومن ہوگئے۔ صحابہ علیہم الرضوان نے کفر نہ جانا اگرچہ کفر کی چھینٹ بھی ان پر نہ پڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے کچھ نہ کہا حالانکہ آپ صاحبِ وحیِ رسالت تھے۔

مجمع پر سناٹا چھایا ہوا تھا، بڑے بڑے طرّوں اور شملوں والے، فوجی کمانڈر، امراء، رؤسا، علماء یہاں تک کہ خود مامون سب ہی دم بخود تھے کسی کو اس سیلِ رواں کے روکنے کا ہوش نہ تھا۔ حد یہ کہ مامون کا اس حقارت کے ساتھ ذکر کرنے کے باوجود خادموں اور دربانوں کی تلواریں اور نیزے تو کیا زبانیں بھی حرکت میں نہ آسکیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ وقت کا حکمران مامون نہیں عبدالعزیز ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ

یَحْزَنُوْنَo

شیخ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''آہ! تم ہوا کا وہ جھونکا ہو جس سے شریعت کی آگ تو روشن نہ ہوسکی مگر اس نے سنت کے چراغوں کو گل کردیا۔ تم سیلابِ خلافت کی وہ رو ہو جو بدعتوں کی خس و خاشاک کو تو نہ بہاسکی مگر اس نے حق پرستی کے تناور درختوں کو گرادیا۔ تم اس وقت رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہونے کا نہیں بلکہ رسالت کے دعوے دار ہو گئے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اُمت سے کبھی یہ اقرار نہیں کروایا کہ کلام اللہ مخلوق ہے مگر تمہارے نزدیک کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس باطل کلمہ پر ایمان نہ لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ذمیوں کو امان دی تھی مگر تمہاری خلافت میں مسلمانوں کے لیے بھی امان نہیں ہے۔

مامون! اللہ سے ڈر، اس کے عذاب کی پکڑ سے کانپ، جس میں ڈھیل تو بہت ہے مگر اس سے چھٹکارا نہیں۔ وہ زمین کے ائمہ اور خلفاء کو تلوار بخشتا ہے تو ان سے چھین بھی لیتا ہے، تم سے پہلے دمشق کے ائمۂ جور نے مسلمانوں کا خون مباح کیا مگر تمہارے ہاتھوں ان کا خون بھی مباح ہوگیا ایسا نہ ہو کہ تمہارا خون بھی کسی کے ہاتھوں مباح ہوجائے۔ تم ان کے تخت کے وارث بنے ہو مگر ان کے ظلم و ستم کے وارث نہ بنو''۔

شیخ عبدالعزیز کی تقریر کا دوسرا حصہ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شیخ کے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جارہا تھا، پورے مجمع پر سناٹا چھایا ہوا تھا اگر یہ نصرتِ خداوندی اور تائید روح القدس نہیں تھی تو کیا تھا؟ یہ منظر ہی فتحِ حق کا نظارہ پیش کررہا تھا اور یہ شیخ کی پہلی فتح تھی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود نہیں آئے تھے بلکہ بھیجے گئے تھے۔

شیخ نے کتاب و سنت کی روشنی میں بتایا کہ مسلمانوں کا امیر کیسا ہونا چاہیے؟ اور خلفائے عباسیہ بالخصوص مامون الرشید کے اعمال کیسے ہیں؟ اپنے مشائخ کے حوالے سے

Scanned with CamScanner

چند احادیث بھی بیان کیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد فتنے پیدا ہوں گے اور نئے نئے عقائد سامنے لاکر مسلمانوں کو کتاب وسنت کی راہ سے دُور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے بارے میں ہم سے صرف یہی اقرار طلب کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اُتارا ہوا کلام ہے جو روح الامین نے اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب پر اُتارا۔ اس نے ہم سے کہیں یہ مطالبہ نہیں کیا کہ تم قرآن کو مخلوق کہو۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ قرآن کو مخلوق مانو۔ پس اے امیر المومنین! تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ تو اُمتِ مسلمہ کے لیے رحمت کی بجائے عذاب بننا چاہتا ہے اور جب تک کوئی شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہ کرے تیری تلوار سے نجات نہیں پا سکتا۔ واللہ! یہ بدعتوں اور فتنوں کا وہی سیلاب ہے جس کے امنڈنے کی ہمیں خبر دی گئی تھی؛ جس سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ علیہم الرضوان نے ہمیشہ بے زاری کا اظہار کیا تھا اور بدعتیوں کا یہ گروہ جو تیرے گرد جمع ہو گیا ہے اور تجھ کو صراطِ مستقیم سے بھکا رہا ہے کیا تیری نظر میں ان کی دلیلوں کی اس سے زیادہ وقعت ہے جو رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اگر توحید اور عدل یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کا انکار کیے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا تو کیا وہ سب کے سب مومن نہ تھے؟ وہ اگر مومن نہ تھے تو خود ہمارا ایمان باقی نہیں رہتا۔

پھر انہوں نے جہم بن صفوان کا نام لے کر تذکرہ کیا جس نے خلقِ قرآن اور نفی صفات کی بدعت ایجاد کی تھی اور اپنی سند سے بیان کیا کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس وقت موجود تھے انہوں نے کس طرح اس قول پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

پھر فرمایا: ''صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض تھا جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی اگر یہ حق ہے جو کچھ میں نے کہا تو اس کی تصدیق کرو اور ان مفسدوں کا ساتھ چھوڑ دو جو توحید کے نام پر شرک اور گمراہی پھیلا رہے ہیں اگر یہ حق نہیں ہے تو میں سنتِ ابراہیمی کے مطابق تمہیں

دعوت دیتا ہوں کہ کتاب وسنت سے اس کے بطلان پر دلیل پیش کرو۔ امیر المومنین! ایک سنت ان لوگوں کی بھی ہے جنہوں نے دلیل و برہان سے عاجز آکر کہا تھا: حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ.

''ابراہیم کو آگ میں جلا دو اور اس طرح اپنے معبودوں کی امداد کرو''۔

پس اگر تم دلیل و حجت کی جگہ ظلم اور تشدد کا راستہ اختیار کرو گے تو یاد رکھو کہ یہ ملتِ ابراہیمی کی سنت نہیں ہوگی بلکہ ملتِ نمرودی کا اتباع ہوگا اس کے باوجود تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار اس کے لیے تیار ہیں ورنہ میں یہاں حاضر نہ ہوتا۔ ہرچہ بادا باد

امیر المومنین! تم نے کہا ہے کہ میری خواہشِ مناظرہ پوری کرنے کے لیے آج کی مجلس منعقد ہوئی ہے لیکن دربار میں آتے ہی جو آواز میرے کانوں میں پڑی وہ یہ تھی: قَبَّحَ اللّٰهُ وَجْهَكَ.

''اللہ تعالیٰ نے تیرا چہرہ کتنا بدصورت بنایا ہے''۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مبلغِ علم کیا ہے؟ امیر المومنین! تیرے دربار میں جو نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اگر بدنما ہوتے تو تو ان کی ملامت کرتا یا ان کے بنانے والے کو؟ ان لوگوں نے میرے چہرے کو بدصورت کہہ کر اللہ تعالیٰ کی صناعی پر اعتراض کیا ہے اور اس کی صنعت کو ذلیل ٹھہرایا ہے کیا یہی توحید ہے جو کلامِ الٰہی کو مخلوق مانے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی حضرت یوسف علیہ السلام پیکر جمال بھی تھے اور صاحبِ علم بھی انہوں نے بادشاہِ مصر کو فرمایا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو کیونکہ انی حفیظ علیم میں امین بھی ہوں اور صاحبِ علم بھی۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا: چونکہ میں حسین ہوں اس لیے مجھے وزیر خزانہ بنا دو۔ مقصد یہ تھا کہ مناظرہ علم کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ حسن و جمال کی بنیاد پر''۔

مامون نے یہ طویل گفتگو پورے اطمینان بلکہ محویت سے سنی۔ فریق مخالف یہ دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور ہلکان ہوئے جا رہا تھا کہ مامون جو مسئلہ ''خلقِ قرآن'' پر مخالفین

کے لیے قتل یا قید کے علاوہ کچھ نہ رکھتا تھا اس وقت وہ بت بنا ہوا شیخ کی تقریر سن رہا ہے۔ شیخ کی تقریر کے بعد مامون کچھ دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا:

''عبدالعزیز! اللہ تجھ پر رحم کرے تو نے جو کچھ کہا میں نے سنا اور جن چیزوں کو تو نے میری طرف منسوب کیا ہے۔ الحمدللہ! میں ان سے بَری ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا بلکہ ان کو حق اور توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ مجھ پر ظاہر ہو گیا ہے کہ تو حق کے لیے غیرت رکھتا ہے اسی لیے تو بے باک ہے۔ تیری حمیتِ حق اس بات کی مستحق ہے کہ تیری عزت کی جائے اگر تیرے پاس حجتِ ابراہیمی ہے تو اسے پیش کر جب تک تو قرآن کو مخلوق ثابت کرنے والے قرآنی اور عقلی دلائل کا جواب پیش نہیں کر دیتا اس وقت تک تجھے حجتِ ابراہیمی کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں پہنچتا''۔

مامون نے اشارہ دے دیا تھا کہ رئیس معتزلہ بشر مریسی دلیل پیش کرے گا اور شیخ اس کا جواب دے گا۔ مناظرہ شروع ہوا' بشر یکے بعد دیگرے قرآن پاک کی آیات پیش کرتا رہا۔ شیخ قرآن پاک ہی کی آیات سے جواب دیتے رہے اور یہ ثابت کرتے رہے کہ ان آیات کا ''خلق قرآن'' سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مامون کا یہ حال تھا کہ کبھی بشر کے استدلال کی داد دیتا اور کبھی شیخ کے حسن جواب پر خوشی کا اظہار کرتا۔

اچانک بشر نے کہا:

''میں اپنے تمام دلائل چھوڑتا ہوں' آپ صرف ایک سوال کا جواب دے دیں ابھی تمام بحث کا فیصلہ ہو جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے بارے میں ''خالق کل شیء'' فرمایا ہے یا نہیں؟'' شیخ نے کہا: ''بے شک فرمایا ہے''۔

بشر نے کہا: ''اب آپ یہ بھی بتا دیں کہ قرآن شے ہے یا نہیں؟''

شیخ نے کہا: ''پہلے یہ سن لو کہ ''شے'' کی حقیقت کیا ہے؟''

بشر چمک کر بولا کہ میں کچھ اور نہیں سننا چاہتا۔ میرے سوال کو جواب ہاں یا نہیں میں

دو۔ شیخ نے کہا:

''تمہارا طرزِ سوال ہی غلط ہے اس میں دھوکہ ہے' تم صبر کے ساتھ میری تقریر سن لو''۔ بشر نے کہا:

''اب کسی اور تقریر کی ضرورت نہیں' امیرالمومنین کو نتیجۂ مناظرہ کا انتظار ہے' تم میرے سوال کا جواب دو''۔

شیخ نے پھر جواب دینے سے گریز کیا۔ بشر نے مامون کو متوجہ کرتے ہوئے کہا:

''امیرالمومنین! آپ حاکم ہیں' آپ کا فرض ہے کہ انصاف فرمائیں۔ اگر عبدالعزیز کے پاس حجتِ ابراہیمی ہے تو سوال کا جواب کیوں نہیں دیتا؟''

پھر تو محمد بن جہم معتزلی اور اس کے ہمنواؤں کو بھی موقع مل گیا' ہر کوئی طنز آمیز جملے کسنے لگا۔ مامون الرشید کا تاثر بھی یہی تھا کہ شیخ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے اس نے پہلی دفعہ غضب ناک ہو کر کہا:

''عبدالعزیز! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تو سوال کا جواب کیوں نہیں دیتا؟''

شیخ خود کش مکش میں مبتلا ہو گئے تھے' وہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر میں نے تسلیم کر لیا کہ قرآن شے ہے تو یہ سب لوگ شور مچا دیں گے کہ قرآن کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا۔ مامون کے غضب ناک ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے شیخ کے دل میں جواب القاء کر دیا۔ شیخ نے کہا:

''ہاں قرآن شے ہے''۔ یہ سنتے ہی بشر اُچھل پڑا۔ بشر اور مامون ایک ساتھ بول پڑے پھر تم نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔

شیخ نے گرج دار آواز میں کہا' ہرگز نہیں! قرآن پاک کہتا ہے:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۔ ''اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ''نفس'' سے ڈراتا ہے''۔

اس آیت سے ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے نفس کا اطلاق ثابت ہوتا ہے پھر قرآن ہی کہتا ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔ ''ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے''۔

پس اگر قرآن اشیاء میں داخل ہو کر مخلوق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ بھی کل نفس میں داخل ہو کر

Scanned with CamScanner

موت کا مزہ چکھے گا۔

شیخ عبدالعزیز کا یہ کہنا تھا کہ تمام مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ یہ الفاظ نہیں تھے، بجلی کا ایک کوندا تھا جس سے تمام آنکھیں چندھیا گئیں اور دل دہل گئے۔ بشر مریسی بھی مبہوت ہو کر رہ گیا۔ مامون بھی بے ساختہ کہنے لگا: ''معاذ اللہ! معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کی ذات موت سے بَری ہے''۔

مامون نے حکم دیا کہ مناظرہ ختم کیا جائے اور شیخ عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر کہا:

''اگرچہ اس مسئلے کا فیصلہ ہماری آج کی مجلس میں نہ ہو سکا لیکن اس میں شک نہیں کہ تو نے اپنے مخاطب کا کامیابی سے مقابلہ کیا ہے اور میں نے اس کی کسی دلیل کے آگے تجھے عاجز نہیں پایا۔ میری طرف سے تیرے لیے امن اور اعزاز و اکرام ہے اور تیرا جوہرِ استعداد اس کا مستحق ہے کہ تو میری مجلس علم کا ندیم ہو تو اب مدینۃ السلام (بغداد) میں قیام کر اور ہر بدھ کو میری صحبتِ علمی میں شریک ہوا کر۔ نیز یہ حکم دیا کہ دس ہزار درہم میری رہائش گاہ پر بھیج دیئے جائیں اور ایک سجا سجایا محل بھی مجھے عنایت کیا اور جب میں رخصت ہونے لگا تو مامون نے مسکراتے ہوئے کہا: ''آج تو نے اپنے بڑے ہی طاقت ور حریف پر فتح پائی ہے''۔

محدث العصر حضرت شیخ عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی رحمہ اللہ تعالیٰ و رحمۃ کی یہ حمایت حق میں بہت بڑی قربانی تھی اس وقت یہ کہنا کہ قرآن پاک مخلوق نہیں تلوار کی دھار پر چلنے سے زیادہ مشکل تھا۔ انہوں نے رضائے الٰہی کے لیے اتنی بڑی قربانی دی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے بھی بڑی کامیابی عطا فرمائی۔ ان کی حجت ہی حجتِ ابراہیمی نہ تھی بلکہ وہ خود بھی حیاتِ ابراہیمی کے مظہر تھے۔ قربانی میں بھی اور انعام میں بھی۔

شیخ عبدالعزیز سے جو ملتا وہ اس واقعہ کی تفصیلات پوچھتا۔ اس لیے شیخ نے مناسب سمجھا کہ اس واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ قلم بند کر دیں۔ ان کے رسالے کا قلمی نسخہ جامع اموی دمشق کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ مشہور قلم کار ابوالکلام آزاد نے اسی رسالہ سے جہادِ حق گوئی کی تفصیلات اپنے رسالہ ''دعوتِ حق'' میں تحریر کی ہیں، یہ رسالہ مکتبہ ادب اسلامی لاہور نے شائع کیا ہے۔ راقم نے اسی کا خلاصہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا ہے۔

(ضمیمہ سدا بہار خوشبوئیں)

یاد رہے جب بشر بن غیاث مریسی (سرگروہِ معتزلہ) فوت ہوا تو اس کے جنازہ میں شرکت کے لیے سوائے عبید شونیزی کے اور کوئی حاضر نہیں ہوا جب وہ جنازہ سے واپس آئے تو علماءِ اہلِ سنت و جماعت نے انہیں ڈانٹ پلائی اور کہا:

''او دشمنِ خدا! تو مسلکِ اہل سنت کا دعوے دار ہے اس کے باوجود تو مریسی کے جنازے پر حاضر ہوا ہے؟'' اس نے کہا:

''مجھے بات کرنے کی اجازت دیں، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے جس قدر مریسی کے جنازے پر حاضر ہونے کے ثواب کی توقع ہے اتنے ثواب کی کسی جنازے پر حاضر ہونے کی توقع نہیں ہے''

جب مریسی کی میت جنازے کی جگہ پر رکھی گئی تو میں نے دعا کی:

☆......اے اللہ! تیرا یہ بندہ آخرت میں تیرے دیدار پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اے اللہ! جب مومن تیرے دیدار سے مشرف ہوں تو اسے اپنے وجہِ کریم کی زیارت سے محروم کر دینا۔

☆......اے اللہ! تیرا یہ بندہ عذابِ قبر پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ یا اللہ! اسے آج قبر میں وہ عذاب دے جو تو نے دنیا بھر میں کسی کو نہیں دیا۔

☆......اے اللہ! تیرا یہ بندہ اعمال کے تولنے والے ترازو کا انکار کرتا تھا، اے اللہ! قیامت کے دن اس کے اعمال کا پلڑا ہلکا کر دے۔

☆......اے اللہ! تیرا یہ بندہ شفاعت کا انکار کرتا تھا، یا اللہ! قیامت کے دن پوری مخلوق میں سے کسی کی شفاعت اس کے حق میں قبول نہ فرما۔

تمام علماء بے ساختہ ہنس پڑے اور خاموش ہو گئے۔

(تاریخ بغداد: ۷/۶۶، حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی)

نوٹ: یہ واقعہ امام ابوشامہ شہاب الدین ابومحمد شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''ضوء الساری الی معرفۃ رؤیۃ الباری'' (صفحہ نمبر ۲۰۴) میں بیان کیا۔ یہ کتاب دار الصحوۃ قاہرہ سے چھپی ہوئی ہے۔ (محمد عبدالحکیم شرف قادری)

Scanned with CamScanner

(34)

سورۂ نمل میں چیونٹی کا ذکر ہے یا چیونٹے کا؟

حضرت قتادہ بن دعامہ مادر زاد نابینا تھے مگر آپ کا سینہ علومِ اسلامیہ کا خزینہ تھا۔ نہایت ہی بلند پایۂ عالم اور جامع العلوم علامہ تھے بالخصوص علمِ حدیث اور تفسیر میں تو اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ کوفہ تشریف لائے تو ان کی زیارت کے لیے عوام و خواص کا اژدہام عظیم جمع ہو گیا۔ آپ نے اس عظیم الشان مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سَلُوْا عَمَّا شِئْتُمْ ۔ ''یعنی مجھ سے جو چاہو پوچھ لو''۔

حاضرین پر آپ کی علمی جلالت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور لوگ آپ کی عظمت سے اس قدر مرعوب تھے کہ سب دَم بخود ساکت و خاموش بیٹھے رہے آخر جب آپ نے بار بار پکارا تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو ابھی کمسن تھے خود تو کمال ادب سے کچھ عرض نہ کر سکے مگر لوگوں سے کہا: آپ لوگ ان سے یہ پوچھیے کہ ''وادیٔ نمل میں جس چیونٹی کی تقریر سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام مسکرا کر ہنس پڑے تھے وہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟''

چنانچہ جب لوگوں نے یہ سوال کیا تو حضرت قتادہ ایسے سٹ پٹائے کہ بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے پھر لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: مادہ تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس چیونٹی کے لیے ''وَقَالَتْ نَمْلَةٌ'' مؤنث کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے اگر یہ چیونٹی نر ہوتی تو ''وَقَالَ نَمْلَةٌ'' مذکر کا صیغہ ذکر کیا گیا ہوتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس دلیل کو تسلیم کر لیا اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دانائی اور قرآن فہمی پر حیران رہ گئے اور اپنے ''بڑے بول'' پر نادم ہوئے۔ (روح البیان ج ۶، ص ۳۳۳)

ثابت ہوا دولتِ علم ہو یا زر و جواہر کی دولت غرض کسی کمال و نعمت پر دوسروں کو

اپنے سے کمتر سمجھ کر بڑا بول ہر گز کبھی نہیں بولنا چاہیے بلکہ خداوندِ قدوس کے فرمان پر ایمان رکھنا چاہیے: وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۔ ''یعنی ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے''۔ اور فَضَّلَ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ ''یعنی خداوندِ عالم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے''۔

اس کو نظر میں رکھ کر یہ دھیان دینا چاہیے کہ خداوندِ عالم نے مجھ سے کہیں زیادہ بڑے بڑے باکمالوں کو پیدا فرمایا یہ بڑے بول کا انجام ذلت و ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

کسی نے کیا خوب کہا:

حباب بحر کو دیکھو کہ کیسا سر اُٹھاتا ہے
تکبر وہ بُری شے ہے کہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے

Scanned with CamScanner

(35)

صحابیٔ رسول ﷺ کی جرأت

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر، دلیر اور میدانِ جنگ میں اگلی صفوں میں لڑنے والے مجاہد تھے، ان کا نام سماک بن اوس بن خرشہ ہے۔ غزوۂ اُحد میں ان کے بہادری کے کارنامے اسلامی تاریخ کا حصہ ہیں۔ انہوں نے بدر و اُحد کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت فرمائی۔ اُحد کے دن رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ یَّأْخُذُ ھٰذَا السَّیْفَ بِحَقِّهٖ؟ ''اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟''

لوگ اس کے لیے آگے بڑھے لیکن آپ نے انہیں تلوار نہیں دی، اتنے میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا: وَمَا حَقُّهٗ؟ ''اس کا حق کیا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَنْ تَضْرِبَ بِهٖ فِی الْعَدُوِّ حَتّٰی یَنْحَنِیَ۔

''حق یہ ہے کہ اس سے دشمن کو اتنا مارو کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے''۔ (اور دشمن دُم دبا کر بھاگ جائے)

چنانچہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ سے تلوار لی اور لال پٹی سر پر باندھ کر اکڑتے ہوئے دشمن کی صف میں جا گھسے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کی چال دیکھ کر فرمایا:

اِنَّهَا لَمِشْیَةٌ یُبْغِضُهَا اللّٰهُ، اِلَّا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، مِثْلَ ھٰذَا الْمَوْطِنِ۔

''یہ ایسی چال ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے مگر اس مقام پر نہیں''۔

اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد کئی قبائل اسلام سے مرتد ہو گئے اور مسیلمہ کذاب ان کا لیڈر بن گیا چنانچہ ان مرتدین نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلانِ جہاد کیا۔ مرتدین کی سرکوبی کے لیے جو لشکر روانہ ہوا اس میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یمامہ کے مقام پر بنوحنیفہ کے مرتدین سے جو جنگ ہوئی اس میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے بہادری کے وہی جوہر دکھائے جو رسالت مآب ﷺ کے دور میں دکھائے تھے۔

یمامہ میں ایک بڑے باغ کے درمیان قلعہ تھا جس میں مرتدین جمع تھے، وہ قلعہ بند ہو کر لڑائی کر رہے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی شخص قلعہ کے اندر کود جائے اور قلعے کا دروازہ کھول دے تاکہ مجاہدین قلعے میں داخل ہو سکیں۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''کسی طرح مجھے اُٹھا کر قلعے کے اندر اُتار دو تاکہ میں دروازہ کھول سکوں''۔

ساتھیوں نے تامل کیا کہ انہیں اکیلا دشمن کے نرغے میں چھوڑا جائے۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے بڑے زور سے اپنے مطالبے کو دہرایا جب اِدھر سے انکار ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور ساتھیوں کو مجبور کیا کہ انہیں لازماً قلعہ کے اندر اُتارا جائے۔ چنانچہ سپاہیوں نے ان کو اُٹھا کر قلعے میں اُتارا جب انہوں نے دیوار سے چھلانگ لگائی تو ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی مگر ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ٹانگ کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ اپنی تلوار اُٹھائی اور مرتدین سے اکیلے ہی قلعے کے اندر لڑائی شروع کر دی۔ وہ لڑتے لڑتے دشمنوں کو دروازے کی طرف لے آئے اور اچانک دروازہ کھول دیا۔ (اسد الغابۃ ۹۲/۹۳، دلائل النبوۃ بیہقی ۳/۲۳۴، سیرۃ ابن ہشام ۳/۱۰)

اِدھر مسلمان دروازہ کھلنے کے منتظر تھے، وہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے اِدھر ابودجانہ رضی اللہ عنہ اپنی ٹانگ کے درد کو چھپائے مسلسل لڑتے رہے، لڑائی کے دوران ان کی ٹانگ کثرتِ حرکت کی وجہ سے اور زیادہ خراب ہو گئی اور درد میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا۔

اِدھر مرتدین ان کی تاک میں تھے بالآخر یہ بہادر مجاہد زمین پر گر پڑے۔ کثرت سے خون بہنے کی وجہ سے وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہو گئے اور رہتی دنیا تک تاریخ کے سنہرے اوراق میں اپنا نام رقم کر گئے۔ (اسد الغابۃ لابن الاثیر ۲/۵۵۱)

(36)

ماضی قریب کا ایک عظیم واقعہ

متحدہ پاک و ہند میں جب سے اسلام کا نور آیا یہاں مسلمان کہلانے والوں میں اکثریت اہلِ محبت کی رہی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں اسلام کا پیغام عوام وخواص تک علماء و صوفیاء نے پہنچایا اور سلاطین نے اور اس سلسلے میں سب سے اہم کردار صوفیائے کرام کا تھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت اور ان کا پیغام بندگانِ خدا کے دماغوں میں نہیں بلکہ دلوں اور رگ و پے میں اُتار دیا۔ حضرت شاہ اسمٰعیل محدث (لاہور) داتا گنج بخش علی ہجویری، غریب نواز خواجہ سید معین الدین اجمیری، بابا فرید الدین گنج شکر، خواجہ باقی باللہ، امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، نوشہ گنج بخش قادری، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، امام احمد رضا بریلوی، پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، میاں شیر محمد شرقپوری، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری وغیرہم ہزاروں اولیاء کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین ہیں جنہوں نے اس خطے میں پرچم اسلام بلند کرنے میں عظیم کردار ادا کیا۔ مشہور غیر مقلد عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری نے تصریح کی ہے:

"اسی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے"۔ (شمع توحید)

انگریز تجارت کے بہانے یہاں آئے اور حکمران بن کر بیٹھ گئے چونکہ ان سے پہلے مسلمان ہندوستان میں ایک ہزار سال حکمرانی کر چکے تھے اس لیے وہ مسلمانوں سے خائف تھے۔ وہ بڑے غور وفکر کے بعد بقولِ اقبال اس نتیجے تک پہنچے تھے۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

اسی لیے انہوں نے اُبھرنے والے نئے نئے فرقوں کی حوصلہ افزائی کی یہاں حشرات الارض کی طرح اتنے فرقے پیدا ہوئے کہ شاید ہی دنیا کے کسی خطے میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ کسی نے ختمِ نبوت کے اجماعی معنی کا انکار کر کے نئے نبی کی آمد کا راستہ ہموار کیا، کسی نے نبوت ہی کا دعویٰ کر دیا، کسی نے اللہ تعالیٰ کے حبیب نبی آخر الزماں ﷺ کے علوم کو موضوع بحث بنایا اور کہا: شیطان کو تو روئے زمین کا علم قرآن سے ثابت ہے یہی علم اگر حضرت محمد ﷺ کے لیے ثابت کیا جائے تو شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ آپ کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے، دُکھ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ خود کلمہ طیبہ پڑھنے والوں نے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور آپ ﷺ کے اوصاف جمیلہ کو متنازع بنا دیا۔ کیا کسی دوسرے دین کے ماننے والوں میں اس کی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کو متنازع شخصیت بنایا ہو۔ بازاروں، تھڑوں اور ٹرالیوں میں ان کی عظمت و رفعت اور وسعتِ علمی کو چیلنج کیا گیا ہو۔ یہ بدقسمتی ہمارے ہی نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی تھی کہ ایک علم وخرد سے عاری شخص اُٹھ کر نبی الانبیاء ﷺ کے علم کی پیمائش کر رہا ہے۔ ایک سچا شاگرد استاد کی جہالتوں کا متلاشی نہیں ہو سکتا۔ ایک سچا اُمتی کس طرح یہ فہرست تیار کر سکتا ہے کہ میرے نبی ﷺ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا، فلاں چیز کا اختیار نہیں تھا؟

لاڑکانہ، سندھ سے پینتالیس کلومیٹر دور موضع وارہ واقع ہے اس کے قریب ایک گاؤں تالکے واراں کا رہنے والا چھبیس سالہ نوجوان محمد پناہ ٹوٹانی ہے اس کے قبیلے کا نام چانڈیہ ہے، جس کی ایک شاخ ٹوٹانی ہے۔ یہ سیدھا سادا جوان دینی اور دنیاوی تعلیم سے عاری ہے، بچپن میں کہیں قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھا ہوگا اور بس پھر اپنے والد کی طرح محنت مزدوری میں مصروف ہوگیا۔ وہ ٹریکٹر ڈرائیور ہے اور سوڈر سے مٹی کی ٹرالی بھر کر لے جاتا ہے اور شہر میں بیچ دیتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے اس کا نام پورے ملک بلکہ دوسرے ممالک میں بھی گونجنے لگا۔ وطنِ عزیز ملک پاک کے اخبارات اور جرائد نے جلی سرخیوں کے ساتھ

Scanned with CamScanner

اس کی خبر لگائی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اس نے ایسا کون سا کارنامہ سرانجام دیا تھا کہ اس کی شہرت یک دَم بامِ عروج تک پہنچ گئی؟ واقعہ یہ ہے کہ اس کی زندگی میں وہ لمحہ آ گیا تھا جسے ''قبولیت کا لمحہ'' کہتے ہیں اور یہ لمحہ وہ تھا جب وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے نام اور آپ کی عظمت و جلالت کے حوالے سے آگ میں کود گیا تھا۔ سچ ہے

تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا؟
تیرے عشق نے بنایا میری زندگی فسانہ

اور بقول امام احمد رضا بریلوی:

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پر یہ عزت ملی ہے

اور سوڈیڑھ سو افراد نے یہ منظر دیکھا کہ بقولِ اقبال:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

محمد پناہ کے عملی تجربے نے یہ حقیقت بے نقاب کر دی کہ علم، صحیح عقیدے کے بغیر فائدہ نہیں دیتا جب کہ صحیح عقیدہ بغیر علم کے بھی فائدہ دے دیتا ہے۔ انہیں عقیدے کی یہ پختگی پیرِ طریقت حضرت مولانا سید غلام حسین شاہ بخاری نقشبندی مدظلہ العالی' قنبر شریف' لاڑکانہ (سندھ) کی نسبت غلامی سے حاصل ہوئی۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ مرید کے ننگے سینے پر دل کے اوپر انگلی رکھ کر توجہ دیتے ہیں اس کے ساتھ ہی مرید کا دل ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف چند سال پہلے سکھر سے شدرحال کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور ان کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔

محمد پناہ کا بیان ہے کہ میں ۱۱ فروری ۱۹۹۸ء کو سوڈر سے مٹی کی ٹرالی لے کر آ رہا تھا کہ وارہ کے پاس ایک شخص نے مجھے رُکنے کا اشارہ کیا۔ میرے ٹریکٹر روکنے پر اس نے بتایا کہ میں نے فلاں جگہ جانا ہے۔ میں نے اسے کہا پیچھے ٹرالی میں بیٹھ جاؤ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا نام ہارون ہے۔ وہ ٹرالی میں بیٹھے ہوئے مزدوروں سے بات چیت اور بحث کرتا رہا

جب اس کا سٹاپ آیا تو میں نے اسے اُتار دیا اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے مزدوروں نے کہا: یہ منافق ہے' یہ مدینے والے سائیں ﷺ کے علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونے کا انکار کر رہا تھا۔ (سندھی زبان میں کسی بھی محترم شخصیت کا نام لیتے ہیں تو سائیں کہہ کر یاد کرتے ہیں) میں نے کہا اسے چھوڑ دو اور جانے دو۔ یہ کہہ کر میں نے ٹریکٹر سٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ دوبارہ کوشش کی پھر کامیابی نہ ہوئی۔ میں نے سوچا کہ کوئی شخص اگر ہمارے جسمانی' باپ سے بدتمیزی کرے تو ہم اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مدینے والے سائیں ﷺ تو ہمارے روحانی باپ ہیں' ان سے بدتمیزی کرنے والے کو کیسے معاف کیا جا سکتا ہے؟ میں نے ٹریکٹر وہیں چھوڑا اور ہارون کو آواز دے کر بلایا اور اسے کہا: تم مدینے والے سائیں ﷺ کے بارے میں بدتمیزی سے باتیں کرتے ہو؟ اس نے کہا میں انکار نہیں کرتا۔ میں تو قرآن پڑھ کر سنا رہا ہوں اس نے قرآن پاک کی آیتیں پڑھ کر سنانا شروع کر دیں۔ میں پڑھا لکھا آدمی تو ہوں نہیں' میں نے جتنا قرآن پڑھا ہے' نیند میں پڑھا ہے۔ میں نے کہا قرآن پاک میں الحمد سے لے کر والناس تک شانِ رسول ﷺ کا بیان ہے۔ کہنے لگا تم مشرک ہو' تم انہیں پوجتے ہو (معاذ اللہ!) مدینے والے سائیں ﷺ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں ہے اس کا اتنا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا۔ میں نے کہا تم مدینے والے سائیں ﷺ کی بات کرتے ہو؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم نے آٹھ دن پہلے اور ایک مہینے پہلے کیا کھایا تھا؟ کہنے لگا تم بدعتی اور مشرک ہو۔

میں نے کہا اچھا ایسا کرتے ہیں کہ آگ جلاتے ہیں اور دونوں اس میں چھلانگ لگاتے ہیں جو سچا ہو گا' محفوظ رہے گا اور جو جھوٹا ہو گا' جل جائے گا۔ کہنے لگا نہیں آگ میں تو مشرک اور کافر جلیں گے۔ میں نے کہا تم تو مومن ہو' تم کیوں آگ میں جانے کے لیے تیار نہیں؟ اتنے میں ایک دوسرا ٹریکٹر آ گیا جس میں ہارون کے ساتھی اور رشتے دار تھے وہ ٹریکٹر روک کر جلدی سے ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید ہارون کا کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے جب وہ ہمارے پاس آئے تو میں نے انہیں صورتِ حال بیان کی۔ انہوں نے دونوں کی منت سماجت کی کہ جھگڑا نہ کرو اور اسے لے کر اپنے ٹریکٹر پر چلے گئے۔ میں

Scanned with CamScanner

نے اپنے ٹریکٹر کی سیٹ پر بیٹھ کر نعرہ لگایا: ''یا علی...... مولا علی''

ہارون دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

''تم مشرک ہو گئے ہو آؤ اب میں تمہیں آگ میں جلاتا ہوں''۔

اس نے زمین پر رومال بچھایا اور اس پر نفل پڑھنے لگا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ آگ میں جانے سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟ میں نے بھی نفل پڑھے پھر میں نے سوچا کہ میرا رب اور اس کے فرشتے مدینے والے سائیں ﷺ پر درود بھیجتے ہیں' مجھے بھی درود بھیجنا چاہیے۔

میں درود شریف پڑھنے لگا' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ میرے خدا! مجھ میں ہمت نہیں ہے' میں مدینے والے سائیں ﷺ کی عزت وعظمت کے لیے آگ میں چھلانگ لگا رہا ہوں' مجھے آگ سے بچانا۔ میرے خدا! ہماری لاج رکھنا' ابھی ہمارے اوپر امتحان ہے' اپنے حبیب ﷺ کے لیے لاج رکھنا۔ پھر مدینے والے سائیں ﷺ کو یاد کیا:

''یارسول اللہ! یا حبیبی! یا قرۃ عینی......!

یَـارَسُوْلَ اللهِ اُنْظُرْ حَالَنَا

یَـا حَبِیْبَ اللهِ اسْمَعْ قَالَنَا

گنبدِ خضرا کا تصور میرے سامنے آ گیا' آسمان کا رنگ سبز دکھائی دے رہا تھا پھر میں نے اپنے مرشد کو یاد کیا۔ مرشد حسین ہماری مدد کیجیے۔ مرشد حسین ہمارے جلنے کا ٹائم آیا ہے۔ مرشد اس لیے پکڑا جاتا ہے کہ مشکل سے بچائے۔ اس سے زیادہ مشکل وقت کون سا ہوگا؟ عشق صادق کی کرشمہ کاری دیکھیے کہ مرشد کریم ان کے سامنے جلوہ گر ہو گئے کبھی دائیں' کبھی بائیں۔ پرالی (گندم کاٹنے کے بعد جو نالی باقی بچتی ہے) کے انبار کو آگ لگا دی گئی اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ہارون کا ہاتھ پکڑ کر کہا: چلو میرے ساتھ آگ میں چھلانگ لگاؤ اس نے کہا نہیں! پہلے تم چھلانگ لگاؤ۔ مرشد نے کہا گھبراؤ نہیں' میں تمہارے ساتھ ہوں۔

'میں نے آگ میں چھلانگ لگا دی اور بالکل محفوظ رہا۔ ہارون کو بلایا لیکن وہ تیار نہیں تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگ کے اندر کھینچ لیا لیکن یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ آگ نے

اسے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ مرشد نے کہا: ''اس کا ہاتھ چھوڑ دو''۔

اس کا ہاتھ چھوڑتے ہی وہ چیخنے لگا اور بھاگ کر باہر نکل گیا اتنے میں اس کی داڑھی' قمیص اور اس کا پاؤں جل گیا تھا اس کی شکل مسخ ہو گئی تھی' اسے دیکھنے سے خوف آتا تھا۔ میں پھر آگ میں داخل ہو گیا اور دو چار ٹپے لگائے (چھلانگیں لگائیں) میرے کپڑوں پر ڈیزل لگا ہوا تھا' آگ میں جانے سے وہ بھی دُھل گیا۔

ان سے پوچھا گیا کہ آپ کتنی دیر آگ میں رہے؟ کہنے لگے پانچ چھ منٹ یا دس منٹ۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کی جانب آگ کا رنگ سبز تھا؟ کہنے لگے:

''جوش وخروش میں مجھے اس کا ہوش نہیں تھا تاہم دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ میری جانب آگ کا رنگ سبز اور ہارون کی جانب عام آگ کی طرح کا رنگ تھا''۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ میں آگ کے اندر بھی درود شریف پڑھتا رہا تھا:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللهِ

وَعَلٰی آلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللهِ

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مجھے آگ میں ٹھنڈی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔

(اس واقعہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے مولانا ابوداؤد محمد صادق امیر جماعت رضائے مصطفیٰ پاکستان کا مرتب کردہ رسالہ ''محمد پناہ اور جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء'' جس میں انہوں نے روزنامہ نوائے وقت' سماج اور جرأت کی خبروں کا عکس (فوٹو) شامل اشاعت کیا ہے۔ نیز گواہوں کے دستخطی بیانات کی فوٹو کاپی بھی شامل کی ہے اس کے علاوہ محترم محمد پناہ ٹوٹانی صاحب کے خطاب اور انٹرویو کی آڈیو کیسٹ مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ سے حاصل کر کے سنی جا سکتی ہے۔) (ضمیمہ سدا بہار خوشبوئیں)

(37)

ایک منہ چڑھا عیسائی طبیب

خلیفہ بغداد ہارون رشید کے درباری حکیموں میں ایک نصرانی طبیب بھی تھا جو بادشاہ کا بہت ہی معتمد اور منہ چڑھا تھا۔ ایک دن اس نے بر سر دربار ایک جید عالم علی بن حسین بد واقد سے یہ کہا:

"تمہاری کتاب قرآن شریف میں علمِ طب کا کہیں کوئی ذکر نہیں حالانکہ تمام علوم میں سب سے زیادہ ممتاز اور بلند مرتبہ دو ہی علم ہیں۔ ایک ہے "علم الادیان" اور دوسرا "علم الابدان""۔

علی بن حسین نے اس کے جواب میں برجستہ فرمایا:

"کیا تمہیں خبر ہے کہ پورا علمِ طب خداوندِ قدوس نے قرآن مجید میں صرف آدھی آیت میں جمع فرما دیا ہے"۔ نصرانی طبیب نے حیران ہو کر پوچھا:

"بتایئے وہ کون سی آیت ہے؟" علی بن حسین نے فرمایا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ "یعنی کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو"۔

یہ سن کر نصرانی طبیب ہکا بکا رہ گیا پھر کہنے لگا:

"اچھا یہ بتاؤ کہ پیغمبر اسلام نے بھی اصولِ طب کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہے؟"

علی بن حسین نے فرمایا:

"ہمارے پیغمبر اسلام نے تو بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے مگر تم اس وقت صرف ایک حدیث سن لو:

اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ وَعَوِّدُوْا كُلَّ جِسْمٍ مَا اعْتَادَ"

"یعنی معدہ تمام امراض کی کوٹھڑی ہے اور پرہیز تمام دواؤں کا سردار ہے اور ہر جسم سے وہی کام لو جس کا وہ عادی ہے"۔

یہ سن کر نصرانی طبیب فرطِ حیرت سے علی بن حسین کا منہ تکنے لگا اور یہ کہا:

مَا تَرَكَ كِتَابُكُمْ وَلَا نَبِيُّكُمْ لِجَالِيْنُوْسَ طِبًّا ۔

"تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے تو "جالینوس" کے لیے کوئی طب چھوڑی ہی نہیں"۔ (روح البیان ج ۳، ص ۱۵۵)

معلوم ہوا قرآن مجید تمام علوم کا جامع ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

یعنی قرآن مجید میں تمام علوم موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے سمجھنے سے لوگوں کی عقلیں قاصر ہیں اور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ جب بھی کفار نے اس قسم کے سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ علمائے حق کو قرآن مجید سے ایسے جوابات کا الہام فرماتا ہے کہ قرآن کا بول بالا اور کفار کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

(38)

سفیرِ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

وہ نہایت خوب صورت تھا' امیر والدین کا بیٹا تھا' نئی نئی پوشاکیں پہنتا' گفتگو میں اس قدر مٹھاس تھی کہ سننے والے عش عش کر اُٹھتے۔ اتنا ذہین تھا اور باتیں اتنی مزے دار کرتا کہ ہر مجلس کی جان ہوتا اس کے ساتھی اس کی آمد کا انتظار کرتے اور جب وہ مجلس میں بیٹھ جاتا تو سب خاموش اس کی طرف دیکھتے' اس کی سنتے اور سر دُھنتے اس کے دلائل بڑے وزنی اور زبردست ہوتے' کوئی اس سے گفتگو میں آگے نہیں نکل سکتا تھا۔

وہ اپنی دُھن کا پکا تھا' سبھی جانتے تھے کہ جب کوئی عزم وارادہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی اس کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا تاہم ایک ایسی شخصیت تھی جس سے وہ خوب ڈرتا تھا اور اس کے سامنے اس کی گھگھی بندھ جاتی اور یہ اس کی والدہ تھی اور آج وہ اپنی والدہ' قریبی رشتہ داروں اور قوم کے اشراف کے سامنے کھڑا تھا اس کی والدہ نے تھپڑ کھینچ رکھا تھا اور قریب تھا کہ اپنے بیٹے کو دے مارتی کہ اشراف میں سے ایک نے اسے منع کیا اور کہا:

''ابھی ہم اس کو سمجھا دیتے ہیں' اتنا زیادہ غصہ نہ کرو' یہ سمجھ جائے گا''۔

مگر یہ نوجوان ان سے مرعوب ہوئے بغیر ان کو نہایت دلنشین انداز میں قرآن حکیم کی آیات سنا رہا تھا۔ والدہ خناس بنت مالک نے اس کو خوب سمجھایا بھی تھا' ڈرایا بھی تھا' لالچ بھی دیا تھا مگر یہ کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

یہ نوجوان مکہ مکرمہ کا باسی تھا اور مؤرخین کے مطابق سب سے مہنگا اور اعلیٰ عطر استعمال کرنے والا مصعب بن عمیر تھا' اسے اسلام کا پہلا سفیر بننے کی سعادت حاصل ہوئی اگر آپ

سیرتِ پاک کا بغور مطالعہ کریں تو اللہ کے رسول ﷺ کی بے شمار خوبیوں میں ایک بات یہ بھی نمایاں تھی کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سے ان کی استعداد کے مطابق کام لیتے تھے جس کے اندر جو صلاحیت ہوتی اس کے مطابق اس سے کام لیا جاتا۔

دیگر بہت سارے نوجوانوں کی طرح مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بھی محمد الامین الصادق کے بارے میں سنا کہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پوری کائنات کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

صفا پہاڑی کے دامن میں واقع دارِ ارقم اس دعوت کا مرکز تھا لوگ وہاں جمع ہوتے' تزکیہ نفس ہوتا' قرآن سکھا جاتا اور نمازیں ادا کی جاتیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان چوری چھپے اس دعوت کو آگے پھیلا رہے تھے۔

مکہ مکرمہ اس زمانے میں کوئی بہت بڑا شہر نہیں تھا وہاں کسی قسم کی سرگرمیاں کیسے خفیہ رہ سکتی تھیں جب کہ قریش مکہ بطورِ خاص مسلمانوں پر گہری نظریں رکھے ہوئے تھے۔

ایک دن عثمان بن طلحہ نے اپنی آنکھوں سے مصعب رضی اللہ عنہ کو دارِ ارقم میں داخل ہوتے دیکھا اور پھر کسی دوسرے دن دیکھا کہ محمد ﷺ جیسی نماز پڑھ رہا ہے۔ اُمِ مصعب تک یہ خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں اس نے اپنے لختِ جگر کو رسیوں سے باندھا' مارا اور سارے طریقے آزمائے ادھر مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ مصعب بھی اپنی والدہ کو جل دے کر اسی قافلے میں شامل ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد پھر مکہ آ گئے' عرصۂ حیات تنگ ہوا تو دوبارہ حبشہ چلے گئے اور پھر ایک مختصر سی مدت کے بعد واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ ماں نے اپنی سختی برقرار رکھی اور ساری سہولتیں واپس لے لیں۔

ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ مصعب آ گئے۔ آج ان کی پوشاک ٹاٹ کی تھی' بمشکل ستر چھپایا ہوا تھا۔ کہاں وہ خوش لباس اور مہنگا عطر استعمال کرنے والا مصعب اور کہاں یہ حالت۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی آہیں نکل گئیں' آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھی کی طرف شفقت بھری

Scanned with CamScanner

نگاہوں سے دیکھا اور پھر فرمایا:

''میں نے مصعبؓ کو اسلام لانے سے پہلے بھی دیکھا ہے۔ پورے مکے میں اس سے زیادہ والدین کا لاڈلا کوئی نہ تھا' ساری سہولتیں اور آسائشیں اس کو میسر تھیں مگر اس نے یہ ساری نعمتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے قربان کر دیں''۔

ماں نے آخری حربے کے طور پر اسے پھر قید کرنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

''جس کسی نے مجھے رسیوں سے باندھنے میں تمہاری مدد کی' میں اس کو قتل کر دوں گا''۔

والدہ کو اپنے بیٹے کے عزم اور ارادے کا خوب اندازہ تھا چنانچہ اس نے روتے ہوئے اپنے بیٹے کا راستہ چھوڑ دیا۔ بیٹے نے گھر پر الوداعی نظر ڈالی اور پھر ماں کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور نہایت پیار سے بولا:

''پیاری اماں! میں تمہارا نہایت ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔ بس ایک مرتبہ اپنی زبان سے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت دے دو''۔

ماں نے غضب ناک نگاہوں سے دیکھا اور کہا:

''ستاروں کی قسم! جب تک میری عقل اور ہوش وحواس کام کرتے ہیں' میں تمہارے مذہب میں کبھی داخل نہ ہوں گی''۔

بیٹے کے دل پر اس گفتگو کو سننے کے بعد کیا گزری ہوگی؟ پریشان حال اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آتے ہیں اور ادھر اللہ کے رسول ﷺ اپنے اس پیارے ساتھی کو ایک ایسی ذمہ داری سونپتے ہیں جو اس سے قبل کسی کو میسر نہ آئی تھی۔ مدینہ منورہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کی تربیت اور اسلام کی تعلیمات کو مزید پھیلانے کے لیے سفیر کی ضرورت تھی چنانچہ اس عہدے کے لیے حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا گیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر

قیام فرمایا اور دونوں نے مل کر اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت مصعب نہایت خوش شکل' عقل مند اور بہترین گفتگو کرنے والے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے اعلیٰ اخلاق سے بہت سارے لوگوں کو اسلام میں داخل کر لیا۔ ایک دن اسعد بن زرارہ کے ساتھ مل کر بنی عبدالاشھل کے محلے میں تشریف لائے وہاں ایک باغ کے اندر مرق نامی کنویں پر بیٹھ گئے اس وقت تک اس قوم کے دو بڑے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ سعد نے اسید سے کہا:

''دیکھو! اسعد بن زرارہ میری خالہ کا بیٹا ہے اور میں خود جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ یہ لوگ ہمارے قبیلے کے کمزوروں کو بے وقوف بنا رہے ہیں' ذرا جا کر ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر دو''۔

اسید غصے کے عالم میں اس باغ میں پہنچ گئے اور گویا ہوئے:

''تم یہاں کس لیے آئے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنا رہے ہو۔ یاد رکھو! اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے الگ ہی رہو''۔

یہ کہہ کر انہوں نے اپنا شدید غصہ ظاہر کیا۔

اس قسم کی سخت گفتگو کے بعد حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے مسکراتے ہوئے زبان کھولی:

''آپ ہم سے ناحق ناراض ہو رہے ہیں۔ ذرا تشریف رکھیں' ہماری بات سنیں اگر پسند آ جائے تو قبول کر لیں' پسند نہ آئے تو چھوڑ دیں' ہم دوسرے محلے میں چلے جائیں گے''۔ اسید نے کہا: ''یہ تم نے انصاف کی بات کہی''۔

اور بیٹھ گئے ادھر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس کی تشریح شروع کی اور ادھر اسید کے ذہن میں تبدیلی آنے لگی:

''کتنی اچھی باتیں ہیں' کیا پیارا کلام ہے یہ!'' وہ گویا ہوئے۔

اور یہ چند منٹوں کی بات تھی' سارا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ درشت کلامی اب محبت بھری باتوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔

''اگر اسلام قبول کرنا ہو تو اس کی شرط کیا ہے؟'' سوال پوچھا گیا۔

Scanned with CamScanner

"بس غسل کریں، کپڑے تبدیل کریں اور کلمۂ شہادت کی گواہی دیں"۔

انہیں جواب ملتا ہے۔

اور پھر حضرت اسید رضی اللہ عنہ خود اسلام کے داعی بن گئے اور اسلام کی یہ روشنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، وہ بھی اسلام قبول کر لیتے ہیں اور اسی شام اس وقت کے ایک بہترین مفکر اور سردار سعد بن عبادہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر پورے مدینے میں ایک ہی بات گشت کرنے لگی:

"اگر ان سمجھدار، ذہین و فطین افراد اور ہمارے سرداروں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو اس کو قبول کرنے میں ہمارے لیے کیا ممانعت ہے؟"

چنانچہ اسی دن شام تک بہت سارے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

اسلام کے اس پہلے سفیر نے اپنے اخلاص، اخلاق اور جدوجہد سے بے پناہ کامیابی حاصل کی۔ اگلے حج سے پہلے مکہ پہنچے اور آپ ﷺ کو ساری رپورٹ پیش کی۔ قبائل کے حالات اور مدینہ منورہ کی اقتصادی و سیاسی صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

اسی سال بیعتِ عقبہ ثانیہ ہوئی اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہجرت کی روانگی کی راہ ہموار ہوئی۔ ہجرت کے بعد غزوۂ بدر ہوا جس میں مشرکینِ مکہ کو شکستِ فاش ہوئی، اسلامی ریاست مضبوط ہوگئی، بدر میں جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔

ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ مکہ والے ایک لشکرِ جرار لے کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع پر مہاجرین اور انصار کو جھنڈے عطا فرمائے، ان خوش قسمت لوگوں میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جھنڈے کا ملنا ایک بڑی سعادت ہے اور اس کی حفاظت کرنا اس سے بھی بڑی ذمہ داری! حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس ذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے چنانچہ اُحد کے دن آپ نے اس ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔ مؤرخین نے اس دن حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا کردار کچھ یوں بیان کیا ہے:

"جنگِ اُحد میں جھنڈا مصعب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، مسلمان جب تتر بتر ہوئے تو مصعب ثابت قدم رہے۔ ابن قمۂ لیثی آگے بڑھا اور اس نے آپ کے داہنے

ہاتھ پر زور کا وار کیا، آپ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اب اس نے بائیں ہاتھ پر تلوار کا وار کیا، بایاں بازو بھی کٹ گیا اور آپ یہ آیت تلاوت کر رہے تھے: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

"اور محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہی ہیں، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں"۔ (آل عمران: ۱۴۴)

اب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کٹے ہوئے بازوؤں کے بقایا حصوں کو سہارا دے کر جھنڈا اپنے سینے سے لگا دیا اب کی بار اس نے نیزے سے حملہ کیا۔ آپ کی زبان پر مسلسل قرآن پاک کی آیت تھی: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

نیزے کی انی آپ کے سینے کے پار ہو گئی اور آپ زمین پر گر گئے اور اس کے ساتھ ہی شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت عمر مبارک چالیس سال تھی۔ جھنڈا زمین پر گرا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا اسنبھال لیا۔ معرکہ ختم ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ و دیگر صحابہ علیہم الرضوان کے ساتھ شہداء کو الوداع کر رہے تھے۔ ان صحابہ علیہم الرضوان میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

حضرت خباب بن اُرت رضی اللہ عنہ نے آنسوؤں کے ساتھ ان کو یوں نذرانۂ عقیدت پیش کیا:

"ہم لوگوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اس کا اجر و ثواب اور بدلہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ ہم میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ہجرت کا بدلہ دنیا میں بھی پایا اور کچھ ایسے تھے جن کو کوئی مادی فائدہ دنیا میں حاصل نہ ہوا۔ ان میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جب ان کو دفن کرنے لگے تو کفن میسر نہ تھا، ایک چھوٹی سی چادر تھی جس کو سر پر ڈالتے تو پاؤں ننگے رہ جاتے اور پاؤں پر سرکاتے تو سر مبارک ننگا رہ جاتا"۔

رؤف و رحیم پیغمبر ﷺ کو خبر دی گئی۔ آپ ﷺ تشریف لائے، اپنے پیارے ساتھی

Scanned with CamScanner

کی نعش پر کھڑے ہوئے آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ، لَقَدْ رَأَيْتُكَ بِمَكَّةَ وَمَا بِهَا أَرَقُّ حُلَّةً وَلَا أَحْسَنُ لِمَّةً مِنْكَ، ثُمَّ هَا أَنْتَ ذَا، شَعِثُ الرَّأْسِ فِيْ بُرْدَةٍ!"

"مومنوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ وعدے کو سچا کر دکھایا۔ مصعب! میں نے تمہیں مکے میں دیکھا تھا، تم سے زیادہ نفیس لباس اور تم سے زیادہ خوب صورت بال کسی کے نہیں تھے اور اس وقت میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ ایک معمولی چادر میں لپٹے ہوئے ہو"۔ پھر آپ ﷺ نے تمام شہداء کی طرف ایک نظر ڈالی اور فرمایا:

"اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم قیامت والے دن شہداء میں اُٹھائے جاؤ گے"۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حکم دیا:

غَطُّوْا بِهَا رَأْسَهٗ وَاجْعَلُوْا عَلٰى رِجْلَيْهِ الْإِذْخِرَ .

"مصعب (رضی اللہ عنہ) کے سر کو چادر سے ڈھانک دو اور قدموں کو اذخر گھاس سے ڈھانک دو (اور پھر قبر میں دفن کر دو)"

(بخاری ۴۰۴۷، ابوداؤد ۲۸۷۶۔ حضرت مصعب کی سوانح کے لیے ملاحظہ کریں البدایۃ والنہایۃ، اسد الغابۃ، الاستیعاب، سیر اعلام النبلاء وغیرہ)

(39)

ایک یہودی کو دنداں شکن جواب

قاضی عبدالوہاب بہت ہی ذہین اور حاضر جواب علمائے کبار میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی یہودی نے آپ کے سامنے دینِ اسلام کے قانون پر اعتراض کرتے ہوئے نہایت طنز کے ساتھ یہ شعر پڑھا:

يَدٌ بِخَمْسِ مِئِيْنَ عَسْجَدٍ وُدِيَتْ

مَا بَالُهَا قُطِعَتْ بِرُبْعِ دِيْنَارِ

یعنی اگر کوئی کسی کا ہاتھ کاٹ لے تو اس کی دیت (عضو کا بدلہ) پانچ سو اشرفیاں دینی پڑتی ہیں لیکن اگر یہی شخص چوری کرے تو صرف ایک چوتھائی دینار کی چوری پر اس کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے تو کیا معاملہ ہے؟ کہ قانون اسلام میں یہی ہاتھ کبھی اتنا مہنگا سمجھا گیا کہ پانچ سو اشرفی اس کی قیمت ٹھہری اور کبھی اتنا سستا ہو گیا کہ صرف ایک چوتھائی دینار اس کی قیمت رہ گئی۔ یہودی کا یہ طنزیہ شعر سنتے ہی قاضی عبدالوہاب نے جواب میں فی البدیہہ یہ شعر پڑھ دیا

عِزُّ الْأَمَانَةِ أَغْلَاهَا وَأَرْخَصَهَا

ذُلُّ الْخِيَانَةِ فَافْهَمْ حِكْمَةَ الْبَارِيْ

یعنی ہاتھ جب تک امانت دار تھا، عزت امانت نے اس کو بیش قیمت بنا رکھا تھا لیکن جب چوری کر کے یہ ہاتھ خائن بن گیا تو خیانت کی ذلت نے اس کی اس قدر قیمت گھٹا دی کہ صرف چوتھائی دینار اس کی قیمت رہ گئی۔ یہ ہاتھ کبھی اتنا گراں اور کبھی اتنا ارزاں کیوں ہو جاتا ہے؟ اس میں باری تعالیٰ کی یہی حکمت ہے اس کو خوب ذہن نشین کر لیں۔

(صاوی ج ۲ ص ۲۸۳)

Scanned with CamScanner

لہٰذا مومن کو یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ شریعت کے ہر حکم میں باری تعالیٰ کی عقل کے خزانے بھرے ہوئے ہیں مگر ہمارے فہم ناقص اور عقل کی کوتاہی کا قصور ہے کہ ہم ان حکمتوں کو سمجھ نہیں سکتے ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے خاص بندوں کو مطلع فرما دیتا ہے پھر وہ خوش نصیب بندے ایقان وایمان کی اتنی بلند منزل پر فائز ہو جاتے ہیں کہ ملکوتِ عالیہ کے فرشتے بھی ان کی رفعتِ درجات کے شیدائی اور ان کے مراتب علیا کے تمنائی بن جاتے ہیں کیوں نہ ہو؟

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر ''روح الامیں'' پیدا

(40)

نماز کی برکت سے جان و مال محفوظ ہو گئے

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے' ان کی کنیت ابو معلق تھی' وہ تجارت کرتے تھے' اپنا سامان خریدتے اس کے علاوہ لوگوں کا مال لے کر مختلف علاقوں میں جاتے' نہایت عبادت گزار اور پرہیزگار بھی تھے۔ ایک مرتبہ سامانِ تجارت لے کر کسی شہر جا رہے تھے کہ راستہ میں انہیں ایک ڈاکو نے روک لیا کہنے لگا:

ضَعْ مَا مَعَكَ فَاِنِّیْ قَاتِلُكَ ۔

''جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کو رکھ دو کیونکہ میں تمہیں قتل کروں گا''۔

ابو معلق نے کہا:

''ٹھیک ہے' تم ڈاکو ہو تمہیں میرے مال ومتاع سے غرض ہے۔ مجھے قتل کر کے تمہیں کیا ملے گا؟ تم میرا سامان لے لو اور مجھے جانے دو''۔

ڈاکو مسکرایا اور کہنے لگا:

''دیکھو جہاں تک مال کا تعلق ہے وہ تو میرا ہے ہی مگر میں مال کے ساتھ صاحب مال کو قتل بھی کرتا ہوں''۔

ابو معلق نے اس کو بہت سمجھایا اور قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ آخر کار ابو معلق اس سے کہنے لگے:

اِذْ اَبَیْتَ فَذَرْنِیْ اُصَلِّیْ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ ۔

''ٹھیک ہے اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو مجھے چار رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو''۔

ڈاکو کہنے لگے: ''جتنی مرضی نماز پڑھو مجھے کوئی اعتراض نہیں''۔

ابو معلق نے وضو کیا اور نفل پڑھنے لگے' ادھر ڈاکو ان کے سر پر کھڑا ہے اور منتظر ہے' کب وہ نماز ختم کریں اور وہ ان کو قتل کر دے۔ آخری سجدہ میں انہوں نے اللہ کے حضور خصوصی دعا فرمائی:

يَا وَدُوْدُ' يَاذَ الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ' يَا فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ' أَسْأَلُكَ بِعِزِّكَ الَّذِىْ لَا يُرَامُ' وَمُلْكِكَ الَّذِىْ لَايُضَامُ وَبِنُوْرِكَ الَّذِىْ مَلَأَ أَرْكَانَ عَرْشِكَ' أَنْ تَكْفِيَنِىْ شَرَّ هٰذَا اللِّصِّ . يَامُغِيْثُ أَغِثْنِىْ' يَا مُغِيْثُ أَغِثْنِىْ' يَا مُغِيْثُ أَغِثْنِىْ .

''اے بہت زیادہ محبت کرنے والے! اے بزرگ ترین عرش کے مالک! اے جو چاہے وہ کرنے والے! میں تیری اس عزت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی اور تیرے اس نور کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں جہاں ظلم و زیادتی نہیں ہوتی اور تیرے اس نور کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں جس نے تیرے عرش کے اردگرد کو بھر رکھا ہے کہ تو اس ڈاکو کے شر سے میری حفاظت فرما۔ اے فریاد رس! میری فریاد رسی فرما۔ اے پکار سننے والے! میری پکار سن۔ اے مظلوموں کا جواب دینے والے! مجھے اس ظالم سے بچا''۔

تین مرتبہ انہوں نے اس دعا کو دہرایا اور ادھر اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی۔ ایک گھڑ سوار اپنے بھالے کو سنبھالتا ہوا سیدھا اس ڈاکو کی طرف بڑھا اور آناً فاناً اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا پھر ابو معلق اس شہسوار کی طرف بڑھے اور اس سے پوچھا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کون ہیں؟ آج آپ کی بروقت مدد کی وجہ سے میری جان بچ گئی ورنہ یہ ڈاکو تو مجھے قتل ہی کر دیتا''۔

شہسوار نے کہا:

''میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں جب تم نے پہلی مرتبہ دعا مانگی تو میں نے

آسمان کے دروازوں پر کھٹکھٹانے کی آواز سنی جب تم نے دوسری مرتبہ دعا مانگی تو میں نے آسمان والوں کی ایک زوردار آواز سنی جب تم نے تیسری مرتبہ دعا مانگی تو کہا گیا کہ ایک پریشان حال دعا مانگ رہا ہے میں نے اللہ رب العزت سے عرض کی: مجھے اس کے دشمن کے قتل پر مقرر فرما دے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وضو کرے' چار رکعت نماز پڑھے اور مذکورہ دعا پڑھے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے خواہ وہ پریشان حال ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

(الاستیعاب دارالکتب العلمیہ ۴/۳۲۳ حاشیۂ اسد الغابہ ۶/۲۸۹)

(41)

تمہیں محتاجی کا خوف کیوں؟

حضرت سیّدنا ابوالقاسم بن جبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ حضرت سیّدنا ابراہیم حربی علیہ الرحمہ اتنے شدید بیمار ہوئے کہ قریب المرگ ہوگئے۔ میں ان کے پاس گیا تو فرمایا:

''اے ابوقاسم! میں اور میری بیٹی ایک امرِ عظیم میں مبتلا ہیں''۔ پھر اپنی صاحب زادی سے فرمایا: ''بیٹی! یہ تمہارے چچا ہیں' ان کے پاس جاؤ اور گفتگو کرو''۔

اس نے چہرے پر نقاب ڈالا اور میرے قریب آ کر کہا:

''اے میرے چچا! ہم بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں' عرصہ دراز سے ہم خشک روٹی کے ٹکڑے اور نمک کھا کر گزارہ کر رہے ہیں۔ کل خلیفہ معتضد باللہ کی طرف سے میرے والدِ محترم کو ایک ہزار دینار اور ایک قیمتی موتی بھیجا گیا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فلاں فلاں نے تحائف وغیرہ بھجوائے لیکن انہوں نے وہ بھی قبول نہ کیے''۔

اپنی بیٹی کی یہ بات سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''اے میری بیٹی! کیا تمہیں محتاجی کا خوف ہے؟'' کہا: ''ہاں!''

فرمایا: ''میرے پاس اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے بارہ ہزار عربی مخطوطے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد روزانہ ایک ورق' ایک درہم کے بدلے بیچ دیا کرنا۔ میری بیٹی! اب بتاؤ کہ جس کے پاس اتنی قیمتی اشیاء موجود ہوں کیا وہ محتاج ہو سکتا ہے؟ ایسا شخص ہرگز مفلس و محتاج نہیں لہٰذا تم مفلسی و محتاجی سے بے خوف ہو جاؤ''۔

(عیون الحکایات امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ)

(42)

سلطان نورالدین زنگی کی سعادت مندی

سلطان عادل نورالدین زنگی نے ۵۷۷ھ میں نمازِ تہجد کے بعد ایک رات میں تین مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ حضورِ اکرم ﷺ دو شخصوں کو دِکھلا کر یہ ارشاد فرما رہے ہیں:

اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو تم ان دونوں سے مجھ کو بہت جلد بچاؤ''۔

سلطان یہ خواب دیکھ کر گھبرا گیا اور اپنے دین دار صالح وزیر جمال الدین موصلی سے اپنے اس خواب کا تذکرہ کیا تو وزیرِ موصوف نے بے چین ہو کر انتہائی اضطراب میں یہ عرض کیا:

''اے سلطان عادل اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ضرور مدینہ منورہ میں کوئی بہت بڑا حادثہ نمودار ہو گیا لہٰذا اب ایک لمحہ کے لیے بھی یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے اور انتہائی ضروری ہے کہ ہم دونوں نہایت خاموشی کے ساتھ بالکل ہی پُراسرار طریقہ سے فوراً مدینہ منورہ حاضر ہو جائیں چنانچہ صرف تیس آدمیوں کے ہمراہ کثیر دولت لے کر تیز رفتار سواریوں پر سفر کر کے صرف سولہ روز میں سلطان مع وزیر کے ملک شام سے ناگہاں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سلطان نے مسجد نبوی میں دوگانہ ادا کر کے صلوٰۃ وسلام عرض کیا اور صحن میں بیٹھ گئے اور وزیر نے یہ اعلان کیا کہ سلطان اس وقت قبرِ انور کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور اہلِ مدینہ کو نذرانہ عقیدت کے طور پر ایک کثیر رقم ہر ہر فرد کو مرحمت فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا مدینہ منورہ کا ہر باشندہ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا نذرانہ لے جائے چنانچہ تمام اہلِ مدینہ حضور سلطانی میں آ کر نذرانہ وصول کرتے رہے مگر جن دو شخصوں کو حضور پاک ﷺ نے خواب میں دِکھلایا تھا وہ دونوں نظر نہیں آئے یہاں تک کہ جب لوگوں کی آمد کا

سلسلہ ختم ہو گیا تو سلطان نے دریافت فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص باقی رہ گیا ہے جو ابھی تک نذرانہ لینے نہیں آیا؟ لوگوں نے عرض کیا: باشندگانِ مدینہ میں سے تو کوئی شخص بھی باقی نہیں رہ گیا مگر روم کے رہنے والے دو انتہائی عابد و زاہد آدمی ایسے ہیں جو کبھی کسی کا عطیہ قبول نہیں کرتے بلکہ خود بے شمار مال و دولت مدینہ منورہ کے فقراء و مساکین پر تصدق کرتے رہتے ہیں صرف یہی دونوں ابھی تک بارگاہِ سلطانی میں حاضر نہیں ہوئے ہیں سلطان نے فوراً ہی ان کو حاضر کرنے کا حکم دیا چنانچہ دونوں سلطان کے سامنے آئے تو حیرت و استعجاب سے سلطان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہی وہ دونوں شخص تھے جن کو خواب میں دِکھلا کر حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا تھا: ''اے نورالدین! تم ان دونوں کو مجھ سے جدا کرو''۔ سلطان نے ان دونوں سے فرمایا: ''تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟'' دونوں نے جواب دیا: ''ہم لوگ بلادِ مغرب کے رہنے والے ہیں۔ امسال حج کے لیے آئے تھے اور اب ایک سال تک کے لیے ہم نے یہاں روضہ منورہ کے مجاور بن کر رہنے کا عزم کر لیا ہے''۔ سلطان نے غضب سے تیوری چڑھا کر کئی بار فرمایا: ''تم لوگ سچ سچ بولو''۔

مگر وہ دونوں ہر بار نہایت جرأت کے ساتھ یہی کہتے رہے۔ بالآخر سلطان نے ان دونوں کی قیام گاہ کا پتہ دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ دونوں روضہ منورہ کے بالکل قریب ایک رباط کے اندر مقیم ہیں۔ سلطان نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا اور خود ان کے کمرہ میں داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ کمرہ میں بے شمار درہم و دینار کا انبار لگا ہوا ہے، طاقوں پر چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور دو مہریں پڑی ہیں۔ کمرے میں اس کے کچھ کوئی نظر نہ آیا۔ سلطان نے جب اہلِ مدینہ کے عمائد واشرف سے دونوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو سب نے کہا: یہ دونوں نہایت مردِ صالح ہمیشہ کے روزہ دار، زاہد شب زندہ دار، تہجد گزار ہیں۔ دن رات روضۂ انور پر حاضر رہتے ہیں، روزانہ صبح کو جنت البقیع اور ہر سنیچر کو مسجد قبا کی زیارت کو جاتے ہیں اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے اور امسال کی قحط سالی میں مدینہ منورہ کے باشندوں کے بے انتہا مالی مدد کی ہے۔ سلطان ان دونوں کی زاہدانہ صورتوں کو دیکھ کر اہلِ مدینہ کی مدح سرائی سن سن کر محوِ حیرت تھا اور پیکرِ تعجب بن کر کمرے میں بار بار چکر لگاتا

اور اوپر نیچے دیکھتا رہا یہاں تک کہ سلطان نے کمرے کے فرش اور چٹائی اُٹھانے کا حکم دیا جب چٹائی اُٹھائی گئی تو ناگہاں یہ نظر آیا کہ زمین میں اتنی گہری سرنگ کھودی ہوئی ہے جو قبرِ انور تک پہنچ چکی ہے۔ سلطان اور اہلِ مدینہ یہ ہوشربا منظر دیکھ کر ایک دَم سناٹے میں آ گئے اور ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سلطان نے غصہ میں سرخ انگارہ بن کر تڑپتے ہوئے پوچھا کہ تم سچ بول دو کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کچھ دیر تو دونوں خاموش رہے مگر جب ان دونوں پر کوڑوں کی مار پڑنے لگی تو دونوں کہنے لگے:

''اے سلطان! ہم دونوں نصرانی ہیں، ہم کو روم کے نصرانیوں نے مغربی حجاج کے ساتھ بے شمار مال و دولت دے کر اس مقصد کے لیے یہاں بھیجا ہے کہ ہم قبرِ انور کھود کر پیغمبرِ اسلام کے جسم انور کو لے جائیں چنانچہ ہم لوگ ساری رات نقب کھودتے ہیں اور مٹی کو ایک تھیلے میں جمع کر کے روزانہ صبح کو جنت البقیع کے قبرستان میں پھینک دیتے ہیں۔ یہ نقب بالکل قبر شریف تک پہنچ چکا ہے اور کل ہی رات ہم جسم مبارک نکالنے والے تھے مگر ناگہاں شدید بارش اور برق و باد کا طوفان آ جانے سے ہم یہ کام نہ کر سکے۔ آج صبح کو اچانک سلطان تشریف لائے ہم گرفتار ہو گئے''۔

سلطان نورالدین ان ناپاک ظالموں اور خوف ناک مجرموں کا لرزہ خیز اور دل ہلا دینے والا بیان سن کر لرزہ براندام ہو گیا اور جوشِ غضب میں روضۂ انور کی دیوار پکڑ پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا پھر غیظ و غضب میں بے خود ہو کر اپنی تلوار سے ان دونوں ملعونوں کا سر اُڑا دیا اور ان کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا اور اپنی خوش نصیبی پر ناز کر کے خداوند کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرنے لگا اور کہنے لگا:

''حضور پاک ﷺ کا مجھ پر کتنا بڑا کرم ہے کہ تمام جہان والوں میں سے اس خدمت کے لیے مجھ کمترین غلام کو منتخب فرمایا اور تین تین مرتبہ خواب میں مجھے اپنے دیدارِ پُرانوار سے مشرف فرما کر اس خدمت کے لیے مامور فرمایا''۔

سلطان بار بار یہی کہتے تھے اور ان کی اشک بار آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات

گوہر آبدار ان کے چمکتے ہوئے رخسار پر نثار ہو رہے تھے اس خوشی میں سلطان نے بے شمار دولت لٹا کر غریبوں کو مالا مال اور مسکینوں کو نہال کر دیا پھر روضۂ انور کے اردگرد چاروں طرف نہایت گہری نیو کھدوا کر سیسہ پگھلا کر اس نیو میں بھروا دیا تا کہ قبرِ انور کے گرد سیسہ کی دیوار میں کوئی نقب نہ لگا سکے۔ (وفاء الوفاج ۲ ص ۶۴۸)

ایک اور ملعون منصوبہ ناکام

جب مصر کے عبیدی خاندان کے بادشاہ کا حجاز پر بھی تسلط ہو گیا تو بعض زندیقوں نے بادشاہ کو یہ ناپاک مشورہ دیا کہ اگر روضہ منورہ کو کھود کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسمِ انور اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مبارک جسموں کو مدینہ منورہ سے منتقل کر کے مصر میں دفن کر دیا جائے تو مصر کی عزت و عظمت میں چار چاند لگ جائیں گے کہ تمام دنیائے اسلام کے زائرین بجائے مدینہ منورہ کے مصر آنے لگیں گے۔ احمق و بے دین بادشاہ مصر کو یہ مشورہ پسند آ گیا اس نے اپنے ایک بہت ہی معتمد درباری کو اس مہم کے لیے مدینہ بھیج دیا جس کا نام ابوالفتوح تھا۔ اہلِ مدینہ کو اس ناپاک منصوبہ کی خبر ہو گئی تھی جیسے ہی ابوالفتوح کا قافلہ اس منحوس عزم کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوا مدینہ کے ایک قاری نے مجمع عام میں یہ تلاوت کر دی:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (توبہ)

''کیا تم لوگ اس قوم سے جنگ نہ کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو نکالنے کا عزم کر لیا حالانکہ انہیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے کیا ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو''۔

قاری نے ایسے پُر درد لہجے میں آیت کو پڑھا کہ اہلِ مدینہ کے قلوب میں محبت رسول ﷺ کے جوش و خروش کا ایک آتش فشاں پھٹ پڑا اور لوگ غیظ و غضب میں بھر کر اتنے

جوش اور طیش میں آ گئے کہ ابوالفتوح اور اس کے ہمراہیوں کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالنے کا عزم بالجزم کر لیا اور اس رات اچانک ایسی خوفناک آندھی آئی کہ اونٹ مع پالان کے اور گھوڑے مع زین اور سوار کے گیند کی طرح زمین پر لڑھکتے ہوئے نظر آنے لگے۔ یہ قدرتی مناظر دیکھ کر ابوالفتوح کے دل میں ایسا خوف و ہراس طاری ہوا کہ وہ مارے دہشت کے بید کی طرح لرزنے اور کانپنے لگا اور قسم کھا کھا کر یہ اعلان کرنے لگا کہ بادشاہِ مصر میرا سر بھی کاٹ لے پھر بھی اس ملعون منصوبہ پر ہرگز ہرگز کبھی عمل نہیں کروں گا۔ یہ سن کر اہلِ مدینہ کا جوش ٹھنڈا ہوا اور اپنی جان بچا کر ابوالفتوح مصر چلا گیا اور بادشاہ کو اتنا خوف دلایا کہ اس کے ہوش اُڑ گئے اور وہ اس منصوبے سے تائب ہو گیا۔ (جذب القلوب ص ۱۳۶)

چالیس حلبی زندہ درگور

''محب طبری'' نے اپنی کتاب الریاض النضرۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حلب کے کچھ رافضیوں نے لاکھوں اشرفیوں کی رقم اور بے شمار تحائف امیر مدینہ کی خدمت میں رشوت کے طور پر اس مقصد کے لیے پیش کیے کہ وہ انہیں مسجد نبوی ﷺ میں رات بھر رہنے اور روضۂ مبارک میں نقب لگا کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مبارک جسموں کو قبرِ انور سے نکال کر لے جانے کی اجازت دے۔ رشوت خور بدکار امیر لالچ کا شکار ہو گیا اور ان خونخوار درندوں کو مسجدِ نبوی ﷺ میں رات بھر رہنے اور اپنا منصوبہ پورا کرنے کی اجازت دے دی اور مسجد نبوی ﷺ کے شیخ الخدام ''شمس الدین صواب'' کو حکم دے دیا کہ جس وقت رات میں ان روافض کا گروہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہونا چاہے ان کے لیے دروازے کھول دینا۔ شمس الدین صواب کا بیان ہے:

''آدھی رات کو چالیس آدمیوں کا گروہ کدال پھاوڑے اور دوسرے کھدائی کے آلات و سامان سے مسلح ہو کر مسجد نبوی میں داخل ہوا اور میں مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر رونے لگا مگر اپنے مولیٰ کی شان کے قربان کہ جیسے ہی یہ مردود لوگ منبر شریف کے قریب پہنچے ایک دم سب کے سب زمین میں دھنسنے لگے یہاں تک کہ سب زندہ درگور ہو گئے۔ دو تہائی رات گزرنے کے بعد امیر

Scanned with CamScanner

مدینہ نے مجھے طلب کر کے ان لوگوں کا حال پوچھا تو میں نے آنکھوں دیکھا ماجرا عرض کر دیا کہ وہ سب لوگ زمین میں دھنس گئے۔ امیر مدینہ نے مجھے ڈانٹ کر کہا: تم بالکل پاگل دیوانے ہو گئے ہو بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ پتھر کے فرش میں چالیس آدمی زمین کے اندر دھنس جائیں؟ میں نے عرض کیا: امیر خود چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ابھی تک ان لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا نشان باقی ہے اور ابھی تک ان کے کچھ لباس وغیرہ زمین میں دھنسے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ یہ سن کر امیرِ مدینہ سناٹے میں آ گیا اور کہنے لگا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا ورنہ تلوار سے تمہارا سر اُڑا دوں گا''۔ (جذب القلوب ص ۱۲۷)

برادرانِ ملت! مذکورہ بالا تینوں حکایات کو پڑھ کر اندازہ لگایئے کہ زمانہ ماضی میں دشمنانِ اسلام نے حضورِ اکرم ﷺ کی توہین اور ایذاء رسانی کے لیے کیسی کیسی خوف ناک سازشیں کیں اور کیسے کیسے گندے اور گھناؤنے منصوبے بنائے مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ کتنا حق اور سچا ہے:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ''اے محبوب! اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا''۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

کفارِ مکہ بڑی بڑی کوششیں اور انتہائی جدوجہد کرتے رہے کہ پیغمبر اسلام کا خاتمہ کر کے اسلام کا نام ونشان مٹا دیں۔ کبھی رات میں کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر کے پیغمبر برحق کے قتل کا منصوبہ بنایا، کبھی دورانِ سفر میں رات کے اندھیرے میں اچانک قتل کر دینے کا پلان تیار کیا، کبھی میدانِ جنگ میں حملہ کر کے شہید کر دینے کا عزم کیا، کبھی جادو کر کے کبھی زہر کھلا کر مار ڈالنے کا پروگرام بنایا۔ غرض پیغمبر اسلام کے نام ونشان کو مٹا دینے کے لیے کوئی ایسی دسیسہ کاری نہیں تھی جس کو کفار نے نہ کیا ہو لیکن خداوندِ قدوس نے اپنے حبیب ﷺ سے یہ وعدہ فرما لیا تھا کہ اے محبوب! اللہ آپ کو ان لوگوں سے بچائے گا چنانچہ ہر موقع پر خدا کا وعدہ پورا ہوا اور جب بھی کفار نے کوئی سازشی حملہ کی اور چراغِ نبوت کو بجھا دینے کا ارادہ کیا تو اللہ کی طرف

سے ایسی نصرت وحفاظت کا سامان ہو گیا کہ کفار کا منصوبہ ناکام ہو گیا اور قدرت پکار اُٹھی کہ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برادرانِ ملت! جس طرح حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عصمت وحفاظت کے حصار میں معصوم ومحفوظ بنایا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی دشمن رسول نہ آپ کو قتل کر سکا نہ آپ کا نام ونشان مٹا سکا اسی طرح آپ کی قبرِ انور کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حصارِ عصمت اور دائرۂ حفاظت میں اس طرح معصوم ومحفوظ فرما لیا ہے کہ کوئی دشمنِ رسول قبرِ انور تک دست درازی کر کے آپ کے وجودِ مقدس کی توہین اور ایذاء رسانی کی قدرت نہیں پا سکتا چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ روم کے نصاریٰ ہوں یا مصر کے ملحدین حلب کے روافض ہوں یا دوسرے ملعونین جس نے بھی قبرِ انور کھودنے کا پروگرام بنایا وہ خائب وخاسر اور ناکام ونامراد ہی رہا۔ ہر خوف ناک سے خوف ناک سازشی پلان کے موقع پر منادی قدرت کا یہی اعلان رہا کہ

مصطفیٰ ہے نورِ حق اس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برادرانِ اسلام! بلاشبہ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے اور حضرت شیخین کی کھلی ہوئی کرامت ہے کہ بڑی بڑی خطرناک کوششوں کے باوجود کوئی بڑے سے بڑا دشمن رسول بھی قبرِ منور کو توڑ پھوڑ نہ کر سکا نہ ویران وبرباد کر سکا۔ حد ہو گئی کہ نجدی حکمران ابن سعود وہابی کا جب حرمین شریفین پر غلبہ وتسلط ہو گیا تو اس ظالم نے جنۃ المعلیٰ اور جنت البقیع کے دونوں قبرستانوں کو توڑ پھوڑ کر ویران کر دیا اور صحابہ کرام واہلِ بیت عظام کی قبروں کو منہدم اور ان اکابر کی قبروں کو شہید کر کے مسمار کر دیا اور حرمین شریفین کے تمام مقابر کو تاخت وتاراج کر کے ان پر سڑکیں اور مکانات بنوا دیئے مگر اہل اللہ کا یہ کٹر دشمن بھی اپنی بے پناہ کوششوں کے باوجود روضۂ انور اور قبرِ انور کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ باوجودیکہ گنبدِ خضریٰ کی عظمت و

Scanned with CamScanner

شان دیکھ کر بدبخت جل بھن گیا مگر اس مرکزِ ایمان اور اسلامی نشان کو صنم اکبر کہنے کے سوا یہ بدزبان اور کچھ نہ کر سکا اور الحمدللہ! آج بھی گنبد خضریٰ کا جاہ و جلال اور قبرِ منور کا حسن و جمال اہلِ ایمان کی نگاہوں کو نورِ عرفان سے مالا مال اور بدباطنوں، بے ایمانوں کو رنج و ملال کی ٹھوکروں سے پامال کر رہا ہے۔ وللہ الحمد

برادرانِ ملت! ان حکایات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں اور تمام جہان والوں کے نیک و بد اعمال آپ کے پیشِ نظر ہیں اور آپ کو قبر شریف میں بھی اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے تصرفات کی طاقت و قدرت بخشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اپنی بارگاہ کے مجرموں کو سزا دلانے کے لیے ملک شام سے سلطان نور الدین کو طلب فرمایا اور کبھی خود ہی اپنی نگاہِ قہر سے ملعونوں کو زندہ درگور فرما دیا تاکہ اس شبہ کا قلع قمع ہو جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دشمنوں کو دفع کرنے میں کسی کے محتاج ہیں۔

برادرانِ ملت! یہ ایمان کی بات ہے کہ خداوند عالم نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو تصرفات کی یہی عظیم قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ زمین کے اوپر ہوں یا قبرِ انور کے اندر ہر جگہ آپ کے ادنیٰ چشم ابرو کے اشارے سے زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔ آپ اگر سلطان نور الدین یا کسی اور سے کوئی خدمت طلب فرمالیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ خود اس کام سے عاجز ہیں بلکہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی خداداد طاقت سے اس کام کو انجام دے سکتے تھے مگر یہ آپ کا کرم سلطانی ہے کہ اس خدمت سے اپنے کسی غلام کو سرفراز فرما دیا جس کی بدولت وہ غلام عزت دارین کی سلطنت کا تاج دار بن گیا۔ حضرت شیخ سعدی نے اسی نقطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یعنی تم یہ احسان نہ جتاؤ کہ تم بادشاہ کی خدمت کرتے ہوئے تم بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تم کو اپنی خدمت پر رکھ لیا ہے۔

پھر ان تینوں حکایات پر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ روم کے نصاریٰ مصر کے زنادقہ اور

حلب کے روافض کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت شیخین کے اجسام مبارکہ قبر کے اندر سلامت ہیں۔ چنانچہ اپنے اسی اعتقاد کی بناء پر تو ان لوگوں نے قبرِ انور سے ان مقدس جسموں کو نکال کر منتقل کرنے کی جدوجہد کی۔ یہ اس دور کے بدعقیدہ مسلمان کہلانے والوں کے لیے بڑی عبرت کا مقام ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضورِ اکرم ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے اور قبرِ انور ایک مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اہلِ انصاف فیصلہ کریں کہ یہ برائے نام مسلمان کہلانے والے اس معاملہ میں نصاریٰ اور روافض سے بھی گئے گزرے کہلائیں گے یا نہیں؟

مسلمانو! یہ قیامتِ صغریٰ نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک نصرانی تو اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے اور عقیدہ رکھتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ ۔

"یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء کے مقدس جسموں کو کھائے"۔

مگر ایک مدعی اسلام کھلم کھلا اس بدعقیدگی کا پرچار کرتا پھر رہا ہے کہ (معاذ اللہ) نبی مر کر مٹی میں مل گئے۔

بہرکیف حضور نبی اکرم ﷺ کے خداداد تصرفات اور حیاۃ النبی کا مسئلہ مسلمانانِ اہلسنّت کا وہ متفق علیہ اعتقادی مسئلہ ہے جس میں کسی اہلِ حق کا اختلاف نہیں اس موضوع پر مولانا ارشد القادری کے چند نعتیہ اشعار کس قدر روح پرور اور ایمان افروز ہیں

جس سے تم روٹھو برگشتۂ دنیا ہو جائے
جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے
آنکھ اُٹھا دو تو کڑی دھوپ میں ساون برسے
مسکرا دو تو اندھیرے میں اجالا ہو جائے
قہر سے دیکھو تو بجھ جائے چراغِ ہستی
اور ہنس دو تو مری خاک بھی زندہ ہو جائے
ذرے ذرے میں اُجالا ہے تمہارے رُخ کا
تم جو منہ پھیر لو عالم میں اندھیرا ہو جائے

Scanned with CamScanner

یاد گیسوئے نبی ﷺ کو دے جلوۂ شام
بات عارض کی جو چھیڑوں تو سویرا ہو جائے

گستاخ کے سر پر پتھر

۹۱ ہجری میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے مدینہ منورہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کے لیے قبرِ انور کے حجرہ کی دیواروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ دیوار گرتے ہی قبرِ انور نظر آنے لگی ایک رومی معمار جو نصرانی تھا اس نے دیکھ کر اس وقت مسجد میں کوئی مسلمان نہیں ہے، اپنے نصرانی ساتھیوں سے کہا:

''پیغمبر اسلام کی قبر پر پیشاب کروں گا''۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ

اس کے ساتھیوں نے اس کو ناپاک ارادہ سے ہر چند منع کیا مگر وہ ملعون نہیں مانا لیکن ابھی وہ اس ارادہ بد سے چلا ہی تھا کہ اوپر سے ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور اس کا بھیجا پاش پاش ہو کر بکھر گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر بہت سے نصرانی معمار اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(وفاالوفاء ج ۲ ص ۵۱۹)

یہ خداوند کریم کی عدالتِ کریمہ ہے کہ وہ اپنے دربار کے مجرموں کو کبھی کبھی سزا بھی دیتا ہے لیکن اکثر معاف فرما دیتا ہے مگر اپنے محبوبوں کی بارگاہ کے مجرموں کو اس قہار و جبار کی قہاری و جباری کبھی معاف نہیں فرماتی بلکہ ضرور ضرور عذاب میں مبتلا فرما دیتی ہے اس لیے جو لوگ اپنی بدعقیدگی یا جہالت سے انبیاء و اولیاء کی قبروں کے بارے میں زبان درازی یا عملی بے ادبی کرتے ہیں انہیں ہوش میں آنا چاہیے کہ خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے اور اس کا اپنے محبوبوں سے بڑا پیار ہے اور اپنے محبوب اور پیارے کی ہر چیز محبوب اور پیاری ہوتی ہے پھر خداوند تعالیٰ کے محبوب مطلق نبی برحق حضور اکرم ﷺ کی قبر مکرم کا تو کیا کہنا؟ اللہ اکبر کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے

(43)

اللہ تعالیٰ بُرے خاتمے سے بچائے

عبدالعزیز بن ابی رواد سے ابن رجب روایت کرتے ہیں:

''میں ایک شخص کے وقتِ نزع میں اس کے پاس موجود تھا اور اس کو کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی تلقین کر رہا تھا مگر اس کی زبان پر یہ کلمات نہیں آ رہے تھے۔ آخری جملہ جو اس کی زبان سے نکلا وہ اس کلمہ سے انکار پر مشتمل تھا پھر اس کی موت واقع ہو گئی میں نے اس کے بارے میں پوچھا کہ اس کی سابقہ زندگی کیسی تھی؟ جواب ملا وہ شراب کا عادی تھا''۔ شیخ عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے: ''گناہوں سے بچو، یہ انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں''۔

ربیع بن سبرہ بن معبد جہنی سے جو کہ بصرہ کے مشہور عابدوں میں سے تھے، امام قرطبی روایت کرتے ہیں:

''وہ ملک شام میں چند لوگوں کے پاس تھے، ایک شخص قریب المرگ تھا اس سے کہا گیا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہو۔ وہ جواب میں کہتا تھا: خود بھی پیو اور مجھے بھی جام بھر دو۔ اسی طرح ایک اور شخص سے کہا گیا: ''لا الٰہ الا اللہ'' کہو وہ جواب میں کہتا تھا دس کے دو، دس کے دو۔ یہ شخص اشیاء فروخت کرتا تھا اور ہر وقت یہی کلمات کہتا رہتا تھا''۔ ابن قیم اپنی کتاب جواب الکافی میں لکھتے ہیں: ''ایک قریب المرگ آدمی کو ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنے کی تلقین کی گئی تو جواب میں اس نے کہا: ''آہ! آہ! میری زبان ساتھ نہیں دے رہی''۔

ایک اور شخص سے کہا گیا تو وہ جواب میں شطرنج کے دو پتھروں کے نام شاہ اور رخ پکارتا تھا۔ یہ اکثر شطرنج کھیلتا تھا اور یہ الفاظ آخری وقت اس کی زبان پر تھے۔

(سنہرے اوراق)

Scanned with CamScanner

(44)

میں اسی لیے اپنے بیٹے کی موت کا متمنی تھا

حضرت سیّدنا محمد بن خلف وکیع علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حضرتِ سیّدنا ابراہیم حربی علیہ الرحمہ کا گیارہ سالہ اکلوتا بیٹا حافظِ قرآن، دینی مسائل سے واقف، بہت ہی فرماں بردار اور ذہین تھا۔ اچانک اس کا انتقال ہو گیا۔ میں نے تعزیت کی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں تو خود اس کی موت کا متمنی تھا''۔ میں نے کہا:

''آپ صاحبِ علم ہو کر اپنے فرمانبردار اور ذہین بیٹے کے بارے میں ایسی باتیں کر رہے ہیں حالانکہ وہ تو قرآن وحدیث اور فقہ کا جاننے والا تھا''۔ فرمایا:

''میں نے خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہوگئی اور میدانِ محشر میں گرمی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ہاتھوں میں پیالے لیے، بڑھ بڑھ کر لوگوں کو پلا رہے ہیں۔ میں نے ایک بچے سے کہا: ''بیٹا! مجھے بھی پانی پلاؤ''۔ بچے نے میری طرف دیکھ کر کہا: ''تم میرے والد نہیں ہو (میں تمہیں پانی نہیں پلا سکتا''۔

میں نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' کہا: ''ہمارا انتقال چھوٹی عمر میں ہو گیا تھا اور ہم اپنے والدین کو دنیا میں چھوڑ کر یہاں آگئے اب ان کے انتظار میں ہیں کہ وہ کب ہمارے پاس آتے ہیں؟''

جب وہ آتے ہیں تو ہر بچہ اپنے والدین کو پانی پلاتا ہے''۔

خواب بیان کرنے کے بعد حضرت سیّدنا ابراہیم حربی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''میں اسی لیے اپنے بیٹے کی موت کا متمنی تھا''۔ (عیون الحکایات)

(45)

عشقِ الٰہی میں سرشار عبادت گزار کا حال

ابو العباس شیخ شہاب الدین احمد بن سلامہ علیہ الرحمہ نوادر القلیوبی میں لکھتے ہیں:

''ایک آدمی نے ایک غلام خریدا، غلام نے مالک سے کہا: اے آقا! میں آپ سے تین شرطیں چاہتا ہوں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آجائے تو مجھے نماز پڑھنے سے نہ روکیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ آپ مجھ سے دن کو خدمت لیں اور رات کو مجھے اپنی خدمت میں مشغول نہ رکھیں اور تیسری شرط یہ ہے کہ میرے واسطے ایک کوٹھڑی مقرر کر دیجیے کہ میرے علاوہ دوسرا اس میں نہ داخل ہو سکے۔ آقا نے یہ سب شرطیں منظور کر لیں اس غلام نے مکان کی کوٹھڑیوں کا چکر لگایا اور ایک ویران کوٹھڑی کو پسند کیا۔ آقا نے کہا:

''تم نے یہ ویران کوٹھڑی کیوں پسند کی ہے؟'' اس نے کہا:

''اے میرے سردار! کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ ویران مقام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد ہو جاتا ہے''۔

چنانچہ وہ غلام رات کو اس کوٹھڑی میں رہنے لگا اتفاقاً اس کے آقا نے ایک رات شراب اور ناچ رنگ وغیرہ کی ایک مجلس منعقد کی پس جب آدھی رات ہوئی اور اس کے احباب منتشر ہو گئے تو مالک غلام اُٹھا اور گھر کا چکر لگایا جب غلام کے حجرے کی چھت پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں نور کی ایک قندیل ہے جو اوپر سے نیچے کو لٹکی ہوئی ہے اور وہ غلام سجدے میں اپنے پروردگار سے مناجات اور دعا کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ:

اِلٰهِیْ اَوْجَبْتَ عَلَیَّ خِدْمَةَ مَوْلَایَ نَهَارًا وَّلَوْلَاهُ مَا اشْتَغَلْتُ اِلَّا

Scanned with CamScanner

بِخِدْمَتِكَ لَيْلِىْ وَنَهَارِىْ فَاعْذُرْنِىْ رَبِّىْ ۔

"اے میرے معبود! تو نے دن میں مالک کی خدمت میرے ذمہ واجب کر دی ہے اگر میرے ذمہ یہ خدمت نہ ہوتی تو رات دن صرف تیری ہی خدمت میں مشغول رہتا۔ اے میرے رب! تو مجھے معذور رکھ"۔

مالک طلوعِ صبح تک اس منظر کا نظارہ کرتا رہا اس کے بعد وہ قندیل آسمان پر چلی گئی اور چھت بند ہوگئی۔ مالک نے اپنی بیوی سے یہ واقعہ بیان کیا جب دوسری رات آئی تو مالک اور اس کی بیوی حجرے کی چھت پر پہنچے دیکھا کہ قندیل لٹکی ہوئی ہے اور غلام سجدہ اور مناجات میں طلوعِ صبح تک مشغول ہے۔ اگلے دن میاں بیوی نے غلام کو بلایا اور اس سے کہا:

"تو اللہ کے واسطے آزاد ہے تا کہ تو اس ذات پاک کی عبادت کے واسطے فارغ ہو جائے جس سے تو معذرت کرتا تھا"

اور ان دونوں نے غلام کو اس کی ان کرامتوں سے خبردار کیا جو انہوں نے گزشتہ رات میں دیکھی تھیں۔ غلام نے یہ سن کر دونوں ہاتھ اُٹھائے اور کہا:

اِلٰهِىْ كُنْتُ اَسْئَلُكَ اَنْ لَّا تَكْشِفَ سِرِّىْ وَاَنْ لَّا تَظْهَرَ حَالِىْ فَاِذَا اَكْشَفْتَهٗ فَاقْبِضْنِىْ اِلَيْكَ فَخَرَّ مَيِّتًا ۔

"اے میرے معبود! میں نے تجھ سے دعا کی تھی کہ میرا راز اور پردہ کسی پر نہ کھولنا اور میرا حال ظاہر نہ کرنا اب جب کہ تو نے اس کو فاش کر دیا ہے تو میری روح قبض کر کے اپنے پاس بُلا لے"۔

چنانچہ وہ مردہ ہو کر گر پڑا اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ (نوادر القلیوبی)

(46)

حسنِ اخلاق اور دینِ اسلام

اہل اللہ کے نزدیک حسنِ اخلاق کا کیا درجہ و مرتبہ ہے؟ حسنِ اخلاق کی ان کے نزدیک کتنی اہمیت ہے، اپنی تعلیمات، ہدایات، ملفوظات اور عمل سے اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنے پر انہوں نے کتنا زور دیا ہے اور اپنے خلفاء و مریدین کی تعمیر شخصیت کے لیے اخلاقِ حسنہ اپنانے کو انہوں نے کتنا لازمی قرار دیا ہے؟ ہر کسی سے لطف و احسان اور خلق و مروت سے پیش آنا ان کے نزدیک کتنا ضروری ہے؟ زائرین کی دلجوئی اور پریشان حال و غم زدہ لوگوں کے دِلوں کو خوش کرنا ان کے نزدیک اور اوراد و وظائف اور عبادات سے بھی کس طرح زیادہ اہمیت رکھتا ہے؟ ان چیزوں کو عرض کرنے سے قبل یہ بتا دینا اور یہ مغالطہ دُور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حسنِ اخلاق صرف صاف ستھرا لباس پہننے کا نام نہیں۔ اچھی سوسائٹی میں بیٹھنے کا نام نہیں، کوئی ملنے آئے تو اس کے احترام میں کھڑے ہونے کا نام نہیں، صرف خندہ پیشانی سے پیش آنے کا نام نہیں، صرف نرم و شیریں گفتگو کا نام نہیں۔ حسنِ اخلاق اس کا نام ہے کہ

گر جاں طلبی حاضر است
گر زر طلبی سخن دریں است

بلکہ اخلاق حقوق العباد کو پورا کرنے اور خدمتِ خلق کا نام ہے۔ اخلاق سراپا ایثار اور قربانی کا نام ہے۔ اخلاق بندگانِ خدا کی ہمدردی و خیرخواہی کا نام ہے، مخلوقِ خدا کی نفع رسانی اور راحت رسانی کا نام ہے۔ خود ننگے، بھوکے رہنا اور دوسروں کو پہنانے اور کھلانے کا نام ہے، زخمی دِلوں کی مرہم کا نام ہے، معاشرے میں کم مرتبہ لوگوں کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کا نام ہے۔ غرباء و ضعفاء اور ہر ملنے والے کی دلجوئی کا نام ہے۔ کسی کی دل شکنی

نہ کرنے کا نام ہے‘ حلم و برداشت اور سراپا درگزر کا نام ہے۔ صوفیاء نے انہی چیزوں کو اپنی زندگی کا مشن اور مقصد وحید بنایا۔

یہی اخلاق انسان کو انسان بناتے ہیں‘ خالی خولی آدمی کی شکل وصورت کا نام انسان نہیں۔ شکل وشباہت‘ چہرے کی بناوٹ اعضاء جوارح‘ ہاتھ پاؤں اور ناک نقشہ کے لحاظ سے تو سب لوگ ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر سیرت واخلاق کے اعتبار سے ایک دوسرے میں زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔

گر بصورت آدمی انسان بودے
احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

اگر صرف شکل وصورت سے کوئی آدمی انسان بن سکتا ہوتا تو احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور ابوجہل میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

قرآن مجید نے ایسے لوگوں کو جو دل رکھتے ہیں‘ آنکھیں رکھتے ہیں‘ کان رکھتے ہیں مگر اللہ کی مطلوبہ سیرت واخلاق سے عاری ہیں‘ ان کو چوپایوں سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔

اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ۔ (سورۃ الاعراف:۱۷۹)

"وہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ"۔

"حالات ومقالاتِ صوفیہ" کے مرتب مولانا محمد ادریس الانصاری نے ایک فارسی شاعر کے حوالے سے کہا ہے

زنور چشم سر چیزے نیاید
دلے را نور چشمی می رباید
کہ عیسیٰ را و خر را چشم سر بود
مگر چشم دل عیسیٰ دگر بود

آنکھ کی بینائی سے انسان کی عزت نہیں بنتی ہاں دل کی بینائی اسے عظمت کے تخت پر بٹھاتی اور اسے عزت کا تاج پہناتی ہے۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی سر کی آنکھ رکھتے تھے اور ان کا خر (گدھا) بھی مگر عیسیٰ علیہ السلام کے دل کی آنکھ نے انہیں وہ مقام بخشا کہ کروڑوں

انسانوں کے وہ نورِ نظر اور لختِ جگر بن گئے۔ دراصل آدمی‘ اپنے اخلاق‘ علم وحلم‘ جود وسخا‘ عفو ودرگزر‘ ایثار ومحبت سے آدمیت کا مقام پاتا ہے اور آدمی کی یہی خوبیاں اور ان جیسی دوسری صفات ہی آدمی کا ایسا جوہر ہے جس کے باعث نہ صرف اس کا ماحول پر بہار اور اس کی زندگی خوش گوار بن جاتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے سکھائے ہوئے اخلاق پر عمل کر کے ہی انسانی معاشرہ ظلم واستبداد اور ہر طرح کے استحصال سے پاک ہو کر امن وسلامتی کا معاشرہ بن سکتا ہے۔

اور جو آدمی یہ صفات اور ایسے اخلاق اختیار نہیں کرتے‘ ان کا معاشرہ درندوں سے بدتر معاشرہ‘ ان کی دنیا دُکھ درد کی دنیا اور ان کا ماحول بدقسمت ماحول ہوگا۔ امریکہ‘ یورپ‘ چین‘ جاپان‘ روس اور افریقہ کے لوگوں کی زندگی ہمارے سامنے ہے

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ آدمیوں کی سیرت سازی پر محنت کرتے رہے اسی طرح وارثین انبیاء‘ اولیائے کرام بھی اپنی اور اپنے ماحول کی سیرت بنانے پر جان کھپانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو تزکیہ نفوس‘ تحلیہ اخلاق اور طہارت قلوب کا درس دیتے رہے۔

("حالات ومقالاتِ صوفیہ" ترتیب وترجمہ محمد ادریس الانصاری‘ مطبوعہ ادارہ تبلیغ اسلام‘ صادق آباد (پاکستان) ص ۱ تا ۳۱)

شیوۂ پیغمبری

بنی نوع انسان کے اخلاق کی درستگی کے لیے جدوجہد وہ کام ہے جس کے لیے پیغمبر مبعوث کیے گئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ اَوْمَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ۔

(الف) علی متقی ہندی‘ کنز العمال‘ "۲:۵"‘ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

(ب) مؤطا امام مالک‘ باب حسن الاخلاق)

''میں حسنِ اخلاق یا (فرمایا) مکارِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں''۔

قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کے فرائضِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورۂ آل عمران:۱۶۴)

''آپ ان کے دِلوں کو پاک صاف کرتے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتے ہیں''۔

قرآن مجید میں اور احادیثِ نبوی میں جگہ جگہ انسانی اخلاق کی درستگی کی ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورۂ البقرہ میں ہے:

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ اصلی نیکی اس کی ہے جو خدا پر' قیامت پر' فرشتوں پر' کتابوں پر' پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود (یا خدا کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ داروں کو' یتیموں کو' مسکینوں کو' مسافر کو' مانگنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں دیا اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوٰۃ دیتا رہا اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں''۔ (آیت:۱۷۷)

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔

''مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے''۔

(مشکوٰۃ (باب الرفق والحیاء وحسن الخلق' ص۴۳۲' طبع کراچی)

ایک جگہ فرمایا جاتا ہے کہ انسان حسنِ خلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ۔ (''مشکوٰۃ'' ص۴۳۲' ''ترمذی'' ابواب البر والصلہ ص۲۹۴' کراچی)

صوفیاء کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا

کرے اور دنیا کے دوسرے بسنے والوں کو مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک صاف کرے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات میں شگفتگی پیدا کرنا ٹوٹے ہوئے دِلوں کو جوڑنا بُرائی سے بچانا بھلائی کی طرف بلانا یہ وہ کام ہیں جو عبادت سے زیادہ اہم ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے:

''بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا' قرآن مجید کی تلاوت میں بہت مصروف رہنا' یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہیں۔ ہر باہمت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے' روزہ پر مداومت کر سکتی ہے۔ تہجد گزاری میں مصروف رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے لیکن مردانِ خدا کا کام کچھ اور ہی ہے۔ (سیر الاولیاء ص۴۵)

وفیات الاعیان لابن خلکان۔ میں حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ کا یہ قول موجود ہے:

لَاَنْ يَّتَلَطَّفَ الرَّجُلُ اَهْلَ مَجْلِسِهٖ وَيُحْسِنُ خُلُقَهٗ مَعَهُمْ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ قِيَامِ لَيْلِهٖ وَصِيَامِ نَهَارِهٖ۔ (ج۳) ص۲۱۶ تحت ترجمہ فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ)

''آدمی کا اہلِ مجلس کے ساتھ نرمی اور حسنِ اخلاق سے پیش آنا اس کے رات کے قیام اور دن کے روزے سے زیادہ بہتر ہے''۔

ایک دیدہ شہادت

نبی اکرم ﷺ کی اپنی ذاتی زندگی اسی حسنِ اخلاق' خدمتِ خلق' انسانی ہمدردی اور غم خواریٔ بے کساں سے عبارت تھی۔ آپ کے حسنِ اخلاق کی ایک شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ شہادت کا ذکر کر دینا یقیناً فائدہ سے خالی نہ ہو گا وہ یہ کہ غارِ حرا میں پہلی مرتبہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی جس کے اُٹھانے کی سکت پہاڑوں میں بھی نہ تھی' تو ایک طبعی سی گھبراہٹ اور خوف محسوس فرمایا اسی گھبراہٹ میں گھر تشریف لائے تو پندرہ سال سے انتہائی قریب سے آپ کے حالات واخلاق کو دیکھنے والی آپ کی زوجہ محترمہ اُم المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے عرض کیا:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ

وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتقری الضَّیْفَ وَتعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِ ۔

''ہرگز نہیں! قسم بخدا! اللہ کریم آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں' بے آسرا لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں' فقیر لوگوں کو کما کر دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے پہنچنے والے مصائب میں اہلِ حق کی اعانت کرتے ہیں''۔ (بخاری شریف ج ا ص ۳ طبع دہلی)

اتباع نبوی میں صوفیاء اپنے خلفاء و مریدین کی اپنے قول و عمل سے کس طرح اخلاقی تربیت فرماتے تھے اس تربیتی انداز کو جناب خلیق احمد صاحب نظامی کے الفاظ میں پڑھیے۔

''مشائخ اپنے خلفاء میں مکارمِ اخلاق پیدا کرنے کی بڑی کوشش فرماتے تھے' وہ چاہتے تھے کہ ان کے خلفاء مہر و محبت' عجز و انکساری' ہمدردی' خلوص کی جیتی جاگتی تصویریں ہوں''۔

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دلنواز

مصیبت زدہ غریب اس کی طرف دیکھے تو اس کے دل پر پھاہیہ سا لگ جائے۔ بات کرنے لگے تو ایسا محسوس ہو گویا پھولوں پر شبنم کی بارش ہو رہی ہے لیکن اگر کسی جابر کا مقابلہ کرنا پڑے تو عجز و انکسار کا یہی مجسمہ پہاڑوں سے زیادہ مضبوط بن جائے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو خوف زدہ نہ کر سکے۔

خلفاء میں کردار کی خوبیاں پیدا کرنے کے لیے مشائخ زبان سے نہیں' عمل سے کام لیتے تھے۔ دن رات خانقاہ میں رہنے والے خلفاء مریدین ان کے کردار کو دیکھتے تھے اور اس سے متاثر ہوتے تھے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

۱۵ محرم ۷۱۰ھ کو ایک شخص خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور ان کو

گالیاں دینے لگا۔ شیخ خاموشی سے سنتے رہے پھر اس کے سب مطالبات پورے کر دیئے جب وہ چلا گیا تو حاضرین کو بتایا کہ ایسا ہی ایک شخص ایک مرتبہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور ان سے بے باکی کے ساتھ کہنے لگا: ''تو بت بن کر بیٹھ گیا''۔

تو بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے نرمی سے جواب دیا:

''من نہ ساختہ ام' خدا تعالیٰ ساختہ است''

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پیر کا کردار کس طرح خاموشی کے ساتھ خلفاء و مریدین کے افکار و اعمال کو متاثر کرتا تھا۔

بے بس اور کمزور لوگوں کی گالیاں سن لینے والے اس شخص نے سلطان مبارک خلجی اور سلطان غیاث الدین تغلق کی جابرانہ قوت و سطوت کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا اس کے مریدوں نے اس سے استقامت کا سبق لیا۔ ایک قلندر نے حضرت چراغ دہلوی کے جسم کو چھریوں سے لہولہان کر دیا تو انہوں نے زبان سے اُف تک نہ کہا لیکن جب محمد تغلق نے غصہ سے بات کی تو جان کا خیال کیے بغیر پکار اُٹھے:

''اس جانوروں کے غصہ سے باز آؤ''۔

حقیقت یہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے عمل سے خلفاء کو یہ تعلیم دیتے تھے

رکھ وہی روش جو دریا کی ہے — ہلکے کو ترا بھاری کو ڈبو
عاجز کی کبھی تحقیر نہ کر — جابر کی کبھی تعظیم نہ کر
جھکنے سے سعادت ملتی ہے — کھینچے میں شقاوت ہے مضمر
سر سامنے ناحق کے نہ جھکا — توہین سر تسلیم نہ کر

(غیور احمد رزمی)

اور ان ہی اصولوں پر ان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی تھی۔

(''تاریخ مشائخ چشت'' ج ا ص ۳۶۷۔۳۶۸' طبع ادارہ ادبیات' دلی)

تعلیماتِ اولیاء کرام علیہم الرحمۃ

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اخلاقِ حسنہ کا یہ عالم تھا کہ اتنی بڑی رفعت شان کے

باوجود کسی بچہ اور لونڈی کے پاس کھڑے ہونے اور فقراء کے پاس بیٹھنے اور ان کے کپڑوں سے جوئیں نکالنے میں کوئی عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۱۲۸ طبع مصر)

خواجہ مودود چشتی کی تواضع و اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ضرورت مند آتا اس کو ہر قیمت پر راضی اور خوش کر کے واپس کرتے۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے سلام کرنے میں سبقت کرتے اور اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ اپنے غلام اور لونڈی سے بھی یہی برتاؤ کرتے۔ بعض لوگوں نے اس کو غیر مناسب سمجھا تو فرمایا ہمارے نبی پاک ﷺ کی یہی سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ تھا کہ سلام کرنے میں کبھی کسی نے آپ سے سبقت نہ کی پھر میں کیوں نہ ایسا کروں۔ (سیر الاقطاب اردو ص ۱۱۱ طبع کراچی)

شیخ احمد کبیر الرفاعی کا شمار کبار صوفیائے کرام میں ہوتا ہے' بڑے بڑے علماء و مشائخ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کی بابرکت صحبت سے فیض پایا۔ اتنی بڑی جلالت شان اور قدر و منزلت کے باوجود حضرت شیخ کی تواضع' انکساری اور انسانی ہمدردی و خیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ ''اُم عبیدہ'' نامی بستی (جہاں آپ کا قیام تھا) میں لنگڑے اور لنجے لوگوں کے پاس از خود تشریف لے جاتے' انہیں کپڑے دھو دیتے' ان کے جسموں اور بستروں کو صاف کرتے پھر ان کے لیے کھانا لاتے اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے۔ بعد ازیں گھنٹوں ان کے پاس بیٹھے رہتے اور ان سے دعا کراتے۔ فرمایا کرتے تھے ایسے معذور لوگوں کے پاس جانا اور ان کی خدمت کرنا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔

تواضع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے' یہ بچے کھیل رہے تھے' آپ کو دیکھ کر اور ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے۔ آپ ان کے پیچھے گئے اور فرمایا:

''مجھے معاف کر دو کہ میری وجہ سے تمہارا کھیل متاثر ہوا۔ واپس آؤ اور اپنی جگہ پر اسی طرح کھیلو جس طرح پہلے کھیل رہے تھے۔ نزدیک یا دُور کسی بستی میں کسی مریض کا پتہ چلتا تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ راستے میں اندھے لوگوں کا انتظار کرتے رہتے' کسی اندھے کو دیکھتے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزلِ مقصود تک پہنچاتے۔ کسی بزرگ اور سفید ریش کو دیکھتے تو اس کے

گھر تشریف لے جاتے اور گھر والوں کو اس کی تعظیم و توقیر کی وصیت فرماتے۔ کسی سفر سے واپس تشریف لے آتے اور ''ام عبیدہ'' بستی کے قریب پہنچتے تو اپنے پاس رکھی ہوئی رسی کو نکالتے' جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کرتے اور رسی میں لکڑیوں کا گٹھا باندھتے' ان کی دیکھا دیکھی آپ کے ہم سفر فقراء بھی لکڑیاں جمع کرتے۔ یہ تمام لکڑیاں بستی کی بیوہ عورتوں' مساکین' مریض' اندھے اور لنجے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ برائی کا بدلہ کبھی بُرائی سے نہ دیتے''۔

(الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۱۴۳ طبع مصر)

(47)

عیسائی طبیب کا سوال اور پھر قبولِ اسلام

ہارون رشید کا خصوصی ڈاکٹر ایک نصرانی طبیب تھا جو بہت ہی عقل مند اور خوب صورت آدمی تھا اور بادشاہ اس کے کمال سیرت و جمال صورت پر دل سے فریفتہ تھا ایک دن ہارون رشید نے اس سے کہا:

’’کاش تم مسلمان ہو جاتے تو میں تم کو اپنے دربار کا سب سے بڑا اعزاز عطا کرتا۔ طبیب نے جواب دیا کہ امیر المومنین! آپ کے قرآن کی ایک آیت مجھے اسلام قبول کرنے سے منع کرتی ہے ورنہ میں ضرور مسلمان ہو جاتا‘‘۔

ہارون رشید نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ طبیب نے کہا:

كَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۔

’’یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کی طرف ڈال دیا اور وہ اللہ کی روح میں سے ہے‘‘۔

دیکھئے: اس آیت میں ’’روح منہ‘‘ کا لفظ آیا ہے اور یہ من تبعیض کے لیے ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا جز و اور اس کا ایک ٹکڑا ہیں۔ طبیب کی یہ تقریر سن کر ہارون الرشید کو بڑا رنج و صدمہ ہوا اور اس نے اپنے دربار کے تمام علماء کو طلب کیا تا کہ طبیب کے اس شبہ کا ازالہ کریں مگر درباری علماء اس شبہ کا جواب دینے سے قاصر رہے اور ہارون رشید رنج و قلق سے بے قرار ہو گیا۔ اتنے میں پتہ چلا کہ مفسر علی بن الحسین مروزی حج سے واپس ہوتے ہوئے بغداد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہارون رشید نے فوراً ہی انہیں بھی دربار میں بلایا وہ بھی ناگہاں یہ سوال سن کر چکرا گئے اور فوراً جواب نہ دے سکے مگر انہوں

نے فرمایا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ خبیث نصرانی آپ کے دربار میں مجھ سے یہ سوال کرے گا لہٰذا میرا ایمان ہے کہ ضرور اس نے اپنی مقدس کتاب میں اس شبہ کا جواب دیا ہوگا جو اس وقت میرے خیال میں نہیں آ رہا ہے مگر میں ان شاء اللہ تعالیٰ جب تک اس کا جواب قرآن ہی سے نہ دوں گا خدا کی قسم! میرے لیے کچھ کھانا پینا حرام ہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک اندھیری کوٹھڑی میں داخل ہو گئے دروازہ بند کر کے قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے یہاں تک کہ سورۃ ’’جاثیہ‘‘ کی آیت: سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ زبان پر آئی تو مارے خوشی کے اُچھل پڑے اور فوراً دروازہ کھول کر باہر نکلے اور دربار میں جا کر ہارون رشید کے سامنے نصرانی طبیب کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا: دیکھ لے یہاں بھی رُوْحٌ مِّنْهُ کی طرح جَمِيْعًا مِّنْهُ آیا ہے تو اگر اس من کو تبعیض کے لیے مانا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ زمین و آسمان بھی خدا کے جز و قرار پائیں لہٰذا تم خوب سمجھ لو کہ رُوْحٌ مِّنْهُ میں من تبعیض کے لیے نہیں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز ہرگز خدا کے جز و نہیں ہیں بلکہ وہ زمین و آسمان کی طرح خدا کی مخلوق ہیں۔ علی بن الحسین کی یہ نورانی تقریر سن کر نصرانی طبیب کا سینہ کھل گیا اور اس کا شبہ بالکل رفع ہو گیا اور وہ اسی مجلس میں کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ ہارون رشید کو اس قدر خوشی ہوئی کہ اس نے علی بن الحسین مروزی کو بڑے گراں قدر انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

علی بن الحسین مروزی نے اپنے وطن پہنچ کر نہایت عرق ریزی اور محنت کے ساتھ اس موضوع پر ’’النظائر فی القرآن‘‘ ایک ایسی کتاب تصنیف کر دی کہ تمام روئے زمین میں اس کی مثال نہیں اس کتاب میں اس فاضل جلیل نے مخالفینِ اسلام کی طرف سے اس قسم کے پیش ہونے والے تمام شبہات کا قلع قمع کر دیا اور کسی کی مجال نہیں کہ قیامت تک قرآنِ کریم پر کوئی اس قسم کا اعتراض کر سکے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۲۸)

علمائے سلف نے مخالفینِ اسلام کے اعتراضوں کو دفع کرنے اور اسلام کے دامن عصمت کو شبہات کے گرد و غبار سے پاک و صاف رکھنے کے لیے کیسی کیسی جدوجہد کی ہے اور اپنی زبان و قلم کی تلواروں سے کیسے کیسے مجاہدانہ کارنامے انجام دے کر حق و باطل کے اس

Scanned with CamScanner

معرکہ میں فتح مبین حاصل کی ہے۔ کاش زمانہ حال کے علماء اس سے سبق حاصل کرتے اور ان مقدس روحوں کی خدماتِ جلیلہ کی قدر کر کے ان کے انمول شاہکاروں کو زندہ رکھتے مگر افسوس کہ آج کل کے سیاسی مولویوں کا تو یہ حال ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(45)

آخری اور سب سے کم درجے والا جنتی

صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں عبداللہ بن مسعودؓ مغیرہ بن شعبہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی خدمت میں عرض کیا:

''اے میرے رب! جنت میں سب سے کم درجہ جس شخص کا ہوگا اس کا کیا حال ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں جنت جانے والے شخص کا حال بیان فرمایا:

''جب اسے جہنم سے نکالا جائے گا تو وہ اس کی طرف دیکھے گا اور کہے گا:

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنْكَ، لَقَدْ أَعْطَانِیَ اللّٰهُ شَیْئًا مَّا أَعْطَاهُ أَحَدًا مِّنَ الْأَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ .

''بڑی عزت و برکت والی ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی نعمت سے نوازا ہے جیسی پہلے اور بعد کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دی''۔

وہ اسی گمان میں جہنم کے کنارے بیٹھا ہوگا کہ اچانک دُور سے ایک درخت نظر آئے گا' وہ درخت کو دیکھ کر کہے گا:

أَیْ رَبِّ! أَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلْأَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَأَشْرَبَ مِنْ مَّائِهَا .

''اے میرے رب! مجھے اس درخت کے قریب کر دے تا کہ میں اس کے سائے میں بیٹھوں اور اس کا پانی پیوں''۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

یَا ابْنَ آدَمَ لَعَلِّی اِنْ اَعْطَیْتُکَهَا سَأَلْتَنِیْ غَیْرَهَا ۔

''اے ابنِ آدم! اگر میں تجھے یہ سایہ نصیب کر دوں تو تو غالباً مجھ سے اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز مانگے گا''۔

وہ پختہ وعدہ کرے گا نہیں نہیں میرے رب! اور کچھ نہیں مانگتا بس صرف اس درخت کے قریب کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے قریب کر دے گا کہ اس کے سائے میں بیٹھے اس کے پھل کھائے' اس کا پانی پیے اسی حال میں ہوگا کہ پہلے درخت سے بہتر ایک اور درخت نظر آئے گا۔ وہ کہے گا:

''اے اللہ! مجھے اس درخت کے قریب کر دے تا کہ اس کا پانی پیوں اس کے سائے میں بیٹھوں' تیری عزت وجلال کی قسم! بس یہ دے دے مزید کچھ نہیں مانگوں گا''۔ اللہ فرمائے گا:

یَا ابْنَ آدَمَ! اَلَمْ تَکُنْ تُعَاهِدُنِیْ اَلَّا تَسْأَلَنِیْ غَیْرَهَا؟

''اے ابنِ آدم! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ اس درخت کے بعد کچھ اور نہیں مانگوں گا؟'' وہ کہے گا:

''بس اللہ! یہ دے دے اور کچھ نہیں مانگوں گا چنانچہ اللہ اسے اس درخت کے قریب کر دے گا اسی حالت میں ہوگا کہ پہلے دونوں درختوں سے زیادہ بہتر اور زیادہ خوب صورت جنت کے دروازے کے قریب ایک اور درخت نظر آئے گا' وہ صبر کی کوشش کرے گا مگر صبر کہاں؟ کہے گا:

''میرے رب! اس درخت کے قریب کر دے تا کہ اس کا پانی پیوں اس کے سائے تلے رہوں اب اس کے بعد کچھ نہیں مانگوں گا''۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''اے ابنِ آدم! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ اس کے بعد کچھ نہیں مانگے گا؟''

پھر اللہ اسے اس تیسرے درخت کے پاس کر دے گا جب اس تیسرے درخت کے نیچے جائے گا تو سامنے جنت نظر آئے گی' اہلِ جنت کی آوازیں سنے گا اس کی نعمتیں' اس کے محلات' اس کے باغات نظر آئیں گے' وہ ان کو دیکھتا رہے گا

لیکن بالآخر صبر نہ کر سکے گا اور کہے گا: یَا رَبِّ! اَدْخِلْنِیْهَا ۔

''میرے پروردگار! مجھے اس جنت میں داخل کر دے''۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

یَا ابْنَ آدَمَ! مَا یَصْرِیْنِیْ مِنْکَ؟ اَیُرْضِیْکَ اَنْ اُعْطِیَکَ الدُّنْیَا وَمِثْلَهَا مَعَهَا؟

''اے ابنِ آدم! مجھ سے تیرے تقاضے کو کون سی چیز روکے گی؟ کیا تو اس بات سے راضی ہے کہ پوری دنیا تجھے دُگنی کر کے دے دوں؟'' بندہ کہے گا:

یَا رَبِّ! اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّیْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ۔

''میرے پروردگار! کیا تو میرا مذاق اُڑا رہا ہے حالانکہ تو سارے جہاں کا پروردگار ہے؟'' غرض اس بندے سے کہا جائے گا: ''جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ''۔

وہ جب داخل ہونے کے لیے جائے گا تو اسے ایسا محسوس ہوگا کہ پوری جنت بھر چکی ہے۔ چنانچہ وہ کہے گا:

اَیْ رَبِّ! کَیْفَ؟ وَقَدْ نَزَلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُمْ وَاَخَذُوْا اَخَذَاتِهِمْ؟

''میرے پروردگار! یہ کیونکر ممکن ہے؟ لوگ تو اپنی اپنی جگہ لے چکے ہیں اور اپنا حصہ قبضے میں کر چکے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''تم پسند کرو گے کہ تمہاری ملکیت دنیا میں کسی بادشاہ کے ملک جتنی ہو''۔

وہ کہے گا: ''ہاں میرے رب!''

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''ہم نے تجھے اتنی بادشاہی بخش دی اور'' مِثْلَهُ وَمِثْلَهُ وَمِثْلَهُ وَمِثْلَهُ '' پانچ مرتبہ زیادہ بڑی سلطنت تمہیں عطا کر دی''۔

وہ کہے گا: ''میرے رب! میں خوش ہو گیا''۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

هٰذَا لَکَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ، وَلَکَ مَا اشْتَهَتْ نَفْسُکَ وَلَذَّتْ عَیْنُکَ ۔

''یہ تیرے لیے ہے اور دس گنا زیادہ اور بھی اور تیرا دل جو چاہے اور تیری آنکھ کو جو کچھ بھلا لگے' سب ہم نے تجھے دیا''۔

Scanned with CamScanner

پھر جب وہ جنت میں داخل ہوگا تو وہاں حور عین میں سے اس کی دو بیویاں اس کا استقبال کریں گی اور کہیں گی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَاكَ لَنَا وَاَحْيَانَا لَكَ ۔

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے تمہیں ہمارے لیے اور ہمیں تمہارے لیے بنایا''۔ پھر وہ کہے گا:

مَا اُعْطِىَ اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُعْطِيْتُ ۔ ''جو کچھ مجھے ملا ہے ویسا کسی کو نہیں ملا ہوگا''۔

سب سے اعلیٰ درجے والا جنتی

یہ سب سے نچلے درجے والا جنتی ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

''یہ تو سب سے کم تر درجے کا جنتی ہوا اور اعلیٰ منزل والے جنتی کی شان کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَرَدْتُّ، غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بِيَدِىْ وَخَتَمْتُ عَلَيْهَا، فَلَمْ تَرَ عَيْنٌ وَّلَمْ تَسْمَعْ اُذُنٌ وَّلَمْ يَخْطُرْ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ ۔

''وہ ایسے لوگ ہیں جن کو میں نے چنا، اختیار کیا، ان کی عزت و بزرگی کو اپنے ہاتھ سے جمایا اور اس پر مہر ثبت کردی (میں نے ان کے لیے جنت میں جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں انہیں) نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں ان کے متعلق تصور تک گزرا''۔

(۶۵۷۱، ۶۵۷۳ اور مسلم ۱۸۶ تا ۱۸۹)

مذکورہ آخری جنتی کے بارے میں صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر کے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت سے کچھ لوگوں کو جہنم کی آگ سے نکالنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ان لوگوں کو جہنم کی آگ سے نکال لائیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم کرنا پسند کیا اور وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے رہے۔ فرشتے

جہنم میں انہیں نکالنے جائیں گے تو انہیں سجدے کے نشان سے پہچانیں گے کیونکہ آتشِ جہنم ابنِ آدم کو کھا جائے گی لیکن سجدے کے نشانات باقی رہیں گے چونکہ اللہ تعالیٰ نے سجدے کے نشانات کو جلانا جہنم کی آگ پر حرام کر دیا ہے پھر وہ جہنم کی آگ سے جلے بھنے (کوئلے کی طرح) نکالے جائیں گے جب ان کے اوپر آبِ حیات چھڑکا جائے گا تو وہ تازہ ہو کر ایسے جی اٹھیں گے جیسے دانہ کچرے کے بہاؤ میں اُگ جاتا ہے (چونکہ پانی جہاں پر کوڑا کرکٹ اور مٹی بہا کر لاتا ہے وہاں دانہ بہت جلد اُگ جاتا ہے اور جلدی سے سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے اسی طرح جہنمی بھی آبِ حیات پڑتے ہی تازہ دم ہو جائیں گے)''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلے سے فارغ ہوگا تو ایک آدمی باقی رہ جائے گا جس کا منہ جہنم کی طرف ہوگا اور جنت میں داخل ہونے والا آخری شخص ہوگا۔ وہ کہے گا:

''اے میرے پروردگار! میرا چہرہ جہنم کی طرف سے پھیر دے اس کی بدبو نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے اور اس کی لپٹ نے مجھے جلا ڈالا ہے''۔

پھر جب تک اللہ کو منظور ہوگا وہ دعا کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

هَلْ عَسَيْتَ اِنْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ بِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَهٗ ۔

''اگر میں تیرا یہ سوال پورا کر دوں تو اس کے علاوہ مزید کوئی سوال تو نہیں کرے گا؟''

بندہ کہے گا: ''میں پھر کوئی سوال نہیں کروں گا اور جیسے اللہ کو منظور ہے وہ قول و قرار کرے گا تب اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ جہنم کی طرف سے پھیر دے گا جب اس کا چہرہ جنت کی طرف ہوگا اور وہ جنت کو دیکھ لے گا تو جب تک اللہ کو منظور ہوگا وہ خاموش رہے گا پھر وہ کہے گا:

''اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازے تک پہنچا دے''۔

اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا:

اَلَسْتَ قَدْ اَعْطَيْتَ عُهُوْدَكَ وَمَوَاثِيْقَكَ: اَنْ لَّا تَسْاَلَنِىْ غَيْرَ الَّذِىْ اَعْطَيْتُكَ، وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مَا اَغْدَرَكَ؟

Scanned with CamScanner

"کیا تو نے اپنا قول وقرار نہیں دیا تھا کہ تو پھر کوئی دوسرا سوال نہیں کرے گا' تیرا برا ہو اے ابن آدم! تو کس قدر دغا باز ہے"۔ بندہ کہے گا: "اے رب!"

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کہے گا:

"اگر میں تیرا یہ سوال پورا کر دوں تو اس کے علاوہ مزید کوئی سوال تو نہیں کرے گا؟"

بندہ کہے گا: "تیری عزت کی قسم! میں دوسرا سوال نہیں کروں گا"۔

پھر اللہ کو جو منظور ہوگا' عہد و پیماں دے گا تب اللہ اسے جنت کے دروازے تک پہنچا دے گا۔ جب بندہ جنت کے دروازے پر کھڑا ہوگا تو جنت اس کو دکھائی دے گی جس میں وہ خیر و بھلائی اور فرحت و شادمانی دیکھے گا پھر جب تک اللہ کو منظور ہوگا' وہ خاموش رہے گا پھر کہے گا: "اے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے!"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "کیا تو نے مجھے اپنا قول وقرار نہیں دیا تھا کہ تو پھر دوسرا کوئی سوال نہیں کرے گا؟ اے ابن آدم! تو کتنا مکار ہے؟" بندہ کہے گا:

"اے میرے رب! میں تیری مخلوق میں بدنصیب نہیں ہوں گا"۔ (کہ اور کچھ نہ مانگوں)

پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ کو (اس کی شان کے مطابق) ہنسی آ جائے گی جب اللہ تعالیٰ ہنس دے گا تو اس سے فرمائے گا: "جنت میں داخل ہو جا!"۔

جب وہ بندہ جنت میں داخل ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اور کچھ تمنا کرو'

وہ تمنا کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے مانگے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ (سبحان اللہ!) جب اس کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ ۔

"یہ سب نعمتیں تیری ہیں اور اتنی ہی مزید ملیں گی"۔

(بخاری ۷۴۳۷، مسلم ۱۸۲)

(46)

قابلِ رشک جوانی

حضرت سیّدنا ابراہیم بن مہلب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"دورانِ سفر میں ایک ویران جنگل سے گزرا تو ایک لڑکے کو نماز میں مشغول پایا جب اس نے نماز مکمل کر لی تو میں نے کہا:

"اس ویران جنگل میں تمہارا کوئی مونس و غم خوار بھی ہے؟" کہا:

"کیوں نہیں! بالکل ہے"۔ میں نے کہا: "کہاں ہے؟" کہا:

"میرے دائیں' بائیں' اوپر' نیچے' آگے پیچھے ہر طرف"۔

میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکا اہلِ معرفت میں سے ہے۔ میں نے کہا:

"کیا تمہارے پاس زادِ راہ بھی ہے؟" کہا: "کیوں نہیں!"

میں نے کہا: "تمہارا زادِ راہ کیا ہے؟" کہا:

"اخلاص' توحید' حضور پاک ﷺ کی نبوت کا اقرار' ایمانِ صادق اور پختہ توکل میرا زادِ راہ ہے"۔ میں نے کہا: "میرے بیٹے! کیا تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟"

کہا: "جب کسی کو کوئی رفیق مل جائے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے اور میں کسی بھی ایسے شخص کی رفاقت نہیں چاہتا جس کی وجہ سے لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے پاک پروردگار کی یاد سے غافل ہو کر عبادت کی اس لذت سے محروم ہو جاؤں جسے میں اب محسوس کر رہا ہوں"۔ میں نے کہا:

"اس خطرناک ویران جنگل میں اکیلے رہتے ہوئے تمہیں وحشت نہیں

Scanned with CamScanner

ہوتی؟'' کہا: ''اللہ تعالیٰ سے محبت کی دولت ایسی دولت ہے کہ اس نے مجھ سے ہر وحشت دُور کر دی ہے اور اب یہ حال ہے کہ درندوں کے درمیان بھی خوف و وحشت محسوس نہیں ہوتی''۔ میں نے کہا: ''تم کھاتے کہاں سے ہو؟''

کہا: ''جس پاک پروردگار نے مجھے ماں کے پیٹ کی تاریکیوں میں رزق دیا' وہی پروردگار اب بھی مجھے رزق عطا فرماتا ہے''۔

میں نے پوچھا: ''تمہارے کھانے کا انتظام کب اور کس طرح ہوتا ہے؟''

کہا: ''مجھے مقررہ وقت پر کھانا مل جاتا ہے چاہے میں کہیں بھی ہوں' میرا رزق مجھ تک ضرور پہنچتا ہے' میرا مولیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے کس وقت کس چیز کی حاجت ہے۔ وہ پاک پروردگار میرے حالات سے بے خبر نہیں' وہ ہر جگہ میرا محافظ و والی ہے''۔ میں نے کہا: ''تمہاری کوئی حاجت ہے جسے میں پورا کروں؟'' کہا: ''ہاں! ایک حاجت ہے اور وہ یہ کہ اگر دوبارہ مجھے دیکھو تو مجھ سے گفتگو نہ کرنا اور نہ ہی میرے بارے میں کسی کو بتانا''۔

میں نے کہا:

''جیسے تمہاری مرضی اس کے علاوہ کوئی اور حاجت ہو تو بتاؤ؟''

کہا: ''ہاں! اگر ہو سکے تو دعاؤں میں یاد رکھنا جب بھی غمگین و پریشان ہو کر دعا کرو تو میرے لیے بھی دعا ضرور کرنا''۔

میں نے کہا: ''میرے بیٹے! میں تمہارے لیے کس طرح دعا کروں جب کہ تم مجھ سے افضل ہو کیونکہ خوفِ خدا اور توکل تم میں مجھ سے بہت زیادہ ہے''۔

کہا: ''اس طرح نہ کہیے کیونکہ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں' آپ کو دولتِ ایمان مجھ سے پہلے نصیب ہوئی' آپ کی نمازیں اور روزے مجھ سے زیادہ ہوں گے''۔

میں نے کہا: ''مجھے بھی تم سے کام ہے''۔

اس نے کہا: ''بتائیے! کیا کام ہے؟''

میں نے کہا: ''میرے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرو''۔

اس نے یہ دعا کی: ''اللہ تعالیٰ آپ کو ہر لمحہ گناہوں سے محفوظ رکھے' ایسا غم عطا فرمائے جس میں اس کی رضا پوشیدہ ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور غم نہ ہو''۔

میں نے کہا: ''اے میرے لختِ جگر! اب دوبارہ ملاقات کب ہوگی؟ میں تجھے کہاں تلاش کروں؟''

کہا: ''دنیا میں مجھ سے ملاقات کی امید نہ رکھنا اور آخرت میں مجھ سے ملنا چاہو تو ہر اس کام سے بچنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور کسی بھی ایسے کام میں اس کی نافرمانی نہ کرنا جس کا اس نے حکم دیا۔ آخرت متقین کے جمع ہونے کی جگہ ہے' اگر وہاں مجھ سے ملنا چاہو تو ان لوگوں میں تلاش کرنا جو دیدارِ الٰہی کر رہے ہوں میں آپ کو انہیں لوگوں میں ملوں گا''۔

میں نے کہا: ''تجھے کیسے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تجھے یہ مرتبہ ملے گا؟''

کہا: ''اس لیے کہ میں اس کی حرام کردہ اشیاء سے بغض رکھتا ہوں' ہر گناہ اور ہر اس کام سے بچتا ہوں جس سے بچنے کا اس نے حکم دیا ہے اور میں نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی ہے کہ مجھے جنت میں اپنے دیدار کی دولتِ لازوال عطا فرمائے''۔

اتنا کہنے کے بعد اس لڑکے نے چیخ مار کر ایک طرف دوڑ لگا دی اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ (عیون الحکایات)

(47)

ظلم جب بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

خلیفۂ بغداد متوکل علی اللہ عباسی اہلِ بیت کا انتہائی دشمن اور پکا خارجی تھا اس ظالم نے ۲۳۲ھ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس قبروں کو توڑ پھوڑ کر شہید کرا دیا اور روضہ شریفہ کی تمام عمارتوں کو منہدم کرا کر کھیت بنا ڈالا اور کربلا کی زیارت سے لوگوں کو بالکل ہی روک دیا یہاں تک کہ کربلا ایک ویران اور سنسان وخوف ناک صحرا بن گیا۔ اہلِ بغداد اور تمام دنیا اسلام کے مسلمان اس ظالمانہ حرکت پر انتہائی جوش اور طیش میں آ گئے لیکن ایک ظالم وجابر حکومت کا کون مقابلہ کرے؟ یہ ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ مسلمانوں نے اظہارِ بےزاری کے لیے گالیوں سے بھرا ہوا اشتہار دیواروں اور مسجدوں پر لگانا شروع کر دیا اور شعراء نے حکومت کی ہجو میں بڑے بڑے لرزہ خیز اور رِقت انگیز اشعار لکھے مگر اس ظالم پر کچھ اثر نہیں ہوا اس دردناک واقعہ کے بعد اس ظالم حکومت کے دَور میں کیسے کیسے عبرت ناک دہولناک اور ہلاکت آفریں قدرتی نشانات عذابِ الٰہی بن کر نازل ہوئے، ان کی کچھ تفصیل سنیے اور جذبہ تحیر اور جوشِ عبرت میں سر دھنیے۔

(۱) ۲۳۸ھ میں رومیوں نے اس سلطنت پر یلغار کر کے شہر میاط کو لوٹ لیا اور قتل و غارت کا بازار گرم کر کے پورے شہر کو جلا ڈالا اور چھ سو عورتوں کو گرفتار کر کے سمندری راہ سے فرار ہو گئے۔

(۲) ۲۴۰ھ میں شہر اعلاط والوں نے آسمانی فضا سے ایک ایسی قیامت خیز گرج دار چیخ سنی اور بے شمار مخلوقِ خدا دہشت سے مر گئی اور عراق میں مرغی کے انڈے جتنے بڑے

اولے پڑے اور بلاد مغرب کے تین گاؤں زمین میں دھنس گئے۔

۳) ۲۴۱ھ میں آسمان سے ٹڈیوں کی طرح رات کے اکثر حصے میں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے اور اتنا بھیانک اور ڈراؤنا منظر نظر آنے لگا کہ تاریخِ عالم میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

۴) ۲۴۲ھ میں اتنا زبردست زلزلہ آیا کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، زمین پھٹ گئی اور بڑے بڑے غار بن گئے اور مصر کے گاؤں سویدار پر آسمان سے اتنے بڑے بڑے پتھروں کی سنگ باری ہوئی کہ لوگوں نے ایک پتھر کا وزن کیا تو وہ دس رطل کا وزنی تھا اور یمن کا پہاڑ جس پر کھیتیاں تھیں، اپنی جگہ سے چل کر بہت دُور دوسرے کھیتوں میں چلا گیا اور اسی سال حلب میں ایک پرندہ نمودار ہوا جو گدھ سے کچھ چھوٹا تھا وہ دو دن چالیس چالیس مرتبہ بلند آواز سے اس طرح بولا: یَا مَعَاشَرَ النَّاسَ میں اِتَّقُوا اللہَ اللہَ اللہَ"

اس واقعہ پر پرچہ نویسوں نے پانچ سو انسانوں کی گواہی سے تحریر کر کے دربارِ خلافت میں بھیجا۔

۵) ۲۴۵ھ میں ایسا ہلاکت آفریں زلزلہ آیا کہ پوری سلطنت میں شہروں قلعوں، پلوں کی تباہی سے سارا نظامِ سلطنت درہم برہم ہو گیا اسی زلزلہ میں انطاکیہ کا ایک پہاڑ پھوٹ کر سمندر میں گر پڑا۔ آسمان سے دہشت انگیز اور خوف ناک آوازیں آنے لگیں۔ مصر میں ایک ایسی دل دہلا دینے والی چیخ سنی گئی کہ دہشت سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور ہزاروں لاکھوں جان دار مخلوق فنا کے گھاٹ اُتر گئی۔ مکہ مکرمہ کے تمام چشمے خشک ہو گئے چنانچہ متوکل نے ایک لاکھ دینار مکہ مکرمہ میں پانی کا انتظام کرنے کے لیے بھیجے۔

۶) ۲۴۷ھ میں خود متوکل کے لڑکے منتظر باللہ تعالیٰ نے سازش کر کے پانچ ترکوں کو آدھی رات میں متوکل کے خلوت خانہ میں بھیج دیا اور ان ترکوں نے متوکل اور اس کے وزیر ابن خاقان کو ٹھیک اس وقت جب کہ وہ دونوں خلوت خانے میں لہو ولعب کی مجلس گرم کر کے کیف ونشاط میں سرشار تھے، قتل کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۲، وفاء الوفاء ص ۴۰۰)

(48)

مستجاب الدعوات لوگ

اس عنوان کے تحت چند احادیثِ مبارکہ لکھی جا رہی ہیں اور حدیث کے آخر میں نمروار حوالہ جات بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔

۱) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ مُّسْتَجَابٌ ۔ (وفی الترمذی و ابی داؤد "مستجابات") لَهُنَّ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدَيْنِ عَلَى الْوَلَدِ

''تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں اور ان کی مقبولیت میں کوئی شک نہیں:

(۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والدین کی اولاد کے لیے بددعا

(سنن ابی داؤد' کتاب الصلوٰۃ' باب الدعا بظہر الغیب' ص۲۶۳' رقم ۱۵۳۶' سنن الترمذی' کتاب البر والصلۃ' باب ماجاء فی دعوۃ الوالدین' ص۳۳۶' رقم ۱۹۰۵' سنن ابن ماجہ' کتاب الدعاء' باب دعوۃ الوالد' ص۶۳۷' رقم ۳۸۶۲' الادب المفرد للبخاری' باب دعوۃ الوالدین' ص۶۳' رقم ۳۲)

۲) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَّاِنْ كَانَ فَاجِرًا فَفُجُوْرُهُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۔

''مظلوم کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو (پس اگر وہ فاسق یعنی بُرا ہے تو) تو اس کا فسق (بُرا ہونا) خود اس کی ذات کے لیے ہے (یعنی وہ اس بُرائی کا خود جواب دہ ہے' دعا کے قبول ہونے میں اس کی وجہ

سے کوئی رکاوٹ نہیں)

امام احمد اور امام بزار نے اسے سندِ حسن کے ساتھ حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب کہ امام احمد (کی ایک اور روایت جو) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: وَاِنْ كَانَ كَافِرًا ۔ ''اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو''۔

(مسند امام احمد' ج۱۴' ص۳۹۸' رقم ۸۷۹۵' مسند ابی داؤد طیالسی' ج۴' ص۹۲' رقم ۲۴۵۰' مسند الشہاب للقضاعی ج۱' ص۲۰۸' رقم ۳۱۵' المصنف لابن ابی شیبۃ' ج۱۰' ص۶۹' رقم ۲۹۸۶۵' جمع الجوامع السیوطی' ج۵' ص۸' رقم ۱۴۱۰۳' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی' ج۱۰' ص۲۳۰' رقم ۱۷۲۲۷)

۳) حضرت سیدہ اُم حکیم (بنت وداع الخزاعیۃ) رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دُعَاءُ الْوَالِدِ يُفْضِيْ اِلَى الْحِجَابِ ۔

''والد کی دعا حجاب (مقبولیت) تک پہنچتی ہے (یعنی قبول ہوتی ہے)۔

(سنن ابن ماجہ' کتاب الدعاء' باب دعوۃ الوالد' ص۶۳۷' رقم ۳۸۶۲' جمع الجوامع للسیوطی' ج۴' ص۸۰۶' رقم ۱۳۰۹۳)

۴) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ ۔

''تین افراد ایسے ہیں جن کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں:

(۱) افطار کے وقت روزہ دار کی دعا (۲) عدل کرنے والے امام کی دعا (۳) مظلوم کی دعا

(سنن الترمذی کتاب الدعوات' باب العفو والعافیۃ' ص۸۱۷' رقم ۳۵۹۸' سنن ابن ماجہ' کتاب الصیام' باب فی الصائم لاترد دعوتہ' ص۳۰۴' رقم ۱۷۵۲' صحیح ابن خزیمۃ' ج۳' ص۱۹۹' رقم ۱۹۰۱' مسند امام احمد' ج۱۳' ص۴۱۰' رقم ۸۰۴۳)

۵) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ (ثَلَاثَةٌ) لَا يَرُدُّ اللّٰهُ دُعَاءَهُمُ الذَّاكِرُ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالْمَظْلُوْمُ

وَالْإِمَامُ الْمُقْسِطُ ۔ ''اللہ تعالیٰ تین افراد کی دعائیں رد نہیں فرماتا:
(۱) اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والا
(۲) مظلوم (۳) عدل وانصاف کرنے والا امام

(شعب الایمان للبیہقی، ج۹، ص۴۶۹، رقم ۶۹۷۳، جامع الصغیر للسیوطی، ص۱۷۶، رقم ۲۲۰۸، فیض القدیر للمناوی، ج۳، ص۳۲۷، رقم ۳۵۳۱، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی، ج۱۰، ص۲۳۱، رقم ۱۷۲۲۹)

۶) حضرت سیّدنا واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
أَرْبَعَةٌ دَعْوَتُهُمْ مُسْتَجَابَةٌ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَالرَّجُلُ يَدْعُوْ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَرَجُلٌ يَدْعُوْ لِوَالِدِهِ (لِوَالِدَيْهِ)
''چار لوگوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں:
(۱) عدل کرنے والا امام (۲) اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا کرنے والا (۳) مظلوم (۴) اپنے والدین کے لیے دعا کرنے والا
(ان تمام افراد کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں)

(جمع الجوامع للسیوطی، ج۱، ص۵۸۴، رقم ۲۹۲۸، کنز العمال للمتقی، ج۲، رقم ۳۳۰۵)

۷) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دَعْوَتَانِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمَرْءِ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ۔
''دو دعائیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ (کے قبول کرنے) اور ان دعاؤں کے (قبول ہونے کے) درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا:
(۱) مظلوم کی دعا (۲) بندے کی اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا۔

(معجم الکبیر للطبرانی، ج۱۱، ص۱۱۹، رقم ۱۱۲۳۲، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی، ج۱۰، ص۲۳۱، رقم ۱۷۲۳۱)

۸) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَسْرَعُ الدُّعَاءِ إِجَابَةً دُعَاءُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ ۔

''دعاؤں میں سب سے جلد قبول ہونے والی غائب کی غائب کے لیے دعا ہے (یعنی دعا کرنے والا بھی تنہائی میں دعا کرے اور جس کے لیے دعا کی جا رہی ہے اسے پتہ بھی نہ چلے تو ایسی دعا سب سے جلد مقبول ہوتی ہے)

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء بظہر الغیب، ص۲۶۳، رقم ۱۵۳۵، سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی دعوۃ الوالدین، ص۴۴۹، رقم ۱۹۸۰، الادب المفرد بخاری، باب دعاء الاخ بظہر الغیب ۲۷۸، ص۲۱۵، رقم ۶۲۳، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات، الفصل الثانی، ج۲، ۶۹۵، رقم ۲۲۴۷)

۹) حضرت سیّدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
إِنَّ دَعْوَةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ مُسْتَجَابَةٌ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ آمِيْنَ وَلَكَ مِثْلُ ذٰلِكَ ۔
''مسلمان بندے کی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے اور اس (دعا کرنے والے) کے سر پر ایک فرشتہ کھڑا ہوتا ہے لہٰذا جب یہ دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو (یعنی جو دعا تو نے اپنے مسلمان بھائی کے لیے مانگی ہے، اللہ تعالیٰ تجھے بھی اسی طرح کی نعمت عطا فرمائے)''

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب فضل الدعا للمسلمین بظہر الغیب، ص۱۴۵۴، رقم ۲۷۳۳، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعا بظہر الغیب، ص۲۶۳، رقم ۱۵۳۴، الادب المفرد للبخاری، باب دعاء الاخ بظہر الغیب ۲۸۷، ص۲۱۵، رقم ۶۲۵، اتحاف المہرۃ للعسقلانی، ج۱۲، ص۶۲۰، رقم ۱۶۲۱۰، کشف الاستار للہیثمی، ج۴، ص۵۰، رقم ۳۱۷۱)

۱۰) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدِرَ وَدَعْوَةُ الْغَازِيْ حَتّٰى يَقْفِلَ (أَيْ يَرْجِعَ) وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْأَخِ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ

Scanned with CamScanner

وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعَوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ۔

"پانچ دعائیں مقبول ہوتی ہیں:

(۱) مظلوم کی دعا' جب تک کہ اسے بدلہ نہ مل جائے (۲) حج پر جانے والے کی دعا جب تک وہ گھر واپس نہ لوٹ آئے (۳) غازی کی دعا حتیٰ کہ وہ (گھر واپس) لوٹ آئے (۴) مریض کی دعا حتیٰ کہ وہ صحت یاب ہو جائے (۵) مسلمان بندے کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعا اور ان پانچوں دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا مسلمان بندے کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے مانگی ہوئی دعا ہے"۔

(شعب الایمان للبیہقی' ج ۲' ص ۳۷۶' رقم ۱۰۸۷' فیض القدیر للمناوی' ج ۳' ص ۴۰۶' رقم ۳۹۷۰' مشکوۃ المصابیح' کتاب الدعوات' الفصل الثالث' ص ۱۹۷' رقم ۲۲۶۰)

۱۱) حضرت سیّدنا صنابحی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اِنَّ دَعْوَةَ الْاَخِ فِي اللّٰهِ تُسْتَجَابُ ۔

"اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بنائے ہوئے بھائی کی دعا مقبول ہوتی ہے"۔

(الادب المفرد للبخاری' باب دعاء الاخ بظہر الغیب ۲۷۸' ص ۱۶۵' رقم ۶۲۳)

۱۲) حضرت سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دُعَاءُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ لَا يُرَدُّ ۔

"(مسلمان) بندے کی اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں مانگی ہوئی دعا رد نہیں کی جاتی"۔

(مسند بزار' ج ۹' ص ۵۲' رقم ۳۵۷۷' کشف الاستار للہیثمی' ج ۴' ص ۵۰' رقم ۳۱۷۰' کشف الخفاء للعجلونی' ج ۱' ص ۳۰۵' رقم ۱۳۰۲)

۱۳) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَحْرَمَ اَحَدُكُمْ فَلْيُؤْمِنْ عَلٰى دُعَائِهِ اِذَا قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ فَلْيَقُلْ اٰمِيْنَ وَلَا يَلْعَنْ بَهِيْمَةً وَلَا اِنْسَانًا فَاِنَّ دُعَاءَهُ مُسْتَجَابٌ

وَمَنْ عَمَّ بِدُعَائِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اسْتُجِيْبَ لَهُ ۔

"جب تم میں سے کوئی شخص (حج یا عمرہ) کے لیے احرام باندھے تو وہ اپنی دعاؤں پر آمین کہتا رہے جب بھی کہے' اے اللہ! میری مغفرت فرما تو اسے چاہیے کہ (اپنی اس دعا پر) آمین کہے اور کسی جانور یا انسان پر لعنت نہ کرے کہ اس کی دعا مقبول ہوتی ہے اور جس بندے نے اپنی دعا میں تمام مومنین اور مومنات کو بھی شامل کر لیا تو ایسے شخص کی دعا بھی قبول ہوتی ہے"۔

(جمع الجوامع للسیوطی' ج ۱' ص ۳۴۷' رقم ۱۰۳۲' کنز العمال للمتقی' ج ۵' ص ۵۱' رقم ۱۱۹۱۶)

۱۴) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَلَهُمْ ۔

"حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر یہ اس سے دعا کریں تو وہ قبول فرماتا ہے اور اگر یہ اس سے مغفرت طلب کریں تو وہ انہیں بخش دیتا ہے"۔

(سنن ابن ماجہ' کتاب المناسک' باب فضل دعاء الحاج' ص ۴۹۱' رقم ۲۸۹۲' مشکوۃ المصابیح' کتاب المناسک' الفصل الثالث' ص ۲۷۸' رقم ۲۵۳۶' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی' ج ۳' ص ۴۸۳' رقم ۵۲۸۸)

۱۵) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللّٰهِ اِذَا دَعَاهُمْ فَاَجَابُوْهُ وَسَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ ۔

"راہِ خدا میں جہاد کرنے والے' حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر یہ دعا کرتے ہیں تو وہ (رب تعالیٰ جل جلالہ) قبول فرماتا ہے اور اگر یہ کسی بات کا سوال کرتے ہیں تو وہ (رب تعالیٰ) انہیں عطا فرماتا ہے"۔

(سنن ابن ماجہ' کتاب المناسک' باب فضل دعاء الحاج' ص ۴۹۱' رقم ۲۸۹۳' صحیح ابن حبان مع التعلیقات الحسان' ج ۷' ص ۳۶' رقم ۴۵۹۴' المعجم الکبیر للطبرانی' ج ۱۲' ص ۳۲۲' رقم ۱۳۵۵۶' مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی' ج ۳' ص ۴۸۳' رقم ۵۲۸۸)

۱۶) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد

Scanned with CamScanner

فرمایا: ثَلَاثٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ لَا يَرُدُّ لَهُمْ دَعْوَةً: اَلصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ وَالْمَظْلُوْمُ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَالْمُسَافِرُ حَتّٰى يَرْجِعَ .

''تین افراد کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کی دعاؤں کو رد نہ فرمائے۔
(۱) روزہ دار حتیٰ کہ وہ افطار کر لے (۲) مظلوم حتیٰ کہ اسے بدلہ مل جائے
(۳) مسافر حتیٰ کہ وہ اپنی منزل پر لوٹ آئے۔''

(مسند بزار' ج ۱۴' ص ۴۰۰' رقم ۸۱۴۸' کنز العمال للمتقی' ج ۲' ص ۱۵۳' رقم ۳۳۱۹' فیض القدیر للمناوی' ج ۳' ص ۳۰۰' رقم ۳۴۵۲)

(۱۷) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهٖ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ .

''افطار کے وقت روزہ دار کی دعا مقبول ہوتی ہے''۔

(سنن ابن ماجہ' کتاب الصیام' باب فی الصائم لا ترد دعوتہ' ص ۳۰۵' رقم ۱۷۵۳' مستدرک للحاکم' ج ۱' ص ۵۸۳' رقم ۱۵۳۵' کنز العمال للمتقی' ج ۸' ص ۴۴۷' رقم ۲۳۵۸۵)

۱۸) حضرت سیّدنا (ابن) عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ (اَنْ) يَّدْعُوَلَكَ فَاِنَّ دُعَاءَهٗ كَدُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ .

''جب تم کسی مریض کے پاس (عیادت کرنے کے لیے) جاؤ تو اس سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرو کیونکہ مریض کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے۔ (یعنی قبول ہوتی ہے)''

(سنن ابن ماجہ' کتاب الجنائز' باب ماجاء فی عیادۃ المریض' ص ۲۵۶' رقم ۱۴۴۱' مشکوۃ المصابیح' کتاب الجنائز' باب ماجاء فی عیادۃ المریض' ص ۴۹۹' رقم ۱۵۸۸)

۱۹) حضرت سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِغْتَنِمُوْا دَعْوَةَ الْمُؤْمِنِ الْمُبْتَلٰى .

''مصیبت زدہ مومن کی دعا کو غنیمت جانو (یعنی کسی بیمار یا پریشان حال کی دعاؤں کو غنیمت جانو کہ وہ مقبول ہوتی ہے)

(جمع الجوامع للسیوطی' ج ۱' ص ۲۰۷' رقم ۳۶۳۹' فیض القدیر للمناوی' ج ۲' ص ۱۶' رقم ۱۲۱۲)

۲۰) حضرت سیّدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: اِنَّ الْمُبْتَلٰى تُسْتَجَابُ دَعْوَتُهٗ .
''مصیبت زدہ بندے کی دعا مقبول ہوتی ہے''۔ (اسے دیلمی نے روایت کیا ہے)

۲۱) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عُوْدُوا الْمَرْضٰى وَمُرُوْهُمْ اَنْ يَّدْعُوْا لَكُمْ فَاِنَّ دَعْوَةَ الْمَرِيْضِ مُسْتَجَابَةٌ وَّذَنْبَهٗ مَغْفُوْرٌ .

''مریضوں کی عیادت کیا کرو اور انہیں کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں کیونکہ مریض کی دعا مقبول ہوتی ہے اور اس (مریض) کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں''۔

(شعب الایمان للبیہقی' ج ۱۲' ص ۳۶۷' رقم ۹۵۵۴' معجم الاوسط' ج ۶' ص ۱۴۰' رقم ۶۰۲۷' فیض القدیر للمناوی' ج ۴' ص ۳۶۶' رقم ۵۶۲۷' مجمع البحرین للہیثمی' ج ۲' ص ۳۴۴' رقم ۱۱۶۷)

۲۲) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا تُرَدُّ دَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَاَ .

''مریض کے صحت یاب ہونے تک اس کی دعا رد نہیں کی جاتی''۔

(شعب الایمان للبیہقی' ج ۱۲' ص ۳۶۷' رقم ۹۵۵۵' کتاب المرض والکفارات لابن ابی الدنیا' ص ۷۱' رقم ۷۰)

۲۳) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَهٗ عِنْدَ الْكُرَبِ وَالشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ .

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ مشکل اور پریشانی کی حالت میں اس کی دعائیں قبول ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ خوش حالی کی حالت میں بھی کثرت سے دعائیں مانگا کرے''۔

(سنن الترمذی' کتاب الدعوات' باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ' ص ۷۶۸' رقم ۳۳۸۲' مسند ابی یعلی موصلی' ج ۱۱' ص ۲۸۳' رقم ۶۳۹۶' مستدرک للحاکم' ج ۱' ص ۷۳۸' رقم ۲۰۴۹' تاریخ بغداد للخطیب' ج ۲' ص ۳۱۳' رقم الترجمۃ ۳۶۳' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر' ج ۳۵' ص ۸۳' رقم

۱۰۳۷، الکامل لابن عدی، ج ۲، ص ۸۲۰)

۲۴) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَرَادَ أَنْ تُسْتَجَابَ دَعْوَتُهُ وَأَنْ تُكْشَفَ كُرْبَتُهُ فَلْيُفَرِّجْ عَنْ مُعْسِرٍ ۔

"جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول ہوں اور مشکلات حل ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ تنگ دست کی امداد کرے"۔

(مسند امام احمد، ج ۸، ص ۳۷۲، رقم ۴۷۴۹، مسند عبد بن حمید، ج ۲، ص ۳۸، رقم ۸۲۳، جمع الجوامع للسیوطی، ج ۸، ص ۴۹۹، رقم ۲۰۴۲۷، کتاب قضاء الحوائج لابن ابی الدنیا، ص ۷۷، رقم ۱۰۱)

۲۵) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمُعْسِرِ ۔ "تنگ دست (محتاج) کی بددعا سے بچو"۔

(کنز العمال للمتقی، ج ۶، ص ۲۲۰، رقم ۱۵۴۴۴، جمع الجوامع للسیوطی، ج ۱، ص ۱۴۰، رقم ۴۶۳)

۲۶) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ (عَزَّوَجَلَّ) يَسْتَحْيِي مِنْ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ مُسَدَّدًا لَزُوْمًا لِلسُّنَّةِ أَنْ يَسْأَلَ اللهَ شَيْئًا فَلَا يُعْطِيَهُ ۔

"اللہ تعالیٰ اس بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتا ہے جو سختی کے ساتھ سیدھے راستے پر گامزن ہو کہ جب وہ کسی شئی کا سوال کرے تو اسے عطا نہ کرے (یعنی ایسا بوڑھا مسلمان جو شریعت پر عمل پیرا ہو تو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کسی شئی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا نہ کرنے سے حیا فرماتا ہے)

(معجم الاوسط للطبرانی، ج ۵، ص ۲۷۰، رقم ۵۲۸۶، مجمع البحرین للہیثمی، ج ۸، ص ۱۱، رقم ۴۶۲۵، مجمع الزوائد بغیۃ الرائد للہیثمی، ج ۱۰، ص ۲۲۵، رقم ۱۷۲۱۳)

۲۷) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دُعَاءُ الْمُحْسَنِ إِلَيْهِ لِلْمُحْسِنِ لَا يُرَدُّ ۔

"جس بندے پر احسان کیا جائے اس کی اپنے محسن کے لیے کی گئی دعا کو رد نہیں کیا جاتا"۔

(مسند الفردوس للدیلمی، ج ۲، ص ۲۱۳، رقم ۳۰۴۰، فیض القدیر للمناوی، ج ۳، ص ۵۲۶، رقم ۴۲۰۱)

۲۸) حضرت سیّدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ لِحَامِلِ الْقُرْآنِ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً يَدْعُوْ بِهَا فَيُسْتَجَابُ لَهُ ۔

"بے شک قرآن پاک یاد کرنے والے (یا اسے ہمیشہ پڑھنے والے) کی دعا مقبول ہوتی ہے وہ جب بھی دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے"۔

(شعب الایمان للبیہقی)

۲۹) حضرت سیّدنا حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

لَا يَجْتَمِعُ مَلَأٌ فَيَدْعُوْ بَعْضُهُمْ وَيُؤَمِّنُ بَعْضُهُمْ إِلَّا أَجَابَهُمُ اللهُ ۔

"جب لوگ اکٹھے ہو کر یوں دعائیں مانگیں کہ کچھ لوگ دعا مانگ رہے ہوں اور کچھ ان دعاؤں پر آمین کہہ رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے"۔

(یہ حدیث شریف اجتماعی دعا کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے جیسے پنج گانہ نمازوں، نمازِ جمعہ، نماز عیدین کے بعد دعا اور دیگر محافل میں اختتام پر اجتماعی دعا۔

(مستدرک للحاکم، ج ۳، ص ۴۲۴، رقم ۵۵۴۵، جمع الجوامع للسیوطی، ج ۱۱، ص ۲۰۸، رقم ۲۵۹۱۵، معجم الکبیر للطبرانی، ج ۴، ص ۲۱، رقم ۳۵۳۶، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للہیثمی، کتاب الادعیۃ، باب التامین علی الدعاء، ج ۱۰، ص ۲۶۷، رقم ۱۷۳۴۷)

۳۰) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا اجْتَمَعَ ثَلَاثَةٌ قَطُّ يَدْعُوْنَ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ لَا يَرُدُّ أَيْدِيَهُمْ ۔

"جب تین افراد اکٹھے ہو کر دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر یہ لازم کر لیا ہے کہ ان کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے (یعنی ان کی دعائیں قبول فرما لے)

(تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ للہیثمی، ج ۳، ص ۴۰۲، رقم ۴۱۸۴۱۵، الکامل لابن عدی، ج ۲، ص ۸۲۰)

۳۱) حضرت سیّدنا طاؤس علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا

Scanned with CamScanner

(میں مشکل میں ہوں آپ) میرے لیے دعا کریں تو آپ نے فرمایا:

اُدْعُ اللّٰہَ لِنَفْسِكَ فَإِنَّهُ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ .

''اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے دعا مانگو کہ جب بھی کوئی مجبور اسے پکارتا ہے تو وہ اسے جواب دیتا ہے''۔

(شعب الایمان للبیہقی' ج۱۲ص ۳۶۷' رقم ۹۵۵۶' کتاب المرض والکفارات لامام ابن ابی الدنیا' ص۳۰۷' رقم۱۷)

(49)

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی

ایک عبادت گزار نے نماز شروع کی جب اللہ تعالیٰ کے قول ایاک نعبد (تجھی کو ہم پوجتے ہیں) پر پہنچا تو اس کے دل میں خطرہ گزرا کہ واقعی وہ عابد ہے' کسی نے اس کے دل میں آہستہ سے آواز دی کہ تو جھوٹا ہے تو تو صرف مخلوق کی عبادت کرتا ہے یہ سن کر اس نے توبہ کی اور لوگوں سے بالکل علیحدہ ہو گیا اس کے بعد نماز پڑھنے کو کھڑا ہوا جب ایاک نعبد پر پہنچا تو آواز آئی کہ تو جھوٹا ہے تو تو اپنی بیوی کو پوجا کرتا ہے اس نے بیوی کو طلاق دے دی پھر نماز شروع کی جب ایاك نعبد تک پہنچا تو ندا دی گئی کہ تو جھوٹا ہے تو تو اپنے مال کو پوجا کرتا ہے اس نے اپنا سب مال صدقہ کر دیا اس کے بعد پھر نماز شروع کی جب ایاک نعبد تک پہنچا تو آواز پہنچی کہ تو جھوٹا ہے تو تو اپنے کپڑوں کی پوجا کرتا ہے چنانچہ اس نے اپنے کپڑے بھی خیرات کر دیے صرف بقدر ضرورت ستر پوشی رکھ لیے پھر اس نے نماز شروع کی پس جب ایاک نعبد پر پہنچا تو آواز آئی کہ اگر تو سچا ہے تو تو واقعی عبادت گزاروں میں سے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (نوادر القلوبی)

یاد رہے! ہر شخص اس راہ شہسوار نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مکلف ہے یہ لاکھوں میں کسی ایک کا حال ہوتا ہے کہ وہ عشق الٰہی میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ''اللہ بس باسوئی اللہ ہوس'' کا نعرۂ مستانہ بلند کر کے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے یا پھر مجذوبیت کے درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ بالصواب .

Scanned with CamScanner

(50)

صوفیاء کرام کا حسنِ اخلاق

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م۱۱۴۲ھ) فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا کام دِلوں کو ایک جگہ کرنا ہے اس میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں' ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔

("مکتوبات کلمی" ج ۲۳ ص ۲۷ مطبوعہ دہلی)

دکن میں ایک بار کچھ لوگوں نے ان کو بُرا بھلا کہا' شاہ نظام الدین نے اس کی اطلاع ان کو دی تو جواب میں ارشاد فرمایا:

"ہر کہ مارا بدیادی کند مستحق زیادہ از انیم کہ او لطف کردہ کم دشنام می دہد' ماعفو کردیم شما ہم عفو کنید"۔ (مکتوبات" ص ۳۶)

کوئی شخص ہمیں برائی سے یاد کرتا ہے تو ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں اس لیے کہ ہم اس سے زیادہ برائی کے مستحق ہیں اس نے مہربانی کی اور ہمیں کم گالیاں دیں ہم نے اسے معاف کر دیا تم بھی اسے معاف کر دو۔

ایک موقع پر نہایت مؤثر انداز میں اپنا نقطۂ نظر اس طرح سمجھاتے ہیں:

"درویشی حقیقت میں لوگوں کی اسی جفا وقضا کے برداشت کرنے کا نام ہے اور اس پر صبر کرنا (درویشی ہے) ورنہ خرقہ تو ہر کس و ناکس پہن سکتا ہے اگر حقیقت میں تم ٹھیک ہو تو اس شخص کی بُرائی تم پر اثر انداز نہ ہوگی بلکہ وہی خود اس بُرائی میں گرفتار رہے گا اگر حقیقت میں تم ہی خراب ہو تو اس کا تم کو بُرا کہنا تمہاری فلاح کا باعث ہونا چاہیے"۔

("مکتوبات کلمی" ص ۹ بحوالہ "تاریخ مشائخ چشت" ج ۵ ص ۹۹ طبع ادارہ ادبیات دہلی)

خواجہ فخر دہلوی کی اصلاح اخلاق اور مردم سازی کی کوششوں کے بارے میں نظامی صاحب نے نافع السالکین کے حوالے سے لکھا ہے:

"شاہ صاحب (فخر دہلوی) کی اخلاقی کوششوں کا مرکزی نکتہ یہی تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اسی جدوجہد میں وقت گزارا کہ عوام کے اعمال درست کیے جائیں۔ فرمایا کرتے تھے: اس زمانہ میں آدمی بہت ہیں لیکن آدمیت نہیں"۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"آدمی کم موجود شوند کہ اکثر صورت آدمی دارند و خصال آدمی ندارند آدمیت عبارت از خوب خصال وحمیدہ افعال است"۔

فرمایا کرتے تھے: "آدمی ہونا بہت مشکل ہے۔" "آدمی شدن بسیار مشکل است"

انتہا یہ تھی کہ کہا کرتے تھے:

"مسلک السلوک میں آدمی کی جو صفات لکھی ہیں وہ خود میرے اندر بھی نہیں ہیں"۔

ملفوظات میں جگہ جگہ بُری صحبت' غیبت' غرور' عیب جوئی' شراب نوشی' عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت ہے اور بار بار ادب مہمان نوازی' نیکی' عجز وانکساری اور ایمان داری کا درس دیا گیا ہے۔ نافع السالکین میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں اصلاح اخلاق پر زور نہ دیا گیا ہو۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۶۳۰)

شاہ صاحب چاہتے تھے کہ ان کے مریدوں میں عجز وانکسار کا مادہ پیدا ہو اور وہ شفقت ومہربانی کے ساتھ خلقت سے پیش آئیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"سالک را باید کہ ہمہ خلق را چہ شریف وچہ خسیس بہ شفقت ورحمت ناظر باشد تا حق تعالیٰ بروے رحمت کند" (ایضاً ص ۶۳۲ طبع کراچی)

شاہ فخر صاحب کا اپنا ذاتی حال یہ تھا کہ ہر چھوٹے بڑے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ بستر علالت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آتا تھا۔ مصیبت میں ہر شخص کی دستگیری کے لیے تیار رہتے تھے' لوگوں کی خوشی اور غم میں ہمیشہ شرکت فرماتے اگر کسی غریب کے لیے کوئی تقریب یا غمی ہوتی تو خود کئی بار تشریف لے جاتے اور اپنے

Scanned with CamScanner

مریدین ومعتقدین کو وہاں جانے کی ہدایت فرماتے تاکہ،

''خاطر او مطمئن شود وغم ازیں تفقدات کریمانہ برطرف گردد''

(ایضاح ۵ ص ۲۰۴ طبع دہلی)

☆......خواجہ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ نے ایک سالک کے لیے اخلاقِ حسنہ کو کس قدر ضروری اور اخلاقِ مذمومہ سے بچنے کو کس طرح لازم ٹھہرایا ہے اس کا بیان صاحب نافع السالکین کے الفاظ میں پڑھیے:

''فرمایا: سالک کو چاہیے کہ ہر کسی سے لطف واحسان اور خلق ومروت سے پیش آئے کیونکہ حسد وکینہ اور جھگڑا وعناد خدا تعالیٰ کی راہ سے روکتا ہے اور درویشوں کی عمدہ عادات میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اخلاقِ مذمومہ سے پاک ہوتے ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ دس درویش ایک کملی میں سما سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے۔ درویش سے وہ شخص مراد ہے جس نے اپنی خودی دُور کردی ہو اور بے نفس ہو اور بادشاہ سے مراد ہے جو کہ خود پرست ہو اور نفس کی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہو۔ نیز اس بارے میں فرمایا: ایک روز دو آدمی حضرت بابا صاحب گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہم دونوں کے درمیان ایک معاملہ ہے، آپ کسی کو حکم دیں کہ ہمارے بیانات سن کر فیصلہ دے۔ چنانچہ حضرت بابا صاحب نے شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ بدر الدین رحمۃ اللہ علیہما کو فرمایا: ہر ایک کا بیان سن کر شریعت کے حکم کے موافق فیصلہ کر دیں۔ پس دونوں بزرگوں نے جو جلیل القدر خلیفے اور متبحر عالم تھے، اپنے شیخ کی خدمت میں واپس آ گئے اور کہنے لگے کہ ان دونوں نے آپس میں کچھ اس طرح گفتگو کی ہے کہ اس کے سننے سے ہم پر وجد اور گریہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ شیخ قدس سرہ نے جواب میں فرمایا: یہ دونوں فرشتے تھے اور تمہاری تعلیم کے لیے آئے تھے۔ پس تم کو چاہیے کہ معاملہ ومقابلہ کے وقت بھی آپس میں اسی طرح لطف ونرمی سے پیش آؤ کیونکہ درویشی کا اصل طریقہ یہی ہے''۔

(نافع السالکین ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی ص ۱۰۱-۱۰۲)

(51)

دنیا تو قید خانہ ہے

قاضی سہل محدث ایک دن بڑے تزک و احتشام کے ساتھ گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ناگہاں ایک حمام سلگانے والا یہودی دھوئیں اور غبار کی کثافت سے میلا کچیلا حضرت سہل کے سامنے آ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

''قاضی صاحب! آپ کے پیغمبر نے فرمایا: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے''۔ مجھے اس کا مطلب سمجھا دیجیے کہ آپ مومن ہو کر اس عیش وآرام وکروفر کے ساتھ رہتے ہیں اور میں کافر ہو کر اتنا خستہ حال اور آلام ومصائب میں گرفتار ہوں۔ میں یہ کس طرح تسلیم کرلوں کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے''۔ قاضی سہل نے برجستہ یہ جواب دیا:

''جب تو قیامت کے دن دوزخ میں چلا جائے گا تو اس عذابِ جحیم کے لحاظ سے تیری یہ دنیا تیرے لیے جنت معلوم ہوگی اور میں جب جنت کی بے شمار نعمتوں سے نوازا جاؤں گا تو میری یہی دنیا جنت کی عظیم نعمتوں کے مقابلے میں میرے لیے قید خانہ محسوس ہونے لگے گی''۔ (روح البیان ج ۲ ص ۲۰۴)

یہ ایک بہت ہی حکیمانہ فلسفہ ہے کہ ہر آرام اپنے سے بڑے آرام کے مقابلہ میں تکلیف نظر آتا ہے اور ہر تکلیف اپنے سے بڑی تکلیف کے اعتبار سے آرام دہ محسوس ہونے لگتی ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

''تم اپنے سے گرے ہوئے لوگوں کے حال پر نظر رکھو تو تم شکر گزار بنے رہو گے''۔

Scanned with CamScanner

ظاہر ہے کہ جب کانا اندھے کو دیکھے گا تو اس کے مقابلے میں اپنے کو بہتر سمجھ کر خدا کا شکر ادا کرے گا کہ الحمدللہ! میری ایک آنکھ تو سلامت ہے' اندھے کی تو دونوں آنکھیں غائب ہیں اور کانا جب دو آنکھوں والے کو دیکھے گا تو ضرور اس کے دل میں چوٹ لگے گی کہ افسوس میری ایک آنکھ نہیں ہے اور اس کی دونوں آنکھیں سلامت ہیں اس طرح وہ ناشکری کا مرتکب ہو جائے گا۔

(52)

مفلس و کنگال گورنر

فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت اسلامی تاریخ کا سنہری دَور تھا۔ رعایا اور حکومت کے درمیان نہایت خوش گوار تعلقات تھے' حکام اپنے عوام کا بے حد خیال رکھتے تھے' فتوحات کی بدولت اسلامی حکومت کا رقبہ مسلسل بڑھ رہا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں مرکز سے نہایت قابل اور خوفِ الٰہی رکھنے والے گورنر بھیجے جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہایت درجہ مردم شناس تھے۔ چنانچہ کسی بھی صوبے کا گورنر منتخب کرتے وقت نہایت احتیاط سے کام لیا جاتا۔ شام کا علاقہ فتح ہوا تو حمص شہر میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو والیِ شہر بنا کر بھیجا گیا۔ ان دنوں بیت المال کی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ جوں جوں بیت المال میں رقومات آتی گئیں لوگوں کے مسائل پر خلیفہ کی بھرپور توجہ بڑھتی گئی۔ مرکز مختلف علاقوں سے فقراء اور محتاجوں کی لسٹ طلب کرتا اور ان کی ضروریات بیت المال سے پوری کی جاتیں۔ ان فہرستوں کا جائزہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود لیتے اور ان پر احکامات جاری کرتے۔

اہلِ حمص کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا ہوا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے بعض معتبر اور ثقہ افراد سے کہا: اپنے شہر کے حاجت مند افراد کی فہرست بنائیں تا کہ ان کی مدد کی جا سکے۔ شہر کے حاجت مند افراد کی فہرست حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے ہے اور آپ عمیق نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اچانک ان کی نظر سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے نام پر پڑتی ہے۔ پوچھا:

''یہ سعید بن عامر کون ہے؟ جواب ملا: ''ہمارا گورنر''۔ فرمایا: ''تمہارا گورنر فقیر

ہے؟'' انہوں نے کہا:

''ہاں! اللہ کی قسم! کئی کئی دن گزر جاتے ہیں اوران کے گھر آگ نہیں جلتی''۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے' روتے روتے داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ وفد کو ایک ہزار دینار دیئے اور کہا: اپنے امیر کو میرا اسلام پہنچا دو اور ان سے کہو کہ امیر المومنین نے یہ ہدیہ ارسال کیا ہے تا کہ آپ اپنی ضرورت پوری کر سکیں۔

یہ وفد حمص پہنچ کر اپنے امیر سے ملا' عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پیغام اور امانت پیش کی۔

حضرت سعید بار بار ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھ رہے ہیں۔

بیوی نے حیران ہو کر پوچھا:

''آپ کو کیا صدمہ آ پہنچا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ امیر المومنین وفات پا گئے ہیں؟''

کہا: ''نہیں! اس سے بھی بڑی بات ہے۔ کیا مسلمانوں کو کہیں شکست ہو گئی؟'' بیوی نے پوچھا: کہا: ''نہیں! اس سے بھی بڑے صدمے اور دُکھ کی بات ہے''۔

کہنے لگیں: ''بتائیں تو سہی آخر کیا ہوا ہے جس سے آپ پریشان اور غم زدہ ہیں؟''

فرمایا: ''میری آخرت کی بربادی کا سامان ہوا چاہتا ہے' گھر میں فتنہ داخل ہو گیا ہے''۔

بیوی نے کہا: ''پھر اس سے نجات حاصل کر لیں اب گھر والی کو تو معلوم نہیں اس معاملے کا تعلق درہم و دینار سے ہے۔''

پوچھا: ''بی بی! کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کرو گی؟''

اس نے کہا: ''ہاں! کیوں نہیں چنانچہ انہوں نے تمام دینار مساکین اور مستحقین میں تقسیم کر دیئے اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گزرے کہ خود عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر حمص سے ہوا''۔

اس دور میں اس شہر کو چھوٹا کوفہ کہا جاتا تھا کہ اہلِ حمص اپنے گورنر کے خلاف اکثر شکایات کرتے رہتے تھے اور اہلِ کوفہ تو اس سلسلہ میں ضرب المثل تھے ہی۔

اہالیانِ شہر سے سوال ہوا:

''اپنے امیر کے بارے میں تمہاری آراء اور شکایات کیا ہیں؟''

امیر شہر کے خلاف چار بڑی شکایات ان کی موجودگی میں پیش کی گئیں۔

پہلی یہ تھی کہ وہ لوگوں سے خوب دن چڑھے ملاقات کرتے ہیں اس سے پہلے ان سے ملاقات بڑی مشکل ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور اور اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

''امیر المومنین! میں آپ لوگوں کو بتانا نہیں چاہتا تھا مگر صورتِ حال یہ ہے کہ میرے پاس کوئی نوکر یا غلام نہیں ہے' بیوی میری بیمار رہتی ہے' میں پہلے خود آٹا پیتا ہوں پھر اس کو گوندھتا ہوں پھر اس میں خمیر اُٹھنے کا انتظار کرتا ہوں پھر روٹی پکاتا ہوں اس دوران اشراق کا وقت ہو جاتا ہے' نفل ادا کر کے گھر سے نکلتا ہوں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہاری دوسری شکایت کیا ہے؟ کہا گیا کہ رات کو کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''ہاں سعید! اس کی کیا وجہ ہے؟''

جواب ملا:

''حضرت! میں بتانا تو نہیں چاہتا تھا دراصل میں نے پورا دن لوگوں کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر رکھا ہے اور رات اپنے رب کے لیے وقف کی ہوئی ہے''۔ پوچھا گیا: ''تیسری شکایت کیا ہے؟''

کہا گیا: ''مہینہ میں ایک دن ایسا بھی ہوتا ہے جب یہ گھر سے باہر نہیں آتے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا' جواب دیا گیا:

Scanned with CamScanner

"امیرالمومنین! میرا کوئی خادم یا غلام نہیں ہے، میرے پاس پہننے کے لیے ایک ہی جوڑا ہے۔ مہینے میں ایک مرتبہ خود ہی اس کو دھوتا ہوں اور پھر سوکھنے کا انتظار کرتا ہوں اور اس طرح شام کے وقت ہی گھر سے نکل پاتا ہوں"۔

پوچھا گیا کہ: "تمہاری چوتھی شکایت کیا ہے؟"

بتلایا گیا کہ ان کو وقتاً فوقتاً غشی کے دورے پڑتے رہتے ہیں اس کی وجہ بتائی جائے۔

جواب ملا: "میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو مکہ مکرمہ میں حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھتے وقت دیکھ رہے تھے میں اس وقت مشرک تھا۔

قریش ان کے جسم پر نیزوں سے کچوکے لگاتے اور پوچھتے:

أَتُحِبُّ أَنَّ مُحَمَّدًا مَكَانَكَ ۔

"کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد ہوں؟"

خبیب رضی اللہ عنہ جواب دیتے:

وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنِّي فِي أَهْلِي وَوَلَدِي وَأَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ شِيكَ بِشَوْكَةٍ ۔

"اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ان کو کوئی کانٹا چبھے اور میں اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہوں"۔

میں اس غلط کام میں مشرکین کی مدد اور معاونت کر رہا تھا جب وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو ندامت اور شرم و حیا سے مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے، مجھے فکر لگ جاتی ہے کہ قیامت کے دن میرا رب مجھ سے پوچھ نہ لے۔ اے کاش! میں اس وقت مسلمان ہوتا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مدد کرتا، کافروں کو روکتا یا پھر خود بھی خبیب کے ساتھ شہادت پا جاتا"۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب جوابات سنے تو ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَفِلْ فِرَاسَتِي ۔

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری فراست کو کمزوری سے بچالیا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار ان کو مزید ارسال کیے کہ اپنی گھریلو ضروریات

پوری کر سکیں۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بیوی نے دیکھا تو کہنے لگیں:

"اب اس سے ہم سواری اور نوکر وغیرہ کا بندوبست کر لیں گے"۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے بیوی سے پوچھا:

"ان چیزوں سے بہتر چیز کا انتخاب کیوں نہ کریں"۔

کہنے لگیں: "وہ کیا چیز ہے؟"

تجویز کیا: "رب تعالیٰ کو قرض دے دیتے ہیں اور اس کا اجر اس سے لیں گے"۔ نیک طینت بیوی نے اثبات میں سر ہلایا:

"اچھی بات! اللہ تمہیں اس کی جزا دے"۔

اپنے خاندان کے کسی فرد کو آواز دی:

"یہ دینار لے جاؤ اور فلاں یتیم کو اتنے دینار، فلاں مسکین کو اتنے، فلاں بیوہ کو اتنے، فلاں حاجت مند کو اتنے دینار دے آؤ"۔

اس طرح پوری رقم اسی مجلس میں خیرات کر دی۔

(حلیۃ الاولیاء ۱/۲۴۵، تاریخ دمشق الکبیر ۲۳/۱۱۵)

Scanned with CamScanner

(53)

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

حضرت سیّدنا محمد بن داؤد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت سیّدنا ابوبکر فوطی اور حضرت سیّدنا عمرو بن آدمی رحمۃ اللہ علیہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''ہم دونوں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم عروس البلاد (بغداد شریف) سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے' راستے میں ایک جگہ دو خونخوار درندے بیٹھے ہوئے تھے''۔

حضرت سیّدنا ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ سے کہا ''اے ابوعمرو! میں عمر میں تجھ سے بڑا ہوں تم میرے پیچھے چلو میں آگے چلتا ہوں تاکہ اگر یہ خونخوار درندے حملہ کریں تو میں ان کی زد میں آجاؤں اور تم بچ جاؤ''۔ حضرت سیّدنا ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''اگر میں نے ایسا کیا تو میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا' میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔ آؤ ہم دونوں ایک ساتھ چلتے ہیں اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آیا تو ہم دونوں کو ہی آئے گا''۔ چنانچہ ہم چلے اور درندوں کے درمیان سے گزر گئے۔ حملہ تو کجا انہوں نے حرکت تک نہ کی''۔ ابن جھضم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دوستی کا یہی تقاضہ ہے کہ کسی بھی حالت میں دوست کو تکلیف نہ پہنچنے دے''۔

(عیون الحکایات)

(54)

ایسی نماز اب کون پڑھے گا؟

نقل کرتے ہیں کہ عصام بن یوسف حضرت حاتم اصمؒ کی مجلس میں آئے اور ان پر اعتراض کرنا چاہا چنانچہ عصام نے حاتم سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! (حاتم کی کنیت ہے) آپ نماز کیونکر ادا کرتے ہیں؟ حاتم نے اپنا منہ عصام کی جانب کیا یعنی ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: جب نماز کا وقت آتا ہے' آ کھڑا ہوتا ہوں اور اوّل وضو ظاہری پھر وضو باطنی کرتا ہوں۔ عصام نے کہا: ان دونوں وضوؤں کی کیا صورت ہے؟ حاتم نے فرمایا: وضو ظاہر کی یہ صورت ہے کہ اعضائے وضو کو پانی سے دھوتا ہوں اور وضو باطن یہ ہے کہ اعضاء کو سات چیزوں سے دھوتا ہوں۔ توبہ' ندامت' ترکِ دنیا' مخلوق کی تعریف' ریا' کینہ اور حسد کو دل سے دُور کرتا ہوں اس کے بعد مسجد جاتا ہوں اور اعضاء کو بچھاتا ہوں اور کعبہ میرے پیشِ نظر ہوتا ہے اور امید وبیم کی حالت میں کھڑا رہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھتا ہے اور میری دائیں جنت اور بائیں دوزخ ہوتی ہے۔ ملک الموت میرے پیچھے ہوتے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ گویا میں اپنا قدم پل صراط پر رکھتا ہوں اور گمان کرتا ہوں کہ یہ نماز میری زندگی کی آخری نماز ہے پھر نیت کرتا ہوں اور خشوع وخضوع کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں اور قرآن کے معانی میں تفکر اور غور کرکے پڑھتا ہوں اور عجز وانکسار کے ساتھ رکوع اور گریہ و زاری کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں۔ اللہ کی رحمت کی امید پر تشہد پڑھتا ہوں اور اخلاص کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔ تیس سال سے یہ میری نماز ہے۔ یہ سن کر عصام زاروقطار روئے اور کہا: یہ ایسی چیز ہے کہ آپ کے علاوہ دوسرا اس پر قادر نہیں ہوسکتا۔ (نوادر القلوبی)

Scanned with CamScanner

(55)

تصوف اور دل کی صفائی

کشف المحجوب کے تیسرے باب میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے علاوہ ازیں رسالہ قشیریہ' قوتِ القلوب اور دیگر تصوف کی کتابوں میں تصوف کی جو تعریف اور حقیقت بتائی گئی ہے' ان تعریفوں کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو اکثر تعریفات سے اندازہ ہوگا کہ تصوف محض چند رسومات کا نام نہیں جیسا کہ ہمارے ہاں عام پر سمجھا جاتا ہے بلکہ تصوف سراسر اخلاق کا نام ہے۔ شیخ ابوالحسن نوری کا قول ہے:

لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَّلَا عُلُوْمًا وَّلٰکِنَّہٗ اَخْلَاقٌ ۔

(کشف المحجوب ص ۴۱)

''تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں بلکہ اخلاق کا نام ہے''۔

خواجہ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اَلتَّصَوُّفُ ھُوَالْاَخْلَاقُ الرَّضِیَّۃُ اَلتَّصَوُّفُ ھُوَالْحُرِّیَّۃُ وَالْفُتُوَّۃُ وَتَرْکُ التَّکَلُّفِ وَالسَّخَاءِ وَبَذْلُ الدُّنْیَا ۔

(اردو ترجمہ ''نافع السالکین'' ملفوظات خواجہ تونسوی' ص ۳۴۶' مطبوعہ شعاع ادب' لاہور)

''تصوف پسندیدہ اخلاق کا نام ہے۔ تصوف آزادی' جوانمردی' تکلفات کے چھوڑنے' سخاوت اور دنیا کے خرچ کرنے کا نام ہے''۔

اس کے علاوہ بھی متعدد صوفیاء نے تصوف کو اخلاق سے تعبیر کیا ہے۔ صوفیاء کے سوانح حالاتِ زندگی اور ملفوظات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے اخلاق سنوارنے اور ان کی سیرتیں بنانے میں صوفیاء نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ تصوفِ اعلیٰ اخلاق و کردار پیدا

کرنے کی ایک عظیم الشان تحریک تھی۔

صوفیاء نے محض زبانی کلامی وعظ و نصیحت پر زور نہیں دیا اور نہ ہی اخلاق پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ نہ تحریری نقوش پیش کیے ہیں' نہ جبر سے کام لیا ہے بلکہ فضائل و محاسنِ اخلاق کا ایک محسوس پیکر اور مجسمہ بن کر دِکھایا جن کی ہر جنبش لب نے ہزاروں تصنیفات کا کام دیا اور ان کے پاس بیٹھنے والے چلتی پھرتی اخلاق کی کتابیں بن گئے۔

صوفیاء کی کوشش صرف یہ نہ تھی کہ لوگوں کے ظاہری اعمال درست ہو جائیں بلکہ وہ چاہتے تھے کہ بُرائی کے سوتے ہی بند ہو جائیں' انسان کا دل بُرائی کی طرف راغب ہی نہ ہو کہ دل کی نجاست بدن کی نجاست سے بدرجہا بری ہے۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتان فرمایا کرتے تھے:

جنابت بر دو نوع است' جنابت دل ست و جنابت تن و جنابت تن از صحبت بازن حاصل شود' و جنابت دل بصحبت ناہموار' جنابت تن پاک باب شود' اما جنابت دل باب دیدہ محو گردد۔ (اخبار الاخیار ص ۶۴)

''جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جنابت دل کی' دوسری جنابت بدن کی۔ بدن کی جنابت وہ ہے جو عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہو اور دل کی جنابت نالائقوں کی صحبت سے ہوتی ہے' بدن کی جنابت تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے لیکن دل کی جنابت آنسوؤں سے دھوئی جاتی ہے''۔

صوفیائے کرام کی زندگیوں کا جو پہلو سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے' وہ ان کی تعلیم اخلاق ہے۔ جن مصنفین نے اوراد و وظائف اور کشف و کرامات کے افسانوں کو مرکزی اور بنیادی حیثیت دے رکھی ہے انہوں نے تصوف کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ خواجہ اجل شیرازی کا یہ واقعہ جو حضرت محبوبِ الٰہی نے ایک بار اپنی مجلس میں بیان فرمایا۔ مشائخ متقدمین کے لائحہ عمل' طریق کار اور مقصدِ حیات کا بہترین آئینہ دار ہے۔ امیر خورد کرمانی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

تصوف کا پہلا سبق

Scanned with CamScanner

"ایک شخص خواجہ اجل شیرازی کی خدمت میں آیا اور مرید ہو کر خواجہ صاحب کے حکم کا منتظر تھا کہ اب مجھے نماز یا ورد بتلاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے صرف یہ کہا: جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ اوروں کے لیے بھی پسند نہ کر اور اپنے لیے اس بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لیے خواہش کرتا ہے۔ مدت بعد جب وہ شخص پھر حاضر خدمت ہوا تو عرض کی: میں فلاں روز آپ کا مرید ہوا تھا اور منتظر تھا کہ آپ مجھے نماز یا ورد کی بابت فرمائیں گے لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا اب بھی میں اسی بات کا منتظر ہوں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا اس روز تجھے کیا سبق دیا تھا؟ مرید حیران رہ گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا اس روز میں نے کہا تھا کہ جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی نہ کر اور اپنے لیے اسی بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لیے کرتا ہے چونکہ تو نے پہلا سبق یاد نہیں کیا اب میں دوسرا سبق کس طرح سکھاؤں؟"

(سیر الاولیاء مترجم ص ۲۸۳، ۲۸۴ مطبوعہ لاہور)

حقیقت یہ ہے کہ تصوف نام ہی خدمتِ خلق اور تعلیمِ اخلاق کا ہے۔ مشائخ متقدمین نے اس کو یہی سمجھا تھا اور اسی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں۔

صوفیاء اپنے مریدین میں کس طرح کے اوصاف و اخلاق پیدا کرنا چاہتے تھے اس کا اندازہ کتاب اللمع میں درج حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مرید کا ادب اور اس کی ارادت کے سچے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس پر رقت، شفقت، مہربانی، سخاوت غالب ہو اور بندگانِ خدا اور اس کی مخلوق کی ہر قسم کی ناپسند بات کو برداشت کرے تا کہ وہ بندگانِ خدا کے لیے زمین بن جائے جس کے اوپر وہ دوڑیں اور اسے اپنے شیخ کے لیے ایک فرماں بردار بیٹے کی طرح ہونا چاہیے اور بچے کے سامنے مہربان باپ کی طرح اسے تمام

مخلوق کے ساتھ بھی اسی طرح رہنا چاہیے کہ ان کی تکلیف سے اسے تکلیف ہو اور ان کے مصائب پر یہ غم ناک ہو، ان کی اذیت پر صبر کرے کیونکہ سچے مریدوں سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہی ہے کہ وہ مخلوق پر اسی طرح مہربان ہوں جس طرح اللہ مہربان ہے۔ مزید برآں مرید کو انبیاء صدیقین اولیاء اللہ کے اور اللہ کے محبوبوں کے آداب کو اپنانا چاہیے تا آنکہ وہ حجابات جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہیں، اُٹھ جائیں لہٰذا جب وہ ان آداب پر کاربند ہوگا اور ان اخلاق کو اپناتا رہے گا وہ اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوگا۔ اللہ پر بھروسہ کیے ہوگا اور اس پر راضی ہوگا"۔

(کتاب اللمع فی التصوف از ابو نصر طوسی ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۳۰۲)

(56)

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

امام محمد بن مسلم (متوفی ۱۲۴ھ) جو عام طور پر ''ابن شہاب'' اور ''امام زہری'' کے لقب سے مشہور ہیں' دورِ تابعین کے انتہائی جلیل القدر اور عظیم المرتب محدث ہیں اور امام مالک اور قتادہ جیسے ائمہ فقہ و حدیث کے استاد ہیں۔ یہ اپنی علمی جلالت کے ساتھ ساتھ حق گوئی میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ دمشق عبدالملک بن مروان نے ان کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ عبدالملک خود بھی بہت زیادہ صاحب علم تھے لیکن نہایت ہی متعصب عرب تھا اور عجمی غلاموں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ دربار میں عبدالملک اور امام زُہری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا اسے سنیے اور عبرت سے سر دُھنیے۔

عبدالملک: کیوں امام زُہری کہیے اس وقت آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

امام زُہری: مکہ مکرمہ سے۔

عبدالملک: آج کل اہلِ مکہ کا پیشوا کون ہے؟

امام زُہری: عطا ابن رباح محدث

عبدالملک: یہ عربی ہیں یا عجمی؟

امام زُہری: یہ ایک عجمی غلام ہیں جنہیں کسی عرب نے خرید کر آزاد کر دیا ہے۔

عبدالملک: تو پھر مکہ کے اشراف عرب نے انہیں اپنا سردار کیسے بنالیا؟

امام زُہری: اس لیے کہ یہ دین داری اور روایتِ حدیث میں تمام اہلِ مکہ سے بڑھ کر ہیں۔

عبدالملک: بجا ہے' واقعی اہلِ دیانت و روایت اسی قابل ہیں کہ انہیں سردار بنایا

جائے۔ اچھا یمن کا مذہبی پیشوا کون ہے؟

امام زُہری: طاؤس بن کیسان محدث!

عبدالملک: یہ کون ہیں؟ عرب یا عجمی غلام؟

امام زُہری: یہ بھی عجمی غلام ہیں۔

عبدالملک: ان کی سرداری کا راز کیا ہے؟

امام زُہری: وہی دین داری اور روایت کا کمال جس نے عطاء بن رباح کو مکہ مکرمہ کا سردار بنایا۔

عبدالملک: واقعی ایسے لوگوں کو سردار قوم ہی ہونا چاہیے اچھا مصر کا حال کہیے وہاں کس کے سر' سرداری کا سہرا ہے؟

امام زُہری: یزید بن حبیب محدث!

عبدالملک: ان کو مصریوں نے کس بناء پر اپنا سردار بنالیا؟

امام زُہری: جس بناء پر اہلِ مکہ نے عطاء بن رباح اور اہلِ یمن نے طاؤس کو اپنا امام بنالیا۔

عبدالملک: اچھا اہلِ شام کا امام کون ہے؟

امام زُہری: مکحول محدث!

عبدالملک: یہ کون ہیں؟

امام زُہری: یہ ایک عجمی ہیں جن کو قبیلہ ہذیل کی ایک عورت نے آزاد کر دیا تھا۔

عبدالملک: اچھا اہلِ جزیرہ کا مقتدیٰ کون ہے؟

امام زُہری: میمون بن مہران محدث!

عبدالملک: ان کا حال بتائیے؟

امام زُہری: جی! یہ بھی غلام ہی ہیں۔

عبدالملک: ارے امام زُہری! یہ تو بتاؤ کہ اس وقت حرم محترم مدینہ منورہ کی سرداری کا تاج کس کے سر پر ہے؟ غالباً یہاں کا پیشوا تو ضرور عرب ہی ہوگا۔

Scanned with CamScanner

امام زُہری: جی نہیں! مدینہ منورہ کے پیشوا بھی غلام ہی ہیں جن کا نام ضحاک بن مزاحم ہے۔

عبدالملک: اچھا بصرہ کا کیا حال ہے؟ کیا وہاں کسی عرب کو مذہبی قیادت کا شرف حاصل ہے؟

امام زُہری: بصرہ کے پیشوا تو خواجہ حسن بصری ہیں جو غلام خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

عبدالملک: ہائے افسوس! اللہ! کوفہ کا حال بتائیے؟ وہ لوگ کس کی امامت کا دَم بھرتے ہیں؟

امام زُہری: کوفہ میں تو ابراہیم نخعی امامت قوم کے تاج دار ہیں۔

عبدالملک: ان کا حسب نسب بتائیے؟

امام زُہری: یہ عرب ہیں۔

عبدالملک: امام زُہری خدا کی قسم! تم نے میرے دل کے بند دریچوں کو کھول دیا۔

واللہ! مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ مستقبل میں یہی عجمی غلام امام ومقتدیٰ بن کر منبر پر خطبہ پڑھیں گے اور اشراف عرب منبروں کے نیچے بیٹھے ہوں گے۔ ہائے افسوس! یہ کتنا بڑا انقلاب ہوگا۔

امام زُہری: امیر المومنین! اس میں تعجب یا افسوس کی کونسی بات ہے؟ ''تعلیم اسلام'' خدا کا دین ہے جو علمِ دین حاصل کر کے اسلام کی خدمت وحفاظت کرے گا وہ یقیناً بلند مرتبہ ہو کر سرداری کا تاج پہنے گا اور جو اس کو ضائع کر دے گا وہ بلاشبہ ذلت وپستی کے عمیق غار میں گر کر ذلیل وخوار ہو جائے گا''۔

(روح البیان ج ۲، ص ۳۲۱)

علمائے حق کو ہر ایک کے سامنے کلمۂ حق کہہ دینے میں ہرگز کوئی خوف وہراس نہیں رکھنا چاہیے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ظالم بادشاہ کے منہ پر حق بات کہہ دینا ایک

افضل قسم کا جہاد ہے اسی لیے علمائے سلف کا یہی طریقہ رہا کہ وہ پھولوں کے ہار کے نیچے ہوں یا تلوار کی دھار کے نیچے ہر حال میں وہ کلمہ الحق کہتے رہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں ''روباہی''

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

سلیمان بن عبدالملک جو بنی اُمیہ کا بادشاہ تھا' ایک مرتبہ شیخ الحدیث ابوحازم سے دریافت کیا: ''اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ دنیا کو پسند اور آخرت کو ناپسند کرتے ہیں؟''

آپ نے برجستہ جواب دیا:

''تم لوگوں نے دنیا کو آباد کیا اور آخرت کو برباد کیا اس لیے تم لوگ آبادی سے ویرانے کی طرف منتقل ہونے سے گھبراتے ہو''۔

پھر سلیمان نے پوچھا:

''کاش ہم کو معلوم ہو جاتا کہ آخرت میں ہمارا کیا حال ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''قرآن پڑھ لو تمہیں معلوم ہو جائے گا''۔

سلیمان نے کہا: ''کون سی آیت پڑھوں؟''

آپ نے فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ۔

''نیکو کار یقیناً جنت میں اور بدکار یقیناً جہنم میں ہوں گے''۔

پھر سلیمان نے یہ دریافت کیا: دربارِ الٰہی میں بندوں کی حاضری کا کیا منظر ہوگا؟ آپ نے جواب دیا:

''نیکوکار کا تو یہ حال ہوگا کہ جیسے برسوں کا بچھڑا ہوا مسافر خوشی خوشی اپنے اہل وعیال میں آتا ہے اور بدکار کا یہ حال ہوگا کہ جیسے بھاگا ہوا غلام گرفتار کر کے آقا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے''۔

شیخ ابوحازم کی یہ حق گوئی تاثیر کا تیر بن کر سلیمان کے قلب میں پیوستہ ہوگئی اور وہ چیخ مار کر رونے لگا۔ (روح البیان ج ۵، ص ۲۵۳)

Scanned with CamScanner

ایک عالمِ ربانی کے اخلاص میں ڈوبے ہوئے کلمات کی تاثیر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پتھر سے سخت دل بھی موم سے زیادہ نرم ہوجاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے: ''از دل خیزد بر دل ریزد'' یعنی

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آراء کوئی

خلیفہ بغداد ''مامون رشید'' کو کچھ تو ''خاندان برامکہ'' کی صحت اور کچھ ''فضل بن سہل'' شیعہ وزیر کے اثرات نے شیعہ مذہب کی طرف مائل کردیا تھا چنانچہ اچانک اس نے ایک دن فرمانِ شاہی کے ذریعے یہ اعلان کرادیا کہ ''متعہ حلال ہے'' اس کی وحشت انگیز منادی نے تمام شہر کے سکون کو درہم برہم کردیا اور علمائے حق انتہائی برافروختہ ہوگئے لیکن ایک جابر حکومت کی آواز کو کون دبا سکتا تھا؟ یہ ایک بڑا کٹھن سوال تھا اس پُر خطر موقع پر قاضی یحییٰ بن اکثم نے جس جرأت رندانہ کا مظاہرہ کیا وہ علمائے حق کی تاریخ میں ایک عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے جس کے نقش ونگار کو قیامت تک گردشِ لیل ونہار بھی نہیں مٹا سکتی۔ آپ ایک دَم دندناتے ہوئے دربارِ شاہی میں پہنچ گئے اور نہایت مغموم چہرہ بنائے ہوئے مامون رشید کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا: امیر المومنین! بڑا غضب ہوگیا کہ اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑ گیا۔

مامون رشید: وہ کیا؟ خیر تو ہے؟ قاضی یحییٰ: زنا حلال کردیا گیا۔
مامون رشید: یہ کس طرح؟ قاضی یحییٰ: متعہ زنا ہی تو ہے۔
مامون رشید: یہ کس دلیل سے ہے؟
قاضی یحییٰ: کیا جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ باندی ہے؟
مامون رشید: جی نہیں!
قاضی یحییٰ: پھر کیا وہ بیوی ہے؟ کیا اس کو میراث مل سکتی ہے؟
مامون رشید: نہیں! وہ بیوی تو نہیں ہے اور اس کو میراث بھی نہیں مل سکتی۔

قاضی یحییٰ: تو اے امیر المومنین! قرآن نے دو ہی عورتوں کو حلال کیا ہے
اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ.
''بیوی'' اور ''باندی'' پھر یہ تیسری عورت کہاں سے حلال ہوگئی کہ آپ نے متعہ حلال ہونے کی منادی کرادی؟

قاضی یحییٰ کا قرآن سے منطقی استدلال سن کر مامون رشید کے ہوش اُڑ گئے اور اس نے جواب سے عاجز ہوکر اپنی خودرائی پر کفِ افسوس ملتے ہوئے یہ حکم دے دیا کہ تمام حدود وسلطنت میں فرمانِ شاہی کے ذریعے اعلانِ عام کرادیا جائے کہ ''متعہ'' یقیناً ''زنا'' ہے اور قطعاً حرام ہے۔ (ابن خلکان تذکرہ قاضی یحییٰ)

کتنا ہی پُر خطر اور نازک تر موقع کیوں نہ ہو لیکن جب ایک عالم ربانی حق کی نصرت و حمایت کے لیے ڈٹ کر کھڑا ہوجاتا ہے تو آسمان سے اس کے لیے نصر من اللہ وفتح قریب کا سامان اُتر پڑتا ہے۔ سچ ہے

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

(57)

جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا' اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو اس کے راستے میں بٹھا دیا جب وہ شخص وہاں سے گزرا تو فرشتے نے اسے روک کر پوچھا: أَيْنَ تُرِيْدُ؟'' کہاں جا رہے ہو؟
اس نے جواب دیا: أُرِيْدُ أَخًا لِيْ فِيْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۔
''میں اسی بستی میں اپنے بھائی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں''۔
فرشتے نے اس آدمی سے پوچھا: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا ۔
''کیا تمہارا اس کے اوپر کوئی احسان ہے جس کو پروان چڑھانے اور برقرار رکھنے کے لیے جا رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا:
''نہیں! صرف اتنی بات ہے کہ میں اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں''۔ فرشتے نے یہ جواب سن کر کہا:
فَإِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكَ، بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيْهِ ۔
''میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہیں اطلاع دے دوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے ویسے ہی محبت کرتا ہے جیسے تم اس بھائی سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہو''۔ (مسلم ۲۵۶۷' مسند احمد ۲/۲۹۲)

(58)

ایک اللہ والے کی توبہ کا واقعہ

حضرت سیّدنا علی بن حشرم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
''مجھے حضرت سیّدنا فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ کے ایک پڑوسی نے بتایا کہ ''توبہ سے قبل حضرت سیّدنا فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ اتنے بڑے اور خطرناک ڈاکو تھے کہ پورے پورے قافلے کو اکیلے ہی لوٹ لیتے۔ ایک مرتبہ ایک قافلہ آپ کے علاقے کے قریب سے گزرا انہیں وہیں رات ہو گئی۔ آپ ڈاکہ ڈالنے کی نیت سے جب قافلے کے قریب پہنچے تو بعض قافلے والوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ''تم اس بستی کی طرف نہ جاؤ بلکہ کوئی اور راستہ اختیار کر لو یہاں فضیل نامی ایک خطرناک ڈاکو رہتا ہے''۔
جب قافلے والوں کی یہ آواز سنی تو آپ پر کپکپی طاری ہو گئی اور بلند آواز سے کہا:
''اے لوگو! میں فضیل بن عیاض تمہارے سامنے موجود ہوں۔ جاؤ! بے خوف و خطر گزر جاؤ' تم مجھ سے محفوظ ہو۔ خدا کی قسم! آج کے بعد میں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا''۔
اتنا کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے چلے گئے اور اپنے تمام سابقہ گناہوں سے توبہ کر کے راہِ حق کے مسافروں میں شامل ہو گئے''۔
ایک قول یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس رات قافلے والوں کی دعوت کی اور فرمایا:
''تم فضیل بن عیاض سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھو''۔

Scanned with CamScanner

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے جانوروں کے لیے چارہ وغیرہ لینے چلے گئے جب واپس آئے تو کسی کو قرآن پاک کی یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے سنا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (پ۲۷ الحدید ۱۶)

"کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد کے لیے"۔

قرآنِ کریم کی یہ آیت تاثیر کا تیر بن کر آپ کے سینے میں اُتر گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے گریہ وزاری شروع کر دی اور اپنے کپڑوں پر مٹی ڈالتے ہوئے کہا:

"ہاں! کیوں نہیں! اللہ کی قسم! اب وقت آ گیا اب وقت آ گیا"۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح روتے رہے اور پھر اپنے تمام سابقہ گناہوں سے توبہ کر لی۔

(عیون الحکایات)

(59)

ایک عادل بادشاہ اور شیطان

نقل کرتے ہیں کہ ایک جوان بادشاہ سلطنت کا مالک ہوا مگر اس نے سلطنت میں کوئی لذت نہ پائی۔ پس اپنے مصاحبین سے دریافت کیا کہ لوگوں کی اس بارے میں کیا میری ہی جیسی حالت ہوتی ہے؟ مصاحبین نے عرض کیا' نہیں اور لوگ راہِ راست پر قائم اور ثابت تھے۔ بادشاہ نے ان سے کہا: کون سی ایسی چیز ہے جو سلطنت کو میرے لیے قائم اور ثابت کر دے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ کے لیے علماء اس کو قائم اور ثابت کریں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے شہر کے عالموں اور نیک لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا: تم لوگ میرے پاس بیٹھو اور مجھ سے جو بات طاعتِ الٰہی کیلئے دیکھو اس کا مجھے حکم دو اور جو بات گناہ کی دیکھو اس سے مجھے باز رکھو۔ پس علماء وصلحاء نے ایسا ہی کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سلطنت چار سو برس تک قائم رہی اس کے بعد ابلیس (خدا اس پر لعنت کرے) بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: ابلیس ہوں لیکن تم مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ بادشاہ نے کہا: میں اولادِ آدم میں سے ایک آدمی ہوں۔ ابلیس نے کہا: اگر تم اولادِ آدم میں سے ہوتے تو اوروں کی طرح کب کے مر چکے ہوتے۔ تم تو معبود قابلِ پرستش ہو۔ پس لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دو۔ ابلیس کے اغوا سے بادشاہ کے دل میں بھی یہ بات اثر کر گئی چنانچہ وہ منبر پر چڑھا اور کہا: اے لوگو! میں تم سے ایک بات پوشیدہ رکھتا تھا مگر اس کے اظہار کا وقت آ گیا ہے تم جانتے ہو کہ میں چار سو برس سے تمہارا بادشاہ ہوں اگر میں اولادِ آدم سے ہوتا تو جس طرح عام انسان مرتے ہیں میں بھی ضرور مر گیا ہوتا۔ میں تو تمہارا معبود ہوں۔ پس تم لوگ میری عبادت کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کے پاس

Scanned with CamScanner

وحی بھیجی کہ اس کو خبر دو کہ جب تک وہ راہِ راست پر قائم تھا میں نے اس کا ملک قائم اور ثابت رکھا جب وہ میری نافرمانی کی طرف مائل ہو گیا تو مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ اس پر بختِ نصر جیسے ظالم بادشاہ کو مسلط کروں گا چنانچہ بختِ نصر نے اس پر حملہ کیا اس کو قتل کیا اور اس کے خزانوں سے ستر کشتیاں سونے کی بھر کر لے گیا۔ واللہ اعلم

(نوادر القلوبی)

(60)

رہبانیت اور تصوف

صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پر ''رہبانیت'' ''مردم بے زاری'' ''ترکِ دنیا'' اور ''ذہنی و جسمانی قوی کو مضمحل'' کردینے کا جو اعتراض یا الزام لگایا جاتا ہے' دراصل بغض و عناد یا تحریکِ تصوف اور صوفیاء کے اصل مشن سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔ غارِ حرا میں تخلیہ والی سنتِ نبوی کے مطابق ''تربیتی کورس'' کے طور پر اگر کسی صوفی نے کچھ عرصہ عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ مخلوقِ خدا سے لاتعلق رہے جن لوگوں کی زندگی کا محور ہی محبتِ الٰہی' عشقِ الٰہی اور اللہ ہی کے لیے جینا اور مرنا تھا اور جن کا مشن دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کرنا تھا جن کی ہر حرکت اور ہر عمل سنت کے مطابق تھا اور جن کا ہر قدم اتباعِ نبوی ﷺ میں اُٹھتا تھا' کیسے ممکن تھا کہ وہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ ۔

''اسلام میں کسی قسم کی رہبانیت نہیں''۔

(الموسوعہ لاطراف الحدیث ج ۷ تحت حرف لا بحوالہ کشف الخفاء للعجلوانی)

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِه ۔

(مشکوٰۃ ص ۴۲۵ مطبوعہ کراچی)

جیسے ارشادِ نبوی ﷺ کے سامنے ہوتے ہوئے خلقِ خدا سے کنارہ کش رہتے اور ان کے ساتھ دینی و دنیوی احسان نہ کرتے' دین و دنیا کی دوئی مغرب کی تقسیم ہے۔ اسلام اس تقسیم کو جائز قرار نہیں دیتا۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی (شعبہ عربی' دہلی یونیورسٹی) نے لکھا ہے:

''مغربی علماء نے کلچر کو دو خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک کو وہ مادی کلچر کہتے ہیں' دوسرا روحانی کلچر ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کے طرزِ فکر میں ایک نمایاں

فرق یہ ہے کہ وہاں روحانی کلچر، مادی کلچر یعنی ہماری معیشت یا ہمارا سماجی ڈھانچہ روحانی کلچر کا تابع دار بن کر رہے اس کے بغیر اعلیٰ اقدار کا تحفظ ممکن نہیں اس اعتبار سے ہمارے مشائخ خانقاہوں اور زاویوں میں بیٹھ کر بھی زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ عزلت و رہبانیت کی زندگی گزاریں۔ یعنی وہ صرف اپنی نجات کے طالب نہیں ہوتے بلکہ پورے معاشرے کی فلاح و نجات چاہتے ہیں اور یہی تصوف کا مقصد ہے"۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی زمانے میں بادشاہ اور امراء نے جمنا ندی کے کنارے اپنے محلات بنا لیے تھے۔ امراء کی ان ڈیوڑھیوں میں ہر طرح کی بداخلاقی، لہو لعب اور لایعنی باتیں عام تھیں۔ بقول شخصے

شاہد و شمع و شراب و شکرو نائے و سرود

حضرت نے یہ دیکھا تو پہلے یہ کیا کہ شہر کے کنارے کسی باغ میں جا کر تلاوت اور نوافل میں مشغول رہتے پھر سوچنے لگے کہ اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں یہاں کھلم کھلا فسق و فجور دیکھا نہیں جاتا۔ ایک دن اسی ذہن میں پریشان بیٹھے تھے کہ ایک مجذوب نوجوان ملا اس نے آپ کو دیکھ کر یہ اشعار پڑھے:

آن روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود
درگوشہ نشستت نمی دارد سود

پھر اس نوجوان نے کہا: "اول تو (بحیثیت شیخ) مشہور نہیں ہونا چاہیے جب شہرت ہوگئی تو پھر ایسے بنو کہ قیامت کے دن رسول اللہ علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔ یہ کوئی قوت اور حوصلہ نہیں ہے کہ خلق سے کنارہ کشی کر لی اور حق سے مشغول ہو گئے، ہمت اور حوصلہ تو یہ ہے کہ باوجود خلق حق سے مشغول رہیں"۔ (سیر الاولیاء ص ۱۱۱)

یہ باتیں حضرت نے گرہ میں باندھ لیں اور طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو، میں شہر میں رہوں گا اور عوام و خواص کی اصلاح احوال کے لیے جو کچھ ہو سکے گا، کروں گا۔

(نقد ملفوظات ص ۲۲۲۔۲۲۳ مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۹۸۹)

آپ نے غیاث پور ہی میں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی میں بسر ہوا۔ بعض مرتبہ تین تین دن کے فاقے کرنے پڑے۔

(سیر الاولیاء ص ۱۳۰، ۱۱۲ ابتدائی زمانہ کا حال مفصل درج ہے)

لیکن استغناء کا یہ عالم رہا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے گاؤں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو فرمادیا:

"مجھے اور میرے خدمت گاروں کو تمہارے گاؤں کی چنداں ضرورت نہیں، میرا اور ان کا خدا کارساز اور میر سامان ہے"۔ (ایضاً ص ۱۲۲ مترجم)

بعد کو جب فتوح کا دروازہ کھل گیا۔ (خیر المجالس ص ۸۷ پہ لکھا ہے فتوح کا ایسا سلسلہ تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جمنا کا رُخ ان کی خانقاہ کی طرف کر دیا گیا ہے)

اور ہزاروں آدمی ان کے لنگر سے کھانے لگے اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری کے وقت اس لیے کھانا نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے۔ (سیر الاولیاء ص ۱۲۸)

خلق کی اس دردمندی نے انہیں اقلیم دل کا حکمران بنا دیا۔ کوئی شخص اپنی لڑکیوں کے رشتہ کی وجہ سے پریشان ہوتا تو ان سے عرض حال کرتا، دل میں کوئی خلش ہوتی، بے اختیار غیاث پور کی طرف قدم اُٹھنے لگتے۔ حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک کا درد و غم سنتے، اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہِ خداوندی میں ایک ایک تکلیف اپنے اوپر طاری کر کے دعا فرماتے۔ کسی نے سچ کہا ہے:

چیست انسانی تپیدن در غم ہمسائگاں
از سموم نجد در باغ عدن پژماں شدن
خوار دیدن خویش را از خواری ابنائے جنس
در شبستاں تنگ دل از محنت زنداں شدن

Scanned with CamScanner

آتش قحطے کہ در کنعاں بسوزد باغ و کشت
برفراز تخت مصر از تاب آں بریاں شدن

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لیے دعا کی تھی کہ ایک ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں ایک خلقِ کثیر آسائش وراحت سے رہے۔ (ایضاً ص ۱۱۷، بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ا: ۲۲۶۔ ۲۲۷، طبع دہلی) تقریباً پچاس سال تک انسانی دلوں نے اس طرح ان کی خانقاہ میں راحت وسکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر، تمازت آفتاب سے خستہ جان، ٹھنڈے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت واطمینان کا سانس لیتا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امیر وغریب، عارف وعامی، شہری اور دیہاتی، بوڑھے اور بچے سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ (تاریخ فیروز شاہی از برنی ص ۳۴۳) امیر خسرو فرماتے ہیں:

در نظر اوز گدا و ملوک   درشدہ بے جادہ بسلک سلوک
بردر اوہر کہ ارادت نمود   زندہ جاوید شدار مردہ بود

جو شخص جس وقت آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوتا اسی وقت باریابی کی اجازت دی جاتی۔

☆ مولانا خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم اور اصلی جانشین ہوئے اور چراغ دہلی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے اس بات کے بڑے خواہش مند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انہوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اودھ میں رہتا ہے۔ خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا (کلام فارسی کا ترجمہ)

''ان سے کہہ دو کہ تمہیں مخلوق ہی کے درمیان رہنا ہوگا اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رُخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس کا بدلہ سخاوت وایثار سے دینا ہوگا''۔

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ۳، ص ۱۴۸۔ ۱۴۹)

یہ صوفیاء العیاذ باللہ ''خودرا فضیحت دیگراں را نصیحت'' نہ تھے بلکہ خود عملی طور پر سراپا محبت، رحمت، نرمی، عفو ودرگزر، تواضع اور فیاضی وسخاوت تھے اور اپنے عمل سے ہی اپنے مریدین ومعتقدین میں اخلاقی خوبیاں اپنانے کا جذبہ پیدا کرتے تھے، ان کا وعظ صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ عملی وعظ تھا۔ وہی بات کہتے تھے جس پر پہلے خود عمل کرتے تھے۔

☆ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص چھری سمیت پایا گیا جب اس بات کی اطلاع سلطان المشائخ کو ہوئی تو آپ نے کسی شخص کو اجازت نہ دی کہ اس شخص کو ستائے پھر اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا: اس بات کا اقرار کرو کہ آئندہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ گے اس نے اقرار کیا پھر آپ نے اسے راستے کا خرچ دے کر رخصت فرمایا۔ بعد ازاں دشمنی کے بارے میں فرمایا: ظلم کو برداشت کر جانا بہ نسبت بدلہ لینے کے بدرجہا بہتر ہے پھر یہ شعر زبان سے ارشاد فرمائے:

ہر کہ مارا رنج دارد راحتش بسیار باد
وآنکہ مارا خوار دارد ایزد اورا یار باد
ہر کہ او خارے نہد در راہ من از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

پھر فرمایا اگر کوئی شخص تمہارے راستے میں کانٹے رکھے اور تم بھی اس کے عوض کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں میں تو یہ دستور ہے کہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں یہاں نیک وبد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیے۔ (سیر الاولیاء مترجم ص ۵۱۳۔ ۵۱۴)

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا:

''بعض لوگ آپ کو برسرِ منبر بُرا بھلا کہتے ہیں اور ہم ایسا سننے کی تاب نہیں رکھتے''۔

فرمایا: ''میں نے سب کو معاف کر دیا۔ جو مجھے بُرا بھلا کہتا ہے میں اسے معاف کر دیتا ہوں چونکہ میں معاف کرتا ہوں اس لیے تمہیں بھی لازم ومناسب ہے کہ معاف کر دو''۔ (ایضاً ص ۵۱۴)

☆ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا: آدمی میں ایک قلب ہوتا ہے اور ایک نفس جب بھی کوئی آدمی ازراہ نفس پیش آئے تو اس سے ازراہ قلب پیش آنا چاہیے یعنی نفس میں لڑائی جھگڑا، شور وغوغا اور فتنہ وفساد ہوتا ہے اور قلب میں سکون، رضا، خوشنودی اور نرمی و لطافت۔ جب کوئی ازراہ نفس پیش آئے مگر (جواباً) اس کے ساتھ ازراہ قلب پیش آئیں تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دوسرے کے نفس کا مقابلہ نفس ہی سے کرتا ہے تو پھر لڑائی جھگڑے اور فتنے کی کوئی حد نہیں رہتی اس موقع پر تحمل و بردباری کی فضیلت کے بارے میں زبان مبارک سے آپ نے یہ شعر ارشاد فرمایا:

زہر بادی چوکاہی بلرزی
اگر کوہی بکاہی ہم نیرزی

(فوائد الفواد مترجم ص ۲۶۲ طبع علماء اکیڈمی لاہور)

''اگر تم ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ ایک تنکے کی طرح کانپنے لگو گے تو پھر پہاڑ ہو کر بھی ایک تنکے کے برابر قیمت نہ پاؤ گے''۔

☆ ایک صوفی اور مرد خدا کے اوصاف و اخلاق کیا ہوتے ہیں اور وہ کن صفات کا حامل ہوتا ہے اس عظیم انسان کا تعارف شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں کرایا ہے:

''اس کی رحمت و شفقت کا آفتاب ہر ایک پر چمکتا ہے، وہ خود نہیں کھاتا، لوگوں کو کھلاتا ہے، خود نہیں پہنتا، لوگوں کو پہناتا ہے۔ لوگوں سے اسے جو تکلیف پہنچتی ہے، اس کی طرف نگاہ نہیں کرتا، ان کے ظلم کو نہیں دیکھتا۔ اپنے پر ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے۔ جفا کا بدلہ وفا سے دیتا ہے، گالی کا بدلہ دعا وثنا سے دیتا ہے تو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں کرتا ہے اس لیے کہ وہ محفوظ ہے اس کے دل کی فضا سے سوائے باد راحت کے خلق پر کوئی ہوا نہیں چلتی۔ وہ شفقت میں آفتاب کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست پر چمکتا ہے اسی طرح دشمن پر چمکتا ہے تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام مخلوق اس پر

پاؤں رکھتی ہے وہ کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتا۔ مخلوق پر دست درازی کرنے سے اس کا ہاتھ کوتاہ ہوتا ہے، تمام مخلوق اس کی عیال ہوتی ہے لیکن وہ کسی کا عیال نہیں ہوتا۔ سخاوت میں دریا کی طرح ہوتا ہے، دشمن کو اسی قدر نوازتا ہے جس قدر دوست کو۔

مشرق مغرب کی جملہ مخلوقات پر رحمت ہی رحمت بن کر برستا ہے کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے جو کچھ دیکھتا ہے، ایک ہی جگہ سے دیکھتا ہے (یعنی تمام مخلوق کو اس ذات پاک سے منسوب سمجھتا ہے) اس کی آنکھ ''اہل جمع'' کی آنکھ ہوتی ہے اس کے وجود کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے جو ان اوصاف سے موصوف نہ ہو اس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و مقام حاصل نہیں ہوتا''۔

(''تاریخ دعوت وعزیمت'' مؤلفہ ابوالحسن علی ندوی، حصہ سوم ص ۲۱۴۔۲۱۳۔۲۱۲ (بحوالہ مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، مکتوب ہفت وچہارم)

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''درویشوں کا طریقہ تحمل ہے اور تحمل بھی اس قدر کہ اگر کوئی آدمی اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھ دے یا مارے بھی اس سے راضی وخوش رہے، دم مارنا اور اس کے واسطے بددعا کرنا سزاوار نہیں''۔

(''راحت القلوب'' (ملفوظات بابا فرید گنج شکر مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء) مجلس ہشتم شامل در مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت، ص ۱۶۵، طبع دہلی ۱۳۳۴ھ)

(61)

اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہلِ سنت کا عقیدہ

"امام الحرمین" کسی امیر کی دعوت میں تشریف لے گئے تو وہاں بڑے بڑے اکابر علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ناگہاں ایک شخص نے آپ سے یہ سوال کیا:

"خداوند تعالیٰ مکان سے پاک ہے اس کی دلیل ہے؟ قرآن میں تو الرحمٰن علی العرش استویٰ وارد ہوا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "عرش" خدا کا مکان ہے"۔ "امام الحرمین نے فرمایا:

"خدا کے لیے کوئی مکان نہیں اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب دریا کی گہرائی میں ایک مچھلی نگل گئی تو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کہا اور خدا کو حاضر کی ضمیر انت سے پکارا اور عرض کیا:

"اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بے شک میں حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا"۔

اور ہمارے حضور نبی اکرم ﷺ جب شبِ معراج میں عرش مجید کی بلندی پر تشریف لے گئے تو آپ نے بھی لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ کہہ کر خدا کو ضمیر حاضر "انت" سے پکارا اور عرض کیا:

"اے اللہ! میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا تو ایسے ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے"۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خدا کا کوئی خاص مکان ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کا عرش پر اور حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں دونوں جگہ خداوند تعالیٰ کو "انت" (تو) کہہ کر پکارنا صحیح نہیں ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص مکان نہیں ہے بلکہ عرش و فرش مکان و لامکاں بلکہ کائنات عالم کے ذرے ذرے میں اس کی ذات کی تجلی ہر جگہ یکساں ہے"۔

(روح البیان ج ۱ ص ۳۱۱)

اہلِ سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ خداوندِ قدوس مکان، زمان، جہت وغیرہ تمام جسمانی لوازم سے پاک ہے اور کائنات عالم کی ہر شے میں اس کی ذات پاک کے جلووں کی تجلیاں موجود ہیں۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

بے حجابی یہ کہ ہر ذرّے میں جلوہ آشکار
اس پہ یہ گھونگھٹ کی صورت آج تک نادیدہ ہے

Scanned with CamScanner

(62)

مسلمان کی پردہ پوشی

حضرت عمر فاروق ؓ' عبداللہ بن مسعود ؓ کے ہمراہ رات کے وقت معمول کے مطابق گشت پر تھے' رات کے اندھیرے میں انہیں روشنی سی نظر آئی۔ انہوں نے روشنی کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ایک گھر نظر آیا' اندر سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ اچانک عمر فاروق ؓ گھر کے صحن میں داخل ہوئے۔ ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک بوڑھا شخص اس کے ہاتھ میں جام' سامنے گانے والی عورت' آدھی رات کا وقت۔ عمر فاروق ؓ نے اس کو للکارا:

مَا رَأَيْتُ كَاللَّيْلَةِ مَنْظَرًا أَقْبَحَ مِنْ شَيْخٍ يَنْتَظِرُ أَجَلَهُ ۔

''میں نے آج رات اس بوڑھے شخص سے زیادہ قبیح اور شرمناک فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ وہ اپنے آخری وقت کے انتظار میں ہے مگر شراب و کباب میں مست گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لادے جا رہا ہے''۔ وہ بوڑھا شخص کہنے لگا:

''امیر المومنین! بلاشبہ میں جو کام کر رہا ہوں نہایت بُرا ہے مگر ذرا غور کریں جو کام آپ نے کیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بُرا ہے۔ آپ نے تجسس کیا ہے حالانکہ اسلام نے تجسس سے منع کیا ہے اور آپ میرے گھر میں میری اجازت کے بغیر داخل ہوئے ہیں حالانکہ یہ منع ہے''۔

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا''۔

پھر وہاں سے روتے ہوئے نکلے اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

ثَكِلَتْ عُمَرَ أُمُّهُ إِنْ لَمْ يَغْفِرْ لَهُ رَبُّهُ يَجِدُ هٰذَا ۔ كَانَ يَسْتَخْفِيْ بِهٖ

مِنْ أَهْلِهٖ فَيَقُوْلُ: الْآنَ رَآنِيْ عُمَرُ فَيَتَتَابَعُ فِيْهِ ۔

''عمر کو اس کی ماں گم پائے اگر اس کو اس کے رب نے بخش نہ دیا۔ یہ شخص اپنے گھر والوں سے چھپ کر یہ معصیت کر رہا تھا اب وہ کہے گا عمر نے تو مجھے دیکھ ہی لیا چنانچہ وہ بار بار اس معصیت کا ارتکاب کرے گا''۔

اس واقعہ سے پہلے یہ شخص حضرت عمر ؓ کی مجلس میں حاضری دیا کرتا تھا اب اس نے خوف اور شرم کے باعث حاضری چھوڑ دی۔ کچھ عرصے کے بعد ایک دن عمر فاروق ؓ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہی بوڑھا شخص اپنے آپ کو چھپائے ہوئے مجلس میں داخل ہوا' مجلس میں کافی لوگ بیٹھے تھے' یہ شخص مجلس کے آخر میں بیٹھ گیا۔ حضرت عمر ؓ نے اسے دیکھ لیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس بوڑھے کو میرے پاس بھجوا دو۔ وہ شخص پریشان ہوا کہ میں تو اسی بات سے گھبراتا تھا بہر حال لوگوں نے کہا: جاؤ عمر ؓ بلا رہے ہیں۔ وہ ڈرتا ڈرتا قریب آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اسے مزید اپنے قریب بلایا' وہ ذرا اور قریب ہوا تو فرمایا:

''اور قریب آ جاؤ''۔ اس طرح قریب کرتے کرتے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

پھر فرمایا: ''ذرا کان میرے قریب کرو''۔

پھر اس کے کان میں فرمایا:

أَمَا وَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ رَسُوْلًا مَا أَخْبَرْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ بِمَا رَأَيْتُ مِنْكَ، وَلَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَإِنَّهُ كَانَ مَعِيَ ۔

''سنو! اس ذات کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے جو اس روز دیکھا کسی شخص کو نہیں بتایا حتیٰ کہ ابن مسعود کو بھی حالانکہ وہ اس رات میرے ساتھ تھے''۔ اس شخص نے کہا:

''امیر المومنین! ذرا اپنا کان میرے قریب کریں''۔ پھر اس نے کہا:

وَلَا أَنَا وَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ رَسُوْلًا' مَا عُدْتُ إِلَيْهِ حَتّٰى جَلَسْتُ مَجْلِسَ هٰذَا ۔

''اس ذات کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے اس

Scanned with CamScanner

دن سے آج کی مجلس میں حاضر ہونے تک میں نے کبھی دوبارہ ایسا کام نہیں کیا"۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سننے کے بعد اتنی خوشی ہوئی کہ آپ نے بلند آواز میں "اللہ اکبر" کہا۔ لوگوں کو اس بات کا قطعاً علم نہیں تھا کہ انہوں نے اللہ اکبر کس وجہ سے کہا ہے۔ (حیاۃ الصحابہ:۳/۱۴۹ کنز العمال۲/۱۴۱)

(63)

کیا یہ بھکاری ہے

حضرت سیّدنا احمد بن محمد طوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "میں نے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مشہور ولی حضرت سیّدنا ابراہیم آجری علیہ الرحمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"میرے استاذ حضرت سیّدنا ابراہیم آجری کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "سردیوں کے دن تھے' میں مسجد کے دروازے کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ میرے قریب سے ایک شخص گزرا جس نے دو گدڑیاں اوڑھ رکھی تھیں۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ شاید یہ ان میں سے ہے جو بھیک مانگتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا جب میں سویا تو خواب دیکھا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے' مجھے بازو سے پکڑا اور اسی مسجد میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ قریب ہی ایک شخص دو گدڑیاں اوڑھے سو رہا ہے جب اس کے چہرے سے گدڑی ہٹائی گئی تو میں حیران رہ گیا کہ یہ وہی شخص ہے جو میرے قریب سے گزرا تھا۔ فرشتوں نے مجھ سے کہا "اس کا گوشت کھاؤ" میں نے کہا: "میں نے تو اس کی غیبت نہیں کی" کہا "کیوں نہیں! تیرے نفس نے اس کی غیبت کی اور تو نے اس کو حقیر جانا اور اس سے ناخوش ہوا"۔ حضرت سیّدنا ابراہیم آجری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"پھر میری آنکھ کھل گئی' خوف کی وجہ سے مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں مسلسل تیس دن اسی مسجد کے دروازے پر بیٹھا رہا' صرف فرض نماز کے لیے وہاں سے اُٹھتا۔ میں دعا کرتا کہ دوبارہ وہ شخص مجھے نظر آ جائے تا کہ میں اس سے معافی مانگوں۔ ایک ماہ بعد وہ پُر اسرار شخص اس حال میں نظر آیا کہ اس کے جسم پر پہلے کی طرح دو گدڑیاں تھیں۔ میں فوراً اس کی طرف لپکا۔ مجھے دیکھ کر وہ تیز

Scanned with CamScanner

تیز چلنے لگا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہولیا جب مجھے محسوس ہوا کہ شاید میں اس کے قریب نہ پہنچ سکوں گا اور یہ مجھ سے دُور چلا جائے گا تو میں نے کہا: ''اے اللہ کے بندے! میں تجھ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا: ''اے ابراہیم! کیا تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جو دل کے ذریعے مومنین کی غیبت کرتے ہیں؟'' حضرت سیّدنا ابراہیم کبیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اس کی بات سن کر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا جب افاقہ ہوا تو وہ شخص میرے سرہانے کھڑا تھا۔ اس نے کہا: ''کیا دوبارہ ایسا کرو گے؟'' میں نے کہا: ''نہیں! اب کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا''۔ پھر وہ پُراسرار شخص میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور دوبارہ کبھی نظر نہ آیا''۔ (عیون الحکایات)

(64)

اطاعت میں ہی عظمت ہے

خلیفہ ہارون رشید کی ایک لونڈی تھی جو نہایت ہی کالی کلوٹی اور بدصورت تھی۔ ایک دن خلیفہ نے لونڈیوں کے درمیان اشرفیاں لٹائیں' سب لونڈیاں اشرفیاں چننے لگیں مگر وہ بدصورت لونڈی کھڑی رہی اور خلیفہ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ کسی نے پوچھا کہ تو اشرفیاں کیوں نہیں لوٹتی ہے؟ اس نے کہا: ان لوٹنے والیوں کا مقصد اشرفیاں ہیں اور میرا مطلوب اشرفیوں کا مالک ہے۔ خلیفہ نے اس کی اس بات کو پسند کیا اور اپنے مقربوں میں داخل کر لیا اور بہت سا مال عطا کیا۔ دوسرے بادشاہوں کو یہ خبر پہنچی کہ ہارون رشید ایک سیاہ فام لونڈی پر عاشق ہو گیا۔ خلیفہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے تمام بادشاہوں کے پاس آدمی بھیج کر ان کو اپنے پاس جمع کیا اس کے بعد سب لونڈیوں کی حاضری کا حکم دیا اور ہر لونڈی کو یاقوت کا ایک ایک پیالہ دے کر حکم دیا: اسے زمین پر پھینک دے سب لونڈیاں پیالے کو پھینکنے سے باز رہیں مگر اس سیاہ رو لونڈی نے پیالے کو زمین پر پٹخ دیا جس سے وہ چور چور ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا: اس لونڈی کو دیکھو کہ اس کا چہرہ تو بہت بدنما ہے مگر اس کا کام نہایت ہی عمدہ اور پسندیدہ ہے پھر خلیفہ نے اس لونڈی سے مطالبہ کیا کہ تو نے پیالہ کیوں توڑ ڈالا اس نے دست بستہ عرض کیا: حضور نے مجھے اس کے توڑنے کا حکم دیا۔ پس میں نے دیکھا کہ اس کے توڑنے میں خلیفہ کے خزانہ میں کمی ہو گی اور اس کے نہ توڑنے میں خلیفہ کے حکم میں نقصان ہو گا اور خزانہ میں نقصان واقع ہونا بہتر ہے اس لیے کہ اس صورت میں خلیفہ کے حکم کی حرمت اور توقیر باقی رہتی ہے۔ دوسرے میں نے دیکھا کہ پیالہ کے توڑنے میں لوگ مجھے مجنونہ کہیں گے اور نہ توڑنے میں نافرمان کہلاؤں گی اور مجھے مجنونہ کہلایا جانا نافرمان لقب پانے سے زیادہ محبوب ہے۔ سب بادشاہوں نے اس لونڈی کے اس فعل پر تحسین و آفریں کی اور خلیفہ کو اس کی محبت میں معذور رکھا۔ واللہ اعلم (نوادر القلیوبی)

(65)

دل جوئی کا مقام

اخلاقِ حسنہ میں سے ایک اہم اور بلند ترین خُلق و عادت کسی کی دل آزاری نہ کرنا ہے۔ طریقت و معرفت اور تصوف میں یا دوسرے لفظوں میں صوفیاء کے نزدیک کسی کے دل کو دُکھانا' اسے بلا وجہ رنج پہنچانا یا تکلیف پہنچانا سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے مقابلے میں کسی کو خوش کرنا اور اس کی دل جوئی کرنا اس کی خدمت کر کے اس کے دل کو مٹھی میں لے لینا سب سے بڑی عبادت اور عظیم نیکی ہے۔ صوفیاء نے دل جوئی اور دل داری کے کیا نمونے چھوڑے ہیں۔ اپنے پرائے' دوست دشمن' موافق مخالف' واقف ناواقف لوگوں کے دلوں کو کس طرح موہ لیا ہے اور کس طرح ان کو خوش کیا ہے' کس طرح غمگین دلوں میں فرحت و سرور داخل کرنے کی کوشش کی ہے اس کی تفصیل اور واقعات تو آگے آ رہے ہیں یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ صوفیاء نے دل آزاری سے بچنے کی کس قدر تاکید کی ہے اور اس کے مقابلے میں دلوں کو خوش کرنے پر کتنا زور دیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ﷫ فرماتے ہیں کہ ایک روز والد ماجد (حضرت شاہ عبدالرحیم ﷫) ظہر کی نماز کے فوراً بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ دو شعر پڑھے:

گر تو راہِ حق بخواہی اے پسر ۔ خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکنِ اعظم رحمت است ۔ ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

پھر فرمایا: دوات قلم لا کر اس کو لکھ لو کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہ اشعار اچانک میرے دل میں القاء فرمائے ہیں تاکہ تجھے وصیت کروں۔ (انفاس العارفین (اردو ترجمہ) ص ۱۳۵)

تصوف چونکہ سراپا اشتیاقِ الٰہی اور عشقِ الٰہی کا نام ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صوفی اسی (خدا) کو اپنا مقصودِ حیات بنا لیتا ہے' گفتگو کرتا ہے تو اسی کا خیال کرتا ہے تو اسی کو' یاد کرتا ہے تو اسی کو' حکم پڑھتا ہے تو اسی کا' شفق کی سرخی میں' دریا کی روانی میں' پھولوں کی مہک میں' بلبل کی آواز میں' تاروں کی چمک میں' صحرا کی وسعت میں' باغ کی شادابی میں غرض کہ تمام مظاہرِ فطرت اور مناظرِ قدرت میں اسے خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے:

سمایا ہے تو جب سے نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

چنانچہ وہ کافر اور مومن' ہندو اور مسلمان' کالے اور گورے غرض کہ ہر شخص سے محبت کرنے لگتا ہے۔ بقول علامہ اقبال:

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق

اگر صوفی کافر کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یا اس پر شفقت نہیں کرتا' اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتا' اس کے دُکھ کو اپنا دُکھ نہیں سمجھتا تو وہ ہرگز صوفی نہیں ہے بلکہ بندۂ نفس ہے اور دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔ تصوف کا پہلا سبق یہ ہے کہ سب انسان اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اس لیے مجازاً اللہ کا کنبہ ہیں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ بھی یہی ہے: الخلق عیال اللہ۔

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

چونکہ ہر شے میں اسی کا جلوہ ہے' ساری کائنات اس کی جلوہ گاہ ہے' ہر شے سے وہی ظاہر ہو رہا ہے اس لیے ہر انسان مظہرِ ذات و صفات ہے اگر ہندو میں اس کا جلوہ ہے تو مسلمان میں بھی وہی جلوہ گر ہے اس لیے صوفی جملہ افرادِ انسانی کو مظاہرِ ذات سمجھ کر سب سے یکساں محبت کرتا ہے۔

نتیجہ اس زاویۂ نگاہ کا یہ نکلتا ہے کہ صوفی کے دل و دماغ سے تعصب' تنگ نظری' نفرت'

Scanned with CamScanner

حقارت، امتیاز رنگ ونسل، اختلاف عقائد ومذہب، فرقہ بندی، گروہ بندی، بے جا پاسداری اور ناحق کوشی یا باطل پسندی کے جذبات بالکل مٹ جاتے ہیں اسی لیے وہ کسی کو آزار نہیں پہنچا سکتا اس سے کسی کو رنج نہیں پہنچ سکتا۔ انسان تو انسان ہے وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے بقول حافظ:

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ درطریقت ما بیش ازیں گناہے نیست

(تاریخ تصوف از یوسف سلیم چشتی ص ۱۳۔۱۴ طبع علماء اکیڈمی لاہور)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کہا تھا:

شنیدم کہ بندگان راہِ خدا
دلے دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ بادوستانت خلاف است وجنگ
اے کہ تو از غم دیگراں بے غمی
نہ شاید کہ نامت نہند آدمی

۱) میں نے سنا ہے کہ بندگانِ خدا (اہل اللہ) اپنے مخالفین اور دشمنوں کے دل کو بھی نہیں دکھاتے۔

۲) اے مخاطب! تجھے یہ صوفیاء والا مقام کیسے مل سکتا ہے کہ تیرا تو اپنے دوستوں کے ساتھ بھی اختلاف اور جنگ ہے۔

۳) اے مخاطب جو دوسرے انسانوں کے غم سے بالکل بے فکر ہے ایسی صورت میں تیرا نام آدمی رکھنا مناسب نہیں۔

ماضی قریب کے ایک اسم با مسمی بزرگ جن کے علم تقویٰ روحانیت عاجزی تواضع، سادگی، زہد، عشق، محبت، غیرت دینی اور استغناء کو ایک دنیا جانتی ہے۔ میرا اشارہ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

"کسی کی دل شکنی کرنا جائز نہیں، ہمارے استاذ مولانا معین الدین اجمیری نے اس کے متعلق مندرجہ ذیل شعر سنایا تھا:

ٹوٹا جو کعبہ کون سی یہ جائے غم ہے شیخ
کوئی قصر دل نہ تھا کہ بنایا نہ جائے گا

(انوار قمر ملفوظات حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی علیہ الرحمۃ ص ۱۷۹)

دلجوئی اور دلداری کا صوفیاء کے نزدیک کیا مرتبہ ومقام ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے اس کا کچھ اندازہ مولانا روم کے زبان زد عام ان اشعار سے لگائیے:

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آزر است
دل گزر گاہے جلیل اکبر است

غالباً میاں محمد علیہ الرحمہ کا پنجابی شعر ہے:

مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے ڈھا دے جو کجھ ڈھیندا
پر بندے دا نہ ڈھائیں رب دِلاں وچ رہندا

(66)

ایک دل خراش واقعہ

خلیفۂ بغداد مستعصم باللہ کے دور ۶۵۴ھ میں رمضان کی پہلی رات کو مسجد کی قندیلیں جلانے والے کی مشعل سے مسجد نبوی میں ایسی تباہ کن آگ لگ گئی کہ پوری مسجد اور مسجد کی زیب و زینت کا پورا سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ اہلِ مدینہ نے جان توڑ کوشش کی کہ آگ بجھ جائے مگر انتہائی جدوجہد کے باوجود بھی آگ پر قابو نہیں پایا جا سکا۔

مسجدِ نبوی میں آتشزدگی سے عوام میں بڑا ہیجان پیدا ہو گیا اور طرح طرح کے شکوک و شبہات اور قسم قسم کی چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تو شیخ ابراہیم محمد کنانی رئیس المؤذنین نے یہ انکشاف کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا ہے کہ مسجد کی جلی ہوئی دیواروں پر جا بجا یہ دو شعر قدرتی تحریروں میں لکھے ہوئے دیکھے گئے۔

لَمْ يَحْتَرِقْ حَرَمُ النَّبِيِّ لِرِيبَةٍ
يُخْشَى عَلَيْهِ وَمَا بِهِ مِنْ عَارِ
لٰكِنَّهُ اَيْدِي الرَّوَافِضِ لَامَسَةً
تِلْكَ الرُّسُوْمَ فَطُهِّرَتْ بِالنَّارِ

"نبی ﷺ کا حرم کسی خوف ناک حادثہ کی وجہ سے نہیں جلا ہے اور یہ کوئی شرم ناک واقعہ بھی نہیں ہے چونکہ روافض کے ہاتھوں نے ان تمام نشانات کو چھوڑ دیا تھا اس لیے یہ سب چیزیں آگ کے ذریعے پاک کی گئی ہیں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ ان دنوں مدینہ منورہ اور مسجدِ نبوی پر روافض کا پورا پورا غلبہ اور تسلط تھا چنانچہ شہر کا قاضی مسجد کے خطیب مسجد کے خدام وغیرہ سب کے سب روافض ہی

تھے یہاں تک کہ ابن فرحون کا بیان ہے کہ کوئی شخص اہلسنت کی کتابوں کو مدینہ منورہ میں نہیں پڑھ سکتا تھا"۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۳۲ وفاالوفا ص ۶۰۰)

اس میں شک نہیں کہ جس طرح صالحین اور نیکوں کی برکت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح بدعقیدہ اور بدعمل لوگوں کی نحوست سے قسم قسم کی بلائیں اور آفتیں آتی رہتی ہیں اسی لیے بزرگانِ دین نے بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کی صحبت سے انتہائی پرہیز رکھنے کا حکم دیا ہے۔ بزرگوں نے ایسے قافلوں کے ساتھ سفر کرنے اور ایسے محلوں میں مقیم رہنے سے انکار فرما دیا جس میں بدمذہب بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کا ساتھ ہو ایسے قبرستانوں میں دفن کرنے سے بزرگوں نے سخت تنقید کے ساتھ منع فرمایا ہے جہاں بدعقیدہ اور بدکار لوگوں کی قبریں ہوں حضرت جلال الدین رومی کا ارشاد ہے:

دور باش و دور شو از یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد

یعنی بُرے دوست سے دُور ہو جاؤ اور ایسے لوگوں سے ہمیشہ دُور رہو کیونکہ بُرا ساتھی بُرے سانپ سے بھی زیادہ بُرا ہوتا ہے کیونکہ بُرا سانپ تو زیادہ سے زیادہ تمہاری جان لے لے گا مگر بدعقیدہ و بدکار ساتھی تو تمہارا ایمان لے لے گا جو جان سے بھی زیادہ عزیز چیز ہے۔

بعض لوگ یہاں کہا کرتے ہیں کہ ہم کو بدمذہبوں کی بداعتقادی سے کیا مطلب؟ ان کا عقیدہ ان کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہمارے ساتھ۔ مگر ایسے لوگ سخت دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کون نہیں جانتا کہ جو شخص تنور یا بھٹی کے پاس بیٹھے گا وہ لاکھ کوشش کرے مگر اس کو آگ کی گرمی ضرور پہنچے گی اسی طرح بدعقیدہ و بدکار کی صحبت ضرور اپنا اثر دکھائے گی۔ کچھ نہیں ہوگا تو ان لعنتوں اور بلاؤں میں سے ضرور کچھ حصہ پالے گا جو ان لوگوں پر ان کی نحوستوں کی وجہ سے اُترتی رہتی ہیں۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

(67)

خفیہ طور پر دس ہزار درہم کا قرض ادا کر دیا

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشہور محدث تھے' شام کے شہر طرسوس میں ان کا آنا جانا لگا رہتا تھا' عموماً رقہ نامی جگہ پر قیام ہوتا وہاں ایک نوجوان ان کے پاس آتا' ان کی خدمت کرتا' ان کے ضروری کام نمٹاتا اور ان سے حدیث کا درس لیتا اس طرح اس سے انہیں خاصہ انس ہو گیا۔ ایک دفعہ تشریف لائے تو خلاف معمول وہ نوجوان نظر نہ آیا۔ جلدی میں تھے' قافلے کے ساتھ نکل گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واپس آئے تو آتے ہی لوگوں سے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ نوجوان مقروض تھا جب قرض واپس نہ کر سکا تو قرض خواہوں نے اس پر مقدمہ کر دیا چنانچہ اب وہ جیل میں ہے۔ سوال کیا کہ نوجوان پر کتنا قرض تھا؟ بتایا گیا کہ دس ہزار درہم تھا۔ اب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کو تلاش کرنا شروع کیا جس کا اس نوجوان کے اوپر قرض تھا۔ رات گئے اس آدمی سے رابطہ ہو سکا اس کو بلوایا' علیحدگی میں لے گئے اور کہنے لگے:

''میں تمہیں اس نوجوان کا قرض واپس کرنا چاہتا ہوں مگر اس کے لیے ایک شرط ہے''۔ اس نے پوچھا: ''کیا شرط ہے؟''

کہا: ''جب تک میں زندہ ہوں اس نوجوان کو پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ اس کا قرض کس نے واپس کیا ہے''۔

اس نے کہا: ''مجھے کیا اعتراض ہے' میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا''۔

چنانچہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دس ہزار درہم ادا کر دیے چونکہ رات کا

وقت تھا اس لیے اس نوجوان کی قید سے رہائی کے امکانات اگلے دن ہی ممکن تھے۔ خود عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اسی رات اس شہر سے اگلے سفر پر تشریف لے گئے۔ اگلے دن اس نوجوان کو قید خانے سے رہا کر دیا گیا اسے جب معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ادھر ہی تھے اور اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو ان کی محبت نے جوش مارا اور وہ لگا اپنے استاد کو تلاش کرنے۔ پوچھتا ہوا اگلی بستی میں ان سے جا ملا۔ انہوں نے پوچھا:

''نوجوان! تم کہاں تھے؟ میں تمہاری بستی میں تھا' تم نظر نہیں آئے؟''

اس نے کہا: ''اے ابوعبدالرحمٰن! میں قرض کی مصیبت میں پھنس گیا تھا اس لیے مجھے جیل جانا پڑا''۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''مگر یہ تو بتاؤ کہ تم جیل سے کیسے رہا ہوئے؟''

نوجوان نے تفصیل بتائی: ''کوئی اللہ کا نیک بندہ تھا' میں اسے نہیں جانتا اس نے میرا قرض ادا کر دیا تو میرا مقدمہ واپس ہو گیا اور مجھے جیل سے رہائی ہو گئی''۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: ''میرے عزیز! اس شخص کے لیے دعا کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں جیل سے رہا کیا ہے''۔

اس نوجوان کو انہوں نے احساس تک نہ ہونے دیا کہ اس کا قرض انہوں نے ادا کیا ہے' اسے قید خانے سے اپنی رہائی کی وجہ کا علم اس وقت ہوا جب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/۳۸۶' ۳۸۷' تاریخ بغداد ۱۰/۱۵۸)

بلاشبہ اللہ کے نیک بندے خفیہ طریقے سے لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور اس حدیث کے مصداق یقیناً ان کو اجر و ثواب ملتا ہے کہ قیامت کے دن سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا' جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا' ان میں ایک خوش قسمت وہ آدمی بھی ہوگا جس نے صدقہ کیا تو اس کو چھپا کر دیا حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا خرچ کیا ہے۔ (بخاری ۶۶۰' مسلم ۱۰۳۱)

Scanned with CamScanner

(68)

کپڑے کو آگ نہ جلا سکی

حضرت سیّدنا ابراہیم آجری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''میں ایک یہودی کا مقروض تھا' وہ قرض وصول کرنے میرے پاس آیا اور کہا:

''مجھے کوئی ایسی کرامت دِکھاؤ جس سے میں اسلام کی عظمت جان جاؤں اور مجھ پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ دینِ اسلام یہودیوں کے دین سے بہتر ہے۔ اگر تم کوئی کرامت دِکھا دو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا''۔

میں نے کہا: ''کیا تم واقعی مسلمان ہو جاؤ گے؟'' اس نے کہا: ''ہاں!''

اسے دینِ اسلام کی طرف راغب ہوتا دیکھ کر میں نے اس کی چادر' اپنی چادر میں لپیٹی اور اینٹوں کے بھٹے میں ڈال دی پھر میں خود بھٹے میں داخل ہوا اور جلتی ہوئی آگ سے چادریں نکال لایا۔ الحمدللہ! میرا ایک بال بھی نہ جلا جب میں نے اس یہودی کے سامنے اپنی چادر کھولی تو وہ بالکل صحیح و سالم تھی اور یہودی کی چادر اندر ہونے کے باوجود جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اسلام کی یہ حقانیت دیکھ کر یہودی کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا''۔

یہ حکایت حضرت سیّدنا ابراہیم آجری صغیر علیہ الرحمہ کے متعلق ہے۔ ایک بزرگ حضرت سیّدنا ابراہیم آجری کبیر علیہ الرحمہ بھی تھے جن کا ذکر پیچھے ایک حکایت میں گزرا یہ دونوں اپنے دَور کے زبردست ولی اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ (عیون الحکایات)

(69)

ہم جو چیز دے دیں پھر واپس نہیں لیتے

ایک شخص مسجد میں سویا ہوا تھا اور اس کے پاس ایک تھیلی تھی جب وہ بیدار ہوا تو اس نے اپنی تھیلی نہ پائی اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ شخص امام رحمۃ اللہ علیہ سے اُلجھ گیا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

''کیا بات ہے جو تو مجھ سے اُلجھ رہا ہے؟''

اس نے کہا: ''میری تھیلی چوری ہو گئی ہے اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا میرے پاس نہیں ہے''۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تیری تھیلی میں کتنا مال تھا''۔ اس نے کہا: ''اس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں''۔

حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور ایک ہزار اشرفیاں لا کر اس کے حوالے کیں پھر جب وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو انہوں نے اس سے کہا:

''تیری تھیلی ہمارے پاس ہے' ہم نے تجھ سے مذاق کیا تھا''۔ وہ شخص اشرفیاں لے کر واپس آیا اور جس نے اس کو اشرفیاں دی تھیں ان کو دریافت کیا۔ لوگوں نے اس سے کہا: وہ صاحب رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گیا اور وہ اشرفیاں واپس کرنا چاہیں لیکن امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا:

''ہم جب کوئی چیز اپنی ملک سے خارج کر دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے''۔ (نوادر القلیوبی)

Scanned with CamScanner

(70)

مومن کا دل عرشِ الٰہی

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیاء اور درویشوں کو زائرین کے دل رکھنے اور ان کی حاجات کو پورا کرنے کی عجیب انداز میں ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

''اے درویش! خواجہ شمعون محب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ کیسے ولی اللہ ہیں کہ اللہ کا عرش حاجت لے کر ان کے دروازے پر آئے اور وہ اندر بیٹھے رہیں اور اپنی طاقت بھر کام انجام نہ دیں۔ پس اے درویش! خواجہ شمعون کی مراد عرش سے یہی مومن کا دل رکھنا ہے کیونکہ حدیث میں آیا کہ مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے''۔

(اسرار الاولیاء ملفوظات حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمہ مترجم ص ۲۱۸ مطبوعہ کراچی)

امام غزالی نے طہارت کی شرائط میں لکھا ہے:

''ایسی احتیاط جس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہو نہ کرنا چاہیے کیونکہ دل شکنی حرام ہے اسی طرح اگر کوئی آدمی سلام کے بعد معانقہ کرنا چاہے اور اس کے جسم میں پسینہ ہو تو اس سے اس وقت بچنا قطعی ناجائز ہے اس لیے کہ اخلاقِ حسنہ اور مسلمانوں سے قربت رکھنا ہزاروں احتیاطوں سے افضل تر ہے''۔

(کیمیائے سعادت مترجم ص ۱۴۷ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور)

ایک مومن کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے کتنی شان دی ہے اس کا اندازہ محسنِ انسانیت اور نبی محتشم ﷺ کی اس حدیث سے لگایئے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ

يَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ وَيَقُوْلُ مَا اَطْيَبَكِ وَاَطْيَبَ رِيْحَكِ! مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ! وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِّنْكِ مَالُهٗ وَدَمُهٗ .

(سنن ابن ماجہ ابواب الفتن ص ۲۹۰ طبع دہلی)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کعبہ (بیت اللہ شریف) کا طواف کر رہے ہیں اور (بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ) فرما رہے ہیں کہ اے بیت اللہ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری ہوا (فضا) کتنی پاکیزہ ہے تو خود کتنی عظمت والا ہے اور تیری حرمت (عزت و احترام) کو اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم بنایا ہے مگر اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ یقیناً مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے یعنی مومن کا مال اور خون (تجھ سے زیادہ حرمت والا ہے)''

اسی مفہوم کا ایک اثر ''جامع ترمذی'' میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ انہوں نے بھی یہ بات بلاشبہ حضور پاک ﷺ سے ہی سنی ہوگی۔

(ابواب البر والصلہ ص ۲۹۷ طبع کراچی)

☆...... انیس الارواح میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری نے اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ کا یہ ملفوظ مبارک نقل کیا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مسلمان کو رنجیدہ نہ کرو کیونکہ اس کے سینے کے اوپر ستر پردے ہوتے ہیں اور ہر پردے پر ایک فرشتہ متعین ہے جو شخص کسی مومن کو رنج پہنچاتا ہے وہ ان فرشتوں کو رنج پہنچاتا ہے۔ ابتداً رنج فرشتوں کو پہنچتا ہے تب کہیں مومن کو پہنچتا ہے''۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

''جو شخص ایمان دار کو تکلیف دیتا ہے ستر گناہِ کبیرہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور جو کسی مومن کا دل رنجیدہ کرتا ہے اس کے واسطے ایک گھر

Scanned with CamScanner

پُر از رنج وتعب دوزخ میں بنایا جاتا ہے اور سوائے منافق کے کوئی آدمی مومن کو ایذاء نہیں پہنچاتا"۔ اعاذنا اللہ منہ ۔

("انیس الارواح (مجلس ہفتم) ص ۲۴، طبع دہلی ۱۳۲۴، در مجموعہ ملفوظات خواجگان)

☆ دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ) میں خواجہ غریب نواز اجمیری نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو ایذاء پہنچانے سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور اس کے لیے آیتِ قرآنی: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا سے استدلال فرمایا۔

(دلیل العارفین (مجلس چہارم) ص ۶۲ طبع دہلی، ۱۳۲۴ھ)

☆ خواجہ شاہ سلیمان تونسوی کے ملفوظات میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"سالک کو چاہیے کہ لوگوں کا بوجھ اُٹھائے اور حوصلہ سے کام لے کسی کو ناراض نہ کرے بلکہ ہر ایک کو خوش رکھے کیونکہ لوگوں کو خوش رکھنا نزولِ رحمت کا باعث ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: ارحموا ترحموا ۔

"دوسروں پر رحم کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

چنانچہ شیخ عطار قدس سرہ نے فرمایا :

بردباری و وفاداری گزیں
تاشود اسپ مرادت زیرزیں
خاطر کس را مرنجاں اے پسر
ورنہ خوردی زخم برجاں اے پسر

(ترجمہ نافع السالکین ملفوظات حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ ص ۸۶)

☆ مناقب المحبوبین کے مؤلف نجم الدین سلیمانی نے قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

"ایک دفعہ عین تعویذ لکھتے وقت آپ نے فرمایا: حضرت بابا فرید گنج شکر نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا کہ اکثر پنجاب کے آدمی تعویذ کے لیے آتے ہیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: کام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے، خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا اسم لکھ کر دے دیا کرو اس کے بعد حضرت قبلہ نے فرمایا: اس کا ایک فائدہ تو نقد ہے کہ سائل کا دل خوش ہو جاتا ہے اور اسے تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔

فرمایا، فقراء کا کام ہر کسی کو نیک بات کہنا اور دعا دینا ہے۔ آگے جو اس کے ساتھ ہونا مقدر ہے، ہو جائے گا۔ اللہ کے کام میں کسی نبی یا ولی کو دخل نہیں ہے۔ وہ خداوندِ عالم ہے، اپنا کام کبھی جمال سے کرتا ہے اور کبھی جلال سے"۔

(مناقب المحبوبین (ترجمہ) مرتبہ نجم الدین سلیمانی ص ۱۱۷)

دل جوئی کی اہمیت

صوفیاء کے ہاں حسن رعایت اور دل جوئی کی کتنی اہمیت اور کتنی تاکید ہے۔ صاحب سیر الاولیاء کے حوالے سے سنیے، فرماتے ہیں:

ایک دن سلطان المشائخ دوپہر کو قیلولہ فرما رہے ہیں، کوئی حاجت مند کسی ضرورت سے آیا، اخی مبارک حضرت کے خادم نے اس کو ٹال دیا کہ حضرت قیلولہ فرما رہے ہیں ادھر یہ واقعہ ہوا اور دوسری طرف نیند میں سلطان جی شیخ کبیر شکر گنج کو دیکھتے ہیں کہ فرما رہے ہیں:

"اگر در خانہ چیزے نیست بقدر وسع حسن رعایت آئندہ واجب است ایں کجا آمدہ است کہ چنیں خستہ دل را باز گردانید"۔

یعنی آنے والوں کے ساتھ برتاؤ تو اچھا ہونا چاہیے۔ نیند سے چونک پڑے، اخی مبارک بلائے گئے۔ پوچھا کہ کوئی آیا تھا، بولے کہ ہاں میں نے حضرت کے آرام کا خیال کر کے واپس کر دیا۔ میر نے لکھا ہے:

"سلطان المشائخ بروتفت کرد کہ خدمت شیخ المشائخ را در غضب دیدہ ام مرا عتاب می کرد"

اس کے بعد عام حکم ہو گیا تھا کہ میں جس حال میں بھی رہوں، آنے والوں کی فوراً خبر ہونی چاہیے۔ "اگر در قیلولہ باشم مرا خبر کنی"۔

قیلولہ سے اُٹھنے کے بعد اسی لیے عام عادت یہ تھی کہ دو سوال کرتے۔
''یکے آں کہ سایہ گشت''، یعنی زوال ہوگیا' ظہر کی نماز کے متعلق سوال تھا اور دوسرا یہ:
''آئندہ آمدہ ست نباید کہ منتظر باشد'' (ص ۱۲۹)۔

خانقاہوں میں آنے والے لوگ اکثر کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر حاضر ہوتے تھے۔ شیخ غریب لوگوں کے تحائف ایسی خوشی اور خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے کہ وہ اپنی غربت اور کم مائیگی کو بھول جاتے تھے اور جب خانقاہ سے واپس جاتے تو ان کے دل شیخ کی محبت سے لبریز ہوتے تھے۔ ایک شخص نے تین چیتل خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بھیجے' انہوں نے بڑی محبت سے یہ ہدیہ قبول فرمایا اور خود اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر پاس رکھ لیا اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا یہ واقعہ بیان کیا کہ آپ حج سے واپس آئے تو اہلِ بغداد نے گرانقدر نذرانے آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ ان میں ایک بڑھیا نے بھی اپنی چادر سے ایک درہم کھول کر شیخ کے سامنے رکھا۔ انہوں نے وہ درہم اُٹھا کر تمام دوسرے تحفوں اور ہدیوں کے اوپر رکھ دیا اور جب وہ یہ ہدایا حاضرین میں تقسیم کرنے لگے تو شیخ جلال الدین تبریزی نے بڑھ کر وہ درہم اُٹھالیا۔ شیخ سہروردی نے دیکھا تو فرمایا: ''ایں ہمہ تو بردی''۔
سب کچھ تو تو لے گیا۔ (فوائد الفواد (اردو) ص ۳۴۴' فارسی ۱۸۰)

غرباء کے ساتھ دل نوازی کا یہ برتاؤ صوفیاء اور مشائخ کو ان کی آنکھوں کا تارا بنا دیتا تھا۔

شاہ نظام الدین اورنگ آبادی ابتدائی زمانے میں کسی شخص کی نذر قبول نہ کرتے تھے جب شاہ کلیم اللہ صاحب کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: دل شکنی اچھی نہیں ہے جو شخص بھی خلوص کے ساتھ کوئی چیز پیش کرے' اسے قبول کر لو اور محتاجوں کو دے دو اس کے بعد وہ فتوحات قبول کرنے لگے۔ جمعہ کے دن جو نذر آتی تھی وہ قوالوں کو یا مجلس میں جو مستحق لوگ موجود ہوتے' ان کو دے دی جاتی۔ باقی دنوں میں جو آتا تھا وہ محتاجوں کو تقسیم کر دیا جاتا تھا۔
فخر الطالبین میں لکھا ہے کہ ان کے پاس اشرفی روپیہ پیسے علیحدہ علیحدہ کاغذ میں بندھے ہوئے رکھے رہتے تھے جو محتاج آتا اس میں سے دے دیتے تھے۔ فقیر کو ایک پیسہ

سے زیادہ نہ دیتے تھے اور لوگوں کو اشرفیاں تک دے دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ شریف کے لیے بڑی مشکل ہے۔ وہ شرم کے مارے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا اور فاقہ کرتا ہے۔ ان لوگوں کا کیا ہے یہ تو در در پھر کر خوب جمع کر لیتے ہیں۔
(تاریخ مشائخ چشت: ج ۵' ص ۱۶۷۔۱۶۸ طبع دہلی)

حضرت محبوب الٰہی نے فتوح (نذرانوں) کا اصول ''**لاجدو لاردو لاکد**'' بتایا ہے یعنی مرید پر اپنی طرف سے نذرانہ مقرر نہ کرے اور اگر وہ خوشی سے دے تو رد نہ کرے اور اگر نہ دے تو اس سے کد نہ رکھے۔ (احسن الاقوال بحوالہ چشتی تعلیمات' ص [illegible] طبع لاہور)

اسی کے موافق اہل طریقت کا ایک اور مقولہ مشہور ہے:
''چو نیاید طمع نکند و چوں بیاید منع نہ کند و چوں بگیرد جمع نکند''۔

(71)

ایک مناظرے کا حال

ایک مرتبہ "قرأت خلف الامام" یعنی نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت کرنے کے مسئلے میں مناظرہ کرنے کے لیے "محدثین" کا ایک گروہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا: پوری جماعت سے بیک وقت مناظرہ غیر ممکن ہے لہٰذا آپ لوگ اپنی جماعت میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کرلیں جو آپ لوگوں میں سے زیادہ صاحب علم ہوتا کہ میں اس سے مناظرہ کروں چنانچہ ان لوگوں نے ایک شخص کو منتخب کرکے مناظرہ کے لیے پیش کردیا۔ حضرت امام نے فرمایا: کیا یہ شخص جو کچھ کہے گا وہ آپ سب لوگوں کا کہا ہوا مانا جائے گا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! پھر حضرت امام نے فرمایا: اس کی ہار جیت آپ سب لوگوں کی ہار جیت شمار کی جائے گی؟ لوگوں نے جواب دیا جی ہاں!

حضرت امام نے فرمایا: یہ کیونکر؟ لوگوں نے کہا: اس لیے کہ ہم نے اس شخص کو اپنا امام منتخب کرلیا ہے لہٰذا اس کا کہا ہوا ہمارا کہا ہوا اس کی ہار جیت ہماری ہار جیت ہوگی۔ حضرت امام نے فرمایا: بس مناظرہ ختم ہوگیا یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم نے نماز میں جب ایک شخص کو اپنا امام بنالیا تو اس کی قرأت ہماری قرأت ہوگی لہٰذا مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت کی ضرورت نہیں۔ محدثین حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ استدلال سے حیران ہوکر لاجواب ہوگئے۔ (روح البیان ج ۴ ص ۳۰۲)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ علم وعمل کے ساتھ ذہانت و دانائی اور عقل کا کمال بھی بے مثال عطا فرمایا تھا چنانچہ حضرت امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اگر وہ اس پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کرنے کے لیے

Scanned with CamScanner

دلائل پر اُتر آتے تو وہ اپنی دلیلوں سے اس کو سونا ثابت کردیتے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حاسد کا انجام

خلیفہ بغداد "ابوجعفر منصور عباسی" حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا انتہائی معتقد تھا اور آپ کو سلطنت بھر کے علماء پر فضیلت دیتا تھا۔ امام ممدوح کا اعزاز دیکھ کر محمد بن اسحاق (صاحب المغازی) کو حسد ہونے لگا چنانچہ ایک دن انہوں نے دربارِ شاہی میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا:

"تجھ پر تین طلاق"

پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر کہا: ان شاء اللہ۔ تو کیا اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی؟

حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ضرور طلاق پڑ جائے گی اس لیے کہ اس نے ان شاء اللہ کو اپنے طلاق والے جملے سے الگ کردیا اس لیے یہ استثناء مفید نہیں ہوگا۔ یہ سن کر محمد بن اسحٰق نے کہا: امیر المومنین! ذرا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی جرأت دیکھیے کہ آپ کے دربار میں آپ کے سامنے آپ کے جدامجد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مسلک کی مخالفت کر رہے ہیں۔ آپ کے جدامجد کا یہ قول ہے کہ ان شاء اللہ اگر کلام سے الگ کرکے کہا جائے جب بھی یہ استثناء مفید ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ابوجعفر منصور مارے غصے کے آگ بگولہ ہوگیا اور کہا: جی کیوں! ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ! تمہاری یہ جرأت ہے کہ تم میرے دربار میں میرے جد کریم کے قول کی مخالفت کرتے ہو؟ حضرت امام نے بڑے سکون واطمینان کے ساتھ فرمایا: امیر المومنین! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا مطلب کچھ اور ہے اور محمد بن اسحاق کا منشا کچھ اور ہے۔ محمد بن اسحاق یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بیعت کرکے باہر نکلیں اور ان شاء اللہ کہہ دیں تو آپ کی بیعت ختم ہوجائے۔ یہ سنتے ہی ابوجعفر منصور مارے غصہ کے سرخ ہوگیا اور جلادوں کو حکم دے دیا کہ محمد بن اسحاق کے گلے میں ان کی چادر کا پھندا ڈال کر گھسیٹتے لے جاؤ اور ان کو قید کردو۔ (روح البیان ج ۵ ص ۲۳۵)

دیکھو: حسد کتنی بری بلا ہے کہ محمد بن اسحاق جیسی شخصیت جو فن مغازی کے امام کہلاتے ہیں اسی حسد کی نحوست سے دربارِ شاہی کی اعزازی کرسی سے جیل خانہ کی ذلت

میں گرفتار ہو گئے اگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور دانائی بروقت ان کا دفاع نہ کرتی تو محمد بن اسحاق نے تو امام ممدوح کے قتل ہی کا سامان کر دیا تھا مگر یہ مثل کتنی سچی ہے کہ ”چاہ کن را چاہ در پیش“ یعنی جو دوسروں کے گرنے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود ہی اس کنویں میں گر پڑتا ہے اسی لیے قرآن مجید میں: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ فرما کر حاسد سے خدا کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے:

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجے است
کہ از مشقت اوجز بمرگ نتواں رست

اے حاسد! تو مر جا اس لیے حسد ایک ایسا رنج ہے کہ بغیر مرے تو اس سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتا۔

کیا عراق شہر نفاق ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو پہچانا نہیں اور دریافت فرمایا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میرا وطن عراق (کوفہ) ہے“۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”وہی عراق جو شہر نفاق ہے“۔ حضرت امام اعظم نے یہ سن کر فرمایا: ”اگر اجازت ہو تو میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کروں“۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”ہاں ہاں! ضرور پڑھو“۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح تلاوت فرمائی:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۔

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر تڑپ اُٹھے اور کہا: ”قرآن صحیح صحیح پڑھو۔ غلط کیوں پڑھتے ہو؟“ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”یہ آیت کس طور پر ہے؟“ تو حضرت مالک نے فرمایا:

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”بے شک یہی صحیح ہے۔ الحمد للہ! آپ نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ کون شہر نفاق کا رہنے والا ہے؟“

یہ سن کر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چونک پڑے اور جب لوگوں نے بتایا کہ فقیہ عراق امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی ندامت ہوئی اور انہوں نے آپ کا بے حد اعزاز و اکرام فرمایا۔ (نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۳)

کسی نو وارد شخص کے بارے میں بغیر پوری معلومات حاصل کیے جلدی سے کوئی تبصرہ کر دینا بعض وقت بڑی ندامت کا باعث ہوتا ہے لہٰذا اس میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور کسی نو وارد شخص کے بارے میں بغیر پوری تحقیقات کے جلدی میں کوئی رائے بھی قائم نہیں کر لینی چاہیے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑے پتہ کی بات فرمائی ہے کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد!

ہر جنگل کے بارے میں یہی گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ یہ خالی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی چیتا سو رہا ہو یعنی ہر فرسودہ حاصل کے بارے میں یہ گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ یہ کمال سے خالی ہوگا کبھی کبھی گدڑی میں ”لعل“ بھی ہوتا ہے۔

(72)

ذہانت کا پیکر بچہ

قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھنے والا حجاج بن یوسف تاریخ میں اپنے ظلم و زیادتی اور قتل و غارت گری کے لیے بہت مشہور ہے۔ ایک دن وہ اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ عراقی حاشیہ بردار اردگرد موجود تھے اچانک ایک خارجی لڑکے کو لایا گیا لڑکے کی عمر کم و بیش بارہ تیرہ سال ہوگی ابھی اس کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں مگر چہرے سے ذہانت اور فطانت نمایاں تھی اس کے سر پر لمبے لمبے بال تھے' لڑکے نے حاضرین کی پرواہ کیے بغیر محل کی چیزوں کو دیکھنا شروع کیا۔ اسے قطعاً احساس نہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف کے دربار میں آیا ہے' وہ گردن کو کبھی دائیں اور کبھی بائیں موڑ رہا تھا مگر اس کے چہرے پر مختلف چیزوں کو دیکھ کر تعجب کے آثار ضرور نمایاں تھے غالباً وہ پہلی مرتبہ کسی محل کی زیب و زینت اور اس کی آرائش دیکھ رہا تھا۔

اچانک اس نے اپنے کان پر ہاتھ رکھا اور بلند آواز سے پکارا:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۲۸-۱۲۹)

''کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشہ یادگار (عمارت) بنا رہے ہو اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل) تعمیر کر رہے ہو۔ گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے''۔

حجاج تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ لڑکے کی بات سنتے ہی فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا: ''آؤ لڑکے! تمہارے چہرے سے ذہانت اور ذکاوت جھلکتی ہے۔

اَحَفِظْتَ الْقُرْاٰنَ؟

''کیا تم نے قرآن حفظ کیا ہے؟''

مگر لڑکے نے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا:

اَوَخِفْتَ عَلَيْهِ مِنَ الضِّيَاعِ حَتّٰى اَحْفَظَهٗ' وَقَدْ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

''کیا تمہیں اس کے ضائع ہونے کا خوف ہے جو اس کو حفظ کروں اس کی حفاظت کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے''۔

حجاج: اَفَجَمَعْتَ الْقُرْاٰنَ؟ ''کیا تم نے قرآن کو جمع کیا ہے؟''

مطلب وہی تھا کہ کیا تجھے قرآن یاد ہے؟

اس ذہین لڑکے نے الفاظ کو ظاہری معنی پر محمول کر کے ترکی بہ ترکی اسے جواب دیا:

اَوَكَانَ مُفَرَّقًا حَتّٰى اَجْمَعَهٗ؟ ''کیا قرآن بکھرا ہوا تھا جو میں اس کو اکٹھا کروں؟''

اب حجاج ذرا کھسیانا ہوا اور کہنے لگا: اَفَجَمَعْتَ الْقُرْاٰنَ؟

''کیا تم نے قرآن کو پختہ یاد کیا ہے؟''

لڑکے نے پھر ان الفاظ کے ظاہری معنی لیے اور فوراً جواب دیا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ اَنْزَلَهٗ مُحْكَمًا ۔

''کیا اللہ رب العزت نے اسے محکم اور پختہ نازل نہیں کیا ہے؟''

حجاج: اَسْتَظْهَرْتَ الْقُرْاٰنَ؟ ''کیا تم نے قرآنِ کریم کا کچھ حصہ زبانی یاد کیا ہے؟''

لڑکے نے پھر ظاہری معنی لیے اور کہا:

مَعَاذَ اللّٰهِ! اَنْ اَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ وَرَاءَ ظَهْرِيْ ۔

''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ قرآنِ کریم کو پیٹھ پیچھے ڈالوں''۔

اب حجاج سے کوئی جواب نہ بن پایا تو غصے میں بولا:

''تیری بربادی ہو! اللہ تجھے ہلاک کرے! میں کیا کہہ رہا ہوں تو ہی بتا مجھے کیا کہنا چاہیے؟

لڑکا: ہلاکت اور موت مجھے نہیں بلکہ تجھے اور تیری قوم کو آئے۔ تمہیں اس طرح کہنا چاہیے تھا: اَوْعَيْتَ الْقُرْاٰنَ فِيْ صَدْرِكَ ۔

Scanned with CamScanner

"کیا تم نے قرآنِ کریم کو اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے؟"

حجاج: چلو قرآن پاک کا کچھ حصہ تلاوت کرو۔

لڑکے نے بڑی خوب صورت آواز میں تلاوتِ قرآن کریم شروع کی:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَخْرُجُوْنَ مِنْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا .

"جب اللہ کی نصرت وفتح آجائے اور تم دیکھو کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین سے نکلتے ہیں"۔

حجاج: تیری بربادی ہو، قرآن میں تو اللہ کے دین میں داخل ہونے کی بات ہے اور آیت یوں ہے: وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا .

لڑکا: ایک وقت تھا کہ لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہوتے تھے مگر آج فوج در فوج دین سے نکل رہے ہیں۔

حجاج: آخر کیوں؟ لڑکا: لوگوں کے ساتھ تمہارے بُرے برتاؤ کی وجہ سے۔

حجاج: تیرا ستیاناس ہو! تجھے معلوم ہے کہ کس سے مخاطب ہے؟

لڑکا: ہاں! میں ثقیف قبیلے کے شیطان حجاج سے مخاطب ہوں۔

حجاج: تیرا بُرا ہو! تجھے کس نے پالا پوسا اور تربیت کی ہے؟

لڑکا: جس نے تجھے پروان چڑھایا ہے۔ حجاج: تیری ماں کون ہے؟ لڑکا: جس نے مجھے جنا ہے۔ حجاج: تو کہاں پیدا ہوا تھا؟ لڑکا: جنگل میں۔ حجاج: اور پروان کہاں چڑھا؟ لڑکا: صحرا میں۔

حجاج: کیا تو دیوانہ ہے کہ تیرا علاج کراؤں؟

لڑکا: اگر میں دیوانہ ہوتا تو تیرے دربار تک رسائی نہ ملتی اور تیرے ساتھ اس طرح گفتگو نہ کرتا بلکہ درباریوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے تیرے آگے کھڑا رہتا تاکہ میرے اوپر بھی تیرا کچھ انعام واکرام ہو یا سزا کے خوف سے تیرے

آگے عاجز ولاچار کی طرح پُر امید نگاہیں لے کر کھڑا ہوتا۔

حجاج: امیر المومنین کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

لڑکا: اللہ تعالیٰ ابوالحسن حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

حجاج: میری مراد وہ نہیں جو تو سمجھا، میں تو عبدالملک بن مروان کی بات کر رہا ہوں۔ لڑکا: ارے وہ! وہ تو فاسق وفاجر ہے۔

حجاج: تیرے لیے بربادی ہو! تو نے امیر المومنین کو فاسق وفاجر کیوں کہا؟

لڑکا: وہ ایک ایسی غلطی کا مرتکب ہوا ہے کہ اس سے بڑی غلطی کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ حجاج: وہ کون سی غلطی ہے؟

لڑکا: اس نے تجھ جیسے ظالم کو اپنی رعیت پر حاکم مقرر کر رکھا ہے اور تو لوگوں کے اموال پر ناجائز قبضہ کرتا ہے اور ان کا ناحق خون بہاتا ہے۔

حجاج: یہ سنتے ہی حجاج آگ بگولا ہو گیا اور اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا: "بتاؤ اس گستاخ لڑکے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

درباریوں نے کہا:

"اس لڑکے کو قتل کروا دیجیے اس کا قتل مباح ہے کیونکہ اس نے اطاعت اور فرماں برداری کا طوق اُتار دیا ہے۔ یہ سراسر بغاوت کا مرتکب ہوا ہے"۔

لڑکا: اے حجاج سن! تیرے درباری اور حاشیہ نشین، تیرے بھائی فرعون کے درباری اور امراء سے بھی بُرے ہیں۔ ارے! ان سے تو وہ اچھے تھے کہ جب ان سے فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو انہوں نے کہا: اَرْجِهْ وَاَخَاهُ "اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے دو"۔ اور یہ تجھے میرے قتل کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب تو اللہ رب العزت کے دربار میں کھڑا ہوگا تو تیرے پاس کوئی دلیل اور کوئی وجہ نہیں ہوگی اور تجھے خوب معلوم ہے کہ اس دن ظالم اور متکبر خوب ذلیل ورسوا ہوں گے۔

Scanned with CamScanner

حجاج: لڑکے سن! اپنی زبان سنبھال کر بات کر اور بڑوں سے بات کرنا سیکھ۔ میں نے تیرے بارے میں حکم دیا ہے کہ تجھے چار ہزار درہم عطا کیے جائیں۔

لڑکا: مجھے تیرے مال و دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔

بَيَّضَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَأَعْلٰى كَعْبَكَ .

''اللہ تیرا چہرہ سفید کرے اور تجھے بلند کرے''۔

یہ دعائیہ کلمہ ہے لیکن لڑکے نے بد دعا مراد لی۔

حجاج نے اپنے درباریوں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:

''تمہیں معلوم ہے کہ اس کا ''بَيَّضَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَأَعْلٰى كَعْبَكَ'' کہنے سے کیا مراد ہے؟ درباریوں نے کہا: ''آپ ہی بتائیں''۔

حجاج: سفید چہرے (بَيَّضَ اللّٰهُ وَجْهَكَ) سے مراد برص (کوڑھ) کی بیماری اور اندھے ہونے کی بد دعا ہے اور (أَعْلٰى كَعْبَكَ) سے میرے سولی پر لٹکائے جانے کو مراد لیا ہے پھر لڑکے کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا:

''بتا جو میں نے کہا ہے ٹھیک ہے یا غلط؟''

لڑکا: اللہ تجھے غارت کرے تو کس قدر سمجھ دار ہے! یقیناً جو تو نے میرے الفاظ کی تفسیر اور شرح بیان کی ہے وہ درست ہے اور یہی میری مراد تھی۔

حجاج: شدید غصے کے عالم میں اس کی طرف متوجہ ہوا' غصے سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ گستاخ لڑکے! تیری یہ جرأت تو ہمارے سامنے اس قسم کی بد زبانی اور بکواس کرتا ہے۔ لے جاؤ اور اس کو قتل کر دو۔

دربار میں سناٹا چھا گیا' ایک بارہ تیرہ سال کا بے گناہ بچہ جو ذہانت' عقل مندی' حاضر جوابی اور بہادری میں بے مثال ہے' قتل ہو جائے گا۔ لوگوں کو اس پر رحم آنے لگا۔ رقاشی نام کا ایک درباری جو حجاج کا چہیتا تھا عرض کرنے لگا:

''اللہ امیر کو اور زیادہ عزت و شرف دے یہ لڑکا مجھے عنایت کر دیں''۔

حجاج: اچھا تم مانگتے ہو تو یہ میں تم کو ہبہ کرتا ہوں مگر سنو! یہ درست ہے کہ اب

یہ تمہارا ہو گیا مگر میری دعا ہے کہ تمہیں اس میں برکت نہ ہو۔

لڑکا: مجھے نہیں معلوم! تم دونوں میں سے کون زیادہ احمق ہے' ہبہ کرنے والا یا مجھ کو طلب کرنے والا؟ رقاشی کہنے لگا،

''لڑکے! تم عجیب و غریب ہو' میں نے تمہیں قتل ہونے سے بچایا ہے اور تم میرا ہی مذاق اُڑا رہے ہو اور مجھ پر ہی پھبتیاں کس رہے ہو!

لڑکا: مجھے شہادت مبارک ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ کی راہ میں شہید ہو جانا اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے کہیں بہتر اور افضل ہے۔

حجاج: لڑکے! ہم نے تمہارے لیے ایک لاکھ درہم انعام کا حکم دیا ہے تم نے جو کڑوی' کسیلی گفتگو کی ہے اس کو ہم نے اس لیے معاف کر دیا ہے کہ تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ تمہارا ذہن صاف ہے اور تم اللہ پر بھرپور بھروسہ کرنے والے ہو اور دیکھو میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ تم کبھی اربابِ حکومت کے ساتھ اس قسم کی گفتگو مت کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ برداشت نہ کر سکیں اور جس طرح ہم نے تمہیں معاف کیا ہے وہ معاف نہ کر سکیں۔

لڑکا: دراصل معافی تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' تمہارے ہاتھ میں نہیں اور شکر بھی تمہارا نہیں بلکہ اکیلے اللہ رب العزت کے لیے ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ کبھی میں اور تم کسی مجلس میں دوبارہ آمنے سامنے نہ ہوں۔

لڑکا یہ گفتگو کر کے جب دربار سے باہر نکل رہا تھا تو سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا مگر حجاج نے انہیں کہا: اس کا راستہ چھوڑ دو۔ میں نے ساری زندگی اس سے زیادہ فصیح اللسان' قادر الکلام اور بہادر لڑکا نہیں دیکھا اور شاید مستقبل میں بھی نہ دیکھوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو یقیناً یہ بہت بڑا آدمی بنے گا اور یہ عجوبہٴ وقت ہو گا۔ تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ لڑکا زیادہ دیر تک زندہ نہ رہا غالباً اس کو حجاج ہی کے اشارے پر زہر دے کر ختم کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم)

(سنہرے اوراق)

Scanned with CamScanner

(73)

عہدۂ قضا اور عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّدنا حماد بن سلمہ اور حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہما سے روایت ہے:

''حضرت سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ گندم کی تجارت کیا کرتے تھے' آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے ''اگر پانچ بزرگ نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا'' پوچھا گیا کہ ''وہ پانچ بزرگ کون سے ہیں جن کی خاطر آپ تجارت کرتے ہیں؟'' فرمایا: ''حضرت سیّدنا سفیان ثوری' حضرت سیّدنا سفیان بن عیینہ' حضرت سیّدنا فضیل بن عیاض' حضرت سیّدنا محمد بن سماک اور حضرت سیّدنا ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہم۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ تجارت کی غرض سے خراسان کی طرف جاتے جو نفع حاصل ہوتا اس سے اہل وعیال کا خرچہ اور حج کے لیے زادِ راہ وغیرہ نکال کر بقیہ ساری رقم ان پانچ دوستوں کی طرف بھجوا دیتے۔ ایک سال آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عہدۂ قضا قبول کر لیا ہے اس اطلاع کے بعد آپ نہ تو ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے اور نہ ہی انہیں رقم بھجوائی جب ابن علیہ کو خبر ملی کہ حضرت سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہمارے شہر میں آئے ہوئے ہیں تو فوراً آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو ان کی طرف دیکھا نہ ہی کلام فرمایا چنانچہ حضرت سیّدنا ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ واپس چلے گئے اور دوسرے دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک رقعہ لکھا جس کی عبارت کچھ اس طرح تھی:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنی اطاعت وفرماں برداری میں رکھے اور سعادت مندی عطا فرمائے۔ میں تو آپ کے احسان اور صلہ رحمی کا کب سے منتظر تھا۔ کل میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا لیکن آپ نے مجھ سے کلام تک نہ فرمایا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاید آپ مجھ سے خفا ہیں۔ میں آپ کی عنایتوں سے محروم ہو رہا ہوں۔ خدارا! مجھے بتایئے کہ میری کونسی بات آپ کو ناپسند ہے تاکہ میں اپنی اصلاح کروں اور آپ سے معافی مانگوں''۔

جب حضرت سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو ابن علیہ کا رقعہ ملا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً چند اشعار لکھ کر بھیجے جن کا ترجمہ یہ ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''اے دین کو باز بنا کر مساکین کا مال شکار کرنے والے تو نے فانی دنیا اور اس کی لذتوں کو ایسے حیلے کے ذریعے اپنے لیے جائز قرار دیا جس کی وجہ سے دین چلا گیا تو تو بے وقوفوں کا علاج کرنے والا تھا لیکن اب خود مجنون ہو گیا۔ کہاں گئیں تیری وہ روایتوں کی لڑیاں جو ابنِ عون اور ابنِ سیرین کے بارے میں تھیں؟ کہاں ہیں تیری وہ روایتیں اور باتیں جو سلاطینِ دنیا کے دروازوں کو چھوڑنے کے بارے میں تھیں؟ اگر تو یہ کہے کہ مجھے تو مجبوراً قاضی بنایا گیا ہے تو یہ باطل ہے''۔

ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ رُقعہ ملا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ مجلسِ قضا سے اُٹھ کر ہارون الرشید کے پاس آئے اور کہا:

''اے امیر المومنین! میرے بڑھاپے پر رحم فرمائیں' اب میں عہدۂ قضاء کی ذمہ داری نہیں نبھا سکتا۔ برائے کرم مجھ سے یہ ذمہ داری واپس لے لیں۔ ہارون رشید نے کہا: شاید اس دیوانے (ابنِ مبارک) نے تجھے اس بات پر اُبھارا ہے اور تیرے دل میں کھلبلی مچا دی ہے''۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! انہوں نے مجھے بچالیا۔ انہوں نے مجھے بچالیا' اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ہر مصیبت سے نجات عطا فرمائے۔ آپ مجھے اس عہدے سے برطرف کردیں''۔

چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا استعفیٰ قبول کرلیا جب حضرت سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ کو وہ رقم بھجوا دی جو ہر سال بھجوایا کرتے تھے۔ ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام اسماعیل بن ابراہیم بن اسدی تھا' آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔

ایک روایت یہ ہے کہ شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ طلب کیا کہ کیا میں قضا کا عہدہ قبول کرلوں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سختی سے منع فرما دیا جب حضرت سیّدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس سے واپس چلے گئے تو انہوں نے قاضی کا عہدہ قبول کرلیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ مجھے زبردستی قاضی بنایا گیا ہے۔ شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط پڑھ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

(عیون الحکایات)

(74)

شوہر کی نافرمانی کا نتیجہ

بیان کرتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل سے ایک جوان سخت مرض میں مبتلا ہوا' اس کی ماں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری سے شفا دے تو میں سات دن کے لیے دنیا سے نکل جاؤں گی چنانچہ شافی مطلق اللہ تعالیٰ نے اس کو مرض سے شفا عنایت کی لیکن اس عورت نے اپنی نذر پوری نہ کی۔ ایک رات وہ سو رہی تھی کہ کوئی بزرگ خواب میں اس کو نظر آئے اور اس سے کہا: تو اپنی نذر پوری کر تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھے سخت بلا نہ پہنچے جب صبح ہوئی تو اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اس سے قصہ بیان کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ قبرستان میں اس کے واسطے قبر کھودے اور اس میں اس کو دفن کردے۔ لڑکے نے ایسا ہی کیا جب وہ عورت قبر میں اُتری تو اس نے کہا: اے میرے معبود! اور میرے سردار! بے شک میں نے اپنی کوشش اور طاقت صرف کرکے اپنی نذر پوری کی اب تو اس قبر میں مجھے آفتوں سے محفوظ رکھ۔ اس کے بعد اس کے لڑکے نے قبر مٹی سے پاٹ دی اور واپس آیا اس عورت نے اپنے سر کی جانب سے ایک نور درخشان روشن' اور ایک روزن دیکھا اس سوراخ میں نظر کی تو ایک باغ نظر آیا جس میں دو عورتیں موجود تھیں ان دونوں نے اس مدفون عورت کو آواز دی کہ اے بی بی ہماری طرف نکل آؤ۔ چنانچہ وہ سوراخ کشادہ ہوگیا اور وہ عورت نکل کر ان دونوں عورتوں کے پاس جا پہنچی وہاں پہنچ کر کیا دیکھتی ہے کہ باغ میں ایک پاکیزہ حوض ہے وہ دونوں عورتیں اس پر بیٹھی ہیں۔ یہ عورت ان کے پاس آئی اور ان کو سلام کیا لیکن ان دونوں عورتوں نے اس کو سلام کا جواب نہ دیا اس عورت نے ان سے پوچھا کہ میرے سلام کا جواب دینے سے تم کو کیا چیز مانع ہوئی حالانکہ تم دونوں کلام پر قادر ہو۔ ان دونوں عورتوں

نے جواب دیا کہ سلام اطاعت اور بندگی ہے اور ہم کو اطاعت کی ممانعت ہے اسی دوران میں وہ عورت کیا دیکھتی ہے کہ ان دو عورتوں میں سے ایک کے سر پر ایک چڑیا ہے جو اپنے بازوؤں سے اس پر پنکھا جھل رہی ہے اور دوسری عورت کے سر پر ایک پرندہ دیکھا کہ وہ اپنی چونچ اس کے سر پر مار رہا ہے اس مدفونہ عورت نے پہلی عورت سے کہا: کس وجہ سے تم کو یہ بزرگی حاصل ہوئی ہے اس نے کہا: دنیا میں میرا ایک شوہر تھا اور میں اس کی فرماں بردار تھی میں نے دنیا سے اس حال میں کوچ کیا کہ میرا شوہر مجھ سے خوش تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بزرگی کے ساتھ مجھے نوازا پھر اس نے دوسری عورت سے پوچھا کہ تم کیوں اس عذاب میں گرفتار ہو؟ اس نے کہا: تھی تو میں نیک بخت عورت مگر دنیا میں اپنے شوہر کی نافرمان تھی اور میں نے دنیا سے ایسے حال میں انتقال کیا کہ وہ مجھ سے سخت ناخوش تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے میری نیک بختی کی وجہ سے میری قبر کو باغ بنایا اور میرے شوہر کی ناراضی کی وجہ سے مجھے یہ عذاب دیا۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ جب تم دنیا کی طرف واپس جانا تو میرے واسطے میرے شوہر سے سفارش کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے جب اس مدفونہ عورت پر سات دن گزر گئے تو ان دونوں عورتوں نے اس سے کہا: اُٹھو اور اپنی قبر میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ تمہارا لڑکا تمہاری طلب میں آیا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنی قبر کے اندر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کا لڑکا قبر کھود رہا ہے۔ اس کے بعد لڑکے نے اس کو قبر سے باہر نکالا اور اس کو اپنے گھر لے گیا پھر تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ فلاں عورت نے اپنی نذر پوری کی لوگ اس کی ملاقات کے واسطے آئے اور اس عورت کا شوہر بھی آیا جس نے اپنے شوہر سے سفارش کی درخواست کی تھی۔ چنانچہ اس عورت نے اس سے اس کی بی بی کا قصہ بیان کیا اور سفارش کی پس اس نے اپنی بی بی کا گناہ معاف کر دیا۔ ایک رات اس عورت نے اس کی بی بی کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ بے شک میں تیری وجہ سے عذاب سے نجات پا گئی اللہ تعالیٰ تجھ کو بہتر جزا عطا کرے اور تیرے گناہ معاف کرے۔ (نوادر القلیوبی)

(75)

اولیاء اللہ کا استغناء

امیروں اور بادشاہوں کے نذرانوں اور جاگیروں کو صوفیاء نے قبول کرنے سے عموماً بوجوہ گریز کیا ہے۔ حضرت بابا صاحب (فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ) نے بلبن کی نذر کردہ جاگیر کے قبالے واپس کر دیئے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بار بار جاگیر پیش کی گئی۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا:

"اگر میں اسے قبول کر لوں تو لوگ یہاں کہا کریں گے کہ آج شیخ اپنا باغ دیکھنے گئے ہیں۔ آج کھیتوں کی نگرانی کرنے لگے ہیں' مجھے ان باتوں سے کیا سروکار" پھر آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمایا:

"ہمارے تو مشائخ نے بھی کبھی جاگیریں قبول نہیں کیں"۔

(فوائد الفواد (اردو) ص ۲۱۸، ۲۱۹ طبع علماء اکیڈمی لاہور)

بادشاہوں کی طرف سے جاگیریں قبول کرنا تو ایک طرف رہا' صوفیاء نے تو اہلِ دنیا کے ساتھ آمیزش اور امراء و سلاطین کے پاس آمدورفت کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ (راحت القلوب ملفوظات حضرت باوا صاحب مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء مجلس سوم)

حضرت باوا فرید گنج شکر نے فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ سہل تستری کو ایک مرتبہ عراق کے بادشاہ کو دَم کرنے کی خاطر اس کے پاس جانا پڑا تو انہوں نے اس کے کفارہ کے لیے سات برس تک لوگوں سے عزلت اختیار کی اور ارشاد فرمایا: بزرگانِ دین اور مشائخ کا فرمودہ ہے:

صحبة الاغنياء للفقراء سم قاتل .

"فقراء کے لیے اغنیاء کی صحبت سم قاتل ہے"۔ (ایضاً)

Scanned with CamScanner

کسی صوفی اور فقیر کا تو غنی کے دروازہ پر جانا اچھا نہیں مگر غنی کا فقیر کے دروازے پر آنا بہت پسندیدہ ہے۔ بئس الفقیر علی باب الامیر ونعم الامیر علی باب الفقیر ۔

شیخ بدرالدین غزنوی نے نظام الدین خریطہ دار ایک سرکاری عہدے دار سے خانقاہ تعمیر کرائی مگر وہاں جب اقامت اختیار کی تو سکون نہ ملا۔ حضرت باوا صاحب کی خدمت میں حقیقت حال عرض کی تو فرمایا جو شخص اپنے مشائخ کی سیرت وسنت پر نہیں چلتا اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ (فوائد الفواد مترجم ص ۱۸۱-۱۸۰)

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کبھی کسی وزیر یا بادشاہ کے دروازے پر تشریف نہ لے گئے' کسی کے دروازے پر نہ جانا تو بہت دُور کی بات تھی' امیر کبیر اور سرکاری عہدے دار بھی حاضر ہوتا تو کبھی اس کے لیے کھڑے نہ ہوتے۔ (الطبقات الکبری للشعرانی' ص ۱۲۸ طبع مصر)

یہ ان مشائخ کی مبارک زندگی تھی کہ تمام عمر کوئی جاگیر قبول نہیں کی' خزانہ جمع نہیں کیا' کوئی مستقل ذریعہ آمدن (کارخانے وغیرہ) نہیں بنائے' سرکار دربار کو منہ نہیں لگایا' کوٹھیاں اور بنگلے نہیں بنائے جو کچھ مخلص عوام اور عقیدت مندوں کی طرف سے نذرانوں اور فتوحات کی صورت میں آیا' اسے فوراً فقراء اور مساکین پر خرچ کر دیا اور جیسے خالی ہاتھ اپنے خالق کے پاس سے آئے تھے ویسے ہی اس کے حضور میں پہنچ گئے۔ اسی کا نام ''ترکِ تجرید'' ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جب بابا فرید گنج شکر کا انتقال ہوا تو آپ کے گھر میں تجہیز وتکفین کا سامان بھی موجود نہ تھا۔ لحد کے لیے کچی اینٹوں کی ضرورت ہوئی حجرے کی ایک دیوار (دروازہ) ڈھا کر اس کی اینٹیں لحد مبارک میں لگائی گئیں۔

(فوائد الفواد (اردو) ص ۳۹۹ طبع علماء اکیڈمی لاہور)

زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

ایک آج کل کے بعض مشائخ ہیں کہ سرکار دربار کا دُم چھلہ بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ سرکار کی طرف سے جاگیروں کو قبول نہ کرنا اور پیش کش کو ٹھکرا دینا تو کجا وہ تو سرکار سے خود مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں جاگیریں دی جائیں۔ غلام حیدر وائیں مرحوم کی وزارتِ اعلیٰ

کے دَور میں ایک ''تنظیم المشائخ'' کے نمائندوں نے ایک اجلاس میں جس کی صدارت یہی ''شیخ المشائخ'' وزیر اعلیٰ کر رہے تھے' موصوف سے مطالبہ کیا تھا کہ جس طرح صحافیوں اور دیگر طبقوں کو حکومت پلاٹ دیتی ہے' مشائخ کو بھی پلاٹ دیے جائیں۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

اسی طرح ایک سیاسی جماعت کے علماء ومشائخ ونگ نے ۳۱ اگست ۹۶ کو بعض وفاقی وصوبائی وزراء کے اعزاز میں استقبالیہ دیا جس میں ایک تو عصر اور مغرب کی نمازیں گول کر دی گئیں جب ایک آدمی نے نماز کی طرف توجہ دِلائی تو اسے ڈانٹ دیا گیا۔ دوسرے اس استقبالیہ تقریب کے ہر مقرر نے مذکورہ ونگ کے صدر صاحب کے لیے حکومتی عہدہ کا مطالبہ کیا جس پر ایک وفاقی وزیر نے کہا: موصوف اپنے منصب کا خود ہی تعین کر لیں' ہم اس کا نوٹیفکیشن جاری کر دیں گے۔

روزنامہ نوائے وقت کے مدیر ''سر راہے'' نے اس پر پھبتی کستے ہوئے یہ لکھا تھا: ''جب وفاقی اور صوبائی وزراء سامنے موجود ہوں تو علماء کو اس وقت خدا کہاں یاد آتا ہے اس لیے اگر ان علماء حضرات نے عصر اور مغرب کی نمازیں گول کر دیں تو کیا ہوا' اپنے صدر کے لیے (جو خیر سے حافظِ قرآن بھی ہیں) سرکاری عہدہ تو حاصل کر لیا۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ مرشد کا دیدار لکھ کروڑ حجوں کے برابر ہوتا ہے اس لیے اگر وزراء سامنے موجود ہوں تو نماز اور حج ساقط ہو جاتے ہیں''۔ موصوف صدر کو نیا عہدہ مبارک ہو

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد
وائے گر پس امروز نہ بود فردائے

''اگر مسلمانی اسی چیز کا نام ہے جو حافظ رکھتا ہے تو کاش آج کے بعد دوسرا دن طلوع نہ ہو''۔ (نوائے وقت لاہور' ۲ ستمبر ۱۹۹۶)

(76)

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون؟

حجاج بن یوسف ثقفی ظالم کی عادت تھی کہ وہ علماء کو دربار میں بلا کر سوالات کرتا اور علماء کے کسی جواب کو بہانا بنا کر ان کو قتل کرا دیتا۔ چنانچہ ہزاروں علمائے حق کو اس ظالم نے شہید کرا دیا جب عراق کا گورنر بن کر آیا تو اس نے امام شعبی کو دربار میں طلب کیا۔ امام موصوف حجاج کے دربار میں ڈرتے ہوئے تشریف لے گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ کی جان کا خطرہ محسوس ہونے لگا مگر امام موصوف جب دربار میں پہنچے تو حجاج سے آپ کا حسب ذیل مکالمہ شروع ہوا:

حجاج: کہیے! امام شعبی! علومِ قرآن میں آپ کا مبلغ علم کہاں تک ہے؟

امام شعبی: اس علم میں تمام اکابر علماء عراق کا میں ''استاذ'' ہوں۔

حجاج: علم فرائض میں بھی آپ کی کچھ معلومات ہیں؟

امام شعبی: اس علم میں بھی مجھے پوری مہارت حاصل ہے۔

حجاج: ''علم الانساب'' میں بھی آپ کو کچھ دخل ہے۔

امام شعبی: اس علم کا تو میں اتنا ماہر ہوں کہ اس فن میں میرا فیصلہ ''قول فیصل'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ حجاج: اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو شعر و شاعری سے بھی کچھ لگاؤ ہے؟

امام شعبی: میں شعراء عرب کا چلتا پھرتا دیوان ہوں جس شاعر کا کلام آپ چاہیں میں سنا سکتا ہوں اور ہر ایک کے کلام کا عیب و ہنر بھی بتا سکتا ہوں۔

امام شعبی کے ان کمالاتِ علمی کو سن کر حجاج حیران رہ گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے انعام و اکرام سے مالا مال کر کے آپ کو ''ہمدان'' کا حاکم مقرر کر دیا۔ (مستطرف ج ۱ ص ۲۱)

جب مولیٰ تعالیٰ کا کسی بندے پر فضل ہوتا ہے تو اس کے لیے خطرات کی آگ کے شعلوں میں بھی سلامتی جان و مال کا گلشن و گلزار نمودار ہو جاتا ہے۔ امام شعبی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر اور سر ہتھیلی پر رکھ کر گئے تھے مگر سلامتی جان و مال کے ساتھ اعزاز حکومت اور زر و جواہر کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے گھر آئے۔ کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے:

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

Scanned with CamScanner

(77)

بتوں کی بے بسی

یثرب (مدینہ شریف) میں اسلام کی روشنی ابھی نئی نئی تھی' ابھی بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ عمرو بنو جموح بن سلمہ کے ایک سردار تھے اور ان کے بت کا نام ''منات'' تھا۔ یہ بت نہایت قیمتی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ ماہر کاری گر نے اس کی تراش خراش میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ عمرو اس کو ہر روز خوشبو میں بساتا' اس کو بناتا سنوارتا' اس کی صفائی کرتا' صبح و شام اس کی زیارت کرتا اور حتی الامکان اس پر اپنا مال و دولت نچھاور کرتا' وہ اس کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔

ایک دن عمرو بن جموح منات کے سامنے نہایت عاجزی و انکساری سے کھڑا ہوا پہلے تو اس کی خوب تعریف کی اس کے مناقب بیان کیے اور پھر کہنے لگا:

''منات! تمہیں تو علم ہی ہے ہمارے شہر میں جو ایک نئے دین کا سفیر آیا ہے اس نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی ہے اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ ہمیں تم سے ہٹا دے۔ وہ ہمارے دلوں میں سے تمہاری محبت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اس سے صاف صاف بات کروں مگر میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے تم سے مشورہ کروں اور پھر اس سے بات کروں۔ برائے مہربانی تم مجھے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

منات نے اس اس کی گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا۔

عمرو نے پھر نہایت عاجزی سے کہنا شروع کیا:

''لگتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو۔ ارے! میں نے کوئی غلط بات تو نہیں

کہہ دی جو تمہیں بُری لگی ہو۔ خیر اگر تم ناراض ہو گئے ہو تو کوئی بات نہیں' میں تمہارے پاس چند دنوں کے بعد آؤں گا تاکہ تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔''

ادھر عمرو کے بیٹے معاذ بن عمرو مسلمان ہو چکے تھے' انہیں اپنے باپ کی منات سے محبت کا علم تھا' انہوں نے اپنے گہرے دوست معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں مشورہ کیا' یہ دونوں ہی بنو سلمہ کے نوجوان تھے اور دونوں نے مل کر ایک منصوبہ بنایا۔ رات کو جب والد سو گئے تو دونوں منات کے پاس آئے اس کو کندھوں پر اُٹھایا اور بنو سلمہ کے کنویں میں پھینک دیا۔ یہ ایک بے آباد کنواں تھا' قبیلہ بنو سلمہ کے لوگ اس کنویں میں گندگی پھینکا کرتے تھے۔

صبح سویرے عمرو حسبِ سابق اور حسبِ عادت تبرک حاصل کرنے کے لیے منات کی طرف چل دیا جب اسے منات نظر نہ آیا تو بڑا حیران ہوا اس نے زور سے کہا:

''ارے کون ہے وہ بدبخت! جس نے میرے معبود کے ساتھ آج رات ظلم و زیادتی کی ہے؟''

اس کے بیٹے اپنے باپ کی آواز سن رہے تھے۔ وہ سوتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

عمرو اپنے پیارے بت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ غصے سے کانپتا' بھڑکتا' بڑبڑاتا ہوا اور اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوا منات کو تلاش کر رہا تھا' دائیں بائیں دیکھا' منات نظر نہیں آیا' دیوانہ وار آگے بڑھا اور سامنے دیکھا تو منات گندگی کے کنویں میں اُلٹا پڑا ہوا نظر آیا۔ جلدی سے اسے نکالا' اسے دھویا' خوشبو لگائی اور دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اگلی رات بھی حضرت معاذ بن عمرو اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے اپنے دیگر نوجوان کے ساتھ مل کر منات کے ساتھ کل والا سلوک کیا۔ صبح سویرے اپنی عادت کے مطابق عمرو پھر منات کی پوجا کرنے اور سلام کرنے اس کے کمرے میں گیا مگر منات وہاں موجود نہ تھا۔ بھاگتا ہوا کنویں کی طرف گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا پیارا منات گندگی کے ڈھیر میں ڈھانپا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر اس کو قدرے دُکھ بھی ہوا اور کراہت بھی محسوس ہوئی

Scanned with CamScanner

مگر پھر بھی وہ اس کا معبود تھا اس کے دل میں اس کا بڑا احترام اور محبت تھی اس نے گندگی کے ڈھیر سے اسے نکالا' دھویا' خوشبو لگائی اور دوبارہ مقررہ مقام پر رکھ دیا اب کے اس نے منات کے گلے میں تلوار لٹکائی اور کہا:

''منات اے میرے معبود! اگر اب تمہارے پاس کوئی آئے اور تمہارے ساتھ بُرا سلوک کرنا چاہے تو اس تلوار سے اپنی حفاظت کرنا''۔

اگلے دن ان نوجوانوں نے نیا کام کیا' انہوں نے منات کو اُٹھایا' ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ اس کو رسی سے باندھا' تلوار کو پرے رکھا اور پھر گندے کنویں میں پھینک دیا۔

اگلی صبح بوڑھا عمرو اُٹھا' سیدھا منات کے کمرے میں گیا' کمرہ حسبِ سابق خالی تھا اب وہ کنویں کی طرف گیا اس کا منات کتے کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور گندگی سے لت پت تھا' تلوار بھی اس کے ساتھ نہیں تھی اب عمرو کی عقل ٹھکانے آ چکی تھی جب اس نے اپنے پیارے منات کو کتے کے ساتھ بندھا ہوا گندگی میں لت پت دیکھا تو پکار اُٹھا:

وَاللّٰہِ لَوْ کُنْتَ اِلٰھًا لَمْ تَکُنْ اَنْتَ وَکَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِیْ قَرَنٍ ۔

''اللہ کی قسم! اگر تم معبود ہوتے تو تم اور کتا اس گندے کنویں میں کبھی اکٹھے نہ ہوتے''۔

اب عمرو غفلت کی نیند سے بے دار ہو چکا تھا' ایمان کی دولت سے سینہ منور ہو چکا تھا' حقیقت سامنے آ چکی تھی اس نے اپنے بچوں کو ہمراہ لیا اور اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا پھر منات کے پاس گیا' اس کو اپنے قدموں سے روندا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ وہ سوچ رہا تھا میں کتنا گمراہ تھا کہ ایک لکڑی کی پوجا کرتا رہا' میری زندگی کتنے اندھیرے میں تھی اب وہ صراطِ مستقیم کا راہی تھا اسلام کا مددگار اور معاون؟ اس کے سامنے ماضی کی کوتاہیوں کو دُور کرنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ اسلام پر ثابت قدمی سے چلے۔ عمرو نے اپنی اولاد' اپنا مال اور اپنی جان اسلام کے لیے وقف کر دی۔

(اسد الغابہ ۴/۱۹۵' سیر اعلام النبلاء ۱/۲۵۳)

(78)

جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے

حضرت سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابراہیم فہری علیہ الرحمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

''حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک زمانہ میں ایک نوجوان گناہوں بھری زندگی گزار رہا تھا اسی بدمستی کے عالم میں اسے سخت بیماری لاحق ہو گئی اور مرگی کے دورے پڑنے لگے جب کمزوری حد سے بڑھنے لگی تو انتہائی رنج و غم کے عالم میں بہت ہی خفیف آواز کے ساتھ اپنے رحیم و کریم پروردگار کی بارگاہ میں اس طرح التجا کی:

''اے میرے پروردگار! میرے گناہوں سے درگزر فرما' مجھے اس بیماری سے چھٹکارا عطا فرما۔ اے میرے مولیٰ! اب میں کبھی بھی گناہ نہ کروں گا''۔

اس کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی لیکن صحت یابی کے بعد وہ دوبارہ گناہوں میں منہمک ہو گیا اور پہلے سے زیادہ نافرمانی کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس پر بیماری مسلط فرما دی وہ پھر گڑگڑانے لگا اور عرض گزار ہوا:

''اے میرے پاک پروردگار! اس مرتبہ مجھے شفا عطا فرما دے اب دوبارہ کوئی گناہ نہ کروں گا''۔

اللہ تعالیٰ نے اسے پھر تندرستی عطا فرما دی لیکن اس کی آنکھوں پر پھر غفلت کا پردہ پڑ گیا اور گناہوں کی طرف مائل ہو کر پہلے سے بھی اور زیادہ نافرمان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر بیماری میں مبتلا کر دیا اس مرتبہ مرض بہت شدید تھا

Scanned with CamScanner

اس نے بڑی نقاہت بھری غمگین آواز میں خدائے رحمٰن ورحیم کو پکارا:

''اے میرے پروردگار! میرے گناہوں کو بخش دے' مجھ پر رحم فرما اور مجھے بیماری سے شفا عطا فرما۔ میرے مولیٰ! میں پھر کبھی تیری نافرمانی نہ کروں گا''۔

اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور پھر صحت عطا فرما دی۔ تندرست ہوتے ہی وہ پھر گناہوں میں مبتلا ہوا اور بہت زیادہ نافرمان ہو گیا۔ ایک مرتبہ اچانک اس کی ملاقات حضرت سیّدنا حسن بصری' ایوب سختیانی' مالک بن دینار اور صالح مری رحمۃ اللہ علیہم سے ہوئی جب حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوجوان کو گناہوں میں منہمک دیکھا تو فرمایا:

''اے نوجوان! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو یہ مت بھول کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔

یہ سن کر اس نوجوان نے کہا:

''اے ابوسعید! مجھ سے دُور رہیے' بے شک میں تو مصیبت وآفتوں میں ہوں اور دنیا کو خوب ظاہر کرنا چاہتا ہوں''۔

حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقاء کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''اللہ کی قسم! بے شک اس نوجوان کی موت قریب ہے۔ موت کے وقت اسے بہت پریشانی ہوگی۔ نزع کی سختیاں اسے بہت تنگ کریں گی''۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ رفقاء کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس گناہ گار نوجوان کا بھائی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا:

''اے ابوسعید! میں اسی نوجوان کا بھائی ہوں جسے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نصیحت فرمائی تھی۔ میرے بھائی پر موت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں اس پر نزع کی کیفیت طاری ہے اور بڑی مصیبت میں مبتلا ہے''۔

حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا:

''آؤ! چل کر دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا معاملہ فرماتا ہے؟''

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کے گھر پہنچے' دروازے پر دستک دی تو اس کی بوڑھی ماں نے پوچھا: ''کون ہے؟'' فرمایا: ''حسن''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آواز سن کر بوڑھی ماں نے کہا:

''اے ابوسعید! آپ جیسے نیک شخص کو کیا چیز میرے بیٹے کے پاس کھینچ لائی حالانکہ یہ تو ہمیشہ گناہوں کا مرتکب رہا اور حرام کاموں میں پڑا رہا؟'' فرمایا:

''محترمہ! آپ ہمیں اپنے بیٹے کے پاس آنے کی اجازت دیں' بے شک ہمارا پاک پروردگار گناہوں کو بخشنے والا اور خطاؤں کو مٹانے والا ہے''۔

بوڑھی ماں نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمہ دروازے پر کھڑے ہیں وہ اندر آنا چاہتے ہیں۔ کہا:

''اے میری پیاری ماں! حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تو میری عیادت کرنے آئے ہیں یا پھر زجر وتوبیخ کرنے۔ بہر حال آپ دروازہ کھول دیں''۔

جب آپ رحمۃ اللہ علیہ اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ نوجوان نزع کی سختیوں میں مبتلا ہے اس پر ناامیدی ورنج والم کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے نوجوان! اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کر! بے شک وہ رحیم وکریم پروردگار تیرے گناہوں کو بخش دے گا''۔

نوجوان نے کہا: ''اے ابوسعید! اب وہ میرے گناہوں کو نہیں بخشے گا''۔

فرمایا: ''اے نوجوان! کیا تم اللہ تعالیٰ کے لئے بخل ثابت کرنا چاہتے ہو؟ وہ پاک پروردگار تو بہت زیادہ کریم وجواد ہے اس کی رحمت سے مایوس کیوں ہوتے ہو''۔

کہا: ''اے ابوسعید علیہ الرحمہ! میں نے رحیم وکریم پروردگار کی نافرمانی کی تو اس نے مجھے بیماری میں مبتلا کر دیا۔ میں نے شفا طلب کی تو اس نے شفا عطا فرمائی۔ میں نے پھر نافرمانی کی تو دوبارہ بیماری میں مبتلا ہو گیا پھر گناہوں سے

معافی طلب کی اور صحت یابی کی دعا مانگی اس پاک پروردگار نے مجھے شفا عطا فرمادی میں اسی طرح گناہ کرتا رہا اور وہ معاف کرتا رہا اب پانچویں مرتبہ بیمار ہوا ہوں میں نے اس مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اور صحت یابی کے لیے عرض گزار ہوا تو اپنے گھر کے کونے سے یہ غیبی آواز سنی۔

''تیری دعا و مناجات قبول نہیں ہم نے تجھے کئی مرتبہ آزمایا مگر ہر مرتبہ تجھے جھوٹا پایا''۔

نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''چلو واپس چلتے ہیں''۔

یہ کہہ کر آپ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جانے کے بعد اس نوجوان نے اپنی والدہ سے کہا:

''اے میری ماں! یہ حضرت سیّدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تھے شاید یہ میری طرف سے میرے پاک پروردگار سے ناامید ہو گئے ہیں حالانکہ میرا مولیٰ تو گناہوں کو بخشنے والا اور خطاؤں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے۔ اے میری پیاری ماں! میری موت کا وقت قریب ہے جب سانس اُکھڑنے لگے اور میرا جسم بے جان ہونے لگے، میری آنکھیں بند ہو جائیں، جسم پیلا پڑ جائے، آواز بند ہو جائے اور میری روح دار الفناء سے دار البقاء کی طرف پرواز کرنے لگے تو میرا گریبان پکڑ کر مجھے گھسیٹنا، میرا چہرہ خاک آلود کر دینا پھر میرے پاک پروردگار سے میرے گناہوں کی معافی طلب کرنا۔ بے شک وہ رحمٰن و رحیم مولیٰ گناہوں کو بخشنے والا ہے میں اس کی رحمت سے ناامید نہیں''۔

یہ کہہ کر نوجوان خاموش ہو گیا اس کی بوڑھی ماں نے حسب وصیت اس کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا اس کے چہرے پر مٹی ڈالی پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح فریاد کرنے لگی:

''اے میرے مولیٰ! میں تجھ سے تیری اور اس رحمت کا سوال کرتی ہوں جو تو نے حضرت سیّدنا یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی اور ان کے بیٹے کو ان سے ملا دیا۔ اے میرے مولیٰ! تجھے اسی رحمت کا واسطہ جو تو نے حضرت سیّدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی اور ان کی آزمائش کو دُور فرما دیا۔ میرے مولیٰ! میرے بیٹے پر بھی رحم فرما اس کے گناہوں سے درگزر فرما کر اسے بھی معاف فرما دے''۔

جب اس نوجوان کا انتقال ہو گیا تو اس کی والدہ نے ہاتفِ غیبی سے یہ آواز سنی:

''تیرے بیٹے پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور اس کے تمام گناہ معاف فرما دیئے''

اسی طرح ایک آواز حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمہ کو سنائی دی، کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا:

''اے ابو سعید! اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان پر رحم فرما کر اس کے گناہوں کو بخش دیا اب وہ جنتی ہے''۔

چنانچہ حضرت سیّدنا حسن بصری علیہ الرحمہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس نوجوان کے جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ (عیون الحکایات)

(79)

غلام کی دعا سے نزولِ رحمت

کچھ واقعات اگرچہ مکرر بھی آ رہے ہیں لیکن ان شاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہوں گے۔ یہ واقعہ بھی کسی اور کتاب کے حوالے سے اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

عبداللہ بن المبارک علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ میں مکہ معظمہ میں تھا' وہاں بہت بڑا قحط پڑا۔ لوگ میدانِ عرفات میں نمازِ استقاء پڑھنے جاتے تھے لیکن قحط کی سختی بڑھتی جاتی تھی۔ ایک ہفتہ اسی حال میں گزر گیا۔ اگلے ہفتہ میں لوگ جمعہ کی نماز کے بعد پھر عرفات گئے وہاں میں نے ایک سیاہ فام کمزور بدن آدمی کو دیکھا کہ اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے پروردگار سے دعا مانگی پھر سجدہ کیا اور کہا: تیری عزت کی قسم ہے کہ میں اپنا سر سجدہ سے اس وقت تک نہ اُٹھاؤں گا جب تک تو اپنے بندوں کو بارانِ رحمت سے سیراب نہ کرے گا اس کے بعد میں نے ابر کا ایک ٹکڑا دیکھا کہ وہ ظاہر ہوا پھر اس میں اور ٹکڑے مل گئے پھر تو آسمان اس طرح برسا کہ گویا مشکوں کے دہانے کھل گئے اس کے بعد اس سیاہ رو بندے نے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی اور واپس چلا۔ یہ دیکھ کر میں اس کے پیچھے ہولیا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوا جس میں ایک بردہ فروش رہتا تھا یہ دیکھ کر میں واپس آیا۔ صبح کو میں درہم اور اشرفیاں لے کر اس بردہ فروش کے گھر کی طرف آیا اور میں نے اس سے کہا: مجھے ایک غلام خریدنے کی ضرورت ہے چنانچہ سوداگر نے تقریباً تیس غلام میرے سامنے پیش کیے۔ میں نے اس سے کہا: ان غلاموں کے علاوہ کوئی اور غلام بھی باقی ہے؟ اس نے کہا: ہاں ایک منحوس غلام اور باقی ہے جو کسی سے بات بھی نہیں کرتا ہے۔ میں نے کہا: اسے بھی دِکھاؤ تو اس نے اسی غلام کو نکالا جس کو میں نے دیکھا تھا اس کے بعد میں نے پوچھا کہ تم نے اس کو

کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے کہا: بیس اشرفیوں میں خریدا ہے لیکن تمہیں دس اشرفیوں میں دے دوں گا۔ عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ میں نے کہا نہیں بلکہ میں ستائیس اشرفیاں تم کو زیادہ دوں گا اس کے بعد مین نے اس غلام کا ہاتھ پکڑا اور واپس آیا۔ غلام نے مجھ سے کہا: اے میرے آقا! مجھے آپ نے کیوں خریدا ہے؟ میں تو آپ کی خدمت کی طاقت بھی نہیں رکھتا ہوں۔ میں نے کہا: میں نے تم کو اس لیے خریدا ہے کہ تم میرے مالک بنو اور میں تمہارا خادم بنوں۔ اس نے مجھ سے کہا: آپ یہ کیوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا: کل میں نے تم کو دیکھا کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی اس لیے میں نے تمہاری کرامت عنداللہ پہچانی۔ اس نے کہا کیا واقعی آپ نے ایسا ہی دیکھا؟ میں نے کہا' ہاں! اس نے دریافت کیا کہ کیا آپ مجھے آزاد کرتے ہیں؟ میں نے کہا تو محض رضائے الٰہی پر آزاد ہے اس کے بعد میں نے غیبی ہاتف کو یہ کہتے سنا کہ اے ابن المبارک! تجھے خوش خبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری مغفرت فرمائی۔ بعدازیں غلام نے کامل وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور کہا: اس جھوٹے آقا کی آزادی پر تو اللہ کا شکر ہے مگر مولائے اکبر کے آزاد کرنے پر کیونکر شکر ادا کر سکتا ہوں اس کے بعد اس نے دوبارہ وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور کہا:

اِلٰهِىْ اَنْتَ تَعْلَمُ اَنِّىْ عَبَدْتُكَ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً وَّاَنَّ الْعَهْدَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ اَنْ لَّا تَكْشِفُ سِرِّىْ فَحِيْنَئِذٍ كَشَفْتَهٗ فَاقْبِضْنِىْ اِلَيْكَ ۔

”الٰہی! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے تیس برس تیری عبادت کی۔ میرے اور تیرے درمیان عہد تھا کہ تو میرا پردہ فاش نہ کرے گا مگر اس وقت تو نے اس کو فاش کر دیا لہٰذا اب میری روح قبض کر کے مجھے اپنے پاس بلا لے“۔

اس کے بعد وہ بے ہوش ہو کر گرا جب دیکھا گیا تو وہ مردہ تھا۔ عبداللہ فرماتے ہیں میں نے اس کو معمولی سا کفن دیا' نماز پڑھی' دفن کر دیا جب میں سویا تو ایک خوب صورت بزرگ کو عمدہ لباس میں دیکھا کہ ایک اور بزرگ سن رسیدہ ویسی ہی صورت اور لباس میں ان کے ساتھ ہیں اور ان دونوں صاحبوں میں سے ہر ایک دوسرے کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھے

Scanned with CamScanner

ہوئے ہے۔ پس ان میں سے ایک صاحب نے مجھے فرمایا: اے ابن مبارک! کیا تجھے اللہ تعالیٰ سے شرم نہ آئی؟ پھر وہ چلے میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں محمد رسول اللہ ﷺ ہوں اور یہ میرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ میں نے استفسار کیا کہ کیونکر میں اللہ سے شرم نہیں کرتا ہوں حالانکہ میں بکثرت نماز پڑھتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ایک ولی مرگیا اور تم نے اس کو اچھا کفن نہ دیا۔ صبح ہوئی تو میں نے اس غلام کی نعش کو قبر سے نکالا اور نہایت نفیس کفن میں اس کو کفنایا اس پر پھر نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن کردیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔

ابوالقاسم حکیم سے پوچھا گیا کہ ایک گناہ گار ہے جس نے اپنے گناہ سے توبہ کی اور ایک کافر ہے ان دونوں میں کون افضل ہے اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: جو گناہ گار اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ افضل رہے۔ اس لیے کہ کافر حالتِ کفر میں اجنبی تھا اور عاصی اپنے عصیان کی حالت میں بھی اپنے رب کا پہچاننے والا تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کافر جب اسلام لایا تو اجنبیوں کے درجہ سے نکل کر عارف کے درجہ میں داخل ہوا اور عاصی عارف کے درجہ سے احباب کے درجہ کی طرف منتقل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ۔

"توبہ کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے"۔ (واللہ اعلم بالصواب) (نوادر القلیوبی)

(80)

میں بندۂ پُر عیب وہ محبوبِ الٰہی

امیر خورد کرمانی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے بادشاہوں کی ملاقات سے گریز ایمانی جرأت اور کمال استغناء کے دو ایمان افروز واقعات بیان کیے ہیں۔ ان واقعات کا اس موقع پر ذکر عوام کے لیے بالعموم اور علماء ومشائخ کے لیے بالخصوص ایک سبق اور نمونہ کا کام دے گا۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں۔

(۱) میں (مصنف) نے اپنے والد بزرگوار سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ جن دنوں حق تعالیٰ نے سلطان المشائخ کو لوگوں میں ظاہر ومشہور کیا اور آپ کی عظمت وکرامت کا شہرہ آسمان پر فرشتوں کے کان تک پہنچا اور بڑے بڑے علماء مشائخ امراء اور بادشاہ آپ کے غلام ہوئے

قبلہ خسرواں روئے زمین   ہفت کشور ہمیشہ زیرنگین
تاج شاہاں خاک درگہ تو   سروراں خاک گشتہ در رہ تو
درگہ تست آسماں دگر   ماہ و خورشید پاسبانش نگر

تو حاسدوں کے دلوں میں حسد کا کانٹا چبھنے لگا اور انہوں نے بادشاہِ وقت سلطان علاؤ الدین خلجی کو سکھایا کہ سلطان المشائخ مقتدائے عالم ہو گئے ہیں اور کوئی ایسا بشر نہیں جو ان کے دروازے کی مٹی کو اپنا تاج سر نہ بناتا ہو۔ حکیم ثنائی نے کیا اچھا کہا ہے:

ہر کہ او خاک نیست بردر او
گر فرشتہ است خاک برسر او

اور سلطان المشائخ کی نعمتوں کا دسترخوان بہشتی نعمتوں کا رشک ہے ایسی ایسی باتیں

بادشاہ کے ذہن نشین کیں کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے سبب سے بادشاہ کی سلطنت میں خلل آئے جیسا کہ گزشتہ زمانے میں بعض بادشاہوں کی سلطنت اسی گروہ کے سبب برباد ہوئی ہے جب اسی قسم کی بہت سی باتیں بادشاہ کو کہی گئیں تو بادشاہ نے جو سخت غیور تھا اور ایک ہی خیال سے بہت سی خلقت کو تہ تیغ کیا کرتا تھا اور کئی گھرانے برباد کرایا کرتا تھا۔ دل میں خیال کیا کہ ممکن ہے یہ بات سچ ہو کیونکہ میرے تمام مقرب، ملازم اور متعلقین اس کے مرید و معتقد ہیں۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

متابعند ترا چوں سپہر خورد و بزرگ
مسخراند ترا چوں زمانہ پیر و جواں

کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے معلوم ہو جائے کہ فی الواقعہ شیخ صاحب کا دِلی مدعا ملک گیری کا ہے یا نہیں اس مطلب کے لیے اس نے ایک مسودہ تیار کیا جس میں امورِ سلطنت کے متعلق آپ کی رائے اور حکم طلب کیا۔ لکھا کہ چونکہ سلطان المشائخ اہلِ عالم کے مخدوم ہیں اور دینی اور دنیاوی ضرورت کے وقت آپ سے ملتمس ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے دنیاوی سلطنت کی باگ بندہ کے ہاتھ میں دے رکھی ہے اس لیے مجھے مناسب ہے کہ ہر ایک کام میں آپ کی رائے پر عمل کروں اس واسطے عرض پرداز ہوں کہ جس کام میں میری بہتری ہو، فرما دیں تا کہ اس پر عمل درآمد کیا جائے کیونکہ اس پر میری سلطنت اور جان کی حفاظت مبنی ہے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

تا کمر خدمت تو برنہ بست
چرخ بخورشید نشد تاجور

اس واسطے جناب کی خدمت میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ خود دست مبارک سے ان کے بارے میں اپنی رائے لکھ بھیجیں تا کہ آپ کے حکم پر عمل کیا جائے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

ارمی الامور المشکلات تمرقت
ظلماتها عن رائه المستوقد

"میں مشکل امور کو دیکھتا ہوں اس کی عقل کی روشنی سے ان مشکلات کی تاریکیاں دُور ہوتی ہیں"۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

آسائش خلائق و آرائش جہاں
در طلعت مبارک ورائے متین تست

جب یہ مسودہ تیار ہو چکا تو خضر خان کو جو اس کا بڑا چہیتا بیٹا اور سلطان المشائخ کا مرید تھا، بلا کر کہا: یہ کاغذ لے جا اور میرا اسلام عرض کر کے یہ پیش کرنا جب اس نے حاضر خدمت ہو کر وہ کاغذ سلطان المشائخ کے ہاتھ میں دیا تو آپ نے مطالعہ کیے بغیر حاضرین کو فرمایا: ہم دعا کرتے ہیں، پھر فرمایا: درویشوں کو بادشاہی امور سے کیا واسطہ۔ میں درویش ہوں، شہر کے گوشے میں زندگی بسر کرتا ہوں اور مسلمان بادشاہوں کی دعا گوئی میں مشغول ہوں اگر بادشاہ اس بارے میں پھر لکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے میں یہاں سے اُٹھ کر کسی اور شہر میں بسر کرلوں گا جب خضر خان نے یہ جواب سلطان علاؤ الدین کو سنایا تو بادشاہ نہایت خوش ہوا اور کہا میں جانتا تھا کہ اس کام کو جناب سلطان المشائخ سے کچھ نسبت نہیں لیکن دشمن مجھے مردان خدا سے لڑانا چاہتے تھے اگر یہ بات ہو جاتی تو ملک برباد ہو جاتا۔ بعد ازاں بادشاہ نے سلطان المشائخ سے بار بار معافی مانگی اور کہلا بھیجا کہ میں جناب کا معتقد ہوں۔ میں نے جرأت کی ہے، آپ معاف فرما دیں اور آپ اجازت دیں کہ میں آ کر قدم بوسی کا شرف حاصل کروں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا: آنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں غائبانہ دعا گوئی میں مشغول ہوں اور غائبانہ دعا کا بہت اثر ہوا کرتا ہے۔ سلطان علاؤ الدین نے پھر ملاقات کے لیے التماس کی۔ آپ نے فرمایا: میرے گھر کے دو دروازے ہیں اگر ایک سے بادشاہ اندر داخل ہوگا تو میں دوسرے کی راہ باہر نکل جاؤں گا۔ نیز میرے (مصنف) والد بزرگوار فرماتے تھے کہ سلطان جلال الدین انار اللہ برہانہ نے اپنے عہدِ سلطنت میں بہتیرا چاہا کہ سلطان المشائخ تشریف لائیں لیکن میسر نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے امیر خسرو شاعر کو جو اس کا "مصحف دار تھا" گانٹھا کہ بغیر اجازت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ امیر خسرو نے بادشاہ کے بھید کو ظاہر کرنے میں اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور سلطان

المشائخ کو اطلاع دے دی کہ کل بادشاہ قدم بوسی کے لیے حاضر خدمت ہوگا۔ آپ نے سنتے ہی اجودہن جانے کی اجازت لی اور روانہ ہو گئے۔ جب یہ خبر بادشاہ نے سنی تو امیر خسرو پر سخت ناراض ہوا کہ تو نے ہمارا بھید ظاہر کر دیا۔ سلطان المشائخ کی قدم بوسی سے محروم رکھا۔ امیر خسرو نے کہا آپ کی ناراضگی سے مجھے جان کا خطرہ ہے لیکن سلطان المشائخ کی ناراضگی ہونے سے ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بادشاہ دانا تھا اس جواب کو پسند فرمایا۔

(سیر الاولیاء ص ۱۱۸ تا ۱۲۰)

(۲)...... جن دنوں سلطان علاؤ الدین خلجی کے بیٹے سلطان قطب الدین نے سلطان المشائخ سے جھگڑنا چاہا اور جھگڑے کا ایک باعث یہ تھا کہ سلطان قطب الدین نے ہی جامع مسجد نئی بنوائی اور پہلے جمعہ کو تمام مشائخ اور علماء کو طلب کیا کہ اس جمعہ کی نماز اس مسجد میں ادا کریں۔ سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس ہی مسجد ہے اور یہاں جمعہ ادا کرنا زیادہ اچھا ہے، ہم یہیں ادا کریں گے۔ چنانچہ آپ نہ گئے۔ دوسرا باعث جھگڑے کا یہ تھا کہ رسم تھی کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمام امام اور مشائخ اور امراء و وزراء نئے چاند کی مبارکباد دینے کے لیے بادشاہ کے ہاں جایا کرتے تھے لیکن سلطان المشائخ نہیں جایا کرتے تھے۔ آپ اقبال نامی خادم کو بھیج دیا کرتے۔ حسب معمول جب اقبال آیا تو مدعیوں اور حاسدوں نے موقع پا کر بادشاہ سے کہا: دیکھو آپ کے فرمان کے مطابق سلطان المشائخ نے نہ جمعہ کی نماز نئی مسجد میں ادا کی اور نہ مبارک باد دینے کے لیے آئے بلکہ خادم کو بھیج دیا۔ بادشاہ نے بادشاہی کے غرور میں آ کر کہا: اچھا اگلے مہینے نہ آئیں گے تو ہم جس طرح بلوایا کرتے ہیں، بلوالیں گے جب سلطان المشائخ نے یہ بات سنی تو آپ نے کچھ نہ کہا اور اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر گئے اور عرض کی: اس بادشاہ کی نیت مجھے تکلیف پہنچانے کی ہے اگر اگلے مہینے کی پہلی تاریخ تک اس کا کام تمام نہ ہوا تو میں آپ کی زیارت کو نہیں آیا کروں گا۔ آپ نے ناز و نیاز سے یہ بات اپنی والدہ ماجدہ سے کہی اور گھر چلے آئے۔ آپ کے یار بادشاہ کی بات سے سخت ناراض مشوش تھے جوں جوں مہینہ قریب ہوتا، مخلصوں کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی لیکن سلطان المشائخ اس بھروسے پر خاطر جمع تھے کہ میں نے والدہ ماجدہ سے کہہ دیا ہے

آپ سجادہ کرامت پر قائم تھے کہ دیکھیے غیب سے کیا ظہور آتا ہے جب چاند نکلا اور خلقت اس بات کی منتظر ہوئی کہ صبح بادشاہ کی طرف سے سلطان المشائخ کو بلایا جائے گا تو اسی رات آسمان سے بادشاہ کی جان پر بلا نازل ہوئی یعنی خسرو خاں بلغاک نے سلطان المشائخ کے دشمن کا سر تن سے جدا کیا۔ بدن کو محل پر پھینک دیا اور سر نیزے پر رکھ کر خلقت کو دکھلایا۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

اے رو بہک نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کر دی و دیدی سزائے خویش

(سیر الاولیاء مترجم ص ۱۳۳۔۱۳۴)

(81)

لگتا ہے امیر المومنین کا وصال ہو گیا ہے

موسیٰ بن الحسین کہتے ہیں کہ جس دن سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا دور شروع ہوا کرمان میں بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ ساتھ ایک چراگاہ میں چرنے لگے اور کبھی کسی بھیڑیئے نے کسی بکری پر حملہ نہیں کیا لیکن ایک رات بالکل ناگہاں ایک بھیڑیئے نے ایک بکری کو پھاڑ ڈالا تو ہم لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کر دیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا چنانچہ جب لوگوں نے اس کی جستجو اور تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ اسی رات میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا وصال ہوا تھا جس رات بھیڑیئے نے بکری پر حملہ کیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۶۲)

یہ تجربہ ہے کہ بادشاہ اور حاکم جس قدر عادل و منصف ہوں گے اسی قدر ملک میں امن و امان اور آرام و عافیت کا دور دورہ ہوگا اور اگر بادشاہ اور حکام بدنیت اور ظالم ہوں گے تو اس ملک میں ہر طرف ظلم ہی ظلم پھیلا ہوگا اور کسی کو آرام و عافیت کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوگا اور بادشاہوں اور حاکموں کے عدل کی برکتیں اور ظلم کی نحوستیں انسانوں ہی تک محدود نہیں رہتیں بلکہ حیوانات و نباتات میں بھی ان کے اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔

ہیں جذب باہمی سے قائم نظارے سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

(82)

اللہ کی قسم! تو نے مال ضائع نہیں کیا

وہ مدینۃ الرسول ﷺ کے رہنے والے تھے، جہاد کے بے حد شائق اور دلدادہ تھے، ان کا نام فروخ تھا۔ یہ بنوامیہ کے دور کا ذکر ہے۔ خراسان کی سرحدوں پر جہاد ہو رہا تھا، فروخ نے جہاد پر جانے کی نیت کی، بیوی سے مشورہ کیا۔ نیک سیرت بیوی نے کہا:

"ٹھیک ہے آپ جا تو رہے ہیں مگر آپ کو معلوم ہے کہ آپ چند ماہ بعد ایک بچے کے باپ بننے والے ہیں"۔

فروخ پر جہاد کی دھن سوار تھی، وہ متعدد بار لڑائیوں میں شریک ہو چکے تھے، انہوں نے بیوی کو جہاد کی اہمیت اور فضیلت سے آگاہ کیا اور کہا:

"گزر بسر کے لیے تیس ہزار دینار تمہارے حوالے کر رہا ہوں، میرے آنے تک یہ رقم تمہارے لیے کافی ہوگی"۔

فروخ جہاد پر گئے تو وہاں مشغول ہو گئے ہر چند کہ بیوی کا خیال آتا مگر جہاد کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ یہ دور اسلامی فتوحات کا دور تھا۔ مسلمان سمرقند اور بخارا کو فتح کر کے آگے نکل رہے تھے، وقت کا پتہ ہی نہ چلا، مدینہ منورہ سے نکلے ہوئے انہیں کم و بیش ستائیس سال گزر چکے تھے۔

پھر ایک دن آیا فروخ اس شان سے مدینہ منورہ واپس آئے کہ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ پکڑے اپنے گھر آئے، نیزے سے دروازے کو دھکا دیا اور گھوڑے سمیت گھر کی دہلیز پار کی۔ اندر سے ایک نوجوان نکلا، ایک اجنبی شخص کو یوں گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو نوجوان کہنے لگا:

Scanned with CamScanner

''اے اللہ کے دشمن! بغیر اجازت میرے گھر میں کیسے داخل ہو رہے ہو؟'' فروخ بولے:

''اللہ کا دشمن میں نہیں، تم ہو، تم میری بیوی اور میرے گھر میں داخل ہو''۔

گھوڑے سے کودے اور نوجوان کا گریبان پکڑ لیا۔ بڑے میاں لگے شور مچانے اور نوجوان کو بُرا بھلا کہنے۔ اتنی دیر میں ان کے ہمسائے بھی شور سن کر اکٹھا ہو گئے۔ معاملہ کیا ہے؟ وہ دونوں سے پوچھ رہے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کو بھی اطلاع دی کہ اس طرح جھگڑا ہو رہا ہے، چنانچہ وہ لوگ نوجوان کی مدد کرنے کے لیے دوڑے چلے آئے۔

یہ نوجوان جس کی حمایت میں علماء اور مشائخ بھاگے چلے آئے، ان کا نام ربیعہ الرائی تھا اور یہ بہت بڑے عالمِ دین تھے۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس تھا جس میں بڑے بڑے علماء شامل ہوتے تھے۔ ربیعہ کہہ رہے تھے: ''میں تمہیں لازماً سلطان کے پاس لے کر جاؤں گا''۔

ادھر فروخ بھی کہہ رہے تھے:

''اللہ کی قسم! میرا تمہارا فیصلہ اب سلطان کے پاس ہی ہوگا، تم میری بیوی کے پاس ٹھہرے ہوئے ہو، شور شرابہ بڑھتا چلا گیا۔ فروخ کا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

اتنے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی پہنچ گئے، لوگ ان کے احترام میں ادھر ادھر ہو گئے، وہ آگے بڑھے اور بڑے میاں سے کہا: ''یہ گھر یقیناً تمہارا نہیں، تمہارا کوئی اور گھر ہوگا''۔

فروخ کہنے لگے: ''نہیں! یہ میرا گھر ہے اور میرا نام فروخ ہے''۔

اتنی دیر میں ان کی بیوی نے اپنے خاوند کی آواز پہچان لی اور اندر سے نکل آئیں اور کہا:

''ارے! یہ تو میرے خاوند محترم ہیں اور یہ ربیعہ ان کا بیٹا ہے جب یہ جہاد پر

گئے تھے تو چند ماہ کے بعد پیدا ہوا تھا، انہوں نے تو اپنا بیٹا دیکھا بھی نہیں ہے''۔

اب جب دونوں کو معلوم ہوا کہ وہ باپ بیٹا ہیں تو ایک دوسرے کو گلے لگایا اور ملاقات کی خوشی میں بے اختیار رونے لگے۔

اب وہ گھر کے اندر گئے، بیٹھے، بار بار بیوی سے پوچھ رہے ہیں:

''یہ میرا بیٹا ہے؟ ارے! یہ تو جوان ہو گیا ہے''۔ بیوی کہہ رہی ہے:

''ہاں! یہ آپ ہی کا بیٹا اور لختِ جگر ہے''۔

تھوڑی دیر ستانے کے بعد اور حال احوال دریافت کرنے کے بعد فروخ نے اپنی بیوی سے کہا:

''تمہیں یاد ہے کہ میں تمہیں سفر پر جانے سے پہلے کچھ مال دے گیا تھا، وہ کدھر ہے اور کہاں خرچ کیا ہے؟'' ان کی بیوی کہنے لگی:

''میں نے اس کو دفن کر رکھا ہے، کچھ دنوں کے بعد نکالوں گی''۔

ادھر ربیعہ مسجد کی طرف چل دیئے اور اپنے حلقۂ درس میں مشغول ہو گئے اس درس میں امام مالک، حسن بن زید اور مدینہ منورہ کے اشراف کے علاوہ بہت سارے علماء اور عوام شامل تھے، درس جاری تھا۔ کچھ دیر کے بعد ربیعہ کی والدہ نے اپنے خاوند سے کہا:

''جائیے! مسجد رسول ﷺ میں نماز ادا کر آئیے''۔

چنانچہ فروخ مسجد میں آئے، نماز ادا کی، ایک طرف دیکھا کہ حلقۂ درس میں بڑے بڑے علماء بیٹھے ہیں اور ایک نوجوان انہیں درس دے رہا ہے۔ فروخ اس حلقے کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور نوجوان کو دیکھنا شروع کیا اس روز ربیعہ نے خلافِ معمول سر کو زیادہ ڈھانپا ہوا تھا، ٹوپی اس طرح اوڑھے ہوئے تھے کہ چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے والد فروخ کو شک سا گزرا کہ کہیں یہ میرا بیٹا ربیعہ تو نہیں۔ انہوں نے تصدیق کے لیے حلقۂ درس میں بیٹھے ایک شخص سے پوچھا: ''یہ نوجوان جو درس دے رہا ہے، کون ہے؟''

اس نے کہا: ''یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن ہیں''۔

Scanned with CamScanner

اب فروخ کہنے لگے: ''الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو یہ مرتبہ اور مقام دیا ہے''۔

خوشی خوشی گھر واپس آئے' آ کر بیوی سے کہنے لگے:

''میں نے تمہارے بیٹے کو اس مرتبے اور مقام پر دیکھا ہے جہاں بہت کم اہلِ علم پہنچ پاتے ہیں''۔ ربیعہ کی والدہ بولی:

''سچ بتائیں' آپ کو تیس ہزار دینار محبوب ہیں یا اپنے بیٹے کا علمی مقام اور مرتبہ؟'' فروخ بولے: ''ہرگز نہیں! اصل مقام اور مرتبہ تو علم ہے''۔ بیوی کہنے لگی: ''پھر میں نے سارا مال آپ کے بیٹے کی تربیت اور تحصیل علم پر خرچ کر دیا ہے''۔ فروخ کہنے لگے:

فَوَاللّٰہِ! مَا ضَیَّعْتِہٖ''۔

''اللہ کی قسم! تم نے اس مال کو ضائع نہیں کیا''۔ (سیر اعلام النبلاء ۹۳/۶)

علامہ ذہبی نے ابنِ سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ربیعہ الرأی کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۳۶ھ میں ہوا۔

(83)

ایک محدث ایک ولی اور مراقبہ کی برکت

حضرت سیّدنا سلیمان بن حرب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں حضرت سیّدنا بشر بن حارث حافی علیہ الرحمہ کی زیارت کا بہت مشتاق تھا لیکن ابھی تک میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی تھی۔ ایک دن مسجد جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک گھنے بالوں والا شخص پرانی سی چادر اوڑھے دیوار کی جانب منہ کیے تھیلے سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نکال کر کھا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''کیا تم خراسان کے رہنے والے ہو؟'' کہا: ''نہیں! بلکہ بغداد کا رہنے والا ہوں''۔ میں نے کہا: ''تم یہاں کس لیے آئے ہو؟'' کہا: ''آپ سے حدیث سننے آیا ہوں''۔ میں نے کہا: ''تمہارا نام کیا ہے؟'' کہا: ''آپ میرا نام پوچھ کر کیا کریں گے؟'' میں نے کہا: ''میری خواہش ہے کہ تمہارا نام جانوں''۔ کہا: ''میں ابونصر ہوں''۔ میں نے کہا: ''میں آپ کا نام جاننا چاہتا ہوں' کنیت نہیں''۔ کہا: ''تم اپنا نام بتا دو اس کے بعد تم حدیث سننا چاہو تو میں تمہیں ضرور سناؤں گا اور اگر نہ سننا چاہو تو تمہاری مرضی''۔ اس نے کہا: ''میرا نام بشر بن حارث حافی ہے''۔ میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا: ''شکر ہے اس پاک پروردگار کا جس نے مجھے جیتے جی آپ سے ملاقات کا شرف عطا فرمایا''۔

میں ان کے قریب بیٹھ کر رونے لگا پھر ہم حدیث کا تکرار کرنے لگے' کافی دیر حلقۂ درسِ حدیث جاری رہا۔ میں نے کہا:

''اب جب کہ آپ ہمارے شہر میں آ گئے ہیں تو کیا میرے گھر نہیں چلیں گے؟''

Scanned with CamScanner

فرمایا: ''میرے لیے کوئی مستقل رہائش گاہ نہیں، میں مسافر ہوں کسی ایک جگہ نہیں ٹھہر سکتا''۔

یہ سن کر میں رونے لگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی رو دیئے پھر سلام کیا اور مجھے روتا چھوڑ کر اپنی اگلی منزل کی جانب روانہ ہو گئے''۔

☆......حضرت سیّدنا ابوبکر دقاق علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت سیّدنا احمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا:

''ایک مرتبہ میں صحرا میں جا رہا تھا کہ اچانک چرواہوں کے دس شکاری کتوں پر میری نظر پڑی، مجھے دیکھ کر وہ میری جانب لپکے، جب قریب آئے تو میں نے مراقبہ شروع کر دیا (یعنی دل میں خوفِ خدا عزوجل کا تصور جمایا) اچانک ان کے درمیان سے ایک سفید رنگ کا کتا نکلا اور ان کتوں پر حملہ کر کے مسلسل میرا دفاع کرتا رہا جب میں ان کتوں سے کافی دُور ہو گیا تو اس سفید کتے کو دیکھنے کے لیے مڑا مگر وہ کہیں نظر نہ آیا نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ میں کتوں سے اس لیے محفوظ رہا کیونکہ میرے ایک استاذ مجھے خوف سے متعلق سکھایا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا:

''آج میں تمہیں ایک ایسے خوف کے بارے میں بتاؤں گا جس سے تمام امورِ خیر تمہارے لیے جمع ہو جائیں گے''۔ میں نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں بٹھا لینا''۔ (عیون الحکایات)

(84)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات

ایک شخص نے بیان کیا کہ ہم تاجروں کے ساتھ کشتی میں تھے کہ تیز ہوائیں چلنا شروع ہوئیں، سمندر میں لہریں اُٹھیں اور کشتی ڈگمگانے لگی اس وجہ سے ہم لوگ بہت ہی ڈرے مگر کشتی کے گوشہ میں ایک شخص تھا اس کے جسم پر اونٹوں کے بال کی چادر تھی جب لہریں اُٹھنے لگیں اور کشتی تھپیڑے کھانے لگی یہاں تک کہ اس میں پانی بھرنے لگا اور وہ بھاری ہو گئی تو ہم جانوں اور مالوں سے ناامید ہو گئے۔ اس کے بعد وہ شخص کشتی سے باہر نکلا اور پانی پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ ہم نے اس سے کہا: ''اے اللہ کے ولی! ہم کو بچایئے''۔

اس نے ہماری جانب کچھ توجہ نہ کی پھر ہم نے اس سے کہا:

''آپ کو اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو اپنی عبادت کی توفیق دی ہے۔ ہماری مدد کیجیے اور کشتی کو بچایئے''۔ پس وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''تمہارا کیا حال ہے؟ کیونکہ ہم کو جو مصیبت پہنچی تھی وہ ان سب سے غافل تھے''۔ ہم نے کہا:

''کیا آپ کشتی کی طرف نہیں دیکھتے ہیں اور لہروں اور آندھی سے جو مصیبت ہم پر پہنچی ہے اس کو ملاحظہ نہیں کرتے ہیں؟''

یہ سن کر انہوں نے فرمایا: ''تم سب اللہ کا تقرب حاصل کرو''۔

ہم نے کہا: ''ہم سب کس چیز سے تقربِ خداوندی حاصل کریں؟''

انہوں نے فرمایا: ''دنیا کے چھوڑنے سے''۔

ہم نے ان سے کہا: ''بے شک ہم نے ایسا ہی کیا''۔

Scanned with CamScanner

اس کے بعد انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کشتی سے باہر نکلو''۔

پھر تو ہم یکے بعد دیگرے کشتی سے باہر نکلنے لگے اور پانی پر چلنے لگے حتیٰ کہ ہم ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ہم سب پانی پر کھڑے تھے اور ہم لوگ دو سو یا اس سے زیادہ آدمی تھے اس کے بعد کشتی ڈوب گئی اور جو کچھ اس میں مال واسباب تھا' وہ سب تہ آب ہو گیا پھر ہم سے انہوں نے کہا:

''دنیا کے خوف سے تو بے شک تم لوگ بچ گئے پس اب تم لوگ جاؤ''۔

ہم نے ان سے کہا: ''ہم آپ کو اللہ کی قسم دے کر ایک سوال کرتے ہیں کہ آپ کون ہیں (اللہ آپ پر رحم کرے)''

اس کے جواب میں انہوں نے کہا: ''میں اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہوں''۔

ہم نے ان سے کہا: ''اس کشتی میں فقراء مدینہ کے مال تھے جن کو مصر سے ایک شخص نے ان کے واسطے بھیجا تھا''۔

پھر حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مال تم کو واپس کر دے تو تم لوگ ان کو فقرائے مدینہ پر تقسیم کرو گے؟''

ہم نے وعدہ کیا کہ ہاں! اس کے بعد انہوں نے پانی کی سطح پر دو رکعت نماز پڑھی پھر آہستہ سے دعا کی۔ پس وہ کشتی ان تمام مالوں کے ساتھ سطح آب پر ظاہر ہو گئی پھر ہم لوگ کشتی پر سوار ہوئے اور ہم نے اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو گم کیا اور مدینہ منورہ پہنچ کر ہم نے اپنے مالوں کو اپنے اور اہلِ مدینہ کے درمیان تقسیم کیا یہاں تک کہ مدینہ میں کوئی فقیر باقی نہ رہا۔

(نوادر القلیوبی)

(85)

حقیقتِ عبادت اور خدمتِ خلق

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا' ان کے کام آنا' ان کے مصائب وآلام کو دور کرنا' ان کے دکھ درد کو بانٹنا اور ان کے ساتھ ہمدردی وغم خواری اور شفقت کرنے پر شریعت نے کتنا زور دیا ہے۔ یہ خدمتِ خلق اور شفقت علی الخلق کتنی بڑی نیکی اور کتنی بڑی عبادت ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا کیا مقام ہے' یہ ایک مستقل لمبا چوڑا موضوع ہے۔ جس کی یہاں قطعاً گنجائش نہیں۔ تاہم اتنی بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ قرآن کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ (سورۃ الذاریات ۵۶)

''اور میں نے جنات اور انسانوں کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ عبادت سے یہاں مراد فقہ کی کتاب العبادات والی عبادت پنج گانہ مراد نہیں بلکہ اپنے وسیع وعام مفہوم میں طلب رضائے الٰہی کے مترادف مراد ہے۔ امام رازی نے کہا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم دوسرے خلقِ خدا پر شفقت۔ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔ تفسیر کبیر میں ہے:

مَا الْعِبَادَةُ الَّتِىْ خَلَقَ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ لَهَا قُلْنَا التَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ

وَالشَّفْقَةِ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ فَاِنَّ هٰذَيْنِ النَّوْعَيْنِ لَمْ يَخْلُ شَرْعٌ مِّنْهُمَا ۔

''(سوال) وہ عبادت کیا ہے، جس کے لیے جنوں اور انسان کو پیدا کیا گیا تو (جوابا) ہم کہیں گے کہ یہ امرِ الٰہی کی تعظیم اور خلقِ خدا پر شفقت کا نام ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی شریعت خالی نہیں رہی''۔

(تفسیر ماجدی ۲:۴۵)

عبادت کے مفہوم میں وسعت کا اندازہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا:

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں، (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں مال صرف کرے۔ قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، راہ گیروں اور سائلوں پر اور گردنوں کے آزاد کردینے میں''۔

(سورۃ البقرہ ۱۷۷)

یہ ملتِ اسلامیہ کی بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ اس نے صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو ہی عبادت کا حدود اربعہ سمجھ رکھا ہے اور اخلاقیات، معاملات اور معاشرت کو دین کے دائرہ سے نکال دیا ہے حالانکہ یہ بھی جزو دین ہیں اور اسلام کے اندر ان کی بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی ایمانیات کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایمانیات کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور معاملات و اخلاقیات کا تعلق پوری قوم، پورے سماج اور سارے معاشرہ سے ہے، جس کی وجہ سے معاملات اور اخلاقیات کو ایمانیات پر فوقیت حاصل ہے۔

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اگرچہ ارکانِ اسلام میں سے ہیں اور اسلام کی ساری کی ساری عمارت انہی ستونوں پر کھڑی ہے مگر یہ ارکانِ اسلام بذاتِ خود عبادت نہیں، محض عبادت کی صورتیں ہیں۔ نماز اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے اس کے اوقات مقرر ہیں۔ مقررہ وقت پر نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے اور اس کا نہ پڑھنا گناہِ عظیم! لیکن اگر یہی فریضہ عین اس وقت ادا کیا جائے جب کہ سورج طلوع یا غروب ہو رہا ہو یا عین ہمارے سروں پر کھڑا ہو تو اس

وقت نماز پڑھنا ناجائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ نہ نماز پڑھنا عبادت ہے اور نہ ممنوعہ اوقات میں نماز چھوڑنا عبادت ہے بلکہ جس نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کا حکم ماننا عبادت ہے۔ ماہِ رمضان میں روزہ رکھنا فرض ہے اور اس کا بلا عذر شرعی ترک کرنا گناہ ہے لیکن یہی روزہ اگر عید کے دن رکھا جائے تو حرام ہے، جس سے ثابت ہوا کہ نہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور نہ ممنوعہ دن روزہ ترک کرنا عبادت ہے بلکہ روزہ کے متعلق حاکمِ حقیقی کا حکم ماننا عبادت ہے سو عبادت دراصل اطاعتِ الٰہی کا نام ہے کہ اس نے جس طرح انسان کو زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس نے جس قدر حقوق و فرائض مقرر کیے ہیں وہ ان کو کما حقہ ادا کرتا رہے تو اس کی ساری زندگی عبادت ہے ورنہ بغاوت!

کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

غرض کہ اس امر میں اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ عبادت صرف نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا نام نہیں بلکہ ہر سانس پر، ہر قدم اور ہر معاملہ میں اطاعتِ الٰہی کا نام ہے اور اطاعتِ الٰہی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔ حقوق اللہ کے مقابلہ میں حقوق العباد کی فہرست بڑی طویل ہے۔ کہیں انسان کی اپنی ذات کے حقوق ہیں، کہیں والدین کے حقوق ہیں، کہیں اساتذہ کے حقوق ہیں، کہیں رشتہ داروں کے حقوق ہیں، کہیں دوستوں کے حقوق ہیں، کہیں ہمسایوں کے حقوق ہیں اور کہیں اہلِ علم کے حقوق ہیں یہاں تک کہ جانوروں تک کے حقوق ہیں اور انہی حقوق کی کما حقہ ادائیگی پر معاشرہ کی صحت اور حسن کا دارومدار ہے۔ حقوق اللہ کے مقابلے میں حقوق العباد کی زیادہ اہمیت ہے کیونکہ یہ مخلوق حق تعالیٰ کی عیال ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ ۔

(مشکوٰۃ ص ۴۲۵ طبع کراچی)

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لیے اللہ کے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ آدمی وہ ہے جو اس کے کنبے (مخلوق) کے ساتھ نیکی کرے''۔

Scanned with CamScanner

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ساری مخلوق ہے کنبہ خدا کا

جتنی محبت ایک ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ محبت خالق کو اپنی مخلوق سے ہے اور وہ اسی کو زیادہ مقبول رکھتا ہے جو اس کی مخلوق کو محبوب رکھے اس کے دُکھ سکھ کو اپنا دُکھ سکھ سمجھے اور اس کی حتی الوسع خدمت کرتا رہے اسی لیے علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

ایک مثال:

مثلاً آپ کا ملازم یا نوکر آپ کی لاکھ تابع داری اور اطاعت گزاری کرے لیکن آپ کی اولاد کو اچھا نہ سمجھے اس سے کبیدہ خاطر رہے اس کی خدمت کرنے کی بجائے اسے اذیت پہنچائے اور تکلیف دے تو یقیناً آپ اس کی اطاعت گزاری کے باوجود اسے اچھا نہ سمجھیں گے اس کو بار خاطر ہی سمجھیں گے' اسے اپنی نظرِ شفقت سے محروم رکھیں گے یا اسے نکال دیں گے یہی معاملہ خالق و مالک کا ہے۔ نماز پڑھنا' روزے رکھنا' حج کرنا اور زکوٰۃ دینا تو اسی طرح آپ کے فرائض ہیں جس طرح ایک سرکاری ملازم اپنی ڈیوٹی دیتا ہے اگر وہ اپنے فرض منصبی کے علاوہ سوشل سرگرمی دکھاتا ہے اور راعی و رعایا کے تعلقات کو زیادہ خوش گوار بنانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ یقیناً اپنے افسران بالا کی گڈ بک میں آجاتا ہے اس لیے محض فرائض کی ادائیگی آپ کو عنداللہ اتنا محبوب و مقبول نہیں بنا سکتی جتنا کہ آپ خلقِ خدا کی خدمت کے ذریعہ محبوب و مقبول بن سکتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ سماج کی فلاح و بہبود' معاشرہ کی تعمیر و تطہیر' مخلوقِ خدا کی رضا کارانہ خدمت اسلام میں فرائض سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

نوافل کے مقابلے میں فرائض کی حقوق اللہ کے مقابلہ میں حقوق العباد کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ مولا پاک تو غنی ہیں' وہ ہماری عبادت کا محتاج نہیں اس کے پاس پہلے سے ہی فرشتوں کی ایک ایسی معصوم مخلوق موجود ہے جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتی ہے:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

اب ایک حدیث شریف ملاحظہ فرما لیجیے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں خدمتِ خلق کی کتنی اہمیت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

حدیثِ قدسی

"قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا' اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پُرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسے کیونکر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا' کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی حالانکہ اگر تو اس کی بیمار پُرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ (یعنی اس کی خدمت کرنے ہی میں میرے لیے خدمت گزاری تھی) اسی طرح خدا فرمائے گا' اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا' بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا' کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا اگر تو اسے کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا"۔

(مسلم عن ابی ہریرہ' مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز باب عیادہ المریض وثواب المرض ص ۱۳۳۔۱۳۴ طبع کراچی)

یہ "اطعام الطعام" (کھانا کھلانا) صوفیاء کے نزدیک کتنا بڑا عمل ہے؟ اس کا اندازہ غوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے لگائیے:

فَتَّشْتُ الْاَعْمَالَ کُلَّهَا فَمَا وَجَدْتُ فِيْهَا اَفْضَلَ مِنْ اِطْعَامِ الطَّعَامِ اَوَدُّلَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا بِيَدِيْ فَاَطْعِمُهَا الْجِيَاعَ .

(شذرات الذهب فی اخبار من ذهب ۴: ۲۲۰ طبع قاہرہ ۱۵۳۰ھ سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۲۰ تحت ترجمہ شیخ عبدالقادر جیلانی)

"میں نے تمام اعمال کا جائزہ لیا تو اُن میں (مخلوقِ خدا کو) کھانا کھلانے سے بڑھ کر کوئی زیادہ فضیلت والا عمل نہ پایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا بھی میرے ہاتھ میں ہوتی تو اسے بھوکوں کے کھانے میں صرف کر دیتا"۔

الغرض یہاں مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ان صوفیاء کے نزدیک جنہیں عموماً کرامتوں اور خرق عادت واقعات کے مجسمے سمجھا جاتا ہے اور جن کے متعلق یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ نماز' روزے اور اوراد و وظائف کے علاوہ انہیں کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ ان کے نزدیک بندگانِ الٰہی کی خدمت کیا درجہ رکھتی ہے اور اس خدمت کو انہوں نے اوراد و وظائف اور نفلی عبادات سے کس طرح مقدم سمجھا ہے؟ لوگوں کی راحت رسانی ان کے مسلک میں کیا درجہ رکھتی ہے؟ آگے چل کر خدمتِ خلق کے سلسلے میں ان کے عملی نمونے بھی عرض کیے جائیں گے اور ثابت کیا جائے گا کہ وہ کس طرح غرباء و مساکین اور زائرین کا خیال رکھتے تھے مگر یہاں صرف صوفیاء کے نزدیک خدمتِ خلق کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ وہ کس طرح سراپا دل سوزی اور دردمندی ہے۔

"خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزرتی ہے جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے' اسے چاہیے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے"۔ (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۸۱ بحوالہ مشائخ چشت ص ۴۵)

صوفیائے کرام نے محبتِ الٰہی کی اس عملی راہ کو اختیار کیا تھا' ان کی زندگیاں خدمتِ خلق کے لیے وقف تھیں' کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو دل پریشان ہو جاتا' بھوکوں کا خیال آتا تو لقمے حلق میں اٹکنے لگتے۔ ملفوظاتِ مشائخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ خدمتِ خلق کو ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنا لیا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ؒ نے فرمایا:

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دِلوں کو راحت پہنچا کیونکہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا محل ہے"۔

ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے:

میکوش کہ راحتے بجانے برسد
یادست شکستہ بنانے برسد

اور فرمایا: قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اتنا مروج اور قیمتی نہ ہوگا' جتنا دِلوں کو راحت پہنچانا۔

(سیر الاولیاء مترجم ص ۱۱۴۔۱۱۵ مطبوعہ گکے زئی تاجران کتب لاہور)

شاہ سلیمان تونسوی ؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کی خانقاہ کے دس دروازے تھے' ہر دروازے پر ایک کاتب بیٹھا رہتا تھا جو حاجت مند آتا اس کی حاجت کو لکھ کر دے دیتا۔ (نافع السالکین ص ۱۰۷) اس پر حضرت کی مہر لگا دی جاتی تھی جس کا سجع تھا: ذکر مولیٰ از ہمہ اولیٰ"

در رعایت دلہا بکوش
نظام دین بدنیا مفروش

حاجت مند یہ پرچہ جس امیر کے پاس لے جاتا وہ اس کی حاجت براری کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھتا تھا۔ خانقاہ کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔

(تاریخ مشائخ چشت ج ۵ ص ۶۰ طبع دہلی)

خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"طاعت دو طرح کی ہوتی ہے' لازمی اور متعدی۔ لازمی وہ ہے جس کا نفع صرف کرنے والے کی ذات کو پہنچے اور یہ نماز' روزہ' حج' ورد اور تسبیح ہے۔ متعدی وہ ہے جس سے اوروں کو فائدہ پہنچے' اتفاق' شفقت۔ غیر کے حق میں مہربانی کرنا وغیرہ اسے متعدی طاعت کہتے ہیں اس کا ثواب بے شمار ہے"۔

(فوائد الفوائد ص ۱۳۔۱۴ سیر الاولیاء مترجم ص ۳۷۰)

خود حضرت محبوبِ الٰہی کی حیاتِ طیبہ اس طاعت متعدی کی بہترین مثال ہے۔ حضرت بابا فرید ؒ کے ایک عزیز' خواجہ عزیز الدین' ایک دعوت میں شرکت کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے دریافت کیا' کہاں تھے؟ عرض

Scanned with CamScanner

کیا' ایک دعوت میں گیا تھا۔ وہاں لوگ یہ کہتے تھے:

''خدمت شیخ نظام الدین عجب فراغ باطنی دارد و از ہیچ غمے و اندیشہ ایں جہاں نیست

''شیخ نظام الدین کو بڑا فراغ باطنی حاصل ہے' انہیں اس جہاں کا کوئی غم اور فکر نہیں ہے''۔ حضرت محبوبِ الٰہی نے فرمایا:

''جس قدر غم واندوہ مجھے رہتا ہے' کسی کو اس جہاں میں نہ ہوگا اس واسطے کہ اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے اور اپنے رنج اور تکلیف بیان کرتی ہے۔ ان سب کا بوجھ میرے جان و دل پر پڑتا ہے۔ وہ عجب دل ہوگا جو مسلمان بھائی کا غم سنے اور اس پر اثر نہ ہو''۔ (خیر المجالس قلمی نسخہ مجلس ۳۱)

مصیبت زدوں اور غریبوں سے سچی ہمدردی صرف وہی کر سکتا ہے جو مصیبت اور غربت کی تمام تکلیفوں کو اپنے اوپر طاری کر سکتا ہو۔ جس کو پیٹ بھر کر کھانا ملے' وہ فاقہ زدوں کی حالت کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ جس کو زندگی کی تمام آسائشیں میسر ہوں' وہ کس طرح حاجت مندوں کی بے چینی اور تکلیف کا احساس کر سکتا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی کی زندگی کے واقعات شاہد ہیں کہ ان کی اخلاقی تعلیم زبان تک محدود نہ تھی' وہ ان اخلاقی اصولوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ گرمی کا موسم تھا' ایک دن حاضرین کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ سائے میں جگہ نہ رہی۔ لوگ دھوپ میں بیٹھنے لگے۔ حضرت محبوب الٰہی کی طبیعت بے چین ہوگئی۔ فرمایا:

''ذرا پاس پاس ہو کہ بیٹھو تا کہ وہ بھی سائے میں بیٹھیں کیونکہ دھوپ میں بیٹھے تو وہ ہیں اور جلتا میں ہوں''۔ (فوائد الفواد ص ۹۱ سیر الاولیاء مترجم ص ۵۳۲)

حضرت محبوب الٰہی اکثر روزہ رکھا کرتے تھے لیکن اس طرح کہ شاذ و نادر ہی کبھی سحری کھائی ہو۔ خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحری کا حضرت کی خدمت میں پیش کرنا مقرر تھا۔ عرض کرتے:

''مخدوم آپ نے افطار کے وقت بہت ہی کم کھانا تناول فرمایا ہے اگر سحری

کے وقت بھی تھوڑا سا کھانا تناول نہ کریں گے تو ضعف بڑھ جائے گا اور طاقت سلب ہو جائے گی''۔

خواجہ عبدالرحیم کی یہ بات سن کر حضرت محبوب الٰہی زار و قطار رونے لگتے اور فرماتے:

''بہت سے مساکین اور درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے اور فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کھانا میرے حلق سے کس طرح اتر سکتا ہے اسی طرح کھانا اٹھالیا جاتا''۔

(سیر الاولیاء مترجم ص ۱۱۴ مطبوعہ لاہور)

سلسلہ چشتیہ میں اطعام (کھانا کھلانے) کی فضیلت سب سے زیادہ ہے۔ مشائخ نے ہر آنے جانے والے کے لیے لنگر عام رکھا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا: درویش کی شان ہی اطعام ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

''یہ ہمارے خانوادے کی خصوصیات میں سے ہے۔ حضرت بابا صاحب کی خدمت میں کوئی شخص اپنی مصیبت بیان کر کے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتا تھا تو آپ اصرار کرتے تھے کہ پہلے کچھ کھالو''۔

حضرت محبوب الٰہی کا بھی اس پر عمل رہا۔ آپ نے متعدد بار اپنی مجلسوں میں یہ حدیث بیان فرمائی:

مَنْ زَارَ حَيًّا وَّلَمْ يَذُقْ مِنْهُ شَيْئًا فَكَاَنَّمَا زَارَ مَيِّتًا ۔

''جس نے کسی زندہ شخص سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی''۔

(فوائد الفواد ص ۲۳۳ بحوالہ چشتی تعلیمات از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۴۲۔۴۳)

(86)

دورِ حاضر کے علماء وطلبا کے لیے

خلیفۂ بغداد ''مہدی'' نے ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے تمام باکمال ماہرینِ فنون کو جمع کیا اور ہر ایک کو دس دس ہزار درہم انعام تقسیم کرنے لگا چنانچہ سب سے پہلے دربار میں قاریوں کو بلایا گیا تو تمام قاریوں کے ساتھ ''عبداللہ بن مسلم ہزلی'' بھی حاضر ہوئے اور دس ہزار درہم لے کر دربار سے نکلے پھر واعظین کو طلب کیا گیا تو عبداللہ بن مسلم ان لوگوں کے ساتھ بھی دربار میں داخل ہوئے اور دس ہزار درہم انعام وصول کیا۔ پھر نشانہ باز تیراندازوں کی طلبی ہوئی تو عبداللہ بن مسلم اس گروہ کے ساتھ بھی دربار میں گئے اور دس ہزار درہم لائے پھر جب قوالوں اور ستار بجانے والوں کی دربار میں حاضری کی باری آئی تو عبداللہ بن مسلم اس پارٹی کے ساتھ بھی دربار میں جا کر دس ہزار درہم پا گئے۔ غرض ہر فن کے باکمال لوگوں کے ساتھ دربار میں جاتے رہے اور انعام پاتے رہے کیونکہ یہ ہر فن میں باکمال ہونے کی حیثیت سے مشہور تھے۔

''خلیفہ مہدی'' عبداللہ بن مسلم کے اس کمال ہمہ دانی پر حیران رہ گیا اور کہنے لگا:

''میں نے عبداللہ بن مسلم جیسا (ہر فن مولا) آج تک کسی کو نہیں دیکھا''۔

(مستطرف ج۱ص۲۱)

علمائے سلف میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ وہ چند علوم وفنون کے ماہر ہوتے تھے اس سے علمائے متقدمین کی جامعیت اور علوم وفنون کی تحصیل میں ان کی رغبت اور بے پناہ محبت کا اندازہ ہوتا ہے جو دَورِ حاضر کے علماء وطلبہ کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ افسوس' صد افسوس!

مسلمانو! کبھی ہنگاہ آرائی جہاں تم تھے
فروغ بزم ہستی' رونق کون و مکاں تم تھے
جنہیں تھمنا نہ آتا تھا جہاد زندگانی میں
وہ سرگرم سفر وہ جادہ پیاں کارواں تم تھے
مگر اب آہ! ہو محروم ذوقِ زندگی ایسے
یقیں آتا نہیں پہلے کبھی اربابِ جاں تم تھے

☆...... حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے خبر دی کہ آپ کا بچہ انتقال کر گیا ہے اس وقت آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ میں سبق پڑھ رہے تھے۔ یہ خیال کر کے کہ اگر میں بچے کی تجہیز وتکفین کے لیے چلا گیا تو میرا یہ سبق چھوٹ جائے گا' آپ نے ایک دوسرے شخص کو بچے کے کفن ودفن کا انتظام سونپ دیا اور خود درس گاہ سے اُٹھے نہیں اور ایک سبق کا بھی ناغہ نہیں کیا۔

☆...... امام یحییٰ (ناقل موطا شریف) ایک دن حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر تھے کہ ایک دم یہ شور مچ گیا کہ ''ہاتھی آیا'' ''ہاتھی آیا'' یہ سنتے ہی درس گاہ سے تمام طلبہ درس چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے کے لیے دوڑ پڑے مگر امام یحییٰ اسی سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنا سبق لکھتے رہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''یحییٰ'' تمہارے ملک ''اندلس'' میں ہاتھی نہیں ہوتا تم بھی جا کر دیکھ آؤ''۔

امام یحییٰ نے عرض کیا:

''حضرت! میں اندلس سے آپ کو دیکھنے اور علم حاصل کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں' ہاتھی دیکھنے کے لیے میں نے اپنا وطن نہیں چھوڑا ہے''۔

(ابن خلکان ج۲ص۲۱۶)

☆...... مشہور محدث امام محمد بن مسلم جو عام طور پر ''شہاب زُہری'' کہلاتے تھے' ان کی کتب بینی کا یہ عالم تھا کہ یہ کتابوں کے انبار میں بیٹھ کر اس طرح مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے کہ دنیا ومافیہا کی خبر نہیں رہتی تھی اور ساری رات مطالعہ میں بسر ہو جاتی تھی۔ ان

Scanned with CamScanner

کی بیوی صاحبہ ہر رات بناؤ سنگھار کر کے انتظار میں بیٹھی رہتی تھی کہ میری طرف متوجہ ہوں گے مگر یہاں تو علمی انہماک اور ذوقِ مطالعہ میں کیف کا یہ عالم تھا کہ

میں کس کی لوں خبر! مجھے اپنی خبر نہیں

آخر بیوی صاحبہ ایک دن بگڑ کر کہنے لگیں:

وَاللّٰہِ لَھٰذِہِ الْکُتُبُ اَشَدُّ عَلَیَّ مِنْ ثَلٰثِ ضَرَائِرَ

''خدا کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے بھی زیادہ گراں ہیں''۔

(ابن خلکان ج ۱ ص ۳۵۱)

قوموں کا عروج وزوال

قوموں کے ''عروج وزوال'' کی تاریخ میں یہ بہت ہی اہم اور درخشاں باب ہے کہ جب کسی قوم کا ستارہ اقبال چمکنے والا ہوتا ہے تو اس قوم کے نوجوان عیش وعشرت سے متنفر اور آرام طلبی سے بے زار ہو کر علوم وفنون کی تحصیل میں انتہائی جدوجہد' سخت کوشی' محنت شاقہ کے عادی بن کر بامِ عروج اور ترقی کی ایسی منزل بلند پر پہنچتے ہیں کہ آسمانِ شہرت وسربلندی پر ستاروں کی طرح چمکتے ہیں:

عقابی روح جب بے دار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

اور جب کسی قوم کے سر پر ادبار ونکبت کا عفریت مسلط ہونے والا ہوتا ہے تو اس قوم کے نوجوان عیش پسند' آرام طلب اور کاہل بن کر قعرِ مذلت کے ایسے ایسے اسفل السافلین میں گرتے ہیں کہ پھر اس قوم کی ترقی وعروج کی داستان بھی دنیا سے نیست ونابود ہو کر مٹ جاتی ہے:

آ تجھ کو بتا دوں میں ''تقدیرِ اُمم'' کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر!

☆......امام الحدیث ''اسماعیلی'' کو جب خبر ملی کہ شیخ الحدیث ''محمد بن ایوب رازی'' کی وفات ہوگئی ہے تو انہوں نے رنج وغم سے گریہ وزاری اور جوش بے قراری میں اپنے

کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے اور اس قدر زور زور سے چیخ چلا کر رونے لگے کہ تمام گھر والے ان کی آہ وزاری کو دیکھ کر حواس باختہ ہوگئے جب لوگوں نے ان سے رنج وغم کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے روتے بلبلاتے ہوئے فرمایا:

''تم لوگ مجھ کو ہمیشہ سفر سے منع کرتے رہے آخر شیخ الحدیث محمد بن ایوب رازی وفات پاگئے۔ ہائے! اب تمہی بتاؤ کہ میں انہیں کہاں پاؤں گا اور میں علم حدیث کس سے پڑھوں گا؟''

گھر والوں نے ان کو تسلی وتشفی دے کر فوراً ہی ان کے تعلیمی سفر کا انتظام کیا اور ان کے ماموں کے ہمراہ شہر ''نساء'' میں ایک دوسرے ''شیخ وقت'' ابوسفیان محدث کی درس گاہ میں بھیج دیا تو انہیں سکون اور قرار نصیب ہوا اس وقت ''امام اسماعیلی'' کی عمر صرف سترہ برس کی تھی مگر اتنی عمر تک بھی گھر میں بیٹھے رہنا اور علمِ حدیث سے محروم رہنا گوارا نہیں ہوا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۶۱)

اللہ اکبر! صرف سترہ برس کا کم سن نوجوان تحصیل علم کے لیے اتنے کٹھن اور پُر مشقت سفر کے لیے اس قدر بے قرار ہے جب کہ ذریعۂ سفر پاپیادہ تھا یا زیادہ سے زیادہ اونٹ' گھوڑے' گدھے کی سواریوں کا ذریعہ تھا اور راستے انتہائی پُرخطر ہیں نہ راستوں میں کہیں خورد ونوش کا انتظام' نہ آرام وراحت کا کوئی سامان تھا مگر خدا کی قسم! مادرِ اسلام کے یہی وہ سپوت بیٹے تھے جو ''علمِ دین'' کی شمع پر پروانے بن کر پُرخطر وادیوں اور خار دار جھاڑیوں میں دیوانہ وار گرتے پڑتے دُور دراز شہروں میں پہنچے اور مشکوٰۃِ نبوت کی تعلیمی روشنی سے اپنے سینوں کو مخزن انوار بنا کر واپس لوٹے تو اپنے علم وعمل کی تجلیات اور ضیاپاشیوں سے ہزاروں قلوب کے ظلمت کدوں کو مطلع نور ورشک طور بنا دیا اور قیامت تک آنے والے مسلم نوجوانوں کو اپنے کردار علم وعمل سے یہ پیغام دے کر عالمِ اسفل سے بامِ بالا کو روانہ ہوگئے

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

Scanned with CamScanner

(87)

مدینہ شریف میں کھلنے والا پہلا مدنی پھول

مدینہ منورہ کی گلیوں میں غیر معمولی رش تھا' صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ایک گروہ تیزی کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا' ایک دوسرے کو مبارک باد دیتا ہوا مسجد نبوی ﷺ کی طرف گامزن تھا۔ ان میں پیش پیش سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو تباہ و برباد کرے' ان کی تمام خواہشات ناکام ہو گئیں' وہ آپس میں گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آج غیر معمولی طور پر خوش تھے اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے کہ آج وہ پہلی مرتبہ نانا بنے تھے۔ مسجدِ نبوی ﷺ میں پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ کا چہرۂ مبارک بھی خوشی سے تمتما رہا تھا ادھر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے نومولود کو اللہ کے رسول ﷺ کی جھولی مبارک میں ڈال دیا۔

آپ نے کھجور منگوائی' اپنے دہن مبارک میں اس کو چبایا اور پھر بچے کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور اس بچے کا نام عبداللہ رکھا اس طرح اس بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز داخل ہوئی وہ آپ ﷺ کا لعاب مبارک تھا۔ یوں تو بے شمار بچے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی خوشیاں منائی جاتی ہیں مگر اس بچے کو اس لحاظ سے انفرادیت حاصل تھی کہ ہجرت کے بعد یہ پہلا صحیح سلامت مسلمان بچہ پیدا ہوا تھا۔

جب اللہ کے رسول ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہودیوں نے یہ افواہ اُڑا دی کہ ان کے کاہنوں نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور اب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا اور اتفاق سے ہوا بھی یہی کہ یا تو بچہ پیدا ہی نہ ہوا اور اگر ہوا بھی تو پیدا ہوتے ہی وفات پا گیا اس طرح یہودیوں کو چہ میگوئیاں کرنے کا خوب موقع مل گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت کی مشقت برداشت کرتے ہوئے مکہ سے قبا پہنچیں' ان کے ہاں ولادت متوقع تھی چنانچہ قبا میں انہوں نے ایک خوب صورت سے بچے کو جنم دیا اس بچے کی پیدائش پر غیر معمولی خوشی منائی گئی' اللہ اکبر کے نعرے لگے اور یہ نعرہ اس قدر زور سے لگایا گیا کہ مدینہ گونج اُٹھا کیونکہ یہودیوں کا پروپیگنڈہ ناکام ہو چکا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/۳۶۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

آیئے! ہم ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے اس بچے کے متعلق کچھ پڑھتے ہیں' ان کا نام نامی اسمِ گرامی عبداللہ ہے' نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ اُم المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی سگی پھوپھی تھیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی دادی تھیں جو مسلمین اوّلین میں شامل تھیں اور بہت ہی بہادر خاتون تھیں۔ یہ شاعری بھی کیا کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما تھیں۔ وہ قدیم الاسلام اور مبشرات بالجنۃ میں سے تھیں۔ سفرِ ہجرت میں ان کا کردار کسی سے مخفی نہیں' ان کی خالہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو انبیاء کے بعد اُمت میں سب سے افضل ترین شخصیت ہیں۔ اتنا اچھا حسب و نسب بہت کم لوگوں کو میسر ہے تو گویا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما والد اور والدہ دونوں ہی کی جانب سے نجیب اور شریف النسب تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان سے اتنی زیادہ محبت کیا کرتی تھیں کہ جب وہ ذرا بڑے ہوئے تو انہیں اپنی بہن سے مانگ لیا اور پھر ان کی پرورش اور تربیت خود کی اور اللہ کے رسول ﷺ کے کہنے پر اپنے آپ کو اُم عبداللہ کہلواتی تھیں اور یہ عبداللہ یہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔ ذہانت' دانائی' خطابت' حاضر جوابی' نیکی تقویٰ' تیراندازی' تلوارزنی اور شجاعت میں

Scanned with CamScanner

ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

عثمان بن طلحہ ؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر ؓ کا تین چیزوں میں کوئی مقابل نہ تھا۔ شجاعت میں، عبادت میں اور بلاغت میں۔ غضب کے خطیب تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ان کی پہلی غذا اللہ کے رسول ﷺ کا لعابِ دہن تھا۔

حاضر دماغی اس قدر کہ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے وہاں سے حضرت عمر فاروق ؓ کا گزر ہوا۔ دوسرے بچوں نے دیکھا تو فوراً بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ حضرت عمر ؓ نے پوچھا: ''تم دوسرے بچوں کی طرح کیوں نہیں بھاگے؟''

تو عبداللہ ؓ نے جواب دیا:

''میں کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوا کہ آپ سے ڈر جاؤں اور راستہ بھی تنگ نہیں ہے کہ آپ کے لیے راستہ چھوڑ کر ہٹ جاؤں''۔

ابھی بچے ہی تھے کہ (ایک روایت کے مطابق اپنے والدِ محترم کے کہنے پر) مدینے کے بچوں کو اکٹھا کیا اور کہنے لگے کہ جس طرح بڑے لوگ اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کرتے ہیں، ہم بچے کیوں نہ کریں؟ چنانچہ دیگر بچوں کی قیادت کرتے ہوئے مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ انہوں نے کہا:

''اللہ کے رسول! ہم آپ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں''۔

دوسرے بچے تو کھسک گئے اور یہ کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا:

''اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ''۔

چنانچہ ننھے سے عبداللہ بن زبیر ؓ نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے بڑی محبت اور پیار سے ان کو تمغے سے نوازا۔ ارشاد ہوا: أَنْتَ ابْنُ أَبِيكَ ۔

''اس کا سادہ اور لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہ تو اپنے باپ کا بیٹا ہے''۔

مراد یہ ہے کہ تمہارے اندر اپنے باپ کی صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں اور باپ بھی کون جو اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے، حواری رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک

تھے۔ حضرت عبداللہ کا لقب ؓ حمامۃ المسجد (مسجد کا کبوتر) رکھا گیا۔

تیری خاک میں ہے اگر شرر

عبداللہ بن زبیر ؓ کی زندگی کے بے شمار واقعات ہیں مگر ان کی قیادت کی صلاحیت اس وقت ظاہر ہوئی جب ان کو حضرت عثمان بن عفان ؓ نے لشکر کے ایک دستے کا کمانڈر بنا کر افریقہ بھیجا تھا۔ لشکر کی قیادت حضرت عثمان ؓ کے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ کر رہے تھے۔

ہر روز صبح سویرے لڑائی ہوتی، دونوں فوجیں آمنے سامنے آتیں، مبارزت طلب کی جاتی اور دوپہر تک لڑائی ہوتی رہتی۔ دونوں طرف سے فوجی تھک ہار جاتے تو لڑائی اگلے دن کے لیے ملتوی کر دی جاتی اور اگلے دن پھر از سرِ نو تازہ دم ہو کر فوجی آمنے سامنے کھڑے ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی عمر اس وقت ستائیس سال تھی۔ سپہ سالار کے خیمے میں فوجی قیادت کا اجتماع ہو رہا ہے، ہر کوئی اپنی اپنی رائے دے رہا ہے۔ عبداللہ بن زبیر ؓ کی باری آئی تو کہا: ''میں آپ کی حکمتِ عملی سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ آپ آدھا دن لڑائی کیوں کرتے ہیں؟ پورا دن لڑائی ہونی چاہیے''۔

ان کو جواب ملا: ''سپاہی تھک جاتے ہیں، ان کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے''۔

عبداللہ بن زبیر ؓ نے کہا: ''نہیں ہرگز نہیں! دشمن کو تھکنے دیں، ان پر پورا دن حملے کرتے رہیں تاکہ ان کو شکستِ فاش سے دوچار کیا جا سکے''۔

سپہ سالار نے پوچھا: ''آپ کی کیا تدبیر ہے؟''

عبداللہ بن زبیر ؓ نے کہا: ''فوج کے دو حصے کیے جائیں، ایک حصہ صبح سویرے لڑائی شروع کرے اور دوپہر تک لڑتا رہے، دوسرا حصہ اس دوران آرام کرتا رہے۔ دوپہر کے وقت غیر محسوس طریقے سے تازہ دم سپاہی آگے بڑھیں اور تھکے ہوئے سپاہی واپس آ جائیں اس طرح ایک ہی دن میں لڑائی کا فیصلہ ہو جائے گا''۔

سالارِ اعلیٰ نے کمان حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو سونپ دی۔ اگلے دن ان کی

Scanned with CamScanner

حکمتِ عملی کے مطابق جنگ شروع ہوئی' دشمن دوپہر کے وقت واپسی کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک تازہ دَم دستہ آگے بڑھا اور دشمن کو تہ تیغ کر کے رکھ دیا۔

قوت کا راز

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نہایت جری' بہادر اور نڈر تھے۔ بے حد قوی جسم کے مالک تھے اور اس کا سبب سیرت نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے سینگی لگوائی' خون ایک پیالے میں جمع تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پاس کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''عبداللہ! اس خون کو باہر ایسی جگہ گرا دو جہاں کوئی اس کو دیکھ نہ پائے''۔

انہوں نے پیالہ لیا' گھر سے باہر آئے' ہاتھ میں پیالہ ہے اور سوچ رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا مقدس خون ہے' اس کو زمین پر گرا دوں؟ نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا اور پھر اچانک ہی انہوں نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ پیالے کو منہ سے لگایا اور پی گئے۔ واپس آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: ''عبداللہ! خون کو کہاں گرایا؟''

عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! ایک ایسی جگہ جہاں اس کو اللہ کے علاوہ کوئی دیکھ نہیں سکتا''۔ فرمایا: ''گویا تم نے اس کو پی لیا ہے''۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا خون میرے خون سے مل گیا اس پر جہنم کی آگ حرام ہو گئی''۔

(المستدرک للحاکم ۳/۵۵۴' وعزاہ الہیثمی فی المجمع ۸/۲۷۰' الی الطبرانی والبزار وقال: رجال البزار رجال الصحیح غیر ھنید بن القاسم وھو ثقۃ)

اب جس کے خون میں اللہ کے رسول ﷺ کا خون مل گیا ہو اس کی بہادری' دلیری اور شجاعت کے کیا کہنے اور اس کا مظاہرہ انہوں نے افریقہ میں اُس طرح کیا کہ جنگِ سُبَیطلہ میں عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں تھا اور اس کے مقابلے میں مسلمان محض بیس ہزار تھے۔ دشمن کی قیادت بادشاہ جرجیر کر رہا تھا' مقابلہ شروع ہوا' عددی لحاظ سے دشمن نہایت طاقت ور' دونوں طرف سے بہادر میدان میں ہیں...... نیزہ' تلوار' تیر' گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز...... دشمن کی فوجوں کو ان کا بادشاہ بھڑکا رہا تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سوچا کہ اگر اس کا خاتمہ ہو جائے تو فوج کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ سپہ سالار عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' اپنا منصوبہ بتایا اور کہا:

''مجھے چند باہمت اور موت پر بیعت کیے ہوئے نوجوان درکار ہیں جو میرے ساتھ ہوں تا کہ میں بادشاہ کو قتل کر سکوں''۔

بظاہر منصوبہ بڑا عجیب وغریب تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آگے بڑھے' دشمن کے فوجیوں نے سمجھا کہ یہ صلح کے لیے ان کے بادشاہ کے پاس جا رہے ہیں اور وہ راستہ چھوڑتے گئے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ادھر بادشاہ جرجیر گھوڑے پر سوار لونڈیوں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ دو لونڈیاں مورچھل سے پنکھا کر رہی تھیں کہ اچانک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سامنے آئے' بادشاہ کو اپنی جان خطرے میں محسوس ہوئی' گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر ادھر مقابلے میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما تھے انہوں نے نیزہ مارا جو پیچھے لگا۔ وہ نیچے گرا اور انہوں نے لپک کر چشم زدن میں اس کی گردن کاٹ کر نیزے پر چڑھا دی۔ اونچی آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا ادھر ہمراہیوں نے دشمن پر ہلا بول دیا۔ اپنے بادشاہ کے سر کو نیزے پر دیکھ کر دشمن کے حوصلے پست ہو گئے اور میدان اللہ کے شیروں کے ہاتھ رہا۔

سیرت نگاروں نے جرجیر بادشاہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے لڑائی سے پہلے اعلان کیا تھا:

''جو شخص مسلمانوں کے سپہ سالار یعنی عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر کے اس کا سر لائے گا میں اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا اور ایک لاکھ دینار انعام میں دوں گا''۔

اس اعلان کے بعد عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا خصوصی انتظام تھا مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے زرخیز ذہن نے یہ مشورہ دیا کہ فوج میں اعلان کر دیا جائے کہ جو شخص جرجیر کا سر لائے گا اس کا نکاح جرجیر کی بیٹی سے کر دیا جائے گا اور انعام میں ایک لاکھ دینار دیے

جائیں گے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جرجیر کے قتل کے بعد سپہ سالار نے اپنے وعدے کو پورا کرنا چاہا مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا:

''میں نے جہاد اللہ کی رضا کے لیے کیا تھا' دنیاوی لالچ اور مال ومتاع مجھے درکار نہیں''۔

وہ فتح افریقہ کے علاوہ اندلس اور قسطنطنیہ کی فتوحات میں بھی شامل رہے اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

پھر تاریخ نے ایک دن ایسا بھی دیکھا کہ یزید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معاویہ ثانی خلیفہ بنا۔ وہ اٹھارہ سال کی عمر کا کمزور اور نوعمر لڑکا تھا اور جلد ہی بغیر کسی کو خلیفہ مقرر کیے فوت ہوگیا اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے میدان خالی تھا۔ مکہ کے لوگوں نے بیعت کی تو اہلِ حجاز نے ان کی اطاعت قبول کرلی ادھر خبر مدینہ منورہ پہنچی تو وہاں کے باشندگان نے بھی اطاعت میں سر جھکا دیئے۔ انہوں نے اموی دَور کے والیوں کو ہٹایا اور ان کی جگہ اپنے وفادار ساتھی مقرر کرتے گئے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت زیادہ دیر نہ چل سکی۔ شام پر بنوامیہ کی حکومت تھی انہوں نے اپنی حکومت کو وسعت دینے کی کوششیں شروع کیں پھر اہلِ مصر کو ساتھ ملایا اور عراق پر چڑھ دوڑے ادھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی مصعب کی جگہ اپنے بیٹے حمزہ کو والی عراق بنا دیا۔ فریقین میں جنگ ہوئی' اموی غالب رہے اور حضرت مصعب شہید ہو گئے۔ آہستہ آہستہ حجاز کو چھوڑ کر باقی علاقوں پر امویوں نے اپنا اقتدار مضبوط کرلیا اور پھر مکہ مکرمہ پر قبضہ کرنے کے لیے ۷۲ ہجری میں حجاج بن یوسف دو ہزار فوجیوں کے ساتھ آیا اس نے حرص اور لالچ کے علاوہ ڈرانے دھمکانے سے بھی کام چلایا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھی آہستہ آہستہ حجاج کے ساتھ ملتے چلے گئے پھر کعبۃ اللہ کو منجنیق سے نشانہ بنایا گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اطاعت کے لیے مجبور کیا گیا۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ۹۲ سال کی تھیں' بینائی ختم ہو چکی تھی۔ آپ ان سے مشورے کے لیے گئے تو انہوں نے جو جواب دیا وہ تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا گیا۔ ابن زبیر نے عرض کیا:

شیر دل ماں کا مشورہ

''اماں جان! میرے رشتہ داروں اور عزیزوں نے میرے ساتھ بے وفائی کی' مجھے چھوڑ کر چلے گئے اب چند ساتھی بچے ہیں' شکست واضح ہے' کیا کروں؟''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا:

''میرے عزیز بچے! اگر تم اللہ کو راضی کرنے کے لیے لڑ رہے تھے اور سمجھتے ہو کہ تم حق پر ہو تو پھر اپنے شہید ساتھیوں سے جا ملو اور دشمن کے سامنے سر نہ جھکانا اور اگر تم دنیا کے لیے یہ لڑائی لڑ رہے تھے تو تم جیسا غلط شخص کوئی نہیں کہ اپنے رفقاء کو اپنے سمیت ناحق مروا دیا اور اگر تم کہو کہ میں حق پر تھا مگر ساتھیوں کے شہید ہونے اور چھوڑنے کی وجہ سے کمزور ہو گیا لہٰذا اپنے مؤقف سے ہٹ رہا ہوں تو یہ اہلِ دین اور آزاد لوگوں کا شیوہ نہیں ہے ایسی زندگی سے موت کو گلے لگانا بہتر ہے''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں کے گلے لگ گئے' ان کا ماتھا چھوما اور عرض کیا:

''اماں جان! میری موت پر صبر کرنا' مَیں نے جان بوجھ کر کبھی منکر اور فحش کام نہیں کیے۔ میں نے کسی مسلمان پر ظلم روا نہیں رکھا اور نہ ہی کسی ذمی کو قتل کیا ہے۔ ہمیشہ اللہ کے حقوق اور واجبات ادا کیے ہیں''۔

دعائیں لے کر ماں سے رخصت ہوئے اور تمام تر ترغیب و ترہیب کو ٹھکراتے ہوئے ۱۴ جمادی الاولیٰ ۷۳ ہجری کو خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حجاج بن یوسف کے حکم سے نعش مبارک کو سولی پر چڑھایا گیا۔ بوقتِ شہادت عمر مبارک ۷۳ سال تھی۔

(الاصابہ ۴/۳۰۰' الاستیعاب ۱۵۵۳' حلیۃ الاولیاء ۳۲۹۔۳۳۷' البدایہ والنہایہ ۱۲/۱۸۶' اسد الغابہ ۳/۲۴۱)

(88)

ناصحانہ جواب اور صدقہ کی برکت

ابوخلیفہ ؒ فرماتے ہیں:

''بصرہ میں ابوسلیمان ہاشمی نامی ایک بہت بڑا تاجر رہتا تھا جس کی روزانہ کی آمدنی اسی ہزار درہم تھی اس نے علمائے کرام سے پوچھا کہ ''بصرہ'' کی کون سی نیک عورت سے شادی کرنا میرے حق میں بہتر رہے گا؟ علمائے کرام نے مشورہ دیتے ہوئے کہا: ''رابعہ عدویہ ؒ سے شادی کرنا تمہارے حق میں بہت بہتر ثابت ہوگا''۔ تاجر نے فوراً حضرت سیدہ رابعہ عدویہ ؒ کو یہ خط بھیجا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امابعد! (اے رابعہ عدویہ ؒ) میری روزانہ کی آمدنی اسی ہزار درہم ہے۔ ان شاء اللہ کچھ ہی دنوں میں ایک لاکھ درہم ہوجائے گی۔ میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ راضی ہوجائیں تو میں ایک لاکھ درہم بطور مہر دینے کو تیار ہوں' شادی کے بعد اتنے درہم مزید دوں گا اگر آپ راضی ہوں تو مجھے اطلاع کردیں''۔ حضرت سیدہ رابعہ ؒ نے جب تاجر کا خط پڑھا تو جواب لکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امابعد! بے شک دنیا سے کنارہ کشی بدن اور دل کو تقویت بخشتی ہے اور دنیا کی طرف رغبت' رنج و ملال کا باعث ہے۔ میرا یہ خط ملتے ہی آخرت کی تیاری میں کوشش شروع کردو۔ سفرِ آخرت کے لیے زادِ راہ اکٹھا کرنے میں مشغول

ہوجاؤ۔ اپنا مال آخرت کے لیے ذخیرہ کرو' اپنے لیے خود وصیت کرنے والے بن جاؤ' اپنے غیر کو وصی نہ بنانا' مسلسل روزے رکھنا اگر اللہ تعالیٰ مجھے تجھ سے دُگنا مال دے دے اور میں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد سے لمحہ بھر میں غافل ہوجاؤں تو یہ مجھے ہرگز ہرگز پسند نہیں۔ میں اسی حال میں خوش ہوں''۔

والسلام (عیون الحکایات)

لقمے کے بدلے لقمہ

☆.....حضرت سیدنا ثابت ؒ سے منقول ہے:

''ایک عورت کھانا کھارہی تھی' اتنے میں سائل نے صدا لگائی:

''مجھے کھانا کھلاؤ'' مجھے کھانا کھلاؤ''۔

عورت کے پاس صرف ایک لقمہ بچا تھا جیسے ہی اس نے منہ کھولا سائل نے دوبارہ صدا لگائی۔ ہمدرد نیک عورت نے وہ لقمہ سائل کو کھلا دیا۔ کچھ عرصہ بعد وہی عورت اپنے ننھے منے بچے کے ساتھ کہیں سفر پر جارہی تھی کہ راستے میں ایک شیر اس کا بچہ چھین کر لے گیا ابھی شیر تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا اور شیر کی طرف بڑھا پھر شیر کے دونوں جبڑے پکڑ کے پھاڑ ڈالے اور بچہ اس کے منہ سے نکال کر عورت کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

''لقمے کے بدلے لقمہ''

یعنی تو نے جو ایک لقمہ سائل کو کھلایا تھا اس کی برکت سے تیرا بچہ شیر کا لقمہ بننے سے بچ گیا''۔

حضرت سیدنا عکرمہ ؓ فرماتے ہیں:

''حضرت سیدنا ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک عورت کے منہ میں لقمہ تھا اتنے میں سائل نے صدا لگائی اس نے وہ لقمہ سائل کو کھلا دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے ہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی جب وہ

Scanned with CamScanner

کچھ بڑا ہوا تو اسے بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا' عورت اس بھیڑیے کے پیچھے بھاگتی ہوئی پکار رہی تھی "میرا بیٹا' میرا بیٹا" اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ بھیڑیے سے بچہ چھین لو (اور اس کی ماں کے حوالے کر دو) اور اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لقمہ لقمے کے بدلے ہے"۔

(المجالسۃ وجواھر العلم' الجزء السادس والعشرون' الحدیث ۳۶۲۲' ج ۳' ص ۲۷۷)

(89)

دشمن سے نجات اور بسم اللہ کی برکت

منقول ہے کہ طارق صادق کا صادق اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ جب وہ بے کار ہو کر اندھے کنویں میں گر پڑے تو اس کنویں پر چند حاجیوں کا گزر ہوا۔ انہوں نے کہا: ہم اس کنویں کا منہ بند کر دیں تا کہ اس میں کوئی نہ گرے۔ طارق کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا: اگر تو سچا ہے تو چپ رہ چنانچہ وہ خاموش رہے۔ حاجیوں نے اس کو بند کر دیا اور وہاں سے چل دیئے۔ وہ کنواں بہت ہی تاریک ہو گیا اس کے بعد انہوں نے کیا دیکھا کہ پاس ہی دو چراغ موجود ہیں۔ پس وہ ان کی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ناگاہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدہا ان کی طرف متوجہ ہے۔ جی میں کہا: اس وقت سچا جھوٹے سے ظاہر اور ممتاز ہو گا پس جب وہ ان کے پاس پہنچا تو ان کو گمان ہوا کہ یہ کھا لے گا یہاں تک کہ وہ کنوئیں کے دہانہ کی طرف چڑھا اس کے بعد اس نے اپنی دُم ان کی گردن میں ڈال کر پاؤں کے نیچے کی اور ڈول کی طرح اُٹھایا اور کنویں کے منہ پر جو کچھ تھا ان سب کو دُور کر کے انہیں زمین کی طرف کھینچ لیا پھر اپنی دُم گردن سے نکال لی۔ پس انہوں نے ایک ہاتف سے سنا وہ کہتا تھا کہ یہ تیرے رب کی مہربانی ہے کہ اس نے تیرے دشمن کے ذریعہ تجھ کو نجات دی پس ان کا نام صادق رکھا گیا۔ (نوادر القلیوبی)

☆..... ایک عورت کا شوہر منافق تھا اور اس عورت کی یہ حالت تھی کہ ہر چیز پر خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو' بسم اللہ کہتی تھی اس کے شوہر کو اس کی یہ حرکت ناگوار تھی۔ اس نے سوچا کہ کبھی اسے شرمندہ کروں چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو ایک تھیلی دی اور اس سے کہا: اس کو محفوظ رکھنا اس عورت نے اس کو ایک جگہ رکھ کر چھپا دیا۔ شوہر نے عورت کو غافل پا کر وہ تھیلی اور جو

کچھ اس میں تھا‘ لے لیا اور اس کو اس کنویں میں پھینک دیا جو اس کے گھر میں تھا اس کے بعد اس سے وہ تھیلی طلب کی جب وہ عورت اس تھیلی کی جگہ میں آئی اور بسم اللہ کہی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جلد سے جلد نیچے اُتریں اور اس تھیلی کو اس کی جگہ میں لوٹا دیں۔ پس اس عورت نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھا تا کہ اس کو لے چنانچہ جس طرح اس نے اس کو رکھا تھا اسی طرح اس کو پا گئی۔ یہ دیکھ کر اس کے شوہر کو تعجب ہوا اور سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ (ایضاً)

(90)

عمل ایک‘ نتیجہ میں فرق

آج دنیا بھر میں عیسائی مشنریاں صرف ایک نعرہ خدمت کو لے کر دوسرے مذاہب کو شرمندہ کر رہی ہیں۔ ان کے پاس بڑے مالی وسائل ہیں‘ جنگ کے میدان میں زخمیوں کی خدمت‘ ہسپتال قائم کر کے مریضوں کا علاج‘ قحط زدہ علاقوں میں خوراک سے بھوکوں کی امداد‘ تعلیمی اداروں وغیرہ کا قیام‘ ان کی سرگرمیاں مختلف نوعیت کی ہیں اس کے ساتھ ہی وہ بائبل کے مواعظ بھی سناتی ہیں‘ عیسائیت کا لٹریچر مفت تقسیم کرتی ہیں‘ تبدیل مذہب کا لالچ دیتی ہیں اور ان کا مذہب قبول کرنے والوں کو بہت سی رعایتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ پسماندہ اور جاہل اور استحصال کے شکار علاقوں میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔

ہمارے صوفیاء بھی دراصل اسلام کے مبلغ تھے مگر کیا ان کے پاس اتنے عظیم فنڈ تھے؟ کیا ان کی تحریک اتنی منظم تھی؟ کیا وہ پروپیگنڈے کے فن سے کام لیتے تھے؟ کیا وہ مظلوموں اور بے کسوں کی امداد کسی ذاتی یا سیاسی غرض سے کرتے تھے؟ بے سروسامانی اور فقر محض کے باوجود ان کی خانقاہوں میں دن رات لنگر جاری تھا۔ فتوح میں نقد آیا تقسیم ہو گیا‘ نذرانے میں اشرفیاں آئیں لُٹ گئیں‘ ہدیہ میں کپڑا آیا‘ بانٹ دیا گیا۔ دنیا کی کوئی جماعت یا ادارہ یا مشنری یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انہوں نے ان مشائخ سے زیادہ دل سوزی سے مجروح انسانیت کی خدمت کی ہوگی۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کا حال ان کے خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے یوں بیان کیا:

"از پگاہ تا شام خلق بیامدے۔ نماز خفتن ہم خلق برسیدے۔ امام خواہندہ بیش ازاں بود کہ آرندہ و ہر کہ چیزے بیاوردے چیزے یافتے"۔

یعنی صبح سے شام تک خلق خدا آتی رہتی تھی، عشا کی نماز کے وقت بھی یہ سلسلہ جاری رہتا تھا مگر مانگنے والوں کی تعداد نذر دینے والوں سے زیادہ ہی ہوتی تھی جو کوئی چیز نذر لاتا تھا وہ کچھ نہ کچھ عطیہ پاتا تھا۔ (خیر المجالس: ۲۵۷) حضرت بابا فرید گنج شکر کی خانقاہ کے دروازے بھی نصف شب تک کھلے رہتے تھے اور "ہیچ کس بخدمت ایشاں نیامدے کہ اور اچیزے نصیب نہ کردے"۔ (فوائد الفواد: ۱۲۵)

اور فرماتے تھے: "ہر کہ بر من می آید چیزے می آرد اگر مسکینے بیاید و چیزے نیارد ہر آئینہ مرا چیزے بدو باید داد"۔ (فوائد الفواد: ۳۳۶)

(بحوالہ چشتی تعلیمات از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی استاذ شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی ص ۳۷، ۸۵ طبع ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ راحت القلوب (ملفوظات باوا فرید گنج شکر مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء) مجلس دوم)

زائرین کی خدمت اور ان کی حاجت کو پورا کرنا صوفیاء کے نزدیک کس طرح ضروری اور فوری ہے اس کا اندازہ ملا عبدالقادر کی شنیدہ نہیں بلکہ ان کی اس دیدہ شہادت سے لگایئے جو انہوں نے شیخ عزیز اللہ کے متعلق نقل کی ہے کہ ان کا عام حال یہ تھا:

از جہت شفاعت ہر فقیرے بے چارہ کہ رجوع باو کردے ہر چند در اعتکاف اربعین ہم بودے اگر ہمہ بخانہ بیگانہ از دین بایستے رفت مسافت بعیدہ را پیادہ طے می نمود و بعد از انجاح حاجت آں محتاج باز بحجرہ اعتکاف رفتہ مشغول می شد۔

"جو کوئی محتاج بے وسیلہ آدمی ان کے پاس سفارش کے لیے حاضر ہوتا، شیخ خواہ چلہ ہی کیوں نہ بیٹھے ہوں اور کسی ایسے شخص کے پاس ہی سفارش نہ کرنی پڑتی ہو جو دین سے بیگانہ ہوتا لیکن باوجود ان تمام باتوں کے شیخ پیدل اس شخص کے گھر جاتے مکان اس کا جتنے فاصلہ پر بھی ہو، ضرورت مند کی حاجت

جب پوری ہو جاتی تب پھر چلہ کے حجرہ میں واپس ہو کر اپنے اشغال میں مشغول ہو جاتے"۔

ملا صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے طرزِ عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفارش کے لیے چلہ کے اعتکاف سے باہر ہونے کو چلہ کشی کے منافی نہیں خیال کرتے تھے۔ ملا صاحب کے الفاظ یہ ہیں: گویا شکستے در اعتکاف واقع نہ شد

"گویا سمجھتے تھے کہ ان کے اعتکاف کا تسلسل اس سے نہیں ٹوٹتا تھا"۔ واللہ اعلم اعتکاف کو پھر نئے سرے سے شروع کرتے تھے یا نفلی اعتکاف ہونے کی وجہ سے اس قسم کے اربعینات میں وہ اس لیے باہر نکلنے کو جائز سمجھتے تھے، خیر یہ تو فقہ اور تصوف کا علمی مسئلہ ہے۔ فقہاء کرام کی جو رائے نفلی اعتکاف کے متعلق ہے اس کے لحاظ سے گنجائش بھی پیدا ہوتی ہے۔ مجھے اس وقت ان بزرگوں کے نقطہ نظر کو پیش کرنا ہے، قومی ہمدردیوں کے مدعیوں کے لیے اس میں کتنی بصیرتیں ہیں۔ ملا صاحب نے لکھا ہے:

صوفیاء اور امت کی خیر خواہی

ایں عبادت متعدی را تقدم بر عبادت لازم نہادے۔

"ان کا خیال تھا کہ کسی غریب آدمی کی حاجت براری کا کام چونکہ ایسی عبادت ہے جس سے دوسرے کو نفع پہنچتا ہے یعنی متعدی ہے اس لیے لازمی عبادت پر جس کے منافع صرف اپنی ذات کی حد تک محدود رہتی ہے، اس کو ترجیح حاصل ہے اسی لیے سفارش کو چلہ کشی کی عبادت سے مقدم خیال کرتے تھے"۔

ذرا ان بزرگوں کی نگاہ کی بلندیوں کو دیکھیے، صرف یہی نہیں کہ اعتکاف اور چلہ کو توڑ دیتے تھے بلکہ ملا صاحب کا جیسا کہ بیان ہے کسی قسم کا آدمی ہو، دین سے بیگانہ ہی کیوں نہ ہو، فاسق ہو، فاجر ہو لیکن غریب مسلمان کا کام نکلتا ہے اس لیے ان کو ایسوں کے پاس جانے میں بھی عذر نہیں ہوتا تھا۔ کل کیا دن تھے اور آج ان ہی کے اخلاف کا کیا حال ہے اور بات اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی ملا صاحب نے اس کے بعد جو یہ اضافہ کیا ہے:

"گاہے چناں بودے کہ اگر کافر یا ظالمے مرتبہ اوّل شفاعتش قبول نہ کردہ یا

عمداً از خانہ بدر نیامدہ شیخ تمام روز بر خانہ او نشستہ"۔

"کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اگر کسی کافر یا ظالم حاکم کے پاس شیخ کی سفارش کارگر نہ ہوتی اور وہ اس کو قبول نہ کرتا یا قصداً گھر سے باہر نہ نکلتا تو دن بھر شیخ اس کے دروازہ پر بیٹھے رہتے"۔

سن رہے ہیں فاسق اور فاجر ہی نہیں کافر اور ہندو عہدہ داروں کے پاس بھی اس غرض کے لیے جانے میں نہیں ہچکچاتے تھے۔ نفس کا یہ حال ہے کہ قصداً عہدہ دار باہر نہیں نکل رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ اس کے دروازے پر اس لیے دھرنے مارے بیٹھے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک اُمتی کا کام نکلتا ہے نہ عزت کی پرواہ ہے اور نہ پوزیشن کی کیونکہ شیخ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ ان کے علمی وقار کا اندازہ اسی سے کیجیے کہ ملا عبدالقادر جیسے آدمی ان کے شاگرد ہیں اور اس تلمذ پر ان کو فخر ہے خود لکھا ہے:

علمی مقام

"در درس آں صاحب کمال بعضے کتب رسائل تصوف استفادہ نمودہ الحمدللہ"۔

"اس باکمال بزرگ کی خدمت میں تصوف کے چند رسالوں کے پڑھنے کا مجھے بھی موقع ملا ہے، الحمدللہ"

علاوہ علوم باطنی کے ملا صاحب کا بیان ہے:

"در علوم ظاہری ہم کامل و مکمل بود و تفسیر عرائس و عوارف و فصوص الحکم و شروحش بہ تلامذہ درس گفتے صاحب تصانیف مشہور است"۔

بہرحال اگر عہدہ دار اس دن ہاتھ نہ آتا یا شیخ کی سفارش نہ سنتا تو شیخ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے، ملا صاحب نے لکھا ہے:

"روز دیگر بدر بار او مکرر رفتہ و دم نزدہ و ازیں معنی ہیچ رنگ کدورتے بر آئینہ خاطر غیب نمائش نہ نشستہ"۔

"دوسرے دن پھر (اسی کافر یا ظالم عہدہ دار) کے دربار میں جاتے اور کوئی شکوہ یا گلہ نہ کرتے، نہ ان کے دل میں اس طرز عمل سے کوئی کدورت پیدا ہوتی"۔ کچھ اس طرح لپٹ

جاتے تھے کہ بالآخر:

تا آنکہ مشفوع عنہ خود شرمندہ و خجلت زدہ در پائے او می افتاد و حاجت آں فقیر را سمعاً و طاعۃً برمی آورد۔

"وہ شخص جس سے سفارش کی جاتی تھی خود شرمندہ اور خجل و نادم ہو کر شیخ کے پاؤں پر گر پڑتا اور یوں بخوشی ورضا اس بے چارے غریب کا کام نکل جاتا"۔

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھیے اور اس پر غور کیجیے، آپ کو نظر آئے گا کہ امراء اور غرباء کے درمیان، ان ہی بزرگوں کا وجود حلقہ اتصال بنا ہوا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے دوسرے اغراض رکھتے تھے، ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، مسافروں، بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں بلکہ ان ہی کے ذریعے سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو۔

(ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص ۲۲۵ تا ۲۲۸، طبع حیدر آباد دکن ۱۹۴۴)

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مشائخ طبقات اور اولیاء نے فرمایا ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص وردوں میں یا بندگی میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آئے اور اس سے ملنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے کام میں مشغول ہو جائے اور جس قدر مقدور ہو اس میں کوشش کرے اور رسول اللہ ﷺ سے حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی حاجت کو پورا کرتا ہے، خدا تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور قیامت کے دن بہشت میں جائے گا اور مہتر آدم علیہ السلام کا ہمسایہ ہوگا"۔

(انیس الارواح اردو ترجمہ (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی) مرتبہ خواجہ معین الدین اجمیری ص ۳۳، مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور)

Scanned with CamScanner

جب کوئی مسافر اور زائر کسی درویش (صوفی) کے پاس پہنچے تو اس صوفی کو زائر و مسافر کی کس طرح خدمت کرنی چاہیے، کس طرح توجہ دینی چاہیے اور اسے کس طرح راحت و سکون پہنچانا چاہیے اس کا اندازہ بابا فرید الدین گنج شکر کے اس بیان سے کیجیے۔

حضرت (بابا صاحب) نے فرمایا: اے درویش! خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز اگر سجادہ پر بھی تلاوت وغیرہ میں مصروف ہوتے اور اس وقت کوئی شخص ان کے پاس آجاتا تو وہ تلاوت کرنا چھوڑ کر اس کا ہاتھ چومتے اور اس سے بات کرنے لگتے اور وہ جو کچھ بھی اپنی ضرورت پیش کرتا اس کو پورا کرتے اور جب وہ واپس جاتا تو پھر خواجہ تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔

پھر حضرت (بابا صاحب) نے فرمایا: اے درویش! صاحبِ سجادہ اور بزرگوں کو لازم ہے کہ اگر وہ تلاوت کر رہے ہوں اور اس وقت بھی کوئی آنے والا آجائے تو اس کو چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اس لیے کہ مذہب سلوک میں آیا ہے کہ حاجت مندوں کی طرف متوجہ ہونا ورد وظائف سے زیادہ افضل ہے اس لیے کہ حاجت مندوں کے کام میں مشغول ہونے میں سال بھر کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

(اسرار الاولیاء (مترجم) ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکرؒ مرتبہ حضرت بدر اسحاق ص ۲۱۷، طبع نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۱ء)

(91)

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے

استاد "ابن عمید" جو سلطنت کا وزیر تھا، کہنے لگا کہ میں سمجھتا تھا کہ وزارت سے بڑھ کر کوئی چیز دنیا میں پُر لطف نہیں ہے مگر جب میں نے "طبرانی" اور جعابی کا مناظرہ سنا تو میں وزارت کے لطف و مزہ کو بھول گیا اس مناظرہ میں "طبرانی" اپنی قوتِ حافظہ کے زور اور "جعابی" اپنے ذہن کی جولانی سے اپنے اپنے مقابل پر غالب آنے کی کوششیں کر رہے تھے یہاں تک کہ دونوں کافی بلند آوازوں سے بحث کرنے لگے اتنے میں "جعابی" نے انتہائی طیش اور جوش میں آکر کہا: میرے پاس ایک ایسی حدیث ہے جو دنیا میں کسی محدث کے پاس نہیں ہے۔ "طبرانی" نے کہا بسم اللہ! ذرا سنایئے تو؟ "جعابی" نے سند پڑھی۔

حدثنی ابو خلیفة قال حدثنی سلیمن بن ایوب ۔

طبرانی یہ سن کر بولے بس خاموش ہو جایئے۔ "سلیمان بن ایوب میرا ہی نام ہے اور آپ کا استاد ابو خلیفہ" میرا ہی شاگرد ہے اب آپ اس حدیث کو مجھ سے سن لیجیے تاکہ اسناد میں ایک واسطہ کم ہو جائے اور آپ کی سند عالی ہو جائے۔ یہ سنتے ہی "جعابی" دم بخود ہو کر خاموش ہو گئے۔ استاد ابن عمید کا بیان ہے کہ مجھ کو اس وقت "طبرانی" کی فرحت و مسرت دیکھ کر یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں طبرانی ہوتا تاکہ یہ لطف مجھ کو نصیب ہوتا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳، ص ۱۲۱)

ایک عالم کو فقیری میں چٹائی پر بیٹھ کر علم کا جو کیف و سرور محسوس ہوتا ہے وہ وزیروں اور بادشاہوں کو تختِ شاہی پر کہاں نصیب ہو سکتا ہے مگر ہم اہلِ دنیا کو یہ نکتہ بھلا کس طرح سمجھا سکتے ہیں؟ ان حیوانیت مآب مادیت پرستوں سے تو ہم غریب علماء اس کے سوا اور کیا کہہ

سکتے ہیں کہ

لطف مے بادہ خوار سے پوچھو
یہ مزا پاک باز کیا جانیں

منقول ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی (شاگرد امام ابوحنیفہ) جب رات میں کوئی مشکل مسئلہ حل کر لیتے تھے تو خوشی سے اُچھل اُچھل کر زور زور سے کہتے تھے ''کہاں ہیں؟ بادشاہ بغداد کے صاحب زادے ''امین و مامون؟'' کوئی ان سے پوچھے کہ کیا تم کو کبھی اس فرح و سرور کی لذت بھی نصیب ہوئی جو اس وقت میری روح کو بالیدگی اور جسم کی توانائی کے لیے آبِ حیات کا ساغر اور کوثر و سبیل کا جام بنی ہوئی ہے۔ ہزاروں تخت و تاج میری اس فقیری کی چٹائی پر قربان جو میرے لیے فرحت و مسرت کا ایک پُر کیف جہان بنی ہوئی ہے۔ سبحان اللہ! بالکل سچ فرمایا امام محمد بن حسن نے:

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے؟
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے؟

(92)

اتنی سستی وزارت؟

اگر کسی کو انگور کے خوشے کے بدلے میں وزارت مل جائے تو آپ کیا محسوس کریں گے؟ اوہ! یہ کتنی سستی وزارت ہے مگر حق اور سچ یہ ہے کہ ایک شخص کو انگور کے خوشے کے بدلے میں وزارت مل گئی مگر اس داستان کے پیچھے سچائی‘ جود و کرم اور تقویٰ کی صفات کا وجود ہے اس وزیر کا نام عون الدین ابوالمظفر یحیٰی بن محمد بن ہبیرہ شیبانی تھا جو بغداد کے قریب الدور نامی بستی میں ۴۹۹ھ میں پیدا ہوا اور ترقی کرتے کرتے عباسی خلیفہ مقتفی لامراللہ اور اس کے بیٹے مستنجد باللہ کے دَور میں وزیر رہا۔ وزارت ملنے سے پہلے اس نے اپنی زندگی نہایت فقر و فاقہ اور گمنامی میں گزاری۔ نہایت صبر و شکر سے اپنا وقت کاٹا اس دوران بہت سے لوگوں نے اس پر ظلم و ستم روا رکھے مگر وزیر بننے کے بعد اس نے اپنے ساتھ گستاخی کرنے والوں اور دشمنوں سے انتقام لینے کی بجائے عفو و درگزر سے کام لیا۔ بدلہ لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود اس نے جود و کرم کا مظاہرہ کیا۔

وزارت ملنے کے بعد ایک دن اس کے پاس پولیس والے ایک آدمی کو ہتھکڑیوں میں جکڑ کر لائے اس پر قتل کا الزام تھا‘ مدعی بھی ساتھ تھا‘ قتل ثابت ہو چکا تھا اس نے ملزم کی طرف دیکھا تو فوراً پہچان گیا کہ یہ شخص اس کے گاؤں الدور کا رہنے والا ہے یوں بھی وہ اس شخص کو کیسے بھول سکتا تھا‘ لاکھوں لوگوں میں بھی اس کو پہچان لیتا اس نے مدعی کو اپنی طرف سے چھ سو دینار دیت دے کر راضی کر لیا اور یوں بھری عدالت میں ملزم کی ہتھکڑیاں اُتار کر اس کو آزاد کر دیا پھر اس نے ملزم کو پچاس دینار دینے کا حکم دیا۔ وہ شخص وزیر کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا پھر ابوالمظفر نے اپنے اردگرد لوگوں سے پوچھا:

Scanned with CamScanner

هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ عَيْنِي الْيُمْنٰى لَا أُبْصِرُ بِهَا؟

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ مجھے داہنی آنکھ سے کچھ نظر نہیں آتا؟''

لوگوں نے کہا: ہمیں یہ تو معلوم نہیں اس نے کہا:

''حقیقت یہ ہے کہ میری داہنی آنکھ ضائع ہو چکی ہے اور اس کا سبب یہ شخص ہے جس کی طرف سے میں نے دیت دے کر اسے آزاد کیا ہے اور مزید اکرام بھی کیا ہے''۔

میں ایک دن اپنے گاؤں الدور کی ایک سڑک پر بیٹھا ہوا تھا' میرے ہاتھ میں فقہ کی ایک کتاب تھی جس کے مطالعے میں محو تھا۔ یہ شخص اپنے ہمراہ پھلوں کے ٹوکرے کے ساتھ آیا اور مجھ سے کہنے لگا: ''اسے اُٹھاؤ اور میرے ہمراہ چلو''۔

میں نے اس سے کہا: ''میں مزدور نہیں ہوں اور نہ ہی بار برداری کا کام کرتا ہوں''۔

تو اس نے زور سے میرے منہ پر تھپڑ رسید کیا جس سے میری آنکھ ضائع ہو گئی۔ میں نے اس کو اس بُری حالت میں دیکھا تو اس سے انتقام لینے کی بجائے اس کے ساتھ نیکی اور احسان کیا۔

ایک دن ایک ترک سپاہی اس کے دفتر میں داخل ہوا تو اس نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا: اس کو بیس دینار دے دو اور باہر سے رخصت کرا دو۔ دیکھو یہ دوبارہ میرے دفتر میں داخل نہ ہونے پائے پھر اس نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا: ایک مرتبہ ہمارے گاؤں الدور میں ایک آدمی قتل ہو گیا' ترکی کے سپاہی آئے اور مجھ سمیت تمام گاؤں والوں کو ہانکتے ہوئے لے گئے یہ جو سپاہی ابھی گیا ہے ہم لوگ اس کے حصے میں آئے تھے اس نے ہمارے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے' خود گھوڑے پر سوار ہوا اور ہمیں اپنے آگے بھاگنے کا حکم دیا۔ راستے میں میرے ہمراہیوں نے اس کو درہم و دینار دینا شروع کر دیئے جو بھی اس کو نذرانہ پیش کرتا' یہ اسے چھوڑتا جاتا مگر میرے پاس اپنی جان چھڑانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اس نے مجھے بڑی بے دردی سے پیٹا اسی دوران نمازِ عصر کا وقت ہو گیا' میں نے نماز کی اجازت چاہی جو نہ ملی بلکہ اُلٹا گالیوں سے نوازا گیا اور آج حالات کس طرح بدل گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

مجھے اس پر غلبہ عطا کیا ہے' میں چاہوں تو اس سے بدلہ لے سکتا ہوں مگر میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔

وزیر بننے کا قصہ کچھ اس طرح ہے کہ وہ ایک نہایت مفلس اور قلاش خاندان میں پیدا ہوا جو الدور نامی گاؤں میں مقیم تھا۔ خاندان کے لوگ معمولی زراعت پیشہ تھے' زراعت سے جو ملتا' اسی خوشی وقت گزارتے' کسی کے پاس پڑھنے پڑھانے یا علم حاصل کرنے کا وقت اور شوق کہاں تھا مگر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ کا معاملہ اور تھا یہ بچپن سے ذہین اور تیز فہم تھا' علم دوست تھا' علماء کی مجالس میں جاتا وہاں اپنا بیشتر وقت گزار دیتا جو سنتا اس کو یاد کر لیتا اور لکھ لیتا۔ حافظہ کمال درجے کا تھا' دوسرے شعراء کے سینکڑوں اشعار اسے ازبر تھے۔ علماء کی مجالس اور حلقوں نے اس کے علم میں مزید اضافہ کیا اور یہ فقہ حنبلی کا مانا ہوا استاد بن گیا۔ علم کی تحصیل کے لیے اس نے بچپن ہی سے اپنا گاؤں چھوڑا اور بغداد آ گیا یہاں کے علمی حلقوں میں خاصہ معروف ہو گیا۔ چونکہ گھریلو حالات خاصے پتلے تھے اور کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا لہٰذا اس نے حکومت کے مختلف اداروں میں نوکری تلاش کرنا شروع کی مگر جہاں بھی نوکری کے لیے جاتا وہاں سے جواب مل جاتا بالآخر اس نے خلیفہ عباسی مقتفی لأمر اللہ کے دیوان خانے میں نوکری کے لیے درخواست دے دی جب بھی وہ اپنے معاملے کا پتہ کرنے جاتا وہاں سے جواب ملتا کہ ابھی کوئی اسامی خالی نہیں ہے پھر آنا۔ مسلسل کوشش کے باوجود اس کو نوکری نہ مل سکی اس کے پاس جو درہم تھے' وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ نوکری کی امید بھی ختم ہو گئی تو اس نے اپنے گاؤں الدور واپس جانے کی ٹھانی۔

بغداد میں اس نے اپنا آخری درہم خرچ کیا اور اپنے گاؤں کی راہ لی چونکہ زادِ راہ ختم تھا لہٰذا پیدل ہی چل پڑا تھوڑی دُور ہی چلا تھا کہ نمازِ عصر کا وقت آ گیا ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی مسجد نظر آئے تو نمازِ عصر ادا کر لے ذرا فاصلے پر راستے سے ہٹ کر ایک پرانی سی بے آباد مسجد نظر آئی تو اس کا رُخ کیا۔ مسجد کے کنویں سے وضو کرنے کے بعد اس نے نماز شروع کی تو اس کو مسجد کی ایک جانب سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ نماز ختم کرنے کے بعد اس نے آواز کی جانب توجہ دی' مسجد کے ایک کونے میں ایک مریض لیٹا ہوا تھا جب اس کو چھوا تو

وہ بخار سے تپ رہا تھا اس کا حال پوچھا تو کہنے لگا:

''میرے پورے جسم میں شدید درد ہے' اس کا دنیا میں کوئی رشتے دار یا دوست نہیں ہے' بے یار و مددگار ہے اس لیے آبادی سے دُور اس مسجد میں اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا ہے''۔ ابن ہبیرہ نے اس کو تسلی دی اور اس سے پوچھا: ''اسے کسی چیز کی خواہش ہے؟'' مریض نے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

''ہاں انگوروں کا خوشہ مل جائے کیونکہ میری دیر سے تمنا اور خواہش ہے کہ میں مرنے سے پہلے جی بھر کو انگور کھاؤں''۔

ابنِ ہبیرہ نے اس کی خواہش سنی' خیالات میں گم ہو گیا' انگوروں کے خوشے کی خواہش مگر انگور کہاں سے ملیں' ہم تو آبادی سے دُور ہیں' بازار بھی دُور ہے اور پھر میرے پاس کوئی دینار بھی نہیں ہے مگر یہ مریض اور اس کی خواہش اس نے اپنے آپ سے کہا: آخر انگوروں کے حصول کی کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے' دَم توڑتے ہوئے ایک شخص کی خواہش ہے' ہو سکتا ہے کہ اس کی دعا کی بدولت میری مشکلات اور پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ ایک فقیر اور غیر معروف شخص کے ساتھ نیکی اور بھلائی یقیناً اللہ کو راضی کرنے والی چیز ہے یقیناً اس شخص سے کوئی بدلہ یا صلہ نہیں مل سکتا مگر یہ رب کو ضرور پسند ہے۔ میں اس کے لیے ضرور کوشش کروں گا اس نے مریض سے کہا: ''میرا انتظار کرنا' میں ابھی جاتا ہوں اور تمہارے لیے انگوروں کا خوشہ لے کر آتا ہوں''۔

ابن ہبیرہ تیز تیز قدموں سے آبادی کی طرف چل دیا تاکہ شام ہونے سے قبل انگور لا سکے جب وہ پھلوں کی دُکان میں داخل ہوا تو انگوروں کے کئی خوشے لٹک رہے تھے اس نے ایک بڑے خوشے کی طرف اشارہ کیا اور کہا: اس کی قیمت کیا ہے؟ دُکان دار نے کہا: اس کی قیمت آدھا درہم ہے۔ ابن ہبیرہ نے کہا: اس وقت میرے پاس اس کی قیمت نہیں ہے مگر میں اپنا چوغہ تمہارے پاس گروی رکھ دیتا ہوں جب میں تمہیں آدھا درہم دے دوں گا تو اپنا چوغہ لے لوں گا۔ دُکان دار اس بات سے راضی ہو گیا۔ چنانچہ ابن ہبیرہ نے اپنا چوغہ رہن رکھ کر انگوروں کا خوشہ لیا اور بھاگتا ہوا مسجد کی طرف روانہ ہوا جب وہ مسجد میں پہنچا تو

آفتاب غروب ہو چکا تھا' اندھیرا چھا رہا تھا اس نے وضو کیا اور نمازِ مغرب ادا کی۔ انگوروں کے خوشے کو پانی سے دھویا اور مریض کو پیش کر دیا۔ مریض نے خوشے کو دیکھا تو بہت زیادہ خوش ہوا اور تمام کا تمام کھا گیا۔ کہنے لگا:

''اللہ کا شکر ہے کہ موت سے قبل اس نے میری انگور کھانے کی خواہش کو پورا کر دیا۔ ایک مدت سے میری خواہش تھی کہ میں جی بھر کر انگور کھاؤں مگر مال نہ ہونے کی وجہ سے اپنی اس خواہش کو پورا نہ کر سکا''۔

پھر اس نے ابنِ ہبیرہ کی طرف اپنا منہ پھیرا اور کہا:

''سن میرے بیٹے! لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے لیے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا ہے' میرے پاس بیٹھ تاکہ میں مرنے سے پہلے تمہیں اپنی داستانِ زندگی سنا سکوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آج رات میری زندگی کی آخری رات ہے''۔

ابنِ ہبیرہ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اس نے اپنی داستان شروع کی:

''میں خراسان کا رہنے والا ہوں' میرا نام احمد ہے اور میں ''مرو'' شہر کے معروف تاجروں میں سے تھا' میرا چھوٹا بھائی محمود بھی میری طرح تاجر تھا۔ کم و بیش ایک سال قبل میں نے اور میرے بھائی نے بغداد جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں سے سامانِ تجارت خرید کر لائیں اور اسے مرو میں فروخت کریں۔ ایک قافلہ بغداد کے لیے روانہ ہو رہا تھا' میں نے کافی سامان تجارت خریدا تاکہ بغداد میں فروخت کر سکوں اور وہاں سے دیگر اجناس کو خرید کر مرو لے آؤں۔ میرے بھائی محمود نے وہاں سے کوئی سامان نہ خریدا اس کے پاس نقد ایک ہزار دینار تھے اس نے ان کو ایک چمڑے کی پیٹی میں محفوظ کیا چونکہ میں اس سے عمر میں بڑا تھا اور یوں بھی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے سمجھدار اور ہوشیار تھا لہٰذا یہ پیٹی اس نے میرے حوالے کر دی کہ میں اس کو اپنی کمر میں باندھ لوں اور اس کی حفاظت کروں۔

قافلہ بغداد کے لیے روانہ ہوا اس میں کافی لوگ تھے' سامانِ تجارت زیادہ تھا'

قافلے کی حفاظت کے لیے نوجوان دستہ الگ تھا جو مسلسل اس کے آگے پیچھے چلتا رہا۔ خراسان سے بغداد تک کا فاصلہ بہت زیادہ تھا مگر ہم بخیر وعافیت سفر کرتے کرتے بغداد کے قریب پہنچ گئے۔ بس دو منزلیں باقی رہ گئی تھیں' پہرے داروں کی طرف سے اب ہوشیاری نہ رہی اچانک ایک دن عصر کے بعد مسلح لٹیروں کے ایک دستے نے ہمارے قافلے پر حملہ کر دیا' یہ حملہ اتنا اچانک اور زوردار تھا کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ بہت سے مارے گئے' کتنے ہی زخمی ہو گئے اور کچھ بھاگ نکلے۔ لٹیروں نے سامان لوٹا اور بھاگ گئے' خود میں بھی بُری طرح سے زخمی ہوا جب ہوش آیا تو رات ہو چکی تھی ارد گرد کتنے ہی مردہ اور زخمی لوگ تھے' میں نے اپنے آپ کو سنبھالا' رات جیسے تیسے کاٹی' اگلے دن کچھ لوگ ہماری مدد کے لیے پہنچ گئے۔ میں نے اپنے بھائی محمود کو تلاش کیا مگر وہ نہ تو مجھے مقتولین میں نظر پیا اور نہ ہی زخمیوں میں۔ میں نے سوچا کہ وہ بغداد چلا گیا ہوگا' میرے زخم کافی گہرے تھے' ایک اور قافلے کے ساتھ میں بغداد پہنچ گیا اور وہاں اپنا علاج کراتا رہا۔ میرے پاس جو سرمایہ تھا وہ تو لُٹ چکا تھا' لے دے کر ایک ہزار دینار میرے بھائی کا میرے پاس تھا جو امانت تھا۔ باقی کچھ رقم جیب میں تھی اس میں کچھ تو علاج کی نذر ہو گئی اور بقایا میں نے اپنے اوپر خرچ کر دی' کبھی کوئی مزدوری مل گئی تو کر لی جو ملا اس سے گزر اوقات کر لی اس دوران میں نے اپنے بھائی محمود کو تلاش کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی مگر وہ نہ مل سکا۔

وہ رقم آج بھی میرے پاس تھیلی میں محفوظ ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج رات میری موت واقع ہو جائے گی۔ دیکھو اگر میں مر جاؤں تو مجھے غسل دے کر اسی جگہ دفن کر دینا اور رقم والی تھیلی تم لے لینا۔ کوشش کرنا کہ میرا بھائی تمہیں مل جائے اگر مل جائے تو یہ امانت کو پہنچا دینا اور اگر نہ ملے تو یہ تھیلی اور اس کی جو رقم ہے جہاں تمہارا جی چاہے اس کو خرچ کرنا''۔

ابنِ ہبیرہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں رات کو اس کے پاس ہی سو گیا' رات کو اس کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی' میں نے کلمہ شہادت اور دیگر اوراد کی آواز سنی' آہستہ آہستہ آواز کم ہوتی گئی اور میں نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ میں نے اس کو غسل دیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن کر کے تھیلی ہمراہ لے کر سفر پر روانہ ہو گیا اب میرا رُخ اپنے گاؤں الدور کی طرف نہیں بلکہ بغداد کی طرف تھا' میری جیب میں اب ایک ہزار دینار تھے سب سے پہلے تو میں انگور کی دُکان پر گیا' ایک دینار اس کے حوالے کیا اس نے اس میں سے آدھا درہم لے کر میرا چوغہ واپس کر دیا۔

اب میں دریائے دجلہ کے کنارے پہنچا وہاں کچھ کشتیاں کھڑی تھیں' وہ کرائے پر مسافروں کو دوسرے کنارے پہنچا رہی تھیں' میں ایک کشتی پر سوار ہو گیا' مسافت آدھے گھنٹے کی تھی' آدھے گھنٹے کے اس سفر کے دوران میں نے وقت گزاری کے لیے کشتی کے ملاح سے گفتگو شروع کر دی۔ دورانِ گفتگو میں نے محسوس کیا کہ اس کا لہجہ بغداد کا نہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہنے لگا' میں خراسان کے شہر مرو کا رہنے والا ہوں۔ میں نے پوچھا' تمہارا نام کیا ہے؟ جواب ملا' محمود! میں نے پوچھا کہ تم اس ملک میں کیسے آئے ہو؟ کہنے لگا' یہ ایک لمبی داستان ہے اور تمہیں اس سے کیا تعلق! میں نے اس کو قسم دی کہ تم لازماً اپنی داستان سناؤ' چاہو تو مختصر کر کے سنا دو مگر سناؤ ضرور! کہنے لگا' میں مرو شہر کا تاجر تھا' میرا بڑا بھائی احمد بھی تاجر تھا' ہم نے بغداد جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں سے سامانِ تجارت خرید کر مرو لائیں' میرے پاس ایک ہزار دینار تھے' میں نے ان کو ایک تھیلی میں بند کر کے اپنے بڑے بھائی کے حوالے کر دیا کہ وہ حفاظت کر سکے گا۔ ایک قافلہ بغداد کی طرف روانہ ہو رہا تھا' ہم بھی اس قافلے میں شامل ہو گئے جب ہم بغداد کے قریب پہنچے تو اچانک ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ کر دیا' قافلے کے بہت سارے لوگ مارے گئے اور

ایک بڑی تعداد زخمی ہوگئی' میں موقع پا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔

اگلے دن میں دوبارہ اس مقتل میں واپس آیا' لاشیں پڑی تھیں' زخمی کراہ رہے تھے' میں نے اپنے بھائی کو مقتولین اور زخمیوں میں تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک ہزار دینار نے اس کے دل کو بے ایمان کر دیا تھا۔ میرے بڑے بھائی کا یہ سلوک میرے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ ظاہر ہے مجھے بے حد پریشانی ہوگئی' میری تمام جائے داد چھن گئی' فقر نے آن گھیرا۔ میں نے بغداد میں اس کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ ایک دن میں دریا کے کنارے پریشان حال بیٹھا تھا کہ اس کشتی کے مالک کو میری حالت پر ترس آیا۔ میرے پاس آ بیٹھا اور میری دل جوئی کی۔ میرے حالات دریافت کیے چنانچہ میں نے اس سے اپنی درد بھری داستان بیان کر دی۔ اس نے کہا تم میرے پاس کام کیوں نہیں کرتے؟ میرے پاس یہ کشتی ہے' میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں' میرے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں' کوئی بیٹا نہیں ہے اور یہ کام یوں بھی صحت اور طاقت والا ہے۔

چنانچہ میں نے اس کے پاس کام کرنا شروع کر دیا۔ میری محنت اور دیانت سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی سے میری شادی کر دی اور میں اس کے گھر میں رہنے لگا' چند مہینے گزرے' وہ فوت ہو گیا ہے''۔

ابنِ ہبیرہ کا بیان ہے:

''میں نے اس سے اس تھیلی کی نشانیاں پوچھیں تو وہ بالکل وہی تھیں جو میرے پاس تھی جب مجھ کو یقین ہو گیا کہ اس تھیلی کا مالک یہ ملاح ہی ہے تو میں نے تھیلی کو اس کے سامنے رکھ دیا جب محمود نے دیناروں کی تھیلی دیکھی تو اس پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی' قریب تھا کہ اس پر غشی طاری ہو جائے' میں نے اس کے سر پر پانی ڈالنا شروع کیا جب وہ ذرا سنبھلا تو پوچھا تمہیں یہ تھیلی کہاں سے ملی ہے؟ میں نے اس کو سارا قصہ سنایا اور کہا تمہارا بھائی تمہیں بغداد میں جگہ جگہ تلاش کرتا رہا اور یہ محض تمہارا وہم تھا کہ اس کا دل بے ایمان

ہو گیا تھا اور وہ دینار لے کر بھاگ گیا۔

محمود تھیلی پانے کے بعد بے حد خوش تھا اور بار بار تھیلی کو دیکھتا پھر اس نے دینار گنے تو وہ ۹۹۹ نکلے۔ ایک دینار جو کم تھا اس کے متعلق میں نے بتایا کہ اس سے میں نے تمہارے بھائی کے لیے انگور خریدے تھے اس نے کہا: کوئی بات نہیں بلکہ مزید دس طلائی دینار میرے ہاتھ پر رکھے اور میرا بے حد شکریہ ادا کیا اب جب کہ میں دوبارہ بغداد میں تھا اور میرے پاس خرچ کے لیے رقم بھی تھی' دوبارہ وہاں رُکنے اور کام تلاش کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اگلے دن میں نے سوچا کہ اب مجھے ایک مرتبہ پھر دیوان الوظائف میں جانا چاہیے ہو سکتا ہے کہ اب ان کو میری ضرورت پڑ گئی ہو جب میں وہاں گیا تو انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا تم کہاں تھے؟ ہم تم کو تلاش کر رہے تھے' تمہارے لیے اب نوکری موجود ہے اور یوں انگوروں کا خوشہ میرے لیے بغداد واپس آنے کا سبب بن گیا۔ جلد ہی میں مسلسل محنت' کوشش اور لگن کے سبب خلیفہ المقتفی لأمر اللہ کے خزانے کا افسر مقرر ہو گیا پھر میں سیکرٹریٹ میں پہنچ گیا اور خلیفہ کے ساتھ کام کرنے لگا' خلیفہ نے جب میری لیاقت اور امانت دیکھی تو مجھے ۵۴۴ھ میں اپنا وزیر بنا لیا اب خلیفہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مستنجد باللہ خلیفہ بنا تو اس نے بھی مجھے وزارت پر برقرار رکھا''۔ ابنِ ہبیرہ اپنی وفات ۵۶۰ھ تک وزیر رہے۔

(مراجع کے لیے دیکھیں شذرات الذهب فی أخبار من ذهب (سنہ ۵۶۰) ابن العماد حنبلی' المنتظم (سنہ ۵۶۰) ابن الجوزی' وفیات الأعیان لابن خلکان (۲۳۰/۶) کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ' ابن رجب (۲۵۱/۳-۲۹۱) دار المعرفۃ)

(93)

وعدہ وفائی کی عجیب مثال

اسحاق بن ابراہیم موصلی کے والد سے منقول ہے:

''ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ اور جعفر بن یحیٰ برمکی حج کے لیے روانہ ہوئے' میں بھی ساتھ تھا جب ہم مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً پہنچے تو جعفر بن یحیٰ نے مجھ سے کہا:

''کیاتم میرے لیے کوئی ایسی لونڈی تلاش کر سکتے ہو جو حسن و جمال اور ذہانت میں بے مثال' نغمہ گنگنانے میں باکمال اور انتہائی باادب ہو؟''

میں نے کہا: ''کوشش کرتا ہوں کہ ایسی لونڈی کہیں سے مل جائے''۔

چنانچہ میں ایسی صفات کی حامل لونڈی کی تلاش میں لگ گیا۔ بالآخر مجھے معلوم ہوا کہ فلاں شخص کے پاس ایسی لونڈی مل سکتی ہے۔

میں مطلوبہ شخص کے پاس پہنچا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اس نے ایک لونڈی مجھے دِکھائی تو میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اتنی خوب صورت و باادب لونڈی میں نے آج تک نہ دیکھی تھی اس کے چہرے کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کررہی تھی جب اس نے نغمہ گنگنایا تو آواز بڑی دل کش و سریلی تھی۔ مجھے وہ بہت پسند آئی میں نے اس کے مالک سے کہا: ''بتاؤ! اس کی کیا قیمت لو گے؟''

مالک نے کہا: ''میں ایک دام بتاؤں گا اور اس سے ایک پیسہ بھی کم نہ کروں گا''۔

میں نے کہا: ''بتاؤ''۔ کہا: ''چالیس ہزار دینار''۔

میں نے کہا: ''ٹھیک ہے یہ لونڈی ہماری ہوگئی تم کچھ انتظار کرو میں رقم کا انتظام کرتا ہوں''۔ کہا: ''ٹھیک ہے یہ لونڈی تمہاری ہے' تم رقم لے آؤ''۔

چنانچہ میں جعفر بن یحیٰ کے پاس آیا اور کہا:

''جیسی لونڈی آپ کو مطلوب تھی وہ مل گئی ہے اس میں وہ تمام صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں جو آپ نے بتائی تھیں۔ وہ انتہائی حسین و جمیل' سریلی آواز کی مالک' بہترین رنگ و روپ والی اور انتہائی باادب ہے۔ میں سودا طے کر آیا ہوں آپ مزدوروں کو حکم دیں کہ رقم اُٹھائیں''۔

مزدوروں نے درہموں کی تھیلیاں اُٹھائیں اور میرے ساتھ لونڈی کے مالک کے پاس آگئے۔ جعفر بن یحیٰ کچھ دیر بعد اکیلا ہی وہاں پہنچا جب لونڈی کے حسن و جمال کو دیکھا بہت متعجب ہوا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ میں نے اس کے لیے اچھی چیز کا انتخاب کیا ہے۔ لونڈی نے اپنی دل کش و سریلی آواز میں نغمہ گنگنایا تو جعفر بن یحیٰ بہت خوش ہوا اور مجھ سے کہا:

''تمہارا انتخاب ہمیں بہت پسند آیا' جلدی سے لونڈی کی قیمت ادا کردو''۔

میں نے مالک سے کہا:

''یہ پورے چالیس ہزار دینار ہیں' ہم نے ان کا وزن کرلیا ہے اگر تم چاہو تو دوبارہ وزن کرلو''۔ اس نے کہا: ''ہمیں تم پر بھروسہ ہے''۔

جب لونڈی نے ہماری گفتگو سنی تو اپنے مالک سے کہنے لگی:

''میرے سردار! یہ آپ کیا کررہے ہیں؟ کیا آپ مجھے بیچنا چاہتے ہیں؟''

اس نے کہا: ''تو تو جانتی ہے کہ ہم کتنی خوش حال زندگی گزار رہے ہیں' ابھی ہمارے حالات بہت اچھے ہیں لیکن حالات بدلتے دیر نہیں لگتی اگر ہم پر تنگی کے دن آگئے تو کیا بنے گا؟ میں تو کسی کے سامنے کبھی بھی ہاتھ نہیں پھیلا سکتا لہٰذا حالات کے پیشِ نظر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ تجھے کسی ایسے شخص کے

ہاتھوں فروخت کردوں جو تجھے ہمیشہ خوش رکھے اور وہاں تیری تمام خواہشات پوری ہوسکیں‘‘۔لونڈی نے بڑی غمگین آواز میں کہا:

’’میرے آقا! خدا کی قسم! اگر آپ کی جگہ میں ہوتی اور میری جگہ آپ ہوتے تو میں تمام دنیا کی دولت کے بدلے بھی آپ کو فروخت نہ کرتی۔کیا آپ کو اپنا وعدہ یاد نہیں؟ آپ نے ہی تو وعدہ کیا تھا کہ کبھی بھی تجھے بیچ کر تیری رقم نہیں کھاؤں گا‘‘۔

لونڈی کی دردمندانہ گفتگو سن کر مالک کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے روتے ہوئے کہا:’’تم سب گواہ ہو جاؤ کہ یہ لونڈی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آزاد ہے اب میں اس سے نکاح کرتا ہوں اور میرا گھر اس کا مہر ہے‘‘۔

جب عقدِ نکاح ہو گیا تو جعفر بن یحییٰ نے مجھ سے کہا:’’چلو! واپس چلتے ہیں‘‘ میں نے مزدوروں کو حکم دیا کہ تمام رقم واپس لے چلو۔جعفر بن یحییٰ نے کہا:

’’نہیں! خدا کی قسم! اب اس رقم سے ایک درہم بھی واپس نہیں جائے گا‘‘۔

پھر لونڈی کے مالک کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

’’یہ تمام رقم تجھے مبارک ہو اس سے اپنی اور اپنی نئی منکوحہ کی ضروریات پوری کرو‘‘۔

یہ کہہ کر جعفر بن یحییٰ نے ہمیں ساتھ لیا اور چالیس ہزار دینار وہیں چھوڑ کر واپس چلا آیا‘‘۔(عیون الحکایات)

(94)

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

روم کے ایک جنگجو بہادر نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کو قید کر لیا اور روم کے کتے یعنی (شاہ روم) کے سامنے بیان کیا کہ مسلمانوں میں ایک شخص نہایت قوی اور مہیب ہے یعنی لوگ اس کی صورت دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔شاہ روم نے اس کو دیکھنے کے لیے طلب کیا اس کے سامنے ایک لمبی زنجیر لٹکی رہتی تھی جس کی وجہ سے اس کے پاس کوئی بلا جھکے جا نہیں سکتا تھا بس جب اس مرد مسلمان نے اس کو دیکھا تو شاہ روم کے پاس جانے سے انکار کیا۔شاہ روم نے اس زنجیر کو اُٹھانے کا حکم دیا تا کہ وہ اس کے پاس آئے۔پس جب یہ مسلمان اس کے پاس داخل ہوا تو خوب گفتگو کی۔اس کے بعد شاہ روم نے اس مسلمان سے کہا: تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ تا کہ میں اپنی انگوٹھی تمہارے ہاتھ میں پہنا دوں اور ولایت روم تم کو عطا کروں اس کے جواب میں مرد مسلمان نے شاہ روم سے کہا:’’دنیا کا کتنا حصہ تیرے قبضہ میں ہے؟‘‘ شاہ روم نے کہا:’’تہائی یا چوتھائی‘‘۔مرد مسلمان نے کہا:

’’اگر پوری دنیا تیرے قبضہ میں ہوتی اور وہ سونے اور جواہرات سے پُر ہوتی اور اس کو تو مجھے ایک دن کی اذان نہ کہنے کے عوض عطا کرتا تو میں اس کو قبول نہ کرتا‘‘۔شاہ روم نے ان سے کہا:’’اذان کیا چیز ہے؟‘‘ مرد مسلمان نے کہا:

’’وہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے‘‘۔

شاہِ روم نے کہا:

"بے شک اس کے دل میں محمد (ﷺ) کی محبت راسخ ہوگئی ہے اس لیے اس کا یوں اپنے دین سے پھرنا ممکن نہیں ہے پھر اس نے حکم دیا کہ ایک دیگ آگ پر رکھی جائے اور اس میں پانی بھر دیا جائے جب وہ شدت سے جوش مارنے لگے تو اس شخص کو اس میں ڈال دو"۔

چنانچہ شاہی ملازموں نے ایسا ہی کیا جب اس کو دیگ میں ڈالا تو اس نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہا اور ایک طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف سے قدرتِ الٰہی سے نکل آیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اس کے بعد پھر شاہ روم نے حکم دیا کہ یہ اندھیری کوٹھڑی میں قید کیا جائے اور اس سے کھانا پینا روک دیا جائے اور چالیس دن تک سوائے سور اور شراب اس کی کوٹھڑی میں نہ ڈالا جائے۔ چنانچہ شاہی نوکروں نے یہی کیا۔ پس جب چالیس دن پورے ہو چکے تو لوگوں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ انہوں نے جو کچھ اس کے سامنے ڈالا تھا وہ سب موجود ہے اس نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا:

"تم نے اس میں سے کیوں نہیں کھایا؟ حالانکہ دینِ محمد ﷺ میں ضرورت کے وقت اس کا کھانا جائز ہے"۔

مسلمان نے جواب دیا:

"اگر میں اس میں سے کھاتا تو تم لوگ خوش ہوتے اور مجھے تمہیں غصہ دلانا منظور تھا"۔ پھر بادشاہ نے اس سے کہا:

"اگر تم مجھے سجدہ کرلو تو میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو چھوڑ دوں"۔

مردِ مسلمان نے کہا:

"دینِ محمدی ﷺ میں علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو سجدہ کرنا جائز ہے۔ دوسرے کے لیے جائز نہیں"۔

شاہِ روم نے کہا: "اچھا میری پیشانی کو بوسہ دو"۔

اس شخص نے بادشاہ سے کہا: "ہاں! یہ ایک شرط سے کرسکتا ہوں"۔

بادشاہ نے کہا: "جس طرح تم چاہو کرو"

پس مردِ مسلمان نے اپنی آستین اس کی پیشانی پر رکھی اور اس کو بوسہ دیا اور نیت یہ کی کہ میں اپنی آستین کو بوسہ دیتا ہوں اس کے بعد شاہِ روم نے ان کو اور اس کے ساتھی قیدیوں کو بہت سا مال و زر دے کر رہا کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

"اگر یہ شخص ہمارے شہر میں ہمارے دین پر ہوتا تو ہم اس کی پرستش کرتے یا اس کی پرستش کا اعتقاد رکھتے"۔ پس جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے فرمایا:

"مال کے ساتھ اکیلے ہی مخصوص نہ ہو اور خاص اپنے ہی تصرف میں نہ لاؤ بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لوگوں کو بھی شریک کرلو"۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ (نوادر القلیوبی)

Scanned with CamScanner

(95)

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر

زائرین اور آنے والوں کے ساتھ ایک درویش کا کیا رویہ ہونا چاہیے اس کی کتنی خدمت اور خاطر تواضع کرنی چاہیے' اسے آرام وسکون پہنچانے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کرے اس کا بیان حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی معروف عالم کتاب کشف المحجوب کے اس ایمان افروز اقتباس میں دیکھیے۔ فرماتے ہیں:

''جب کوئی درویش سفر چھوڑ کر اقامت اختیار کرلے تو اس کے ادب کی شرط یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کی عزت کرتے ہوئے اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے اور کامل ادب واحترام سے اس کو قبول کرے اور یوں سمجھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے باعظمت مہمانوں میں سے ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے یعنی تکلف کیے بغیر جو کچھ موجود ہو لا حاضر کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۔

''پس آپ موٹا تازہ بچھڑا بھنا ہوا لے آئے''۔

اور ادب کا خیال رکھتے ہوئے یوں نہ پوچھے:

''تو کہاں سے آیا ہے؟ یا کہاں جاتا ہے؟ یا تیرا نام کیا ہے؟''

پس ان کے آنے کو خدا کی طرف سے اور ان کے جانے کو خدا کی طرف سے اور ان کے نام کو خدا کا بندہ خیال کرنے پھر غور کرے کہ اس کو آرام کے لیے تنہائی چاہیے یا صحبت اگر اس کو خلوت پسند ہے تو اس کے لیے خالی جگہ کردے اگر اس کو صحبت پسند ہے تو بے تکلف

ہمدردی اور معاشرہ کے دیگر مراسم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے گفتگو کرے اور جب مسافر سرہانے پر سر رکھ کر سونے کا ارادہ کرے تو مقیم کو چاہیے کہ اس کے پاؤں دبائے اگر وہ ایسا نہ کرنے دے اور کہے کہ مجھے اس کی عادت نہیں تو اسے چھوڑ دے تاکہ اس کو ناگوار نہ گزرے اور دوسرے دن اسے کسی صاف ستھرے حمام میں لے جائے اور اس کے کپڑوں کو حمام کی ناپاک جگہ سے محفوظ رکھے اور کسی اجنبی خدمت گار کو اس کی خدمت پر مقرر نہ کرے اور چاہیے کہ ایسے اچھے اعتقاد کے ساتھ اس کی خدمت کرے کہ وہ بدن کو صاف کرنے کے ساتھ خود تمام عیبوں سے پاک ہو جائے۔ ضروری ہے کہ اس کی پیٹھ کھجلائے اور اس کے گھٹنوں' تلوؤں اور ہاتھوں کو اچھی طرح ملے اور اس پر اکتفا کرے اور اگر اس مقیم کو اس بات کی دسترس ہو کہ اس کو نئے کپڑے بنوادے تو یہ بھی کردے ورنہ تکلف بھی نہ کرے اس کے انہی کپڑوں کو دھو ڈالے تاکہ جب حمام سے نکلے تو ان کو پہن لے اور جب حمام سے واپس آئے تو تین دن اور ٹھہرائے''۔ (مترجم ص ۵۰۹)

کر خدمت فقیروں کی

☆...... شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ دستگیری' حاجت روائی اور راحت رسانی کے متعلق اپنے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ امراء' ملوک' اصحاب منصب اربابِ قدر و منزلت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں۔ چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا: اللہ کے پاس پہنچنے کی راہیں تو بہت ہیں لیکن سب سے نزدیک راہ دِلوں کو راحت پہنچانا ہے۔

(بزم صوفیہ ص ۳۷۱ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن)

ایک دوسرے مکتوب میں آپ نے ملک خضر کو لکھا ہے:

''اس تاریک دنیا میں قلم زبان مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو' محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔ صوم وصلوٰۃ اور نوافل اپنی جگہ بہت اچھی چیزیں ہیں لیکن دِلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں''۔ (ایضا ۳۷۳)

☆......حضرت محبوبِ الٰہی کی زبانی درویش اور صوفی کا کام سنیے۔

مشائخ چشت نے حضرت شیخ عبداللہ ہروی کا یہ قول نقل کیا ہے:

نماز گزاردن کار بیوہ زنان است — و روزہ داشتن صرفہ بنان است

حج کردن کار بے کاران است — دلے دریاب کہ کار آنست

شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ مجھے معرفت کا سبق دیجیے۔ شیخ نے کھانا منگا کر اس کو کھلایا۔ وہ شرمندہ ہوکر چلا گیا' اگلے دن پھر آیا اور وہی سوال کیا' شیخ نے پھر کھانا کھلا کر رخصت کر دیا۔ تیسرے دن وہ پھر آیا اور وہی سوال کیا' شیخ نے پھر کھانا منگوایا۔ اس نے عرض کیا:

''حضرت میں آپ سے معرفت کا سوال کرتا ہوں اور آپ مجھ کو کھانا کھلاتے ہیں۔ میرے سوال کا جواب تو دیجیے''۔

فرمایا: ''اے بردار! معرفت ہمیں است کہ چیزی پیش بندگان خدائے تعالیٰ بیاری...... ودلہائے شکستگاں رادریابی''۔

(تاریخ مشائخ چشت ج ۱ ص ۳۲۳-۳۲۴ ادارہ ادبیات دلی)

حضرت بابا فرید گنج شکر نے فرمایا:

''خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جس روز ان کے لنگر میں کوئی خوردنی شے موجود نہ ہوتی' آپ شیخ بدرالدین غزنوی خادم خانقاہ سے ارشاد فرماتے کہ اگر پانی موجود ہے تو اسی کا دور چلاؤ کہ آج کا روز بھی بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے پھر بغداد میں خواجہ اجل شیرازی کا یہ چشم دید حال بیان فرمایا: وہ کسی آنے والے کو خالی نہ جانے دیتے تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ کوئی آنے والا خالی ہاتھ گیا ہو اگر کچھ اور موجود نہ ہوتا تو آپ خستہ خرما ہی عطا فرما دیتے تھے جو وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے''۔

(راحت القلوب مجلس دوم)

تین طرح کی زکوٰۃ

☆......حضرت گنج شکر نے فرمایا:

''اصحابِ طریقت اور مشائخ کبار اپنے فوائد میں لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ شریعت' زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ حقیقت۔ شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اگر چالیس درہم ہوں تو ان میں سے ایک درہم راہِ خدا میں خرچ کرے۔ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس میں سے پانچ اپنے پاس رکھے اور باقی راہِ خدا میں خرچ کرے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس میں سے کچھ بھی نہ بچائے بلکہ تمام راہِ خدا میں تقسیم کر دے اس واسطے کہ درویشی خود فروشی ہے''۔ (راحت القلوب مترجم ص ۶)

پھر اسی موقع کی مناسبت سے فرمایا:

''اس دعا گو نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی زیارت کی ہے اور چند روز آپ کی خدمت میں بسر کیے ہیں اس عرصہ میں تقریباً چھ ہزار دینار ہر روز آپ کی خانقاہ میں بطورِ نذر آئے اور سب راہِ خدا میں صرف کیے جاتے اور رات کو ایک پیسہ بھی نہ بچاتے۔ ساتھ ہی یہ فرماتے کہ اگر میں کچھ بچاؤں تو مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ کہیں گے کہ یہ درویش مال دار ہے''۔

(ایضاً ص ۶)

صوفیائے کرام نے عملی زندگی میں اسی ''زکوٰۃ حقیقت'' کے ادا کرنے کا عملی ثبوت دیا ہے۔ کئی لوگ بعض صوفیاء کے حج نہ کرنے پر معترض ہوتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب زندگی بھر ان پر زکوٰۃ شریعت ہی فرض نہیں ہوئی تو حج کہاں سے فرض ہو جائے گا۔ حج کی لازمی شرط ''مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا'' کبھی ان میں پائی ہی نہیں گئی۔

صوفیائے متقدمین میں حضرت ابوبکر شبلی (م ۳۳۴ھ) کے ہم عصر ایک عالم ابن بشار نے ایک مرتبہ بطورِ امتحان ان سے سوال کیا کہ پانچ اونٹوں پر کتنی زکوٰۃ ہے؟ حضرت شبلی خاموش رہے۔ ابن بشار نے جب اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: شریعت میں تو پانچ اونٹوں پر ایک بکری دینا بطورِ زکوٰۃ واجب ہے مگر ہم جیسے لوگوں کے لیے پانچ کے پانچ اونٹ دے دینا لازم ہے۔ ابن بشار نے پوچھا اس مسئلے میں آپ کا کوئی امام (یا دلیل) بھی ہے؟ فرمایا'

Scanned with CamScanner

ہاں! انہوں نے پوچھا' کون؟ فرمایا' حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب انہوں نے اپنا سارا اثاثہ لا کر راہِ خدا میں پیش کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا' آپ نے اپنے اہل وعیال کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے؟ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ۔ ''بس اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم''۔

ابن بشار قبل ازیں لوگوں کو حضرت شبلی کے پاس جانے اور ان کی باتیں سننے سے روکتے تھے مگر اس کے بعد انہوں نے کبھی کسی کو حضرت شبلی کے پاس جانے سے نہ روکا۔

(الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۱۰۵ طبع مصر ۱۱۵۴ء)

☆...... حضرت محبوبِ الٰہی کے نامور خلیفہ شیخ برہان الدین غریب نے اپنے معتقدین کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں اس سلسلے میں ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے اسی طرح انسان خود تکلیف اُٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔ (بزم صوفیہ ص ۲۸۵)

مقبول ترین عمل

☆...... صوفیاء کے نزدیک اللہ کریم کی بارگاہ میں کون سا عمل سب سے زیادہ مقبول و محبوب ہے اس کا پتہ خواجہ سیالوی سے چلائیے۔

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی نے ایک دفعہ فرمایا: بابا فرید الدین گنج شکر اور حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہما دونوں ہم عصر ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے وعدہ لیا تھا کہ جس کا وصال پہلے ہو دوسرے کو بتائے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون سا عمل زیادہ مقبول و محبوب ہے۔ چنانچہ جب حضرت بابا صاحب کا وصال ہو گیا تو خواجہ حمید الدین ناگوری قلم دوات' کاغذ لے کر ان کے مزار پر گئے اور حسبِ وعدہ سرہانے کی طرف غلاف کے نیچے قلم دوات کاغذ رکھ دیئے اور عرض کیا:

''خواب میں بتایا ہوا یقین نہ کروں گا۔ اس کاغذ پر لکھ دیں''۔

دوسرے روز کاغذ آ کر اُٹھایا تو اس پر مندرجہ ذیل شعر لکھا ہوا تھا:

جملہ فنون شیخ نیر زدبہ نیم خس
راحت بہ دل رساں کہ ہمیں مشرب است وبس

(انوار قمریہ ص ۱۸۰'۲۱۳)

امام غزالی کا فرمان

☆...... صوفیاء کے نزدیک فقراء کی ضعفاء کی دردمندوں اور غم زدہ لوگوں کی اعانت کرنا بظاہر بڑے بڑے نیکی اور عبادت کے کاموں سے بھی افضل ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''بعض لوگ بڑی بڑی مساجد بناتے ہیں' ان کی زیب و زینت اور نقش و نگار پر بڑا پیسہ خرچ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑی نیکی کر لی' ہم نے جنت میں مکان بنا لیا ادھر یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے پڑوس میں ان کے محلے اور شہر میں ہزاروں لوگوں نان شبینہ کو ترس رہے ہوتے ہیں' ہزاروں بیمار ہسپتالوں میں مناسب علاج نہ کرا سکنے کی وجہ سے کراہ رہے ہوتے ہیں' بے شمار لوگ ننگے بھوکے رہنے پر مجبور ہوتے ہیں' متعدد لوگ افلاس اور تنگ دستی کا شکار ہوتے ہیں۔ اَن گنت لوگ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کی خاطر مصائب و آلام اور طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان تمام ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کو چھوڑ کر مساجد کی تعمیر و تزئین پر پیسہ خرچ کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا ہاں جب ان لوگوں کی ضروریات پوری ہو جائیں' سب خوش حال ہو جائیں' سب کے مسائل حل ہو جائیں' سب کی پریشانیاں دُور ہو جائیں تو اس کے بعد مساجد مدارس وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کرنا صدقہ جاریہ اور بہت بڑا کارِ خیر ہوگا''۔ امام صاحب کے الفاظ ہیں:

صَرْفُ الْمَالِ اِلَيْهِمْ اَهَمُّ وَاَفْضَلُ وَ اَوْلٰى مِنَ الصَّرْفِ اِلٰى بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ وَزِيْنَتِهَا ۔ (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۵۰۵ طبع قاہرہ ۱۹۶۷ء)

''فقراء و مساکین پر پیسہ خرچ کرنا مساجد کی تعمیر اور تزئین پر خرچ کرنے سے

زیادہ ضروری افضل اور اولیٰ ہے''۔

خدمت خلق نفلی حج سے افضل ہے

بعض دولت مندوں کے متعلق امام صاحب نے لکھا ہے کہ انہیں حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہے۔ وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلاضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی۔ سفران کو بہت آسان معلوم ہوگا' روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی' وہ حج سے محروم و تہی دست واپس آئیں گے۔ وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہوگا اس کے ساتھ کوئی سلوک اور غم خواری نہ کریں گے پھر امام صاحب نے لکھا ہے کہ ایک آدمی حضرت بشر بن حارث کے پاس حاضر ہوا اور حج پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بشر بن حارث نے پوچھا تو نے حج کے اخراجات کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم۔ آپ نے پوچھا تو حج سے کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ کی رضا اور خوش نودی مقصود ہے۔ فرمایا یہی اللہ کی خوش نودی تمہیں گھر بیٹھے بٹھائے بھی مل سکتی ہے جا یہی پیسہ کسی مقروض و مدیون کے قرض اُتارنے میں خرچ کر دے۔ کسی فقیر پر خرچ کر کے اس کی مالی حالت کو بہتر بنا دے کسی عیال دار کو دے کر اس کی پریشانی دُور کر دے یا کسی یتیم پر خرچ کر کے جنت میں اپنا ٹھکانا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بنا لے کیونکہ:

فَاِنَّ اِدْخَالَكَ السُّرُوْرَ عَلٰى قَلْبِ الْمُسْلِمِ وَاِعَانَةُ اللَّهْفَانِ وَكَشْفَ الضُّرِّ وَاِعَانَةَ الضَّعِيْفِ اَفْضَلُ مِنْ مِّائَةِ حَجَّةٍ بَعْدَ حَجَّةِ الْاِسْلَامِ ۔

(ایضاً ص ۵۰۶۔۵۰۷ طبع قاہرہ ۱۹۶۷ء)

(96)

جدوں لعل ملدا اے لیراں چوں ملدا

''داؤد ظاہری'' کا بیان ہے کہ ایک روز میری مجلس میں ایک نہایت ہی شکستہ حال انسان انتہائی بوسیدہ لباس پہنے ہوئے آیا اور دفعتہً بغیر میری اجازت کے میری مسند پر براجمان ہو گیا۔ اپنا نام ابویعقوب بصری بتایا اور میری طرف مخاطب ہو کر فخریہ لہجے میں کہا:

سَلْ يَافَتٰى عَمَّا بَدَالَكَ ۔ ''اے جوان! جو تیرے دل میں آئے مجھ سے پوچھ لے''۔

''داؤد ظاہری'' کہتے ہیں کہ مجھے اس کے اس فخر آمیز لب و لہجہ پر بڑا غصہ آیا اور میں نے طنز کے طور پر کہہ دیا کہ اگر حجامت (پچھنا لگانے) کے بارے میں جناب کو کچھ معلومات ہوں تو ارشاد فرمایئے؟ یہ سن کر ایک دَم وہ شخص سنبھل کر بیٹھ گیا اور حدیث: اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ ۔

کی تمام روایات کو بیان کر کے بتانے لگا کہ کن کن سندوں سے یہ حدیث مسند ہے اور کن کن سندوں سے یہ حدیث موقوف و مرسل ہے اور کون کون سے فقہاء کا اس پر عمل ہے پھر اس نے حضورِ اکرم ﷺ کے پچھنا لگانے کے مختلف مقامات' مختلف طریقے پچھنا لگانے والوں کے نام' پچھنا لگانے کی اجرتوں اور ان کے احکام کا مفصل بیان کیا۔ حدیث و فقہ کی تمام بحثوں کے بعد وہ اطباء کے اقوال کی طرف رجوع ہوا تو ان تمام طبیبوں کے اقوال بیان کرنے لگا جو مختلف زبانوں میں مختلف اطباء کہتے رہے پھر حجامت کے فوائد اس کے مختلف طریقوں' اس کے مختلف آلات پر بحث کرنے کے بعد تاریخ کا نمبر آیا تو اس نے بہت سے شواہد اور دلائل سے ثابت کر دیا کہ ''عمل حجامت'' کے مؤجد اہلِ اصفہان ہیں۔ ''داؤد

ظاہری'' کہتے ہیں کہ اس شخص کی معلومات کی وسعت اور اس کے سیلاب تقریر کی جولانی وروانی دیکھ کر میں حیرت واستعجاب میں غرقاب ہوگیا یہاں تک کہ میں نے اس کی طرف مخاطب ہوکر کہہ دیا:

''اے شخص! بس مجھے معاف کردے میں وعدہ کرتا ہوں کہ خدا کی قسم! اب تیرے بعد میں کسی شخص کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھوں گا''۔

(ابن خلکان ج۱ص۱۷۶)

''داؤد ظاہری'' کا یہ فیصلہ بالکل صحیح ہے کہ شکستہ حالی اور بوسیدہ لباس میں دیکھ کر ہرگز کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بہت سے باکمال پھٹے پرانے کپڑوں میں شکستہ حال ہیں مگر اپنے علم وفضل کی مستی میں تمام دنیا سے فارغ البال ایسے خوش حال ہیں:

پھٹے کپڑوں میں خنداں مثل گل ہیں
شرافت کیا بہار بے خزاں ہے

بزرگوں نے ایسے لوگوں کو ''گدڑی میں لعل'' کہا ہے اور بڑی سخت تاکید اور تنبیہ کی ہے:

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی دنیا کے خاکساروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ تم کو کیا معلوم کہ اس گرد میں کوئی سوار چھپا ہے اور پھٹے پرانے لباس میں کوئی باکمال شخص ہو۔ صرف صورت ولباس دیکھ کر کسی کے عیب وہنر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ انسان کے فضل وکمال کا جوہر تو گفتگو کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی نے اس فلسفہ کو اپنے ایک شعر میں بیان کردیا ہے

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

یعنی جب تک آدمی بات نہیں کرتا اس وقت تک اس کا عیب وہنر دونوں چھپے رہتے ہیں۔
کسی پنجابی شاعر نے کہا ہے:

جدوں لعل ملدا اے لیراں چوں ملدا اے
جدوں اللہ ملدا فقیراں چوں ملدا اے

(97)

مجھے معلوم نہیں

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی سوال پوچھا گیا۔ جواب دیا: ''مجھے نہیں معلوم''۔ کہا گیا: ''آپ عراق کے مفتی وفقیہ ہیں اور آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں یقیناً آپ کو اپنے اس جواب سے شرم تو محسوس ہو رہی ہو گی؟''
جواب دیا: ''فرشتے تو اس وقت نہیں شرمائے تھے جب انہوں نے کہا:
لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۔ (البقرۃ:۳۲)
''ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے''۔
عتبہ بن مسلم کہتے ہیں: ''میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں چونتیس ماہ تک رہا اس دوران کتنے ہی لوگوں نے آپ سے سوالات کیے جن کا جواب یہ ہوتا:
''مجھے معلوم نہیں''۔
مشہور تابعی سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے جب فتویٰ پوچھا جاتا تو فرماتے:
''اَللّٰھُمَّ سَلِّمْنِیْ وَسَلِّمْ مِنِّیْ ۔
''اے اللہ! مجھے غلط فتویٰ دینے سے محفوظ رکھ اور لوگوں کو مجھ سے غلط فتویٰ لینے سے محفوظ رکھ''۔
ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو جواب میں خاموش رہے۔
پوچھا گیا: ''جواب کیوں نہیں دیتے؟''
فرمایا:
حَتّٰی اَدْرِیَ الْفَضْلُ فِیْ سُکُوْتِیْ اَوْفِی الْجَوَابِ ۔

Scanned with CamScanner

"میں اس وقت تک جواب نہیں دیتا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ فضیلت میرے خاموش رہنے میں ہے یا جواب دینے میں"۔

ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دیکھا' ان میں سے کسی ایک سے سوال کیا جاتا تو دوسرے کے پاس جانے کو کہتے' دوسرا تیسرے کے پاس' تیسرا چوتھے کے پاس حتیٰ کہ سوال ہوتے ہوتے پہلے کے پاس واپس آ جاتا"۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طرز عمل یہ تھا کہ جب کوئی صحابی حدیث بیان کرتے اور ان سے سوال ہوتا تو وہ پوری کوشش کرتے کہ اس کا جواب ان کا کوئی دوسرا بھائی دے۔

ابوالحسین ازدی کہا کرتے تھے:

اِنَّ اَحَدَهُمْ لَيُفْتِيْ فِي الْمَسْأَلَةِ لَوْ وَرَدَتْ عَلٰى عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ لَجَمَعَ لَهَا اَهْلَ بَدْرٍ ۔

"لوگ مسئلہ میں بے جھجک فتویٰ دیتے ہیں اگر یہی مسئلہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا جاتا تو اس کے جواب کے لیے اہل بدر کو جمع کر لیتے"۔

قاسم بن محمد سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"مجھے اس کا جواب نہیں آتا"۔ سائل نے کہا:

"حضرت! آپ کے پاس آیا ہوں' آپ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا' مجھے تو جواب چاہیے"۔

قاسم بن محمد نے فرمایا: "بھائی! میری لمبی داڑھی کی طرف مت جاؤ اور نہ یہ دیکھو کہ میرے اردگرد کتنے لوگ جمع ہیں۔ اللہ کی قسم! "مَا اُحْسِنُهُ" میں اچھے طریقے سے جواب نہیں دے سکتا"۔ قریش کے ایک آدمی نے اس سائل سے کہا تھا:

"اے میرے بھتیجے! قاسم کی صحبت اختیار کرو' آج کے دن ان سے زیادہ علم وفضل والا کوئی شخص نہیں"۔ قاسم فرمانے لگے:

وَاللّٰہِ لَاَنْ یُّقْطَعَ لِسَانِیْ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِمَا لَا عِلْمَ لِیْ بِہٖ ۔

"اللہ کی قسم! میری زبان کٹ جائے' یہ میرے لیے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں ایسی بات کے بارے میں گفتگو کروں جس کا مجھے علم نہیں"۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب کی حیثیت سے کام کر رہے ہو اس بات سے ڈرنا کہ کہیں تم عطائی نہ بن جاؤ یا اپنی کم علمی کے باعث کسی مسلمان کو قتل نہ کر دو"۔

اس تنبیہ کے بعد حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فیصلہ کرنے میں بہت احتیاط کرنے لگے بلکہ کئی بار ایسا ہوا کہ دو آدمی ان کے پاس جھگڑا لے کر آئے تو ان کے درمیان فیصلہ کر کے فرمایا:

"فریقین کو دوبارہ میرے پاس لے کر آؤ' میں عطائی ہوں"۔

جب وہ آ جاتے تو ان سے دوبارہ معاملہ سنتے اس پر دوبارہ غور وفکر کرتے اور پھر فیصلہ کرتے۔ اللہ اللہ! کتنا خوف اور ڈر تھا کہ کہیں ان سے عجلت میں غلط فیصلہ نہ ہو جائے۔ کیا آج کل کے علمائے کرام اس پر غور فرمائیں گے؟ (سنہرے اوراق)

Scanned with CamScanner

(98)

جنتی محل کی ضمانت

حضرت سیّدنا سری بن یحییٰ علیہ رحمۃ اللہ سے مروی ہے:

''ایک شخص خراسان سے بصرہ آیا اور وہیں رہنے لگا اس کے پاس دس ہزار درہم تھے جب حج کا پُر بہار موسم آیا تو اس خراسانی نے اپنی زوجہ کے ساتھ حج پر جانے کا ارادہ کیا اب یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ یہ دس ہزار درہم کس کے پاس امانت رکھے جائیں؟ لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا:

''تم اپنی رقم ابو محمد حبیب ابو محمد عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رکھ دو''۔

چنانچہ وہ حضرت سیّدنا حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا:

''حضور! میں اور میری اہلیہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں' ہمارے پاس دس ہزار درہم ہیں' آپ یہ درہم رکھ لیں اور ہمارے لیے بصرہ میں ایک اچھا سا گھر خرید لیں''۔

یہ کہہ کر اس نے ساری رقم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کی اور اپنی زوجہ کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہو گیا۔ حضرتِ سیّدنا حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اگر ہم ان دس ہزار درہم کا آٹا خرید لیں اور فقیروں پر صدقہ کر دیں تو کیسا رہے گا؟ لوگوں نے کہا:

''حضور! یہ رقم تو اس شخص نے آپ کے پاس اس لیے رکھوائی تھی کہ آپ کوئی مکان اس کے لیے خرید لیں''۔ ارشاد فرمایا:

''میں یہ تمام رقم صدقہ کر کے اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ سے جنت میں گھر

خریدوں گا اگر وہ اس گھر پر راضی ہوا تو ٹھیک ورنہ ہم اس کی رقم واپس کر دیں گے''۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آٹا اور روٹیاں منگوا کر فقراء اور مساکین میں تقسیم فرما دیں''۔

جب وہ خراسانی حج کر کے واپس بصرہ آیا تو حضرتِ سیّدنا حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی:

''اے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ! میں نے دس ہزار درہم آپ کے پاس رکھوائے تھے کہ آپ میرے لیے مکان خرید لیں اگر آپ نے مکان نہیں خریدا تو میری رقم مجھے واپس کر دیں تاکہ میں خود کوئی مکان خرید لوں''۔

حضرت سیّدنا حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے میرے بھائی! میں نے تیرے لیے ایسا شاندار گھر خریدا ہے جس میں بہت عمدہ محل' نہریں' میوے اور پھل دار درخت ہیں''۔

یہ سن کر وہ خراسانی اپنی زوجہ کے پاس گیا اور کہا:

''حضرت سیّدنا حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے لیے ہمارے پاک پروردگار سے جنت میں ایک گھر خرید لیا ہے''۔ اس کی زوجہ نے کہا:

''ٹھیک ہے یہ تو بہت اچھا ہوا۔ میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کو پورا فرمائے گا لیکن کیا معلوم کہ ہم ان سے پہلے ہی سفرِ آخرت کی طرف روانہ ہو جائیں' تم ایسا کرو حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک رقعہ لکھوا لو کہ وہ ہمیں جنت میں ایک گھر دِلوانے کے ضامن ہیں''۔

چنانچہ وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا:

''اے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ! آپ نے جو گھر ہمارے لیے خریدا ہے وہ ہمیں قبول ہے' آپ ہمارے لیے رقعہ لکھ دیں کہ آپ جنت میں گھر دِلوانے کے ضامن ہیں''۔ فرمایا: ''ٹھیک ہے میں رقعہ لکھ دیتا ہوں''۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح رقعہ لکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''یہ ضمانت نامہ ہے اس بات کا کہ ابومحمد حبیب نے اپنے رب سے فلاں خراسانی شخص کے لیے دس ہزار درہم کے عوض جنت میں ایک ایسا گھر خریدا ہے جس میں محلات' نہریں اور پھل دار درخت ہیں۔ اللہ کے ذمہ کرم پر ہے کہ فلاں شخص کو ایسی صفات سے متصف گھر دے کہ حبیب عجمی کو اس کے عہد سے بَری کر دے''۔

خراسانی وہ رقعہ لے کر خوشی خوشی اپنے گھر آ گیا ابھی اس واقعہ کو چالیس دن ہی ہوئے تھے کہ وہ بیمار ہو گیا اس نے اپنی زوجہ کو وصیت کی:

''جب مجھے غسل دے کر کفن پہنایا جائے تو یہ رقعہ میرے کفن میں رکھوا دینا''۔

حسبِ وصیت رقعہ اس کے کفن میں رکھ دیا گیا' دفن کے بعد لوگوں کو اس کی قبر پر ایک پرچہ ملا جس پر لکھا تھا:

''یہ حبیب عجمی کے لیے اس گھر کا برأت نامہ ہے جسے اس نے فلاں شخص کے لیے خریدا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خراسانی کو ایسا گھر دے دیا ہے جس کا حبیب عجمی نے عہد کیا تھا''۔

لوگ یہ پرچہ لے کر حضرت سیّدنا حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ رقعہ پڑھ کر رونے لگے پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور فرمایا:

''یہ میرے رب کی طرف سے میرے لیے برأت نامہ ہے''۔

(عیون الحکایات)

(99)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمنا

منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی سیر وسیاحت میں تھے کہ انہوں نے ایک بلند پہاڑ کی طرف دیکھا اور اس کا قصد کیا۔ ناگاہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک ایسا سخت پتھر دیکھا جو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ وہ اس کے گرد پھرنے لگے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی: ''اے عیسیٰ! (علیہ السلام) تم وہی دوست رکھتے ہو جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ میں اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات تمہارے واسطے ظاہر اور بیان کروں؟''

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''ہاں! اے میرے رب!'' پس وہ پتھر شق ہوا اور اس سے ایک ایسا بزرگ ظاہر ہوا جس کے بدن پر بال کا کرتہ تھا' اس کے ہاتھ میں سبز چھڑی تھی اور اس کی آنکھوں کے سامنے انگور تھے اور وہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ''اس پتھر میں تم کب سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو؟''

اس نے کہا: ''چار سو برس سے''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

''اے معبود! اے میرے آقا! کیا میں کہہ سکتا ہوں کہ تو نے کوئی مخلوق اس سے افضل پیدا کی ہے؟'' پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی: ''بے شک محمد ﷺ کی اُمت میں اگر کسی شخص نے شعبان کا مہینہ پایا اور اس نے پندرھویں شعبان کی رات کو نماز پڑھی تو اس کی یہ عبادت میرے نزدیک اس چار سو برس کی عبادت سے افضل ہے''۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔

''اے کاش! میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمت میں ہوتا''۔ (نوادر القلیوبی)

Scanned with CamScanner

(100)

جو دِلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

یہ انسان کی طبیعت فطرت اور نفسیات ہے کہ جب کوئی آدمی اس پر بے لوث احسان کرتا ہے تو اس کے ساتھ بھلائی کرتا ہے' پیار محبت' شفقت' نرمی اور اخلاق سے اس کے ساتھ پیش آتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی سنگ دل ہو' سخت مزاج ہو' ناراض ہو' بالآخر اپنے محسن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے اسی انسانی فطرت پر عربی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے:

الانسان عبدالاحسان ۔ ''انسان' احسان اور نیکی کا (زرخرید) بندہ ہے''۔

کوئی آدمی اپنے زور سے طاقت سے اقتدار سے تلوار سے کسی کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتا اس کی تلوار اور جبر کسی کی گردن اور جسم کو تو جھکا سکتے ہیں مگر اس کے دل کو نہیں جھکا سکتے۔ صرف پیار' نرمی اور حسنِ خلق ہی کسی کو آپ کے قریب لا سکتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ یوں کیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (سورہ آل عمران:۱۵۹)

''پس یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو' سخت طبع اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے اردگرد سے منتشر ہو گئے ہوتے''۔

ایک دوسرے مقام پر اسی انسانی نفسیات کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا

الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (سورۂ حم السجدہ:۳۴)

''اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی' آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے تو پھر یہ ہو گا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے' وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دِلی دوست ہوتا ہے''۔

یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

صوفیائے کرام کے پاس سب سے بڑا طاقت ور اور مؤثر ہتھیار یہی تیغ اخلاق تھی' یہی نرمی تھی' یہی خود غرضی سے پاک مخلوقِ خدا کی محبت تھی' یہی ہمدردی تھی' ہر ایک کے لیے دل سوزی اور غم خواری تھی جس کے ذریعے وہ لوگوں کے دِلوں کو مسخر اور متاثر کرتے گئے ان کے دِلوں میں نیکی کا بیج بوتے گئے اور اس طرح اپنے حسنِ اخلاق سے اشاعتِ اسلام' تقویٰ' توبہ' رجوع الی اللہ اور نیکی کی ترویج میں وہ خدمات سرانجام دیں کہ بڑے بڑے خلفاء بھی وسائل کے باوجود ایسی دینی خدمات سرانجام نہ دے سکے

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

تاریخ گواہ ہے کہ یہ کام نہ علماء سے ہو سکا' نہ متکلمین سے' نہ معتزلہ سے' نہ حکماء سے' نہ فقہاء سے۔ یہ کام اگر ہو سکا تو ان بوریہ نشینوں' گدڑی پوشوں اور نفوسِ قدسیہ سے جن کو صوفیاء اسلام کہا جاتا ہے اور جن کا نام آج بھی لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دِلوں میں عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ان شاء اللہ آپ آگے پڑھیں گے کہ ایک موقع پر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ نے جب انہیں دہلی سے مستقل طور پر اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو خواجہ غریب نواز سے اس فیصلہ پر نظرثانی کی درخواست کرنے کے لیے ساری دِلی اُمڈ آئی۔ ہزار ہا مرد' عورتیں' بوڑھے اور بچے گریہ وزاری کرتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے شہر پناہ سے باہر تک نکل آئے اس ہجوم میں بوڑھا بادشاہ التتمش بھی موجود تھا۔ سب کی یہ حالت دیکھ کر حضرت خواجہ بزرگ نے قطب صاحب کو اپنے ساتھ لے

Scanned with CamScanner

جانے کا ارادہ فسخ کر دیا۔

اسی واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بزرگ خانقاہوں میں بیٹھ کر محض انفرادی نجات کے حصول کی کوشش نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے اپنے عہد کے سماجی مسائل سے خود کو بہت گہرائی تک وابستہ کر لیا تھا۔ انہوں نے ملوک وسلاطین اور سرکار دربار کو کبھی منہ نہیں لگایا' نہ کبھی دنیا کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اگر وہ آئی تو اسے جمع کر کے نہیں رکھا اس طرح اپنی عملی زندگی سے یہ ثابت کر دیا کہ فقر بھی ایک عظیم دولت وسلطنت ہے۔ وہ غریبوں' مسکینوں' درماندہ حال اور پسماندہ طبقے کے انسانوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ رسولِ مقبول ﷺ کی سچی متابعت کرتے تھے۔ نبی پاک ﷺ کی طرح ان کی بھی یہ دعا ہوتی تھی:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ ۔ (جامع ترمذی ص ۳۴۰ طبع نور محمد کراچی)

''بارالٰہا! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھنا' مسکینی کی حالت میں وفات دینا اور مساکین کے زمرہ میں میرا حشر فرمانا''۔

غریبوں اور مسکینوں سے سچی محبت اور ہمدردی کی مثال اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنی زندگی اور موت اور حشر ونشر بھی ان کے ساتھ طلب کیا جائے۔ آج کوئی دنیادار یا نام نہاد صوفی ایسی دعا مانگ کر تو دیکھے یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین بزرگوں کی خانقاہوں میں ہمیشہ مفلسوں اور مسکینوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔

صوفیائے کرام جنہوں نے دِلوں کی دنیا میں اپنی روحانی حکومت قائم کر رکھی تھی' وہ خود کو عوام اور مساکین کے طبقے ہی سے متعلق سمجھتے تھے اور ان کے مسائل میں براہِ راست اور سچی دلچسپی لیتے تھے' ان کی خانقاہوں میں جو غریب' نادار' مصیبت زدہ اور مظلوم انسان آتے تھے ان کی ڈھارس بندھتی تھی اور ان کے زخموں پر مرہم لگتا تھا اس لیے عوام پر صوفیائے کرام کا اثر امراء اور بادشاہوں سے کہیں زیادہ تھا۔

یوں تو سبھی سلسلوں کے صوفیاء نے عوام میں مقبولیت حاصل کی ہے اور اپنے حسنِ

اخلاق سے لوگوں کے قلوب مسخر کیے ہیں لیکن خاص طور پر صوفیائے چشت نے جس طرح عام انسانوں کے دِلوں کو جیتا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ چشتیوں کے سرخیل سلطان الہند خواجہ اجمیری آج بھی ''غریب نواز'' کہلاتے ہیں۔ کفرستان ہند میں اپنے حسنِ اخلاق' حسنِ عمل' دل سوزی اور غم خواری کا ایسا نمونہ پیش فرمایا: لوگ کھنچے چلے آئے اور جیسا کہ مشہور ہے کہ ۹۹ لاکھ آدمیوں کو براہِ راست کلمہ پڑھایا۔

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

جناب غلام دستگیر خان بے خود نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے:

''انہی اخلاق' محبت' ہمدردی اور سچائی سے ہمیشہ دنیا فتح کی گئی ہے' لوہے اور فولاد کی تلوار سے نہیں جیسا کہ بعض متعصب اور جاہل کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔

آپ بدن پر جبر کر سکتے ہیں مگر جبر سے دل کو درست نہیں کر سکتے اس کی درستی کے لیے تلوار سے نہیں بلکہ دل کی محبت سے کام لینا پڑے گا اگر قلبی محبت' ہمدردی' شفقت علی الخلق اور خیر خواہی کا جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو پندرہ بیس سال میں ایک وسیع اور عظیم الشان سلطنت (ریاست مدینہ منورہ) کبھی قائم نہ ہوتی اور ہوتی بھی تو دو چار سال کے اندر فنا ہو جاتی۔ خود ہندوستان میں دیکھ لیں جس قدر یہ ملک' خواجہ بزرگ حضرت سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ' حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیاء کے پاک نفوس کی برکت سے فتح ہوا' اس قدر تلوار سے نہیں ہوا۔ سفرنامہ ابن بطوطہ دیکھیں ہر جگہ ہر ایک مندر میں ایک نہ ایک صوفی مسلمان لباس تبدیل کر کے چپکے چپکے اشاعتِ اسلام کا کام کر رہا تھا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ دیکھیں اس وقت مکہ میں لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ بلند کرنا گویا مصائب وتکالیف کے طوفان کو دعوت دینا تھا جس وقت رسولِ خدا ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو طرح طرح کی ایذائیں دی جاتی تھیں اس وقت وہ کون سی فولاد کی تلوار تھی جس کے خوف سے تھوڑے ہی عرصے میں ایک سو کے قریب مسلمان ہوئے' نہ کوئی تلوار تھی نہ مال تھا' صرف اسلامی تعلیم کی سادگی

اور سچائی تھی جس سے خود بخود ایسے سرکش لوگ شمع رسالت کے پروانے بنے۔ مدینہ کون سی شمشیر آبدار سے فتح کیا گیا؟ غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ صرف اخلاق سے۔ گویا اخلاق سے اشاعتِ اسلام ہوئی اور اخلاق کے گر جانے سے خود مسلمان ہی گر گئے۔ ہلاکو خان نے مسلمانوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن پھر خود اسی اخلاق اسلامی کی تلوار سے بسمل ہو کر مسلمان ہوا' پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے"

خیر کہنے کا مدعا یہ ہے کہ تلوار سے ہاتھ پاؤں ست کیے جا سکتے ہیں' زبان خاموش کی جا سکتی ہے' آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں' کانوں میں روئی ٹھونسی جا سکتی ہے مگر دل جو منبع انکار و اقرار اور معدن محبت و غم ہے' کبھی بھی جبر سے سیدھا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تو صرف محبت سے جو خود غرضی سے مبرا ہو' فتح کیا جا سکتا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان خود دل بن گیا ہو:

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ہم صرف زبانی اخلاق سے لوگوں کو سدھارنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ اس میں خلوص' نیک نیتی اور عملی ہمدردی نہیں ہوتی۔ (محبوب سیال تذکرہ خواجہ محمد دین سیالوی ۱۱-۱۲)

خلق جس کا بلند ہوتا ہے

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی اشاعت اور توسیع ہمیشہ اخلاق ہی کے ذریعے ممکن ہوئی اس حقیقت کو شاہ قاسم جہانگیری صاحب نے بڑے عمدہ پیرائے اور خوب صورت الفاظ میں بیان کیا ہے' لکھتے ہیں:

''آپ ماضی کے آئینہ میں جھانک کر دیکھیے' عمر رفتہ کو آواز دیجیے' گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالیے تو آپ محسوس کریں گے کہ قریہ قریہ' گاؤں گاؤں' شہر شہر اور ملک ملک اسلام کی توسیع اخلاق ہی کا کارنامہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اسی ہتھیار سے غیروں کے دلوں میں جگہ پیدا کی' دشمنوں کے دلوں میں گنجائش

نکالی گئی' مخالفوں کے منہ بند کیے' معترضوں کی ہوا اکھاڑ دی' غیر مسلموں کے دلوں کو رام کیا' آج بھی زمانہ ان کے گیت گاتا ہے۔

مزید برآں جب ہم ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اولیائے کرام نے بھی حسنِ اخلاق سے غیر مسلموں کے دل جیت لیے۔ انہی خرقہ پوشوں نے انہیں طاغوتی قوتوں' دیوتاؤں اور دیویوں کے چنگل سے چھڑا کر ایک اللہ کی بارگاہ میں سربسجود کر دیا۔ ان میں اسلام کی وہ روح پھونکی کہ وہ خود اپنے اپنے دور میں روشنی کا مینار بن کے چمکے۔ آج ہر طرف جو مسلمان نظر آرہے ہیں یہ انہی کے مکارمِ اخلاق کا نتیجہ ہے۔ ہم ذرا بات کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کریں کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اللہ کے ان ولیوں کی بارگاہِ اقدس میں ہر قوم ملت اور مذہب سے تعلق رکھنے والے سربسجود نظر آتے ہیں' ان کے گیت الاپتے ہیں' ان کے نغمے گاتے ہیں اور اس طرح انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کا مسلمان یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ اولیائے کرام نے اپنے حسنِ اخلاق سے اسلام پھیلایا اور اسلام کی پناہ میں آنے والوں کے دلوں پر وہ اخلاقی نقوش چھوڑے کہ آج بھی ان کے دل کی دھڑکنوں سے انہی کی آواز آتی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایسے اخلاق کا آئینہ دار ہوں اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ایسے ہی نادر لوگوں کی صحبت کیمیا اثر میں بیٹھ کر حسنِ اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے ہیں۔

خلق جس کا بلند ہوتا ہے
وہ خدا کو پسند ہوتا ہے
پستیوں میں پڑا ہوا انساں
خلق سے سربلند ہوتا ہے

(ماہنامہ فاران کراچی جنوری ۱۹۸۹ء)

Scanned with CamScanner

(101)

برکاتِ استغفار

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو آپ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک ملازم نے عرض کیا:

''اے شہزادۂ رسول! میں بہت دولت مند آدمی ہوں لیکن میرے کوئی اولاد نہیں ہے' آپ مجھے کوئی ایسا عمل تعلیم فرمائیے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے''۔ آپ نے فرمایا: ''تم استغفار کیا کرو''۔

اس شخص نے استغفار کی یہاں تک کہ کثرت کی کہ روزانہ سات سو مرتبہ استغفار کرنے لگا اس عمل کی برکت سے اس شخص کے مختلف بیویوں سے دس بیٹے ہوئے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس شخص سے فرمایا:

''تم نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے یہ کیوں نہیں دریافت کیا کہ یہ عمل حضور نے کہاں سے دریافت فرمایا؟''

چنانچہ جب دوسری مرتبہ اس شخص کو حضرت امام ممدوح کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو اس نے یہ سوال دریافت کیا؟ حضرت امام نے ارشاد فرمایا:

''تم نے قرآن مجید میں حضرت ہود علیہ السلام کا یہ قول سنا:

يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (ہود)

''اے میری قوم! تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف رجوع ہو جاؤ تو وہ تم پر زوردار بارش بھیجے گا اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے زیادہ دے

گا''۔

اور تم نے قرآنِ کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد نہیں سنا؟

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ (نوح)

''تم لوگ اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تم پر زوردار بارش بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا''۔

(روح البیان ۴ص ۱۴۷)

☆......منقول ہے کہ ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چار شخص حاضر ہوئے' ایک نے قحط کی شکایت کی۔ دوسرے نے کہا: میں محتاجی سے تنگ ہوں۔ تیسرے نے کہا: میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ چوتھے نے عرض کیا: میری زمین کھیتی اور باغ نہیں اُگاتی۔ چاروں کی فریاد سن کر امام ممدوح نے فرمایا: تم لوگ استغفار کیا کرو۔ ربیع بن صبیح حاضرِ خدمت تھے' انہوں نے عرض کیا: یا ابن رسول اللہ! لوگ مختلف قسم کی حاجتیں لے کر آئے ہیں اور حضور نے سب کو ایک ہی دعا تعلیم فرمائی۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت امام نے فرمایا: قرآنِ کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

''تم لوگ اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ معاف فرمانے والا ہے وہ تم پر زوردار بارش بھیجے گا اور مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغ اور نہریں تیار فرمادے گا''۔

ربیع بن صبیح! دیکھ لو اس آیت میں استغفار کے یہ چاروں فائدے بیان کیے گئے ہیں۔ بارش ہونا' مال ملنا' اولاد ہونا اور باغ اُگنا یہی چاروں کی حاجتیں تھیں اس لیے میں نے چاروں کو استغفار کا ایک ہی عمل تعلیم کر دیا۔ (تفسیر صاوی ج ۲ ص ۲۵۰)

Scanned with CamScanner

مذکورہ بالا دونوں حکایت سے حضرت امام حسن مجتبیٰ کی ایمان افروز دانائی بے مثال قرآن فہمی اور مجتہدانہ شان کا اعلان ہوتا ہے کیوں نہ ہو کہ جس گھر میں قرآن نازل ہوا اور جو صاحبِ قرآن کی آغوش میں پلا بڑھا ہو اس سے زیادہ قرآن کے رموز و اسرار کون جان سکتا ہے؟ مثل مشہور ہے کہ صاحب البیت ادری بما فی البیت یعنی گھر والا ہی سب سے زیادہ اس بات کو جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے؟ سبحان اللہ!

ختم نبوت شاہ زمن پر، ختم خلافت ذات حسن پر
دونوں مصحف حق کے خاتم ﷺ

(102)

امتیازاتِ مصطفیٰ ﷺ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ ۔

''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں''۔

(۱) **نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ** ۔

''ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب و دبدبے کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے''۔

(۲) **وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُهُوْرًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِيْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ** ۔

''زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے لہٰذا میری اُمت کے کسی بھی شخص کو نماز کا وقت آ لے تو وہ نماز پڑھ لے''۔

(۳) **وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ** ۔

''میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا''۔

(۴) **وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ** ۔ ''مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے''۔

(۵) **وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً** ۔

''پچھلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے جب کہ مجھے تمام کائنات کے رسول بنایا گیا ہے''۔ (بخاری ۳۳۵، مسلم ۵۲۱)

(103)

ایک لاکھ درہم میں جنت کا محل

حضرت سیّدنا جعفر بن سلیمان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں حضرت سیّدنا مالک بن دینار علیہ الرحمہ کے ساتھ جا رہا تھا' ایک جگہ ایک عظیم الشان محل کی تعمیر جاری تھی۔ ایک حسین و جمیل نوجوان مزدوروں' معماروں کو تعمیر سے متعلق حکم دے رہا تھا۔ حضرت سیّدنا مالک بن دینار علیہ الرحمہ نے مجھ سے فرمایا:

''اے جعفر! (رحمۃ اللہ علیہ) دیکھو تو سہی یہ نوجوان اس محل کی تعمیر میں کتنی دلچسپی لے رہا ہے۔ میں اپنے پاک پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ اسے دنیوی محبت سے چھٹکارا عطا فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ میرا مولیٰ اس نوجوان کو جنتی نوجوانوں کی صف میں شامل فرمائے گا۔ آؤ! ہم اسے نیکی کی دعوت دیتے ہیں''۔

ہم نوجوان کے پاس آئے اور سلام کیا اس نے بیٹھے بیٹھے ہی سلام کا جواب دیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے سامنے ایک ولی کامل کھڑا ہے جب لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت سیّدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو وہ فوراً کھڑا ہوا اور بڑے مؤدبانہ انداز میں عرض گزار ہوا: ''حضور! آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟''

فرمایا: ''اے نوجوان! تیرا اس محل کی تعمیر پر کتنی رقم خرچ کرنے کا ارادہ ہے؟''

کہا: ''ایک لاکھ درہم''۔

فرمایا: ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ایک لاکھ درہم مجھے دے دو میں یہ تمام رقم اس کے حق داروں' یتیموں اور مساکین میں تقسیم کر دوں اور اس کے بدلے ایک ایسے محل کا ضامن بن جاؤں جس میں بہترین خدمت گزار' سرخ یاقوت کے قبے اور عمدہ قمقمے ہوں گے' وہاں کی مٹی زعفران کی اور فرش مشک کا ہوگا' وہ محل تیرے اس محل سے بہت زیادہ وسیع و عالی ہوگا اس کے در و دیوار میلے نہ ہوں گے' اسے معماروں اور مزدوروں نے نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اور وہ محل بن گیا' بتاؤ تمہیں یہ سودا منظور ہے؟'' نوجوان نے کہا:

''آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک رات کی مہلت دے دیں' کل صبح میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں نے کیا فیصلہ کیا''۔ حضرت سیّدنا جعفر بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وہ رات حضرت سیّدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی بے چینی کے عالم میں گزاری۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ساری رات اسی نوجوان کے بارے میں سوچتے رہے' تہجد کے وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہِ خداوندی میں اس نوجوان کے لیے خوب دعا کی۔ فجر کی نماز کے بعد ہم دوبارہ اس کے پاس گئے' وہ ہمارا منتظر تھا جیسے ہی اس کی نظر حضرت سیّدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی وہ انتہائی خوشی کے عالم میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لپکا اور بڑی گرم جوشی سے ملاقات کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اے نوجوان! تو نے کیا فیصلہ کیا؟''

اس نے ایک لاکھ درہم آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

''مجھے جنتی محل کا سودا منظور ہے' آپ مجھے ضمانت نامہ لکھ دیجیے''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قلم' دوات منگوا کر ایک کاغذ پر یہ الفاظ لکھے:

''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ ضمانت نامہ اس بات کا ہے کہ مالک بن دینار نے فلاں بن فلاں سے یہ اقرار کیا کہ بے شک میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس محل کے

Scanned with CamScanner

بدلے ایک ایسا محل عطا فرمائے گا جو اس سے بدرجہا بہتر ہوگا اور اس کی یہ یہ صفات ہوں گی۔ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے تیرے لیے اس مال کے ذریعے جنت میں ایک محل خریدا ہے جو عرش کے قریب ہے''۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کاغذ نوجوان کو دیا اور شام سے پہلے پہلے تمام مال فقراء و مساکین میں تقسیم فرمادیا۔ واقعہ کے چالیس دن بعد آپ کو مسجد کے محراب میں ایک پرچہ ملا' دیکھا تو بڑے حیران ہوئے کیونکہ یہ وہی پرچہ تھا جو اس نوجوان کو لکھ کر دیا تھا اس کی دوسری طرف بغیر روشنائی کے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے:

''یہ برأت نامہ خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے مالک بن دینار کے لیے ہے۔ بے شک ہم نے اس نوجوان کو وہ تمام چیزیں دے دی ہیں جن کا مالک دینار نے اس سے اقرار کیا تھا بلکہ ہم نے اس سے ستر گنا زیادہ دیا''۔

ہم وہ رقعہ لے کر اس نوجوان کے گھر گئے تو وہاں سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے نوجوان کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ کل اس نوجوان کا انتقال ہوگیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کی موت کی خبر سن کر بہت غمگین ہوئے پھر غسال کو بلا کر پوچھا: ''کیا تو نے اس نوجوان کو غسل دیا؟''

کہا: ''ہاں!'' فرمایا: ''نوجوان کی موت کا پورا واقعہ بیان کرو''۔

کہا: ''مرنے سے پہلے اس نوجوان نے مجھ سے کہا تھا کہ جب میں مرجاؤں اور غسل کے بعد مجھے کفن دینے لگیں تو یہ پرچہ میرے بدن اور کفن کے درمیان رکھ دینا' میں کل بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے وہ چیز طلب کروں گا جس کی ضمانت حضرت سیّدنا مالک بن دینار علیہ الرحمہ نے مجھے دی تھی''۔ میں نے حسبِ وصیت پرچہ اس کے کفن میں رکھ دیا' غسال کی یہ بات سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پرچہ نکالا اور غسال کو دکھایا' وہ پکار اٹھا:

''یہ وہی پرچہ ہے' قسم ہے اس پاک پروردگار کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' میں نے خود اپنے ہاتھوں سے یہ پرچہ اس نوجوان کے کفن میں

رکھا تھا''۔

یہ سن کر حضرت سیّدنا مالک بن دینار علیہ رحمۃ اللہ زار و قطار رونے لگے۔ لوگ بھی رونے لگے۔ اتنے میں ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہا:

''اے مالک بن دینار علیہ الرحمہ! آپ مجھ سے دو لاکھ درہم لے لیں اور اس نوجوان کی طرح مجھے بھی ضمانت نامہ لکھ دیں''۔

فرمایا: ''افسوس! اب وہ وقت گزر چکا اب جو ہونا تھا وہ ہوگیا' اللہ رب العزت جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں فیصلہ فرماتا ہے''۔

حضرت سیّدنا جعفر بن سلیمان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حضرت سیّدنا مالک بن دینار علیہ کو جب بھی اس نوجوان کا واقعہ یاد آتا آپ رحمۃ اللہ علیہ زار و قطار رونے لگتے اور اس کے لیے دعا فرماتے''۔

(عیون الحکایات)

Scanned with CamScanner

(104)

اُمتِ محمدیہ پہ انعامات

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں محاکمہ اور فیصلہ کرنا آگ کے واسطے تھا پس جو شخص حق پر ہوتا وہ اپنا ہاتھ آگ میں داخل کرتا تو آگ اس کو نہ جلاتی تھی اور جو شخص ناحق پر ہوتا وہ اپنا ہاتھ آگ میں داخل کرتا تو اس کو جلا دیتی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں لاٹھی سے فیصلہ ہوتا تھا وہ صاحبِ حق اور راستباز کے واسطے ٹھہری رہتی تھی اور جھوٹے مدعی کو مارتی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں فیصلہ والی ہوا تھی۔ پس وہ سچے کے واسطے ٹھہری رہتی تھی اور جھوٹے کو زمین سے اوپر اُٹھا لیتی تھی اور اس کو زمین پر دے مارتی تھی۔ حضرت ذوالقرنین کے زمانہ میں فیصلہ کرنا پانی کے واسطے تھا جب سچا اس پر بیٹھتا تھا تو وہ جم جاتا تھا اور جب جھوٹا بیٹھتا تو وہ پگھل جاتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں فیصلہ لٹکی ہوئی زنجیر کے ساتھ تھا۔ سچے کا ہاتھ اس پر پہنچتا تھا جھوٹے کا نہیں لیکن محمد ﷺ کے عہد مبارک میں فیصلہ فریقین کے واسطے اقرار یا گواہ قائم کرنے کے ساتھ تھا۔ (یعنی مدعا علیہ دعوے کا اقرار کرے یا مدعی دعوے پر گواہ لائے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔ (البقرہ)

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ دشواری نہیں چاہتا ہے''۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بے شک یسر جنت کا ایک نام ہے اس لیے کہ اس میں تمام آسانیاں ہیں اور عسر دوزخ کا ایک نام ہے اس لیے کہ اس میں تمام عسر (دشواری) ہیں اور اس کے علاوہ ان کی تفسیر میں اور اقوال بھی ہیں۔

☆...... سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں تین سال مقیم رہا۔ اہلِ مکہ میں ایک شخص تھا جو ہر روز دوپہر کے وقت مسجد حرام میں آتا تھا۔ پس طواف کرتا تھا اور دو رکعت نماز پڑھتا تھا پھر مجھ کو سلام کرتا تھا اس کے بعد گھر واپس جاتا تھا۔ چنانچہ اس سے مجھے محبت اور اُلفت ہوگئی اور میں اس کے پاس آنے جانے لگا وہ بیمار ہوگیا تو اس نے مجھے بلایا اور مجھ سے کہا: جب میں مرجاؤں تو آپ بذاتِ خود مجھے غسل دیجیے۔ میری نمازِ جنازہ پڑھیے اور مجھے دفن کیجیے اس رات مجھے میری قبر میں تنہا نہ چھوڑیے اور منکر نکیر کے سوالات کے وقت مجھے توحید تلقین کیجیے میں اس کا ضامن ہوگیا۔ چنانچہ جب وہ مرگیا تو جو کچھ اس نے مجھے حکم دیا تھا وہ سب میں نے کیا اور اس کی قبر کے پاس سویا۔ میں کچھ خواب اور کچھ بے داری کی حالت میں تھا کہ میں نے ہاتفِ غیبی کی ندا سنی:

''اے سفیان رحمۃ اللہ علیہ! نہ تو تیری تلقین کی اس کو حاجت ہے اور نہ تیری موانست کی اس کو ضرورت ہے اس لیے کہ ہم نے خود اس سے اُنس کیا اور اس کو تلقین کی''۔

میں نے کہا: ''اس تلقین کی کیا وجہ ہے؟'' آواز آئی:

''اس کی وجہ اس کے ماہِ رمضان کے روزے اور ان کے بعد ہی شوال کے چھ روزے یعنی رمضان اور شش عید کے روزوں کی برکت سے اس کو یہ مرتبہ حاصل ہوا اس کے بعد میں خواب سے بے دار ہوا تو کسی کو نہ دیکھا۔ پھر میں نے وضو کیا' نماز پڑھی اور سوگیا۔ پس پہلی طرح دیکھا اور ایسا ہی تین مرتبہ ہوا اس کے بعد میں نے پہچانا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ شیطان کی طرف سے نہیں اس کے بعد میں اس کی قبر سے واپس آیا اور کہا:

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنِيْ لِصِيَامِ ذٰلِكَ بِمَنِّكَ وَكَرَمِكَ ۔

''میرے معبود! اپنے احسان و کرم سے مجھے بھی ان روزوں کی توفیق عطا فرما۔ آمین!'' (نوادر القلیوبی)

Scanned with CamScanner

(105)

اشاعتِ اسلام اور اولیاء کرام

خلفائے راشدین کے بعد اسلام کے عام خلفاء اور شہنشاہوں کے مقابلے میں اشاعتِ اسلام میں ان صوفیاء کا کردار کیا ہے اس کو عبدالغفور غوری اور خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں پڑھیے:

''صوفیائے کرام مسلمانوں کی سیاست اور سماج کو خاص اسلامی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بزرگوں کے اس رویہ سے ملتِ اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہنچا اگر یہ باطنی اصلاح وتربیت تزکیہ نفس اور عبادت پر توجہ نہ دِلاتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے زمانہ میں ان بزرگوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دِکھایا کہ اسلام صرف ملک اور ملک رانی کا نام نہیں بلکہ یہ اصلاح وتربیت کا ایک مکمل نظام ہے۔ انسان کو ارتقائے روحانی کا راستہ دِکھاتا ہے اگر دورِ اوّل سے ان بزرگوں کے حالات کو حذف کر دیا جائے تو مسلمانوں کی تاریخ ملک گیری اور جہاں بانی کی داستان بن کر رہ جائے گی۔ واقعات شاہد ہیں کہ اسلام کی تعلیم اور اثرات اموی اور عباسی خلفاء کے ذریعہ نہیں بلکہ ان ہی بزرگوں کے ذریعے پھیلے ہیں۔ خلفاء کا نہ عوام سے کبھی براہِ راست تعلق رہا' نہ ان کی زندگی میں کبھی کوئی دینی کشش پیدا ہوئی۔ وہ اسلامی طرزِ زندگی کے آئینہ دار نہ تھے اس لیے اسلام کی ترویج اور بقاء کا سبب بھی نہ بن سکے۔ اسلام کے دینی نظام کو زندہ رکھنے اور پھیلانے کا کام ان ہی بزرگوں نے انجام دیا اور ان کی بے تعلقی نے خلفاء کو ہمیشہ اس

بات کا احساس دِلایا کہ حکومت غلط راستہ پر جا رہی ہے۔ ان بزرگوں کی بے تعلقی کے اس ردِعمل کے علاوہ ان بزرگوں نے موقع بہ موقع خلفاء کو ان کے اعمال وافعال پر متنبہ بھی کیا' انہیں ڈرایا اور دھمکایا بھی جو شخص اللہ کی ربوبیت پر ایمان کامل رکھتا ہے' وہ دنیا کی طاقتوں کے سامنے بڑا بے باک اور حق گو ہوتا ہے۔

اگر ہمارے مذہبی تذکرے اور تاریخی کتابیں کسی حد تک بھی قابلِ اعتبار ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کو معتبر نہ سمجھا جائے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے کہ انہیں بزرگوں نے مسلمان فرماں رواؤں کو اسلام کے احکام کو مکمل طور پر فراموش کر دینے سے روکے رکھا جو اپنی طاقت وسطوت کے غرور میں یہ بھول گئے تھے کہ ان سے بھی بالاتر کوئی موجود ہے جو ان سے بھی ان کے اعمال کا حساب لے گا۔ ان بزرگوں نے انہیں ہر موقع پر اس کی یاد دہانی کرائی اور ایسے مواقع پر بھی نہ چوکے جب خلفاء اپنے خوشامدیوں کے غول میں بیٹھے دادِ عیش دیا کرتے تھے اور کسی کو وہاں جرأت نہ ہوتی تھی کہ خلیفہ کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہہ سکے' وقت کے ناخداؤں کے خلاف آوازِ حق جب بھی اُٹھی تو انہیں فقیروں کے شکستہ جھونپڑوں سے''۔

(اسلام کی زندہ تحریک چشتیت ص ۵۲-۵۳ از عبدالغفور غوری' مطبوعہ بارگاہ ادب اکبر روڈ' کراچی نمبر ۱۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۷۸-۷۹)

جہانے را دگرگوں کرد یک مردے خود آگاہے

☆......سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری کی تشریف آوری سے ہندوستان میں کس طرح انقلاب آیا اس کو ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں پڑھیے۔ لکھتے ہیں:

''بہر حال واقعہ کی جو ترتیب ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و

روحانی مرکز اجمیر شریف کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ یہ فیصلہ ان کی اوالوالعزمی عالی ہمتی اور جرأت ایمانی کا ایسا تاب ناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذہب اور فاتحین عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال واخلاص ان کے توکل واعتماد ان کے زہد وقربانی اور ان کے درد وسوز نے ہندوستان کے لیے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سرزمین ہزاروں برس سے صحیح یقین صحیح معرفت سے محروم توحید کی صدا سے ناآشنا تھی وہ علماء واولیاء کی سرزمین اور علومِ اسلامیہ اور کمالاتِ دینیہ کی محافظ وامین بن گئی اور اس کی فضا اذانوں سے' دشت وجبل اللہ اکبر کی صداؤں اور اس کے شہر و دیار قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے ایسے گونجے کے صدیوں سے عالمِ اسلام گوش برآواز ہے۔

جہانے را دگرگوں کرد یک مردے خود آگاہے

ظلمت نور میں بدل گئی

سیر الاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت وبلاغت سے لکھا ہے کہ ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر وشرک کی بستی تھی۔ اہلِ تمرد اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کی صدا لگا رہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے اور اینٹ پتھر درخت جانور گائے وگوبر کو سجدہ کرتے تھے۔ کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے۔ سب دین وشریعت کے حکم سے غافل خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے' نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی نہ کسی نے کبھی اللہ اکبر کی صدا سنی۔

''بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہلِ یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن ومنور گشت''

آفتاب اہلِ یقین حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نورِ اسلام سے منور ہو گئی۔ ان کی کوشش وتاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے' وہاں مسجد ومحراب ومنبر نظر آنے لگے جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرہ

اللہ اکبر سے گونجنے لگی اس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد در اولاد' نسل در نسل سب ان کے نامۂ اعمال میں ہوں گے' اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرہ اسلام وسیع ہوتا رہے گا' قیامت تک اس کا ثواب شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری کی روح کو پہنچتا رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

(تاریخ دعوت وعزیمت حصہ سوم ۲۹۔۲۸۔۲۷ بحوالہ سیر الاولیاء ص ۴۷)

ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی اور اسلامی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دھوتی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا' پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی بھی افطار میں میسر نہ آتی لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے' معصیت کے سوتے اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔ رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے:

''نظر شیخ معین الدین بر ہر فاسقے کہ افتادے در زماں تائب شدے باز گرد معصیت نگشتے''۔ (تاریخ مشائخ چشت:۲۲)

ہندوستان کی سرزمین میں توحید' اسلام' ایمان اور شریعت کا یہ پودا جو حضرت غریب نواز نے بڑی محبت اور اخلاص سے لگایا تھا اس کی آب یاری ان کے محبوب خلیفہ حضرت قطب صاحب نے کی اور حضرت باوا صاحب (خلیفہ حضرت قطب صاحب) کے عہد میں وہ ایک چھتنار درخت بن گیا جس کے سائے میں خلقِ خدا کو راحت ملی پھر حضرت محبوب الٰہی کے زمانے میں اس کے پھل ہی عام لوگوں تک نہیں پہنچے بلکہ اس کی قلمیں بھی دُور دُور تک لگ گئیں جن کا فیض آج تک ہم سب کو پہنچ رہا ہے۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا فیض عام

☆...... ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے فیضِ عام کا ایک دوسرا ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو: ''ص ۱۸۹۔۱۸۸ طبع نول کشور ۱۳۰۲ء فوائد الفواد میں ہے:

اوچ شریف اور ملتان کے لوگ تو بڑی کثرت سے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ایک مرتبہ ناصر الدین محمود کا لشکر اجودھن سے گزرا تو لشکریوں

نے جس عقیدت کا اظہار کیا وہ شیخ نظام الدین اولیاء کی زبانی سننے کے قابل ہے:

"جن دنوں سلطان ناصر الدین اوچہ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اجودھن پہنچ کر سارا لشکر شیخ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ شیخ اتنا انبوہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ کی آستین گلی کی طرف لٹکائی گئی' لوگ آ کر بوسہ دیتے اور چلے جاتے۔ وہ آستین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی پھر مسجد میں آ کر مریدوں کو حکم دیا کہ میرے گرداگرد حلقہ باندھ لو تا کہ لوگ اندر نہ آسکیں اور دُور ہی سے سلام کر کے چلے جائیں۔ مریدوں نے ویسا ہی کیا۔ ایک بوڑھا فراش آ کر مریدوں کے حلقہ سے گزرا' شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک بوسہ دینے کے لیے کھینچا۔ شیخ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی اس فراش نے کہا شیخ الشائخ حضرت شیخ فریدالدین آپ کیوں تنگ آتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اس سے بھی اچھا شکر ادا کرو جب فراش نے یہ کہا تو شیخ نے نعرہ مارا' فراش کے حال پر نوازش فرمائی اور اس سے معافی مانگی"۔ (فوائد الفوادص ۱۴۵۔۱۴۶)

حضرت بابا صاحب کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی تھی کہ ہر وقت عقیدت مند پروانوں کی طرح سے ان کے گرد جمع رہتے تھے۔ آدھی رات تک ان کی خانقاہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ ہر قسم کے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے:

"بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین از ہر جنس درویش وغیر آں برسیدے"۔

(فوائد الفوادص ۵)

ہندو جو لوگ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے بابا صاحب ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ امیر و غریب کا ان کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا' ہر نئے آنے والے سے اس طرح ملتے تھے گویا برسوں کی آشنائی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفرستان ہند میں آخر عام لوگ بالخصوص غریب اقوام کے لوگ

کیوں صوفیاء کی طرف کھنچے چلے آئے اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہوگئے؟ صوفیاء کے پاس کون سی ایسی مقناطیسی قوت تھی جو جدی پشتی کفار کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی؟ ظاہر ہے اس میں کوئی مالی مفاد نہ تھا۔ صوفیاء کی طرف سے انہیں کوئی چتمہ نہیں دیا جا رہا تھا' کوئی سبز باغ نہیں دِکھائے جا رہے تھے' کوئی خوش کن جذباتی نعرہ نہ تھا' کسی قسم کے دنیوی انعام واکرام پلاٹ و لائسنس کا لالچ نہیں دیا جا رہا تھا اور نہ ہی کوئی پُرکشش اور پُرفریب وعدہ تھا جس کی وجہ سے لوگ کشاں کشاں اسلام کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے۔ دراصل غرباء اور مساکین اور چھوٹے لوگوں کو اسلام اور صوفیاء کی طرف لانے میں اسلام کی حقانیت اور صداقت کے علاوہ جو وجوہات اور محرکات کارفرما تھے' ان میں دو چیزیں بڑی نمایاں اور انسانی طبیعت و فطرت کے عین مطابق نظر آتی ہیں۔

پہلی وجہ

۱) ایک تو اسلام کی وہ ازلی بنیادی تعلیمات تھیں جن میں سارے انسانوں کو بحیثیت انسان برابر کا محترم ومکرم قرار دیا گیا۔ اسلام کسی ذات پات اور طبقاتی تقسیم مثلاً برہمن' کھتری' شودر کی تقسیم کا روادار نہیں اس میں کسی منصب' امارت' دولت مندی اور ذات برادری کو وجہ فضیلت نہیں بنایا گیا یہاں کوئی آدمی محض اس لیے قابلِ احترام نہیں کہ وہ کسی بڑے خاندان یا اونچی ذات سے تعلق رکھتا ہے یا اس کے پاس دولت کا انبار لگا ہوا ہے اور کوئی غریب و نادار آدمی صرف اس وجہ سے کمتر اور گھٹیا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کے پاس دولت نہیں یا کسی نچلے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے بلکہ یہاں تو ایک بدکردار خاندانی اور امیر و غنی آدمی اپنی دولت کے ڈھیر ہوتے ہوئے بھی اس فقیر و کنگال سے کمتر ہو سکتا ہے جسے اللہ کریم نے قول و فعل کی صداقت اور ایمان و خلوص کے خزانوں سے مالا مال کر رکھا ہو۔ اسلام میں ہر چھوٹے بڑے انسان کی عزتِ نفس اس کی تکریم ذات اس کے انسانی جذبات قلبی احساسات اور اس کی جملہ ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے یہاں کوئی رنگ نسل اور خاندان کا امتیاز نہیں' اسلام میں کسی بھی حکومتی عہدے دار اور منصب دار حتیٰ کہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تک کو کوئی خصوصی استحقاق حاصل نہیں۔ عوام کے مقابلے میں وہ کوئی وی

آئی پی کا درجہ نہیں رکھتا۔ ہندوستان کی سرزمین پر، جہاں غریب شودر لوگوں کو دوسرے درجہ کا انسان گردانا جاتا جن کی کوئی تعظیم، تکریم اور کوئی استحقاق نہ تھا، جنہیں امراء روسا اور وڈیرے لوگ انسان سمجھنے کے لیے بھی تیار نہ تھے جن کے جذبات اور احساسات کو مسلسل کچلا جارہا تھا اور جن کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ وہاں: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۔ (سورہ بنی اسرائیل: ۷۰) ''اور ہم نے تمام بنی آدم کو عزت دی ہے''۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ (سورہ التین: ۴)

''بلاشبہ ہم نے ہر انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا ہے''۔

کے جانفزا خدائی اعلان میں بلا کی کشش اور جاذبیت تھی اس کے ساتھ ہی پیغمبر اسلام کی زبان سے جاری ہونے والا مساواتِ انسانی کا مستقل ضابطہ اور قانون ''الناس کاسنان المشط'' (سارے انسان کنگھی کے دانوں کی طرح برابر ہیں)

(قاضی عیاض: الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۱؍ ۸۷ طبع دوم)

اور المسلمون تتکافاء دماء ھم ویسعی بذمتھم ادناھم ۔ (ایضا)

''تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے اور ادنیٰ مسلمان بھی دوسروں کا ذمہ اُٹھا سکتا ہے''۔

انبیاء کے اولیں پیروکار غرباء بھی تھے

ان کے اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے کا داعیہ بن رہا تھا۔ فقیروں، معاشی دکھوں کے ماروں، پریشان حالوں، مظلوموں، کمزوروں، مجبوروں، غریبوں، مسکینوں، غلاموں اور بڑوں کے ستائے ہوئے لوگوں کے گویا دل کی آواز تھی۔ صوفیاء ان کے قلبی جذبات و احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے یہاں ان کے انسانی جذبات کا پورا پورا احساس کیا جارہا تھا اس لیے ان غریب لوگوں کا اسلام کے دامن میں پناہ لینا ایک فطری امر تھا۔

یہی اسلامی تعلیمات تھیں جو غریب و کمزور لوگوں کو ہمیشہ اسلام اور نبیوں کے قریب لانے کا سب سے بڑا سبب بنیں۔ حضرت نوح علیہ السلام پر پہلے پہل ایمان لانے والے غریب اور کمزور لوگ ہی تھے جنہیں آپ ﷺ کی قوم کے نخوت شعار امراء ''اراذل'' اور

''ارذلون'' کے ہتک آمیز الفاظ اور ناموں سے یاد کرتے تھے۔ (سورہ ہود: ۲۷)

حضرت صالح علیہ السلام پر ابتدا ہی میں ایمان لانے کی سعادت حاصل کرنے والے بھی کمزور لوگ تھے۔ (الاعراف: ۷۵) اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی ماننے والے غریب مچھیرے ہی تھے اور ایک قول کے مطابق دھوبی۔

(تفسیر کبیر: ۷؍ ۶۷ طبع مصر ۱۹۳۸ء، ۱۳۷۵ھ)

اور یہی وہ دینِ اسلام کی احترام آدمیت اور انسانی عظمت و مساوات کی تعلیم تھی جس نے فارس کے سپہ سالار رستم کے دربار میں غریب کمزور اور نچلے طبقے کے لوگوں کو متاثر کیا جس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں فارس (ایران) کے ساتھ جنگ کے دوران ایک مرتبہ معروف صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سفیر بن کر رستم کے دربار میں تشریف لے گئے، دربار کو سفیر اسلام پر رعب ڈالنے کے لیے بڑے اہتمام سے سجایا گیا تھا جس آدمی کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف سما جائے وہ دنیا کی کسی طاقت سے بھلا مرعوب کیوں ہوگا؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بڑے دھڑلے اور بے باکی سے رستم کے ساتھ اس کے مرصع تخت پر بیٹھ گئے۔ درباری چمچوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا یوں رستم کے برابر بیٹھنا رستم کی توہین سمجھا۔ انہوں نے آپ کو نیچے اتار لیا اس موقع پر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بڑے پُرجوش اور مؤثر انداز میں عربوں اور مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی انسانی عظمت اور انسانی مساوات کو بیان کیا۔ درباریوں پر اس تقریر کا ردعمل یہ ہوا:

''فقالت السفلة صدق واللہ العربی، وقالت الدھاقین واللہ لقد رمی بکلام لایزال عبیدنا ینترعون الیه، قاتل اللہ اولینا ماکان احمقھم حین کانوا یصغرون امر ھذہ الامة ۔

(ابن جریر طبری: تاریخ الطبری: ۳: ۵۲۲ طبع مصر ۱۹۶۲ء)

(نیچے کے لوگوں نے کہا، خدا کی قسم! اس عربی نے سچ بات کہی ہے۔ سرداروں نے کہا، قسم بخدا! اس آدمی (حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ) نے ایسی بات پھینکی ہے کہ ہمارے سب غلام اس کی طرف کھنچے چلے جائیں گے۔ خدا ہمارے پہلوں کو

Scanned with CamScanner

غارت کرے، وہ کس قدر احمق تھے۔)

دوسری وجہ

غریب، کمزور اور نچلے درجے کے تصور کیے گئے لوگوں کے صوفیاء کے دامن سے وابستہ ہونے اور ایمان لانے کی دوسری بڑی وجہ صوفیاء کا ان لوگوں کے ساتھ ذاتی اور عملی رویہ تھا۔ صوفیاء انسانی عظمت و مساوات، احترام آدمیت اور غریب و کمزور لوگوں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور غم خواری کا محض زبانی کلامی لیکچر نہیں دے رہے تھے۔ خالی خولی جلسے کرنا جلوس نکالنا اور جذباتی و جوشیلی تقریریں کرنا ان کا معمول نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خالی تقریر اور شعلہ بیانی سے بھوکے آدمی کا پیٹ نہیں بھر سکتا اس کی غربت کا علاج نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے معاشی دکھوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔ ان کا کام آفت زدوں کے نام پر چندے کرنا یا مظلوموں کے نام پر جلسے کرنا نہیں بلکہ مظلوموں کی عملی دادرسی تھا۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ مظلوموں کے نام پر جلسے کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زخمی ہو جائے اور آپ اس کو ہسپتال یا ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی بجائے ایک شاندار ''زخمی کانفرنس'' منعقد کرنے کے لیے دوڑ پڑیں۔ ان کی مجلس میں کوئی درجہ بندی نہیں تھی وہ جس نگاہ سے شرفاء کو دیکھتے تھے اس سے کہیں زیادہ پیار و محبت رافت و رحمت اور شفقت کی نگاہ سے غریب مسلمانوں کو دیکھتے تھے۔ وہ ان غریبوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے، ان کے ساتھ کھانے پینے اور ان کے ساتھ چلنے پھرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان کے دُکھ درد اور خوشی و غمی میں برابر کے شریک تھے۔

ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے

اس امر میں کوئی شبہ نہیں اور ہمارا اس بات پر عقیدہ ہے کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی کی توفیق سے یہ غریب اور کمزور لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، انہیں دینِ اسلام کی طرف لانے میں ان کے ازلی مقدر و نصیب کا بھی دخل تھا تاہم ان غریب لوگوں کے اسلام قبول کرنے میں یقیناً صوفیاء کی محبتوں، کرم نوازیوں اور بندہ نوازیوں کا بھی بڑا دخل اور حصہ ہے اگر وہ ان غریب لوگوں کی تکالیف کو رفع نہ کرتے ہوتے، ان کے

زخموں پر مرہم نہ رکھتے ہوتے، ان کے بوجھوں کو نہ اُٹھاتے ہوتے اور ان کی ہر طرح کی مشکلات کو حل نہ کرتے ہوتے جس کی عملی مثالیں آگے آ رہی ہیں تو شاید وہ صورتِ حال نہ ہوتی جو آج تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ کسی حیوان سے بھی پیار کیا جائے تو وہ پیار کرنے والے سے مانوس ہو جاتا ہے اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا اور دُم ہلا ہلا کر اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ تو عقل و شعور سے عاری حیوان کا حال ہے۔ ظاہر ہے جب کسی انسان سے پیار کیا جائے گا اس پر احسان کیا جائے گا اس کے ساتھ بے لوث ہمدردی اور خیر خواہی کی جائے گی تو وہ اپنے محسن کا کیونکر ممنون نہیں ہوگا اور کیونکر اس کی غلامی کا دَم نہیں بھرے گا۔ احسان کے بدلے میں غلامی اور عبدیت کا اظہار تو انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بڑے لوگوں، صاحبِ ثروت اور اصحابِ جاہ و مال کی تو ہر کوئی عزت کرتا ہے مگر غریب آدمی کو کون عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ صوفیاء نے ان غریبوں کو عزت دی، انہیں پیار دیا، ان کی اہمیت بنائی، معاشرے میں انہیں بلند مرتبہ عطا کیا:

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

Scanned with CamScanner

(106)

تیری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے؟

نصیر الدین طوسی جو عام طور پر ''محقق طوسی'' کے نام سے مشہور ہیں اور منطق وفلسفہ میں مسلم الثبوت علامہ شمار کیے جاتے ہیں۔ایک مرتبہ یہ کسی عالمِ ربانی کی زیارت کے لیے گئے' حاضرینِ مجلس نے ان کا بڑا احترام کیا اور لوگوں نے عالمِ ربانی سے ان کا تعارف اس طرح کرایا کہ یہ اس وقت سب سے زیادہ باکمال اور صاحبِ علم ہیں۔ عالمِ ربانی نے دریافت فرمایا: سب سے زیادہ ان کو کس علم میں کمال حاصل ہے؟

لوگوں نے کہا: ''علمِ نجوم'' میں۔ یہ سنتے ہی عالمِ ربانی کو بڑی کوفت ہوئی اور انہوں نے ارشاد فرمایا: میرا خیال ہے کہ سفید گدھا ان سے زیادہ علمِ نجوم کا ماہر ہوتا ہے۔ عالمِ ربانی کی اس گفتگو سے انتہائی برہم ہو کر نصیر الدین طوسی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے اس سفر میں ایک گدھے والے کے مکان پر رات بسر کرنی پڑی۔ نصیر الدین طوسی نے مکان کے باہر صحن میں اپنا بستر جمایا تو ایک دَم گدھے والا کہنے لگا کہ آپ مکان کے اندر بستر لگائیں کیونکہ عنقریب بڑی خوف ناک بارش ہونے والی ہے؟ طوسی نے پوچھا تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ بارش ہونے والی ہے؟ گدھے والے نے جواب دیا کہ صاحب! میرا یہ سفید گدھا جس رات تین مرتبہ اپنی دُم آسمان کی طرف اُٹھا دیتا ہے تو رات بھر بارش نہیں ہوتی اور جب اپنی دُم زمین کی طرف جھکا کر ہلاتا ہے تو میرا برسوں کا تجربہ ہے کہ اس رات ضرور زوردار بارش ہوتی ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہی بارش شروع ہوگئی اور سیلاب آ گیا۔اب نصیر الدین طوسی کو خیال آیا کہ واقعی عالمِ ربانی نے سچ ہی فرمایا تھا کہ سفید گدھا نصیر الدین طوسی سے زیادہ علمِ نجوم جانتا ہے۔ (روح البیان ج ۱ص ۱۹۷)

علمائے ربانیین کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات بے معنی نہیں ہوا کرتے وہ جو کچھ فرماتے ہیں اپنے نورِ بصیرت کی روشنی سے دیکھ کر اپنے مشاہدات بیان کرتے ہیں لہٰذا ان بزرگوں کی پُر نور مجالس میں حاضر ہو کر ان کے کلماتِ طیبات کو بہت غور سے سننا چاہیے اور اگر کوئی بات اپنی فہم سے بالاتر نظر آئے تو اس کے ردو انکار میں نہ جلدی کرنی چاہیے نہ کبیدہ خاطر ہونا چاہیے بلکہ پورے سکون کے ساتھ انتہائی غور و فکر کر کے ہمیشہ اس بات پر دھیان رکھنا چاہیے! کیوں؟ اس لیے کہ

جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا کیا
تیری نگاہِ غلامانہ ہو تو کیا کہیے

چند کتابوں کے پڑھ لینے سے ہر شخص ''عالمِ ربانی'' نہیں ہو جاتا۔ علم اور چیز ہے اور علم کے نور سے شرح صدر ہو کر صاحبِ فراست اور اہلِ بصیرت ہو جانا اور چیز ہے۔ یہ ایک فضلِ خداوندی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ جس پر اپنا فضل فرماتا ہے وہی اس بلند رتبہ پر پہنچتا ہے تو وہ عالمِ ربانی کے جلیل القدر لقب سے سرفراز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیری بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو!
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

(107)

عزت والے لوگ

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَكْرِمُوا الْعُلَمَاءَ فَاِنَّهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ كُرَمَاءَ ۔

''علماء کی عزت کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی عزت والے ہیں''۔

(مسند الفردوس ج ا ص ۷۶ حدیث ۲۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

ایک حدیث شریف میں ہے:

''روزِ قیامت نور کے منبر رکھے جائیں گے' ان منبروں پر موتیوں کے گنبد ہوں گے پھر اعلان ہوگا کہاں ہیں فقہاء' علماء' ائمہ مساجد اور موذنین' ان منبروں پر بیٹھ جاؤ' ان کو کوئی غم اور خوف نہیں ہوگا''۔ (ایضاً ص ۲۵۴' حدیث ۹۷۸)

ایک حدیث میں حضور پاک ﷺ نے دعا کی: ''اللہ تعالیٰ! میرے خلفاء پر رحم فرمائے''۔

اور فرمایا: ''میرے خلفاء وہ ہیں جو میری احادیث لوگوں کو سکھاتے ہیں''۔

(دیلمی ج ا ص ۲۷۹ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس پر ایک واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔

خلیفہ ہارون رشید کے دو بیٹے امین اور مامون' امام کسائی کے شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ استاد اپنی مجلس سے اُٹھے تو دونوں بھائی جلدی سے استاد کو جوتے پکڑانے کے لیے لپکے' دونوں میں تکرار ہوگئی کہ کون استاد کے جوتے پیش کرے۔

بالآخر دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دونوں ایک ایک جوتا پیش کر دیں۔ جب ہارون رشید کو قصے کا پتہ چلا تو اس نے امام کسائی کو بلایا جب وہ آئے تو ہارون نے کہا:

''لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟'' امام کسائی نے کہا:

''میری رائے میں امیر المومنین سے زیادہ عزت کون ہوسکتا ہے''۔

خلیفہ نے کہا:

''عزت والا تو وہ ہے کہ جب وہ اپنی مجلس سے اُٹھے تو خلیفہ کے دونوں صاحب زادوں میں اس بات پر جھگڑا ہو کہ ان میں سے کون استاد کو جوتے پہنائے''۔

امام کسائی نے سوچا کہ شاید خلیفہ اس بات سے ناراض ہوا ہے لہٰذا اپنی صفائی پیش کرنے لگے۔ ہارون رشید نے کہا:

''سنیئے! اگر آپ نے میرے بیٹوں کو اس ادب و احترام سے روکا تو میں آپ سے سخت ناراض ہو جاؤں گا اس کام سے ان کی عزت اور وقار میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہوا ہے اور ان کے اندر چھپی ہوئی فراست کا اظہار ہوا کہ وہ کتنے عقل مند اور دانا ہیں''۔

سنیئے! خواہ کوئی شخص کتنا ہی عمر' علم یا مرتبے میں بڑا کیوں نہ ہو' تین افراد کے سامنے بڑا نہیں ہوتا۔ قاضی' استاد اور اپنے والدین کے سامنے۔ (سنہرے اوراق)

(108)

بچے بھی ولی اللہ ہو سکتے ہیں

حضرت سیّدنا ابو بعد اللہ احمد بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

''ایک مرتبہ میں حضرت سیّدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص آیا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ''اے ابو محفوظ رحمۃ اللہ علیہ! آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے بتاؤ کیا واقعہ پیش آیا؟''

اس نے اپنا واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا:

''میرے گھر والوں نے مجھ سے مچھلی کھانے کی فرمائش کی۔ میں نے بازار جا کر مچھلی خریدی اور اسے گھر پہنچانے کے لیے ایک کمسن مزدور بلایا اس نے مچھلی اُٹھائی اور میرے پیچھے پیچھے چل دیا۔ راستے میں اذان کی آواز سنائی دی اس مزدور لڑکے نے کہا: ''چچا جان! اذان ہو رہی ہے کیا ہم نماز نہ پڑھ لیں؟''

اس کی یہ بات سن کر مجھے ایسا لگا جیسے وہ نوعمر لڑکا مجھے خوابِ غفلت سے بے دار کر رہا ہے۔ میں نے کہا: ''کیوں نہیں! آؤ پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں''۔

اس نے مچھلی وضو خانے پر رکھی اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ ہم نے باجماعت نماز ادا کی اور گھر کی طرف چل دیئے۔ گھر پہنچ کر میں نے گھر والوں کو اس نیک کمسن مزدور کے بارے میں بتایا تو وہ کہنے لگے:

''اس سے کہو آج دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھالے''۔

میں نے اسے دعوت دی تو اس نے کہا: ''میرا روزہ ہے''۔

میں نے کہا: ''افطاری ہمارے ساتھ کر لینا''۔

کہا: ٹھیک ہے، آپ مجھے مسجد کا راستہ بتا دیں''۔

میں نے اسے مسجد پہنچا دیا وہ مغرب تک مسجد ہی میں رہا۔ نماز کے بعد میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے آؤ گھر چلتے ہیں''۔ اس نے کہا:

''کیا ہم عشا کی نماز پڑھ کر نہ چلیں؟'' میں نے اپنے دل میں کہا:

''اس کی بات مان لینے ہی میں بھلائی ہے''۔

چنانچہ میں مسجد میں رُک گیا، نمازِ عشا کے بعد ہم گھر آئے، ہمارے گھر میں تین کمرے تھے ایک میں میں اور میری زوجہ رہتے تھے، دوسرے کمرے میں ایک پیدائشی معذور لڑکی رہتی تھی جو چلنے پھرنے سے بالکل عاجز تھی اور اسی حالت میں بیس سال گزر چکے تھے۔ تیسرا کمرہ مہمانوں کے لیے تھا، ہم سب نے کھانا کھایا اور اپنے اپنے کمروں میں سو گئے نوعمر نیک لڑکے کو ہم نے مہمانوں والے کمرے میں سُلا دیا۔ رات کے آخری پہر دروازے پر کسی نے دستک دی، میں نے کہا:

''کون ہے؟'' اس نے اپنا نام بتا کر کہا: ''میں فلاں لڑکی ہوں''۔ میں نے کہا:

''وہ تو چلنے پھرنے سے بالکل عاجز ہے، گویا وہ تو گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہے اور ہر وقت اپنے کمرے ہی میں رہتی ہے، تم وہ کیسے ہو سکتی ہو؟''

اس نے کہا: ''میں وہی ہوں تم دروازہ تو کھولو''۔

ہم نے دروازہ کھولا تو واقعی ہمارے سامنے وہی لڑکی موجود تھی۔ میں نے کہا:

''تم ٹھیک کیسے ہو گئی ہو؟'' اس نے کہا:

''میں نے تمہاری آوازیں سنی تھیں کہ آج ہمارے ہاں ایک نیک مہمان آیا ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ اس نیک مہمان کے وسیلے سے دعا کروں شاید اسی کے صدقے اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا فرما دے''۔

لہٰذا میں نے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح دعا کی:

Scanned with CamScanner

"اے میرے پروردگار! اس مہمان کے صدقے بیماری کو زائل کر دے اور مجھے تندرستی عطا فرما"۔

یہ دعا کرتے ہی میں فوراً ٹھیک ہوگئی اور اللہ کے حکم سے میرے ہاتھ پاؤں میں حرکت شروع ہوگئی' دیکھو میں تمہارے سامنے صحیح وسالم موجود ہوں۔ میں خود چل کر یہاں آئی ہوں۔ لڑکی کی یہ بات سن کر میں فوراً اس کمرے کی طرف گیا جس میں وہ نوعمر مزدور لڑکا تھا۔ دیکھا تو کمرہ بالکل خالی تھا اس میں کوئی بھی نہیں۔ میں باہر دروازے کی طرف گیا تو وہ بھی بند تھا' نجانے ہمارا نوعمر مہمان کہاں غائب ہوگیا۔ حضرت سیدنا ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت سیدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سن کر مجھ سے فرمایا:

"اللہ کے اولیاء میں کم عمر بچے بھی ہوتے ہیں اور بڑی عمر والے بھی وہ لڑکا اللہ تعالیٰ کا ولی تھا"۔ (عیون الحکایات)

(109)

اللہ کے بندے

ایک عابد نے اپنی عبادت گاہ میں سو برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ایک دن شیطان نے اس کو وسوسہ میں ڈالا چنانچہ وہ عابد اپنے عبادت خانہ سے نیچے اُترا اور اپنے اقرباء واحباب کی ملاقات کے واسطے شہر میں داخل ہوا' اس کے ساتھ اس کا ایک دوست لپٹ گیا اور اس کو اپنے گھر لے گیا اور اس کو اللہ کی قسم دی کہ وہ جس کام کے درپے ہے وہ اس کی مدد کرے۔ چنانچہ عابد نے سات مہینے اس کے کام میں اس کی مدد کی اس کے بعد ایک رات وہ سویا جب صبح کا وقت ہوا تو اس نے ایک پریشان کن چیخ ماری (یہ سن کر صاحب خانہ گھبرا کر اُٹھا اور پوچھا: "تمہارا کیا حال ہے؟" عابد نے کہا: "میرے لیے چراغ جلاؤ"۔

چنانچہ اس نے چراغ جلایا۔ پس عابد نے اپنے دوست سے کہا:

"میں سویا ہوا تھا' میں نے ایک ایسے جوان کو دیکھا جس کا چہرہ خوب صورت تھا اور کپڑے پاکیزہ تھے اس جوان نے مجھ سے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ ہوں' تم نے اللہ اور اس کے رسول میں کون سا عیب دیکھا کہ اس کی عبادت ترک کر دی۔ پس تم اپنے عبادت خانہ کی جانب اپنے مرنے سے پہلے واپس جاؤ

چنانچہ وہ عابد رات میں نکلا اور جنگلوں میں پھرنے لگا اور بارش کا پانی پیتا' درختوں کے پتے کھاتا اور آواز دیتا تھا:

اِلٰهِیْ بَدَنِیْ مَكْرُوْبٌ وَّقَلْبِیْ مَعْیُوْبٌ وَّلِسَانِیْ مُقِرٌّ بِالذُّنُوْبِ فَاغْفِرْلِیْ یَاغَفَّارَ الذُّنُوْبِ وَیَاعَلَّامَ الْغُیُوْبِ ۔

Scanned with CamScanner

''الٰہی! میرا بدن اندوہ گین میرا دل معیوب اور میری زبان گناہوں کا اقرار کرنے والی ہے۔ پس اے گناہوں کے معاف کرنے والے اور اے پوشیدہ باتوں کے جاننے والے میری مغفرت فرما''۔

جب وہ اپنے عبادت خانہ کے قریب ہوا اور اس کے اندر جانے کا ارادہ کیا اور اپنا ایک پاؤں داخل کیا تو ایک چیز لکھی ہوئی دیکھی جب اس نے غور کیا تو چار سطریں لکھی دیکھیں:

۱) تَوَكَّلْتَ عَلَيْنَا فَكَفَيْنَاكَ ۔

۲) اٰثَرْتَ عَلَيْنَا فَتَرَكْنَاكَ

۳) اَقْبَلْتَ عَلَيْنَا فَقَبِلْنَاكَ

۴) فَارَقْتَ الذُّنُوْبَ فَغَفَرْنَا هَالَكَ وَرَحِمْنَا

۱) تو نے ہم پر توکل کیا ہم نے تیری کفایت کی۔

۲) تو نے ہم پر دوسرے کو ترجیح دی ہم نے تجھ کو چھوڑ دیا۔

۳) تو ہماری طرف متوجہ ہوا ہم نے تجھے قبول کیا۔

۴) تو نے گناہوں کو چھوڑ دیا ہم نے ان کو معاف کیا اور تجھ پر رحم کیا اور جو چیز ہمارے پاس ہے تو نے اس کی طمع کی پس ہم نے تجھ کو عطا کیا۔ (قلیوبی)

☆......نقل ہے کہ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مجلس وعظ میں ایک دن فرمایا: اللہ کی ہیبت اور خوف سے بچو چنانچہ ایک جوان نے جو اسے سنا تو بہت ہی زور سے نعرہ مار کر مر گیا۔ اس کے اولیاء نے بادشاہ کے پاس نالش کی اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر دعویٰ کیا کہ انہوں نے ہمارے لڑکے کو مار ڈالا اس کے بعد بادشاہ نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: تم کیا کہتے ہو؟ پس انہوں نے کہا یا امیر المومنین! ایک روح تھی جو مشتاق ہوئی اس نے زاری کی اور وہ بلائی گئی' اس نے قبول کیا' میرا کیا قصور ہے؟ امیر المومنین روئے اس کے بعد اس کے اولیاء سے فرمایا: ان کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ایضاً)

(110)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا فیض

معروف مؤرخ ضیاء الدین برنی نے ''تاریخ فیروز شاہی'' میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت کے اندر خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کے وجود مسعود کی برکات اور معاشرے میں لوگوں پر ان کے اثرات کی شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ شہادت اور بڑی ایمان افروز تفصیل بیان کی ہے۔ خواجہ موصوف کی برکت اور دم قدم سے اس زمانے میں اسلام' ایمان' نیکی' تقویٰ' پارسائی عبادت گزاری' قیام اللیل' نوافل' علمِ دین' کتابوں کے مطالعے' نماز کے شوق اور دینی رجحان کو کتنا فروغ ملا۔ عوام وخواص' امیروں غریبوں اور حاکموں محکوموں کو ہر قسم کی بُرائی سے کس قدر نفرت ہوگئی اس کی تفصیل برنی کے قلم سے ہی ملاحظہ فرمائیے:

......دوسری طرف اسی زمانے میں شیخ الاسلام نظام الدین نے' بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گناہ گار لوگ ان کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے اور توبہ کرتے اور وہ ان کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص وعوام' مال دار ومفلس' امیر وفقیر' عالم و جاہل' شریف ورذیل شہری ودیہاتی' غازی ومجاہد' آزاد وغلام' ان سب سے وہ توبہ کراتے اور ان کو طاقیہ (خاص ٹوپی جو مرشد اپنے مرید کو عطا کرتا ہے) اور مسواک صفائی کے لیے دیتے۔ ان لوگوں میں سے کثیر تعداد (جماہیر) جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی' بہت سے ان کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے اگر شیخ کی خانقاہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی تو اس کو تجدید بیعت کرنا پڑتی اور شیخ از سرنو اس سے اقبالِ گناہ اور توبہ کراتے۔ شیخ کے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو

بہت سے گناہوں (منکرات) سے ظاہر اور مخفی طور پر باز رکھتی چنانچہ عام لوگ دوسروں کی تقلید میں یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہو گئے تھے اور مرد اور عورتیں' بوڑھے اور جوان' سوداگر اور عام لوگ' غلام اور نوکر اور کم عمر بچے' سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ان ارادت مندوں کی اکثریت نمازِ چاشت واشراق کی پابند ہوگئی تھی۔ مخیر اور مہربانیاں کرنے والے لوگوں نے شہر سے غیارث پور تک متعدد مقامات پر لکڑیوں کے چبوترے بندھوا دیئے تھے یا چھپر ڈال دیئے تھے اور کنویں کھدوا دیئے تھے اور مٹھ (مٹکھیا؟) اور پانی کے گھڑے اور مٹی کے لوٹے تیار رہتے تھے اور چھپروں میں بوریئے بچھے رہتے تھے۔ان چبوتروں اور چھپروں میں حافظ اور خادم مقرر کردیئے جاتے تھے تاکہ شیخ کے مریدوں اور تائبوں کو اور دوسرے نیک لوگوں کو ان کے آستانے پر آتے اور جاتے وقت وضو کرنے اور وقت پر نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ان چبوتروں اور چھپروں میں سے ہر ایک میں نفل نماز ادا کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔گناہوں کا ارتکاب اور ان کے متعلق لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی تھی بلکہ ان میں اکثر وبیشتر جو گفتگو ہوتی' وہ نماز چاشت و اشراق کے متعلق ہوتی اور یہ لوگ یہی دریافت کرتے رہتے کہ زوال' اوّابین اور تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر رکعت میں قرآن کی کون سی سورت پڑھنی چاہیے اور یہ کہ پانچوں وقت کی نماز میں نفلوں کے بعد کون سی دعائیں آئی ہیں۔آستانہ شیخ میں نئے آنے والے شیخ کے پرانے مریدوں سے دریافت کرتے کہ رات کے وقت شیخ کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں۔عشا کی نماز کے بعد محمد مصطفی ﷺ کی روح پاک پر وہ کتنی مرتبہ درود بھیجتے اور شیخ فرید اور شیخ بختیار دن رات میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار سورۂ قل ھو اللہ پڑھتے تھے۔شیخ کے نئے مریدان کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوال دریافت کرتے اور روزوں' نفلوں اور کم کھانے کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے اس نیک زمانے میں کثرت سے لوگ قرآن یاد کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں کی صحبت میں رہتے اور قدیم مریدوں کو بندگی و عبادت' ترک و تجرید' سلوک کی کتابیں پڑھنے اور مشائخ اور بزرگوں کے

حالات اور واقعات کا ذکر کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔نعوذ باللہ کہ یہ لوگ دنیا اور دنیاداروں کا ذکر اپنی زبان پر لاتے یا دنیا کے کارخانے کی طرف نظر کرتے یا دنیا اور اہلِ دنیا کے قصے سنتے۔ان سب چیزوں کو وہ معیوب بلکہ معاصی میں شمار کرتے تھے اس بابرکت زمانے میں لوگوں کا کثرت سے نفل پڑھنا اور اس کو قائم رکھنا اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سلطانی دربار سے منسلک امراء سلاح داروں' محرروں (نویسندگان) سپاہیوں اور بادشاہ کے غلاموں میں سے بہت سے لوگ جو شیخ کے مرید تھے' چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے۔کوئی محلہ ایسا نہ تھا جہاں پر مہینہ بیس روز کے بعد نیک لوگوں کی مجلس نہ ہوتی اور صوفیہ کا سماع نہ ہوتا اور اس میں گریہ ورقت نہ ہوتی۔شیخ کے کئی مرید ایسے تھے جو مسجد میں یا گھروں پر نمازِ تراویح میں ختم (قرآن) کراتے اور ان لوگوں میں سے جو (ان عبادات وغیرہ میں) مستقیم الحال تھے' اکثر و بیشتر رمضان میں اور جمعہ اور مواسم (موسمِ حج) کی راتوں میں قیام کرتے تھے۔صبح تک جاگتے اور پلک پر پلک نہیں مارتے تھے۔ان بزرگوں میں سے بہت سے حضرات ایسے تھے جو دو تہائی یا تین چوتھائی رات تمام سال قیام اللیل میں گزارتے اور بعض عبادت گزار تو عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔شیخ کے مریدوں میں سے چند کو تو میں جانتا ہوں جو شیخ کی نظر کرم کی بدولت صاحب کشف وکرامات ہوگئے تھے۔شیخ کے مبارک وجود' ان کے مبارک انفاس کی برکت اور ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس علاقے کے اکثر مسلمان عبادات' تصوف اور ترک وتجرید کی طرف مائل اور شیخ سے مرید ہونے کے خواہش مند ہو گئے تھے۔سلطان علاؤ الدین بھی مع اپنے خاندان کے لوگوں کے شیخ کا معتقد ہو گیا تھا خواص وعوام کے دل نیکی اور نیکوکاری کی طرف راغب ہو گئے تھے۔حاشا وکلا کہ عہد علائی کے آخری چند سال میں اکثر و بیشتر مسلمانوں میں سے کسی کی بھی زبان پر شراب وشاہد' فسق وفجور' قمار بازی' فحش حرکات' لواطت یا بچہ بازی کا ذکر تک بھی آتا۔بڑے جرائم اور کبیرہ گناہ لوگوں کے نزدیک بمنزلہ کفر ہو گئے تھے۔مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور احتکار کے مرتکب نہ ہوتے تھے اور خوف و ہراس کی وجہ سے دکان داروں میں جھوٹ' کم تولنا'

مکاری و دغا' دھوکہ دہی اور نادانوں کا روپیہ مار لینا' سب قطعی طور پر ختم ہو گئے تھے۔ علم حاصل کرنے والے اور اشراف و اکابر جو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' زیادہ تر سلوک کی کتابوں اور ان صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جن میں طریقت کے احکام ہوتے تھے چنانچہ قوت القلوب احیاء العلوم کا ترجمہ عوارف کشف المحجوب' شرح تعرف رسالہ قشیریہ مرصاد العباد مکتوبات عین القضا لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری اور فوائد الفواد امیر حسن کے شیخ کے ملفوظات کی وجہ سے' بہت زیادہ خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ لوگ کتاب فروشوں سے زیادہ تر سلوک اور حقائق پر کتابوں کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے اور کوئی رومال ایسا نظر نہ آتا جس میں مسواک اور کنگھا لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ صوفیوں کی خریداری کی زیادتی کی وجہ سے لوٹے (آفتابہ) اور چمڑے کی کشتیاں (طشت چرمی) مہنگی ہو گئی تھیں۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو اس آخر زمانے میں جنید اور بایزید کی مثل پیدا کیا تھا اور اپنی ذات کے عشق سے جس کی کیفیت انسانی عقل میں نہیں آسکتی' آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ شیخ ہونے کے کمالات کی ان پر مہر لگا دی تھی اور ہدایت کے فن کو ان پر ختم کر دیا تھا۔

زین فن مطلب بلند نامی
کاں ختم شدہ است بر نظامی

''اس فن میں شہرت کی خواہش نہ کر کیونکہ وہ نظامی پر ختم ہو چکی ہے''۔

پنجم ماہ محرم کو جو شیخ الاسلام شیخ فرید الدین کے عرس کی تاریخ ہے' شیخ کے گھر (یعنی خانقاہ) میں دہلی اور مملکت کے دوسرے علاقوں سے لوگ اتنی زیادہ تعداد میں آکر جمع ہو جاتے اور سماع میں شرکت کرتے کہ اس کے بعد اتنی جمعیت کسی کو یاد نہیں کہ کبھی ہوئی ہو۔ شیخ کے ان عجیب معاملات کی وجہ سے شیخ کا زمانہ ایک عجیب زمانہ گزرا ہے۔

(تاریخ فیروز شاہی ص ۵۰۰ تا ۵۰۶)

کچھ محولہ بالا کتب کے بارے میں

اس واقعہ میں چند کتب کے نام آئے ہیں ان کا مختصر سا تعارف یہ ہے:

۱) قوت القلوب

اس کتاب کا پورا نام یہ ہے: قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ووصف طریق المرید الی مقام التوحید۔ مصنف کا نام: ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ الحارثی الواعظ المشہور بابی طالب المکی (متوفی ۳۸۶ھ)

۲) احیاء علوم الدین امام غزالی (۴۵۱۔۵۰۵ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔

۳) عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۳۹۔۶۳۲ھ)

۴) کشف المحجوب شیخ علی ہجویری المشہور بہ حضرت داتا گنج بخش (متوفی ۴۶۵ھ) کی تصنیف ہے۔

۵) امام ابوبکر محمد بن ابراہیم البخاری الکلاباذی (متوفی ۳۸۰ھ) کی تصنیف تعرف لمذہب التصوف کی فارسی شرح ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی نے کی۔ دیکھو مقدمہ شرح رسالہ قشیریہ از خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۶۱ھ صفحہ ۹)

۶) رسالہ قشیریہ' مصنفہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد القشیری (متوفی ۴۶۵ھ)

۷) مرصاد العباد من المبدأ الی المعاد' تصنیف شیخ نجم الدین ابوبکر ابن عبداللہ ابن محمد ابن شاہاور (متوفی ۶۵۴ھ)

۸) مکتوبات عین القضاۃ ابوالمعالی عبداللہ بن محمد ہمدانی (متوفی ۵۲۵ھ) کی کتاب ہے۔

۹) لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری (متوفی ۶۷۸ھ) کی تصنیف ہے۔

(۱۱۱)

صرف ایک لقمہ وبالِ جان بن گیا

حضرت شریک محدث دوسرے اپنے ہم عصر محدثین کی طرح بڑے متقی اور دین دار تھے بادشاہوں کی صحبت اور ملازمت سے انتہائی بے زار و متنفر تھے لیکن ایک دن خلیفۂ بغداد مہدی عباسی نے آپ کو دربار میں بلا کر مجبور کر دیا کہ آپ کو تین کاموں سے ایک کام کرنا ہی پڑے گا یا تو آپ قاضی کا عہدہ قبول کیجیے یا میرے شہزادوں کو تعلیم دیجیے یا ایک لقمہ دسترخوان پر میرے ساتھ بیٹھ کر کھا لیجیے۔ حضرت شریکؒ یہ خیال کر کے کہ قاضی بن جانے یا شہزادوں کا معلم ہو جانے کی بہ نسبت ایک لقمہ کھا لینا بہتر ہے چنانچہ آپ ان تینوں بلاؤں میں سے ایک لقمہ کھا لینا قبول فرما لیا۔ بادشاہ نے باورچی کو حکم دیا کہ شکر کی چاشنی میں مغزیات شامل کر کے قسم قسم کا کھانا تیار کرے۔ حضرت شریک محدث جیسے ہی بادشاہ کے دسترخوان پر بیٹھے باورچی نے لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ حضرت شریک ایک ایسے جال میں پھنس گئے ہیں جس سے یہ کبھی رہائی نہ پائیں گے۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا کہ حضرت شریک اس کے بعد شہزادوں کے معلم بن گئے اور پھر خلیفہ کے دباؤ سے قاضی کا عہدہ بھی قبول کر لیا۔ شاہی دسترخوان کا ایک ہی لقمہ ان کے لیے اس قدر مضر بن گیا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۵۱)

حقیقت یہ ہے کہ امراء وسلاطین اور اغنیاء کے دسترخوانوں کی یہ خاص تاثیر ہے کہ جو ان لوگوں کے دسترخوانوں پر کھانے لگتا ہے وہ انہیں لوگوں کا گانے لگتا ہے لہٰذا متقی علماء کی خیریت اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے لقموں سے پرہیز رکھیں۔ حدیث شریف کا یہ مضمون ہے کہ جو شخص کھیت کی مینڈھ پر بکری چرائے گا یقیناً کبھی نہ کبھی اس کی بکری کھیت میں بھی

چرنے لگے گی اس لیے جو یہ چاہتا ہو کہ اس کی بکری کھیت میں چرے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ مینڈھ پر بھی بکری کو نہ چرنے دے بلکہ کھیت اور اس کی مینڈھ سے دور ہی اپنی بکریوں کو چرائے اس کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ امراء وسلاطین کی برائیوں سے بچا رہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان لوگوں سے دور ہی رہے جو شخص یہ گمان کرے کہ ہم امراء و اغنیاء کے دسترخوان پر کھانا کھا لیں گے اور ان لوگوں کا نذرانہ نہ لے لیں گے مگر ان لوگوں کی علتوں اور برائیوں سے بچے رہیں گے وہ سخت غلط فہمی کا شکار اور جہالت میں گرفتار ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہیں گے ہم امراء سے مل کر ان سے دنیا حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے دین کو بچائے رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا: ان لوگوں کا یہ مقولہ بالکل غلط ہے کیونکہ جس طرح کانٹے دار درخت سے کانٹے کے سوا کچھ نہیں چنا جا سکتا ہے اسی طرح امراء کی صحبت سے برائیوں کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مثل مشہور ہے کہ کاجل کی کوٹھڑی میں کپڑے ضرور داغ دار ہوں گے اور کوئلے کی دلالی میں ہاتھ ضرور کالے ہوں گے۔

جب حضرت شریک محدث جیسے علم و عمل کے رستم اس دلدل میں پھنس گئے تو آج کل ہم جیسے ''چھیدی بقرعیدی'' قسم کے ملا مولوی کس شمار میں اور کس قطار میں۔

غارت گردیں ہے یہ زمانہ
ہے اس کی نہاد کافرانہ

Scanned with CamScanner

(112)

عاجزی وانکساری اور صدقہ وخیرات

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو تواضع وانکساری کا درس دیتے ہوئے فرمایا: اَلتَّوَاضُعُ لَا یَزِیْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً ۔

''تواضع سے آدمی کو رفعت اور بلندی ہی ملتی ہے''۔

فَتَوَاضَعُوْا یَرْفَعْكُمُ اللّٰهُ ۔

''اس لیے تواضع اختیار کرو اس سے اللہ تمہیں رفعت وبلندی عطا فرمائے گا''۔

اَلْعَفْوُ لَا یَزِیْدُ الْعَبْدَ اِلَّا عِزًّا ۔

''عفو ودرگزر سے آدمی کو عزت ہی ملتی ہے''۔

فَاعْفُوْا یُعِزَّكُمُ اللّٰهُ ۔

''اس لیے تم لوگوں کو معاف کر دیا کرو، اللہ تمہیں عزت عطا فرمائے گا''۔

(الترغیب والترہیب للاصبہانی، مسند الفردوس للدیلمی، احیاء علوم الدین للغزالی، تحقیق قاضی شیخ محمد بلالہ (۲۳۶/۳)

وَاِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَزِیْدُ الْمَالَ اِلَّا نَمَاءً ۔

''اور صدقہ خیرات کرنے سے مال بڑھتا ہی جاتا ہے''۔

فَتَصَدَّقُوْا یَزِدْكُمُ اللّٰهُ ۔

''اس لیے تم صدقہ اور خیرات کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اور زیادہ دے گا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا مِّنْ عَفْوٍ اِلَّا عِزًّا، وَمَا

تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ ۔

''صدقہ سے مال میں کچھ بھی کمی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ عفو ودرگزر کے ذریعے بندے کو عزت ومقام عطا کرتا ہے اور جب بھی کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا کرتا ہے''۔

(مسلم شریف ۲۵۸۸)

(113)

مرشدِ کامل کی نظر

حضرت سیّدنا ابو عمرو بن علوان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں کسی کام سے ''رحبہ'' کے بازار میں گیا' دیکھا کہ کچھ لوگ جنازہ اُٹھائے جا رہے ہیں' میں نمازِ جنازہ کے ارادے سے ان کے ساتھ ہو لیا۔ تدفین کے بعد جب واپس ہوا تو بلا ارادہ ایک حسین و جمیل عورت پر نظر پڑ گئی اور میں اسے دیکھنے لگا پھر نادم ہو کر ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' کہتے ہوئے نگاہ پھیر لی اور اللہ رب العزت سے اپنے اس فعل کی معافی چاہتے ہوئے گھر چلا آیا۔ گھر پہنچا تو بوڑھی خادمہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا:

''یہ آپ کا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟''

میں نے گھبرا کر آئینہ دیکھا تو واقعی میرا چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ آخر ایسا کون سا گناہ سرزد ہو گیا جس کی نحوست سے مجھ پر یہ مصیبت آپڑی؟ پھر خیال آیا کہ اس غیر عورت کو دیکھنے کی وجہ سے اس عذاب میں گرفتار ہوا ہوں۔ چنانچہ میں چالیس روز تک اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہا پھر خیال آیا کہ مجھے اپنے مرشدِ کامل حضرت سیّدنا جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہیے۔ چنانچہ میں عروس البلاد ''بغداد شریف'' کی جانب چل دیا جب مرشدِ کامل کے آستانہ عالیہ پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو شیخِ کامل حضرتِ سیّدنا جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی آواز سنائی دی:

''اے ابو عمر! اندر آجاؤ تم نے ''رحبہ'' میں گناہ کیا اور ہم یہاں بغداد میں تمہارے لیے استغفار کر رہے ہیں۔'' (عیون الحکایات)

(114)

مچھلی پہ رحم اور یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ دریا میں شکار کھیلتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی ایک بچی تھی چنانچہ انہوں نے دریا میں جال ڈالا۔ ایک مچھلی پھنسی اس بچی نے جال سے اس کو پکڑنا چاہا اس کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ مچھلی اپنے دونوں لب ہلا رہی ہے۔ پس لڑکی نے اس کو دریا میں پھینک دیا۔ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: ''تو نے ہماری کمائی کیوں ضائع کر دی؟''

لڑکی نے ان سے عرض کیا:

''میں اس مخلوقِ خداوندی کے کھانے پر راضی نہیں ہوں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے''۔ پس اس کے باپ نے اس سے کہا: ''اب ہم کیا کریں؟'' اس نے کہا:

'' آیئے ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کریں گے' وہ ہم کو ایسا رزق دے گا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا ہے''۔

چنانچہ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے شکار چھوڑ دیا اور باپ بیٹی شام تک اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے ٹھہرے رہے لیکن ان کے پاس کوئی چیز نہ آئی جب عشا کا وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے خوان پُر از طعام نازل فرمایا اور اس خوان پر مختلف قسم کے کھانے تھے اور تقریباً بارہ برس تک ہر رات کو خوان اُترتا رہا۔ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے گمان کیا کہ نزولِ خوان کا سبب ان کی نماز' روزہ' عبادت اور ان کی طاعت ہے چنانچہ وہ لڑکی مر گئی اس کے بعد نزولِ خوان بند ہو گیا اس وقت معلوم ہوا کہ نزولِ خوان لڑکی ہی کی وجہ سے تھا اور ان کی وجہ سے نہ تھا۔

(قلیوبی)

Scanned with CamScanner

☆......حضور نبی کریم ﷺ نمازِ عید کے واسطے باہر نکلے' کچھ لڑکے کھیل رہے تھے' ان میں ایک لڑکا گوشہ میں بیٹھا ہوا رو رہا تھا اور اس کے بدن پر پرانے کپڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: "اے لڑکے! تم کیوں روتے ہو اور لڑکوں کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے ہو؟"

یہ سن کر اس لڑکے نے آپ سے کہا:

"مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ آپ ﷺ ہیں کہ اے مرد مجھے چھوڑ دے اس لیے کہ میرا باپ فلاں لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ میں شہید ہو گیا۔ میری ماں نے دوسرا شوہر کر لیا۔ پس ان دونوں نے میرا مال کھا لیا اور میری ماں کے شوہر نے مجھے میرے گھر سے نکال دیا اور اب میرے پاس نہ تو کھانا ہے اور نہ پینا اور نہ کپڑا ہے نہ گھر کہ جس میں رہوں جب میں نے ان باپ والے لڑکوں کو دیکھا کہ یہ کھیلتے ہیں اور ان کے جسم پر کپڑے ہیں تو میرا غم اور میری مصیبت تازہ ہو گئی۔ میں اسی وجہ سے رو رہا ہوں"۔ آنحضرت ﷺ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اس سے فرمایا:

"کیا تو راضی نہیں ہے کہ میں تیرا باپ بنوں اور عائشہ رضی اللہ عنہا تیری ماں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا تیری بہن اور علی رضی اللہ عنہ تیرا چچا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما تیرے بھائی ہوں"۔

لڑکے نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! میں کیوں نہ راضی ہوں گا"۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ اس کو اپنے مکان میں لے گئے' اچھے کپڑے پہنائے اور اس کا بناؤ سنگھار کیا اور اس کو کھانا کھلایا اور خوش کیا۔ وہ لڑکا ہنستا ہوا خوش خوش دوڑتا ہوا لڑکوں کی طرف آ نکلا جب لڑکوں نے اس کو دیکھا تو اس سے کہا:

"ابھی تو تم روتے تھے اب کیا بات ہے کہ تم خوش ہو گئے؟" لڑکے نے کہا:

"میں بھوکا تھا' آسودہ ہو گیا۔ ننگا تھا اب کپڑے پہن لیے۔ یتیم تھا اب رسول اللہ ﷺ میرے باپ اور عائشہ رضی اللہ عنہا میری ماں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا میری بہن اور علی رضی اللہ عنہ میرے چچا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما میرے بھائی ہیں"۔ پس لڑکوں نے

کہا:

"کاش ہمارے سب کے باپ اس لڑائی میں مارے گئے ہوتے"۔

وہ لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہا یہاں تک کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو وہ لڑکا گھر سے نکلا اور اپنے سر پر مٹی ڈالتا اور کہتا تھا کہ اب میں یتیم ہو گیا اب میں غریب اور مسافر ہو گیا اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ (ایضاً)

Scanned with CamScanner

(115)

تبلیغ میں کشش

صوفیاء کی کیا تعلیمات تھیں؟ ان میں کس قدر کشش تھی اور پھر ان کے کیا نتائج نکلے؟ اس کے متعلق اعجاز الحق قدوسی صاحب لکھتے ہیں:

''صوفیاء اپنی تعلیمات میں پابندی اخلاق پر زور دیتے تھے اور خدمتِ خلق کو اس کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ٹھہراتے تھے۔ صوفیاء کے مسلک میں خدمتِ خلق کو نہایت اہمیت حاصل تھی یہاں تک کہ وہ دل جو بنی نوع انسان کے جذبہ محبت وخدمت سے خالی ہو اس کے ایمان کو بھی ناقص بتاتے تھے۔ صوفیائے کرام شریعت وطریقت کو ہم آہنگ کر کے شرافت، امن، سالمیت اور احترامِ انسانیت کا درس دیتے تھے۔ انہوں نے تصوف کو عوامی تحریک بنا کر عوام سے گہرا ربط پیدا کر کے عوام کے داخلی اور خارجی مسائل اندازِ فکر اور رویوں کو سمجھ کر ان کے معاملات اور مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی۔ ان کی مساوات، اسلام کی نئی راہ دکھا کر روحانی انداز میں ان کے اُلجھے ہوئے مسائل کا اتنا عمدہ حل پیش کیا کہ عوام نے ان کی تعلیمات میں ایک دل آویز کشش محسوس کی اور وہ ان میں اس طرح جذب ہوئے کہ عوام کی حمایت اور طاقت نے ان کو ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا یہاں تک کہ فرماں رواؤں کا اقتدار اور شوکت ان کے فقیرانہ انکسار کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور صوفی تھے، ایک مرتبہ ''رقہ'' تشریف لائے۔ اتفاق سے اس زمانے میں مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید

بھی رقہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی تشریف آوری کی خبر سن کر شہر کی ساری آبادی ان کے استقبال کے لیے نکل پڑی۔ ہارون کی ایک کنیز بھی بالاخانے سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، ہارون نے اس کنیز سے پوچھا: کیا بات ہے لوگ بے تحاشا دوڑتے ہوئے جوق در جوق چلے جا رہے ہیں؟ کنیز نے جواب دیا کہ خراسان کے مشہور عالم اور صوفی عبداللہ بن مبارک اس شہر میں تشریف لائے ہیں ان کے استقبال کے لیے دنیا ٹوٹ رہی ہے، یہ ہارون کی بادشاہت نہیں کہ بغیر ڈنڈے اور پولیس کے لوگ جمع ہی نہیں ہوتے اس چھوٹے سے واقعہ سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صوفیائے کرام کس طرح اپنی تعلیمات سے عوام کے قلوب کو فتح کر کے فاتح زمانہ فرماں رواؤں پر سبقت لے گئے''۔

(اقبال کے محبوب صوفیا ص ۱۳۱۔۱۳۲)

فروغ اسلام اور تبلیغ دین کا طریقہ کار

اسلام کے فروغ اور دین کی تبلیغ کے لیے صوفیاء کا طریق کار کیا تھا؟ اس کا پتہ شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں لگائیے:

''پاک وہند میں اسلام زیادہ تر صوفیائے کرام نے پھیلایا لیکن ان کا طریق کار دورِ حاضر کے مشنریوں اور مبلغوں سے بالکل مختلف تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو فقط غیر مسلموں میں اشاعتِ اسلام کے لیے وقف نہ کر رکھا تھا بلکہ تبدیلی مذہب تو (سوائے بعض اسماعیلیوں اور سہروردیوں کے) شاید ان کا مقصد اولین ہی نہ تھا۔ ان کے دروازے ہر ایک کے لیے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، امیر ہو یا غریب کھلے تھے اور ان کا کام ہر ایک میں بلا کسی تفریق کے ''ارشاد وہدایت'' تھا۔ ایک ہندو کے قبولِ اسلام سے انہیں جتنی خوشی ہوتی تھی شاید اس سے زیادہ ایک مسلمان کے ترکِ گناہ سے ہوتی۔ صوفیاء کے اس جامع نقطہ نظر کو سلسلۃ الذہب کے مصنف نے ایک مشہور سہروردی بزرگ

Scanned with CamScanner

(شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی) کا ذکر کرتے ہوئے خوب واضح کیا ہے اور ان کی نسبت لکھا ہے۔

"لوگوں کی ارشاد و ہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف گناہ سے عبادت کی طرف' نفسانیت سے روحانیت کی طرف ان کا بڑا امر تبہ تھا۔ مشائخ کبار کے سامنے یہی مقصد تھا جو سلسلۃ الذہب کے بیان کے مطابق شیخ بہاؤ الدین کا تھا۔ وہ ہر ایک کو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان' ایک بلند تر روحانی زندگی کا پیغام دیتے اور اس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ کفارِ اسلام کی طرف راغب ہوتے اور عام مسلمان ایک پاک اور بے عیب زندگی کی طرف!"

خانوادہ چشتیہ کے مشہور بزرگ شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی نے بھی اپنے مکتوبات میں اس نقطہ نظر کی ترجمانی کی ہے۔ "دراں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد و ذاکرین کثیر" ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"بہرحال در اعلائے کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ اسلام حقیقی بر کنید"۔ (آب کوثر: ۱۹۱۔۱۹۰)

(116)

فراستِ عالمانہ کے واقعات

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں جامع مسجد میں تھے کہ ناگہاں ایک اجنبی مسجد میں داخل ہوا تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"میری فراست یہ کہتی ہے کہ یہ شخص "لوہار" ہے جبکہ امام شافعی نے فرمایا: میری فراست یہ کہتی ہے کہ یہ شخص "بڑھئی" ہے"۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"یہ شخص جب نماز سے فارغ ہو گیا تو لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟" تو اس نے بتایا:

"سال گزشتہ تک تو میں بڑھئی کا کام کرتا رہا مگر امسال میں نے "لوہاری" کا پیشہ اختیار کر لیا ہے"۔ (نزہۃ المجالس' ص۱۲۰)

یہ وہی نورِ علم کی فراست ہے جس کا تذکرہ آپ نے پڑھا۔ علمائے ربانیین کے ایسے سینکڑوں واقعات ملیں گے کہ وہ انسانوں کی صورت دیکھتے ہی پیشہ اور اعمال و افعال تو کجا؟ ان کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے خطرات اور خیالات کو بھی اپنے نورِ فراست سے بھانپ لیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ

دل زندہ و بے دار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور
احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

☆...... حضرت نصر بن شمیل (متوفی ۲۰۳ھ) حدیث و فقہ و نحو و شعر وغیرہ علوم و فنون

کے مانے ہوئے استادِ وقت تھے لیکن بہت ہی سادہ مزاج تھے۔ ایک مرتبہ مدت کا بوسیدہ، میلا کچیلا لباس پہنے ہوئے بے دھڑک خلیفہ بغداد مامون رشید کے دربارِ شاہی میں داخل ہو گئے۔ مامون نے پہلے تو ان کے لباس پر اظہارِ حیرت کرتے ہوئے انہیں ٹوکا لیکن پھر ایک استادِ حدیث کی صحبت کو غنیمت جان کر علمِ حدیث کا تذکرہ شروع کر دیا اور اپنی سند سے ایک حدیث سنائی مگر ''سِداد'' کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا' سداد زبر کے ساتھ پڑھ دیا۔ حضرت نضر بن شمیل نے مامون رشید کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے اپنی سند سے اسی حدیث کو پڑھا اور سداد کو زیر کے ساتھ پڑا۔ مامون دفعتاً چونکا اور سنبھل کر بیٹھ گیا اور حضرت نضر بن شمیل سے سوال کیا کہ کیا سداد زبر کے ساتھ غلط ہے؟ حضرت نضر بن شمیل نے فرمایا: جی ہاں! آپ کے استاد ''ہشیم'' نے آپ کو غلط بتایا ہے۔ مامون نے کہا کیا: ''سداد'' اور سداد ان دونوں لفظوں کے معنی میں کچھ فرق ہے؟ حضرت نضر نے فرمایا: جی ہاں سداد زبر کے ساتھ سیدھا راستہ چلنے کے معنی میں ہے اور سداد زیر کے ساتھ رکاوٹ ڈالنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ مامون نے کہا: اس کی کوئی سند بھی آپ پیش کر سکتے ہیں تو حضرت نضر نے فوراً عربی کا یہ شعر پڑھ دیا

اَضَاعُوْنِیْ وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوْا
لِیَوْمِ کَرِیْهَةٍ وَّسِدَادِ ثَغْرٍ

اور فرمایا: امیر المومنین! آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اس شعر میں سداد کا لفظ آیا ہے جو سرحد پر دشمن کو روکنے والی چیز کے معنی میں ہے۔ مامون اپنی غلطی پر شرمندہ ہو گیا اور کہا خدا اس کا بُرا کرے جس کو فنِ ادب نہیں آتا پھر مامون نے حضرت نضر سے مختلف مضامین کے اشعار سنے اور رخصت ہونے کے وقت اپنے وزیر اعظم فضل بن سہل کو رقعہ لکھ دیا کہ پچاس ہزار درہم حضرت نضر کو عطا کیے جائیں۔ حضرت نضر یہ فرمانِ شاہی لے کر فضل کے پاس تشریف لے گئے اس نے رقعہ دیکھ کر پوچھا کہ آپ نے امیر المومنین کی غلطی ثابت کی؟ حضرت نضر نے فرمایا: غلطی تو ہشیم نے کی۔ امیر المومنین پر کیا الزام ہے؟ فضل نے یہ سن کر تیس ہزار درہم اپنی طرف سے مزید نذر کیے اس طرح صرف ایک غلطی بتانے پر حضرت نضر بن

شمیل کو اسی ہزار درہم ملے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی المامون جلد ۲ ص ۱۴۲)

علماءِ سلف کی یہ شان تھی کہ غلطیوں پر بادشاہوں کو ٹوک دینے میں بھی ان کو خوف و ہراس دامن گیر نہیں ہوتا تھا اور اسلامی حکومت کے سلاطین و امراء کا یہ طرزِ عمل بھی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ وہ غلطیوں پر متنبہ کرنے سے برہم نہیں ہوتے تھے بلکہ نہایت جذبۂ تشکر کے ساتھ اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اپنی اصلاح کر لیتے تھے اور علمائے دین کا ان کے دلوں میں کتنا عظیم احترام تھا؟ حضرت نضر بن شمیل کے ساتھ مامون اور فضل کا یہ طرزِ عمل اس کی ایک تابناک اور ناقابلِ فراموش مثال ہے۔ یہ تاریخی واقعہ اس دَور کے متکبر مالداروں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے جو علمائے کرام کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں۔ خداوندِ کریم ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے کہ علمائے حق کی قدر و منزلت درحقیقت علمِ دین کی عزت ہے اور علمِ دین کی تعظیم درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم ہے مگر افسوس کہ دولت کے نشہ اور سیاست کے چکر نے مسلمانوں کی دنیائے ایمان پر ایسی بمباری کر دی ہے کہ ایمانی محل کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور اب تو حال یہ ہے کہ:

نہ احساسِ شریعت ہے، نہ اب تبلیغ سنت ہے
جدھر دیکھو زبانوں پر سیاست ہی سیاست ہے
فقط اتنا سیاسی لیڈروں سے پوچھتا ہوں میں
حکومت سے ہے مذہب یا کہ مذہب سے حکومت ہے

(117)

الْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ

خلیفہ معتصم باللہ جب خلقِ قرآن کے سلسلے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بدلنے سے عاجز آ گیا تو اس نے ان پر مزید سختی شروع کر دی۔ آلۂ تعذیب نصب کروایا، ظالم اور جابر جلاد مقرر کیے اور بے پناہ تشدد کرایا۔ جلاد کے سخت زدوکوب کی وجہ سے امام صاحب کا کندھا مبارک اُکھڑ گیا، پیٹھ مبارک سے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ خلیفہ معتصم آگے بڑھا اور گویا ہوا:

يَا أَحْمَدُ، قُلْ هٰذِهِ الْكَلِمَةَ وَأَنَا أَفُكُّ عَنْكَ بِيَدِيْ، وَأُعْطِيْكَ وَأُعْطِيْكَ.

"احمد! صرف یہ ایک کلمہ کہہ دو (کہ قرآن مخلوق ہے) میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول کر تمہیں آزاد کر دوں گا اور تمہیں دنیا جہان کی نعمتوں سے مالا مال کر دوں گا"۔ جواب میں امام احمد صرف یہ فرماتے:

هَاتُوْا آيَةً أَوْ حَدِيْثًا.

"قرآن کی کوئی آیت یا حدیث کی کوئی نص اس کی دلیل کے طور پر پیش کر دو، میں فوراً اپنی رائے تبدیل کر دوں گا"۔ خلیفہ معتصم نے دانت پیستے ہوئے جلاد سے کہا:

"یہ میری بات نہیں مان رہا، تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں، تم نے اس پر زیادہ سختی نہیں کی اور زیادہ قوت سے مارو"۔

جلاد نے پوری قوت سے تازیانہ مارنا شروع کیا۔ امام صاحب کا گوشت پھٹ گیا، خون کا فوارہ نکلا۔ خلیفہ کا ایک درباری عالم آگے بڑھا اور گویا ہوا: "احمد بن حنبل! کیا اللہ

تعالیٰ نہیں فرماتا:

وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ ۔ "اپنی جانوں کو قتل نہ کرو"۔ (النساء: ۲۹)

پھر کیوں خواہ مخواہ اپنی جان کے درپے ہو اور خلیفہ کی بات نہ مان کر اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

أُخْرُجْ، وَانْظُرْ أَيُّ شَيْءٍ وَرَاءَ الْبَابِ؟

"باہر نکلو اور دروازے کے باہر دیکھو تمہیں کیا نظر آتا ہے؟"

اس نے محل کے صحن سے نکل کر جھانکا، دیکھا بے شمار لوگ کاغذ اور قلم پکڑے انتظار کر رہے ہیں۔ درباری عالم نے اس مجمع والوں سے پوچھا: "کس چیز کے منتظر ہو؟"

لوگوں نے کہا: نَنْظُرُ مَا يُجِيْبُ بِهِ أَحْمَدُ فَنَكْتُبُهُ.

"ہم خلقِ قرآن کے مسئلے میں امام احمد کے جواب کے منتظر ہیں تاکہ اس کو لکھ سکیں"۔

وہ درباری عالم واپس آیا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو جب خبر دی تو امام صاحب نے فرمایا:

أَنَا أُضِلُّ هٰؤُلَاءِ كُلَّهُمْ؟ أَقْتُلُ نَفْسِيْ وَلَا أُضِلُّهُمْ.

"کیا میں ان تمام لوگوں کو گمراہ کر دوں؟ اپنے آپ کو قتل کروا لینا منظور ہے مگر ان کو گمراہ کرنا منظور نہیں"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں ہوں۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۱/ ۱۷۷۔ ۳۵۸ وغیرہ کتب تاریخ ورجال)

Scanned with CamScanner

118- اچھی شاعری نے بخشوالیا

حضرت سیّدنا محمد بن نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’ابونواس رحمۃ اللہ علیہ میرے قریبی دوست تھے‘ ہم ایک ہی علاقے میں رہا کرتے تھے پھر وہ دوسرے شہر چلے گئے اور آخری عمر تک ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک دن اطلاع ملی کہ ابو نواس علیہ رحمۃ اللہ کا انتقال ہو گیا ہے اس خبر نے مجھے بہت غمگین کیا‘ میں بہت زیادہ پریشان تھا اسی حال میں مجھے اونگھ آ گئی میں نے ابونواس رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو پکار کر کہا: ’’ابونواس؟‘‘ انہوں نے کہا: ’’یہاں کنیت نہیں‘‘۔ میں نے کہا: ’’آپ حسن بن ہانی ہیں؟‘‘ کہا: ’’ہاں!‘‘ میں نے پوچھا: مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ؟ ’’اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟‘‘ کہا:

’’اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے ان چند اشعار کی وجہ سے بخش دیا جو میں نے اپنی موت سے کچھ دیر قبل کہے تھے‘‘۔

حضرت سیّدنا محمد بن نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’پھر میری آنکھ کھل گئی‘ میں فوراً ان کے گھر پہنچا جب اہلِ خانہ نے مجھے دیکھا تو ان کا غم تازہ ہو گیا اور وہ بلک بلک کر رونے لگے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور پوچھا: ’’کیا میرے بھائی ابونواس رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال سے قبل کچھ اشعار لکھے تھے؟‘‘

انہوں نے کہا: ’’ہمیں نہیں معلوم! ہاں! اتنا ضرور ہے کہ موت سے قبل انہوں نے قلم‘ دوات اور ورق منگوائے تھے‘‘۔

میں نے کہا: ’’مجھے ان کی خواب گاہ (یعنی آرام کے کمرہ) میں جانے کی اجازت دو تا کہ ان اوراق کو ڈھونڈ سکوں‘‘۔

گھر والوں نے مجھے ان کی خواب گاہ تک پہنچایا۔ میں نے تکیہ ہٹا کر دیکھا تو

وہاں کوئی چیز نہ ملی پھر دوبارہ تکیہ ہٹایا تو وہاں ایک پرچہ ملا جس پر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

يَا رَبِّ اِنْ عَظُمَتْ ذُنُوْبِيْ كَثْرَةً
فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ عَفْوَكَ اَعْظَمُ
اِنْ كَانَ لَا يَرْجُوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنِ الَّذِيْ يَدْعُوْ وَيَرْجُو الْمُجْرِمُ
اَدْعُوْكَ رَبِّ كَمَا اَمَرْتَ تَضَرُّعًا
فَاِذَا رَدَدْتَّ يَدِيْ فَمَنْ ذَا يَرْحَمُ
مَا لِيْ اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ اِلَّا الرَّجَا
وَجَمِيْلُ عَفْوِكَ ثُمَّ اِنِّيْ مُسْلِمٌ

’’۱) اے میرے مالک و مولیٰ! بے شک میرے گناہ بے شمار ہو گئے مگر میں جانتا ہوں کہ تیرا عفو و کرم سب سے بڑھ کر ہے۔

۲) اگر نیک لوگ ہی تجھ سے امید رکھ سکتے ہیں تو پھر مجرم کسے پکاریں؟ اور کس سے امید رکھیں؟

۳) اے میرے مولیٰ! میں تیرے حکم کے مطابق گریہ وزاری کرتے ہوئے تیری بارگاہ میں فریاد کرتا ہوں اگر تو نے مجھے خالی ہاتھ لوٹا دیا تو پھر کون رحم کرے گا؟

۴) تیری بارگاہ میں باریابی کے لیے میرے پاس امید اور تیرے عفو و کرم کے سوا کوئی وسیلہ نہیں پھر یہ کہ میں تجھے ماننے والا ہوں۔ (عیون الحکایات)

اس حکایت میں ان شعرائے کرام کے لیے مسرت کا ساماں ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں اچھے اشعار (یعنی حمدِ الٰہی‘ ثنائے مصطفیٰ ﷺ اور نصیحت بھرے اشعار) لکھتے ہیں اور یقیناً ایسوں کے لکھے ہوئے اشعار پڑھنے اور سننے سے خوفِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی لازوال دولت ملتی‘ حفاظتِ ایمان کے لیے کڑھنے کا ذہن بنتا اور نیک بننے کا جذبہ ملتا ہے۔

Scanned with CamScanner

(119)

دلِ مضطر سے نکلی ہوئی دعا

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ظالم بادشاہ تھا۔ پس لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ظالم کے ظلم کی دادخواہی کی اور ان سے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ! آپ ہمارا اس ظالم سے انصاف کیجیے اس لیے کہ اس نے قتل کیا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو سولی کا حکم دیا' وہ پہاڑ پر رات کو سولی دیا گیا' لوگ اس سے جدا ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور وہ ظالم سولی کی لکڑی پر تنہا رہ گیا اس کے بعد اس نے اپنے معبودانِ باطلہ سے گریہ وزاری کی لیکن انہوں نے اس کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔ وہ سورج اور چاند کے سامنے گڑگڑایا اور کہا: میں نے تم دونوں کو اس لیے پوجا تھا تاکہ جب مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو تم مجھے نفع پہنچاؤ۔ پس اب مجھے نفع پہنچاؤ۔ ان دونوں نے بھی اس کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا اور اس کو اس کے ناموں سے یاد کیا اس سے نالہ کیا:

يَارَبِّ عَصَيْتُكَ وَ عَبَدْتُّ غَيْرَكَ فَلَمْ اَنْتَفِعْ بِهٖ وَاَتَيْتُكَ اَنْتَ الْحَقُّ لِتُغِيْثَنِيْ فَاَغِثْنِيْ بِرَحْمَتِكَ .

''اے میرے رب! میں نے تیری نافرمانی کی۔ تیرے غیر کو پوجا لیکن اس سے نفع نہ پایا اب تیرے پاس آیا ہوں تو حق ہے تاکہ تو میری مدد کرے۔ پس اپنی رحمت سے میری مدد فرما''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اس نے اپنے معبودانِ باطلہ کو عرصۂ دراز تک پوجا لیکن ان سے نفع نہ پایا اب مجھ سے پناہ ڈھونڈھی اور مجھ سے دعا کی میں نے اس کی دعا قبول کی۔

بلاشک میں مضطر اور پریشان کی دعا قبول کرتا ہوں۔ اے جبرائیل علیہ السلام! میرے اس بندہ کے پاس جاؤ اور اس کو زمین پر سلامتی اور عافیت سے اُتار دو''۔

چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایسا ہی کیا صبح کو لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور ان سے کہا: اس کو لکڑی سے نیچے ڈالنے کے واسطے ہم کو حکم دیجیے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کو حکم دیا جب وہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو اس کو زندہ صحیح و سالم زمین پر پایا اس کے بعد لوگوں نے داؤد علیہ السلام کو اس کی اطلاع دی چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اس کی طرف گئے اس کو ویسا ہی پایا جیسا کہ تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور کہا: يَارَبِّ اَخْبِرْنِيْ بِمَا اَرٰى مِنَ الْعَجَائِبِ .

''اے میرے پروردگار! ان عجائبات سے جو میں دیکھ رہا ہوں' مجھے خبر دے''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی:

''اے داؤد علیہ السلام! اس بندہ نے مجھ سے عاجزی کی اس لیے میں نے اس کو قبول کیا اگر میں بھی اس کی دعا اور عاجزی کو نہ قبول کرتا جیسا کہ اس کے معبودانِ باطلہ نے نہ قبول کیا تھا تو مجھ میں اور ان میں کیا فرق ہوتا اور جو شخص میری طرف رجوع کرتا ہے میں اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہوں۔ اے داؤد علیہ السلام! اس کے سامنے ایمان پیش کرو' ایمان لائے گا اور اس کا ایمان راسخ ہوگا۔ میں ہی توفیق دیتا اور راہِ راست دِکھاتا ہوں''۔ (نوادر قلیوبی)

(120)

وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

صوفیائے چشت نے بالخصوص اور دیگر بزرگانِ دین نے بالعموم مختلف مقامات پر اپنے خلفاء کو متعین کیا۔ یہ بزرگانِ دین اور خلفاء مختلف مقامات پر اس لیے مامور کیے گئے تھے کہ وہ شمع اسلام روشن کر کے ہندوستان کے ظلمت کدہ کو منور کر دیں اور جب سلاطین دہلی تخت وتاج کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے تو خانقاہ کے یہ بوریہ نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے، رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہو گئیں، ایک تو ان کی تھی جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں، نیزے و بھالے تھے، اسلحہ تھا جن کے پاس خدام وحشم اور نوکر چاکر تھے، کرسی واقتدار تھا جن کے پاس دولت کی ریل پیل اور سونا چاندی کے انبار لگے ہوئے تھے اور ایک حکومت ان کی تھی جن کے گھروں میں فاقہ تھا لیکن انہی فقیروں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی عظمت اور شوکت قائم ہوئی

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

ہندوستان میں صوفیائے چشت نے ہندوؤں کو کس طرح متاثر کیا ہے، ہندوؤں کو مائل بہ اسلام کرنے کے لیے انہوں نے ہمیشہ کس اصول کو اپنایا؟ اس اصول کو خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے: ''ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ رہا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھے جائیں''۔

نافع السالکین میں لکھا ہے: ''حضرت'' قبلہ (خواجہ شاہ سلیمان تونسوی) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سلسلے کا یہ اصول ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں سے صلح رکھنی

چاہیے اور یہ بہت پڑھا کرتے تھے:

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام
بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

ان کے نزدیک یہ تقاضہ سماج اور سیاست کا نہ تھا بلکہ اخلاق وانسانیت کا مطالبہ تھا۔ وہ عملاً الخلق عیال اللہ کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ عقائد ونظریات کے اختلافات انسانی برادری کے رشتہ پر اثر انداز نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا۔ ''اے خدا کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''۔

ان کا ایمان تھا، وہ مہر ومحبت، خلوص ومروت، ہمدردی ورواداری، انسانی قلوب کو ایک رشتہ اُلفت میں پرونے کی کوشش کرتے۔ ایک شخص نے بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں قینچی پیش کی تو آپ نے فرمایا مجھے تو سوئی دو، میں کاٹتا نہیں، جوڑتا ہوں۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۲۹۷۔۲۹۸)

آخر میں ہماری زبان پر بے اختیار چودھری خوشی محمد ناظر کے یہ اشعار آ رہے ہیں، کتنی سچی تصویر کھینچی ہے:

ہیں خاک ہند میں کچھ نقش پا ان رہ نوردوں کے
ادب سے چومتے جن کو ہیں دشت وکوہسار اب تک
کوئی تھا گنج بخش ان میں کوئی گنج شکر ان میں
خزانے معرفت کے ہیں نہاں زیر مزار اب تک
ہوا ہندوستان جنت نشاں جن کی فضاؤں سے
نہ آئی جا کے ان باغوں میں پھر فصلِ بہار اب تک

(تاریخ مشائخ چشت ص۲۳۵)

تسخیر قلوب بذریعہ......

بعض لوگ دانستہ یا نادانستہ یا تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان میں صوفیاء چشت نے سماع کو اس لیے رواج دیا کہ وہ اس طرح ہندوؤں کو اسلام کی طرف راغب اور متاثر کر سکیں مگر یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔ صوفیائے چشت نے گانے بجانے، قوالوں

سارنگیوں اور خوارق و کرامات سے نہیں بلکہ اپنے حسنِ خلق اور حسنِ صحبت سے ہندوؤں کو متاثر کیا ہے اس کا بیان مناظر احسن گیلانی کے درد بھرے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''اس زمانہ میں چشتی اور چشتیت کے مفہوم کو گانے بجانے' چنگ و نے' دف وچغانہ کے ساتھ کچھ اس طرح لازم کر دیا گیا ہے کہ لفظ چشتی کے بولنے کے ساتھ ہی گویا مخاطب کا ذہن رقص و سرود کے ان ہی سامانوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ تصوف کو جوگیت قرار دینے والے تو خیر وہ لوگ تھے جنہیں صوفیاء اور تصوف سے ہمدردی نہیں ہے لیکن اس غریب تصوف کے غم گساروں نے بھی غم گساری کا جو فرض ادا کیا ہے اس کی ایک مثال وہی توجیہ ہو سکتی ہے جو ''طریقہ چشتیہ'' میں گانے بجانے کے رواج کو پا کر اُس زمانہ میں بکثرت مختلف الفاظ میں مختلف دائروں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے' یعنی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایک خاص قسم کا ملک تھا یہاں کے عام باشندوں میں موسیقی سرود و نغمہ وغیرہ کا شدید میلان پایا جاتا تھا' باشندگانِ ملک میں رقاصی اور نغمہ نوازی کے اسی میلان کو دیکھ کر بزرگانِ چشت نے ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے یہ مناسب خیال کیا کہ ان کے اسی مذاق سے نفع اُٹھایا جائے اور یوں چشتی طریقہ میں اسی مصلحت سے گانے بجانے کو مروج کیا گیا' نادان دوستوں کی ذہانت کی داد دینی چاہیے اور اس سے بھی زیادہ اس ہمت کی کہ بنیاد ہو یا نہ ہو لیکن دماغ میں جو خیال آ گیا اس کے آگے بڑھانے میں ان لوگوں کو کوئی جھجک نہیں ہوتی۔

کچھ نہیں تو کم از کم ایک ہی واقعہ سہی' ان لوگوں کو کہیں ایسا مل جاتا کہ ایک ہندو محض صوفیوں کی محفل کے گانے سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا تو کہا جا سکتا تھا کہ اس زمانہ میں اس قسم کے جزئیات سے کلیات بنانے کا جب عام رواج ہی ہے تو کیا مضائقہ ہے کہ ایک جزئی واقعہ سے کلی توجیہ پیدا کر لی گئی مگر میں جانتا ہوں اس سلسلے میں ان کے پاس ایک واقعہ بھی تو نہیں ہے اب اسے میں صرف شاعری نہ سمجھوں تو اور کیا سمجھوں اور شاعری میں بھی بہر حال تشبیہ اور

استعارہ کی وجہ شبہ ہوتی ہے یہاں تو وہ بھی نہیں''۔

اصل حقیقت

واقعہ یہ ہے کہ ''تبلیغ اسلام'' کا مسئلہ نہ اتنا آسان تھا اور نہ ہے کہ صرف چند غزلوں کو الاپنے سے اس میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہندو اتنے بے وقوف تھے کہ وہ صرف گانے پر شیفتہ ہو کر اپنے آبائی دین اور دھرم کو چھوڑ دیتے' گانا بجانا تو بڑی چیز ہے۔ آپ جن بزرگوں کو متہم فرما رہے ہیں کہ انہوں نے تبلیغ اسلام کی راہ یہ نکالی تھی اس کی تائید میں تو کوئی چیز آپ پیش نہیں کر سکتے لیکن میں آپ کی خدمت میں تجربہ کی وہ بات پیش کرتا ہوں جو ہندو قوم کے نفسیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ''طریقہ چشتیہ'' کے رُکن اعظم حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا تھا' فوائد الفواد میں ہے (ایک غلام جو مسلمان تھا وہ حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا اور ''یک ہندوے در برابر خود آورد و گفت کہ ایں برادر من است'' (ایک ہندو آیا اور کہا یہ میرا بھائی ہے) جب دونوں بیٹھ گئے تو جامع ملفوظات لکھتے ہیں:

''خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر از ان غلام پرسید کہ ایں برادر تو ہیچ میلے بہ مسلمانی دارد''

(خواجہ صاحب نے اس لڑکے سے پوچھا: تمہارا یہ بھائی مسلمان ہونے کی بھی کچھ خواہش رکھتا ہے؟) جواب میں اس مسلمان غلام نے عرض کیا:

''او را تحت اقدام بجہت ایں معنی آوردہ ام تا بہ برکت نظر مخدوم مسلمان شود''

(اس کو اسی مقصد کے لیے لایا ہوں تا کہ جناب کی برکت سے مسلمان ہو جائے)

اس مسلمان غلام سے یہ سنا تھا کہ جامع ملفوظات کہتے ہیں:

''خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر چشم پر آب کرد''۔

حضرت والا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کیا خیال آیا' ظاہر ہے کہ اس غریب ہندو بے چارے کے انجام کا خیال آیا اور اسی کے ساتھ اپنی بے بسی کا جس کا اظہار حضرت ہی ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ''فرمود کہ ایں قوم را چنداں بگفت کسے دل نہ گردد''

یعنی صرف باتوں سے کوئی چاہے کہ ہندو قوم کے دل کو ان کے دھرم سے پھیر دے یہ مشکل ہے۔

یہ کام اتنا آسان نہ تھا

یہ تھی پتہ کی وہ بات جو وہی کہہ سکتا ہے جسے اس راہ کا کچھ تجربہ ہوا اور کچھ دن اس مسئلے کو اس نے سوچا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے عوام اپنے خواص کے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہر انقلابی اقدام میں ان کی نظر ان ہی لوگوں پر رہتی ہے جن کے ہاتھ میں اس ملک کی باگ ہے' میری مراد برہمنوں سے ہے اور برہمنوں کا حال یہ ہے کہ ان کو کوئی گا بجا کر کیا مسلمان کر سکتا ہے۔ ان کا تو کسی کی تقریر اور تحریر سے بھی متاثر ہونا آسان نہیں ہے۔ آپ ان کے سامنے مذہب کو جس حد تک بھی فلسفہ بنا کر پیش کیجیے وہ آپ کے سامنے اس سے زیادہ فلسفیانہ گفتگو شروع کر دیں گے اس قسم کی مذہبی اور دینی تقریروں کی اس ملک میں کیا کمی ہے' ان برہمنوں کو ہزار ہا ہزار سال اطمینان کے ساتھ روٹی کھانے کا موقع ملا ہے ان پر نہ حکومتوں کے بدلنے کا اثر پڑتا تھا' نہ سلطنتوں کے کیونکہ ایک راجہ کو مار کر دوسرا راجہ اگر گدی پر بیٹھتا تھا تو برہمن کی خدمت اس پر اسی طرح واجب ہوتی تھی جتنی پہلے پر اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مذہب کو فلسفہ بنایا گیا ہے وہ لن ترانیاں ہیں اور دور کی کوڑیوں کے لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج ہندو فلسفہ کی کتابوں سے ہر اس فلسفہ کا طلسم کھڑا کیا جا سکتا ہے جو یونانیوں نے بلکہ آج میٹا فزکس (مابعد الطبیعات) کے مسائل میں یورپ نے پیدا کیا ہے اسی طرح اگر آپ مذہب کو قصہ کہانی کی شکل میں جس میں خوارق اور عجائب کا ذکر ہوا گر ان کے سامنے پیش کریں گے تو وہ آپ کے آگے اس سے بھی عجیب تر چیزوں کو اپنے پرانوں اور مہابھارت رامائن وغیرہ سے اخذ کر کے رکھ دیں گے کچھ نہیں تو مہابھارت ہی پڑھیے جا بجا کسی درخت کا اچانک آدمی ہو جانا' آدمی کا درخت ہو جانا' لڑکوں کا جوان' جوانوں کا لڑکوں کی صورت اختیار کرنا' لکڑی کا تلوار کی صورت' تلوار کا لکڑی بن جانا' غرض ہر ناممکن کو ممکن ہی نہیں بلکہ قدم قدم میں واقعہ کی شکل اختیار کرتے ہوئے آپ اس کتاب میں پائیں گے۔ اور عام طور پر غلط طریقہ سے مذہب کی تبلیغ کی جب کوشش کی گئی ہے تو عموماً یہی دو راہیں اختیار کی جاتی ہیں' مذہب کو فلسفہ بنایا جاتا ہے یا مذہب کو خیالی افسانوں' محیر العقول خوارق اور عجوبہ طرازیوں سے بھر کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا حال یہ ہے کہ ان میدانوں میں وہ

آگے بڑھے ہوئے ہیں بلکہ اس ملک کے عام باشندے جن برہمنوں کے پنجوں میں ہزار ہا ہزار سال سے گرفتار ہیں اس کی وجہ ہی یہ ہے۔ یہی دو حربے ہیں جن میں اپنشدا سے تو سوچنے والے ارباب فکر کو گھیر لیا جاتا ہے' ان کے سامنے وہ آسمان و زمین کی باتیں سنائی جاتی ہیں کہ بہرحال انہیں اپنی عقلی پرواز کی درماندگی کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور پرانوں کے عجیب و غریب قصوں کا پھندا عوام کے گلوں میں پڑا ہوا ہے' بڑے سے بڑا معجزہ بڑی سے بڑی کرامت جو سوچی جا سکتی ہے' وہ آپ کو ان کی کتابوں کے ورق ورق پر ملیں گی۔ بھلا حامیوں کا جو گروہ ان کو سنے ہوئے ہے اس پر واقعی معجزات اور کرامات کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ آپ تو واقعہ بیان کریں گے اور وہاں یہ کہا گیا ہے کہ جس قسم کے مستحیلات و ناممکنات عقل سوچ سکتی ہے سب ہی کے متعلق لکھ دیا گیا ہے کہ ہمارے یہاں واقع ہو چکا ہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جس قوم کی نفسیاتی حالت یہ ہو اس کے متعلق یہ بات کتنی پھسپھسی اور بودی ہوگی کہ چشتی فقراء گا بجا کر ان کو مسلمان کرنا چاہتے تھے یا اس ذریعہ سے ان کو مسلمان کرنے میں وہ کامیاب ہوئے مگر یہ تو آپ فرماتے ہیں یعنی جنہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ اس ملک کے غریب ہندوؤں کے متعلق ہم پر کوئی فریضہ عائد ہوتا ہے بھی یا نہیں۔

پر جس کا سینہ نسل آدم کی اتنی بڑی تعداد کی گمراہیوں کو دیکھ کر شق ہوا جاتا تھا' آپ نے دیکھا کہ ذکر کے ساتھ ہی وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط نہ کر سکا اور اس قوم کے متعلق جو صحیح تشخیص ہو سکتی تھی اس کا اظہار ان مختصر الفاظ میں کیا گیا یعنی صرف باتوں سے ان کو مسلمان کرنا آسان نہیں ہے' باتوں کی تو ان کے یہاں بھی کوئی کمی نہیں ہے اور ہر طرح کی باتوں کی' یہ تو اس قوم کے متعلق منفی رائے ہوئی۔ رہی یہ بات کہ پھر اسلام سے روشناس کرانے کی آج کوئی تدبیر ہندوؤں کے لیے ہے بھی یا نہیں۔ سلطان المشائخ نے اس کے بعد اس کا بھی جواب دیا ہے اسی کے بعد ارشاد ہے:

''اما اگر صحبت صالحے بیابد امید باشد کہ بہ برکت صحبت او مسلمان شود''

(ہاں اگر کسی صالح آدمی کی صحبت پالے تو امید ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہو جائے)

(121)

سلیمان علیہ السلام کا درباری پرندہ ہدہد

حافظ الحدیث ابوقلابہ عبدالمالک بن محمد رقاش کی والدہ ماجدہ نے حمل کی حالت میں یہ خواب دیکھا کہ ان کی گود میں ہدہد پرندہ تولد ہوا ہے جب انہوں نے تعبیر دینے والوں سے اپنے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو معبرین نے یہ تعبیر دی کہ تمہارے شکم سے ایک ایسا فرزند تولد ہوگا جو بہت بڑا عالم اور بہت ہی نمازی ہوگا چنانچہ ابوقلابہ پیدا ہوئے۔ ان کی علمی جلالت کا یہ عالم تھا کہ ساٹھ ہزار حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں جن کو یہ ہمیشہ اپنے درس حدیث میں زبانی بیان فرمادیا کرتے تھے اور ان کے نمازی ہونے کی یہ کیفیت تھی کہ روزانہ چار سو رکعات نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ ۲۷۶ھ میں یہ علم وعمل کا آفتاب غروب ہوگیا۔

(روح البیان ج۶ ص۳۴۰)

ہدہد بہت ہی مبارک پرندہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں زمین کو دیکھ کر یہ بتا دیتا تھا کہ یہاں کتنی گہرائی میں پانی ہے اور حضرت سلیمان کا خط جو آپ نے بلقیس کے پاس روانہ فرمایا تھا ہدہد ہی اس خط کو لے کر بلقیس کے پاس گیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ہدہد کو خواب میں دیکھنا بہت ہی مبارک ہے۔

☆...... حسن بن الفضل جو ابھی بہت ہی کم عمر تھے، ایک مرتبہ خلیفۂ بغداد کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے معمر باکمال علماء کا مجمع ہے۔ حسن بن الفضل نے کوئی گفتگو شروع کی تو خلیفہ نے بگڑ کر زور سے ڈانٹا کہ میرے سامنے اکابر علماء کی موجودگی میں ایک بچہ بولنے کی جرأت کر رہا ہے؟ حسن بن الفضل خلیفہ کی ڈانٹ سے نہ گھبرائے نہ ہی مرعوب ہوئے بلکہ برجستہ عرض کیا: اے امیر المومنین! میں ہدہد سے چھوٹا

نہیں اور آپ سلیمان علیہ السلام سے بڑے نہیں۔ آخر ہدہد نے بھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے۔ یہ کہا تھا:

اَحَطْتُ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ .

یعنی میں نے وہ بات دیکھی جو آپ نے نہیں دیکھی ہے اور میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں اور اے امیر المومنین! کیا آپ نے قرآن میں نہیں پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے ایک مقدمہ کا فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا جو ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اگر علم بوڑھے اور علم دراز لوگوں کا ہی حصہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ حق دار حضرت داؤد علیہ السلام تھے حسن بن الفضل کی اس حاضر جوابی پر خلیفہ اور حاضرین دربار حیران رہ گئے۔

(مستطرف ج۱ ص۴۵)

بزرگی کا دارومدار سن وسال پر نہیں ہے بلکہ علم وعقل کا کمال درحقیقت انسان کی بزرگی کا معیار ہے۔ حضرت شیخ سعدی کا مشہور مقولہ ہے:

''سخاوت بہ دل است نہ بہ مال بزرگی بہ عقل است نہ بسال''

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفۂ دمشق نے خوب فرمایا ہے:

تَعَلَّمْ فَلَيْسَ الْمَرْءُ يُوْلَدُ عَالِمًا
وَلَيْسَ اَخُوْ عِلْمٍ كَمَنْ هُوَ جَاهِلٌ
فَاِنَّ كَبِيْرَ الْقَوْمِ لَاعِلْمَ عِنْدَهٗ
صَغِيْرٌ اِذَا الْتَفَّتْ عَلَيْهِ الْمَحَافِلِ

''علم سیکھو کیونکہ کوئی شخص اپنی ماں کے پیٹ سے علم لے کر نہیں آیا اور علم والا اور جاہل دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ پوری قوم میں بڑا بوڑھا آدمی اگر وہ صاحب علم نہیں ہے تو وہ تمام محفلوں میں چھوٹا شمار کیا جائے گا''۔

اس حکایت میں ''حسن بن الفضل'' کی جرأت رندانہ دورِ حاضر کے علمائے حق کے لیے مشعلِ ہدایت ہے کہ علماء کو کبھی کسی مجلس میں بھی ''احساسِ کمتری'' میں مبتلا ہو کر ہرگز ہرگز مرعوب نہیں ہونا چاہیے بلکہ اگر کوئی وزن دار بات خیال میں آئے تو سیٹھوں،

Scanned with CamScanner

مال داروں لیڈروں سب کے سامنے بلا دھڑک اور بلا جھجک کے کہہ دینا چاہیے کیونکہ بات کا وزن بڑے بڑے سربلندوں کو پہاڑ بن کر کچل دیتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ ''حکیم سربجیب' ایک'' کلیم سربکف

(122)

مدینے کے جنوں نے بھی اسلام قبول کرلیا

امام مسلم اور امام مالک وغیرہ ہشام بن زہرہ کے غلام ابوسائب سے روایت کرتے ہیں' ان کا بیان ہے: ''میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر گیا اس وقت وہ نماز میں مشغول تھے۔ میں ان کی فراغت کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں گھر کے ایک کونے میں چارپائی کے نیچے سے حرکت کی آواز سنائی دی۔ میں نے دیکھا تو ایک سانپ تھا' میں جلدی سے اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا مگر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مجھے اشارے سے بیٹھنے کو کہا چنانچہ میں بیٹھ گیا۔

جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو گئے تو گھر کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: ''یہ کمرہ دیکھ رہے ہو؟'' میں نے عرض کیا: ''ہاں!'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس گھر میں ہمارا ایک نوجوان رہا کرتا تھا اس کی ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی جب ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خندق کی کھدائی کے لیے نکلے تو یہ نوجوان دوپہر کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر جانے کی اجازت طلب کرتا اور اجازت ملنے پر اپنے گھر آتا۔ ایک دن معمول کے مطابق اس نے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر جانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خُذْ عَلَيْكَ سَلَاحَكَ فَإِنِّيْ أَخْشٰى عَلَيْكَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ .

''تم اپنا ہتھیار ساتھ لے لو کیونکہ مجھے تم پر بنو قریظہ کے حملے کا خدشہ ہے''۔

نوجوان نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور اپنا ہتھیار لے کر اہلِ خانہ کی

طرف چل پڑا جب گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی دروازے کے درمیان کھڑی ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہی اس کی غیرت جاگ اُٹھی اور اس نے بیوی کو مارنے کے لیے نیزہ نکال لیا۔ بیوی جلدی سے گویا ہوئی:

اُكْفُفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَادْخُلِ الْبَيْتَ حَتّٰى تَنْظُرَ مَا الَّذِیْ أَخْرَجَنِیْ

''نیزہ چلانے میں جلدی مت کرو اور گھر کے اندر داخل ہو کر دیکھو کہ میں گھر سے کیوں نکلی ہوں''۔

نوجوان گھر کے اندر داخل ہوا' کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑا سانپ کنڈلی مارے اس کے بستر پر بیٹھا ہوا ہے اس نے نیزہ سنبھالا اور اسی نیزہ میں سانپ کو کونچ لیا پھر نیزہ لے کر نکلا اور اسے گھر میں گاڑھ دیا۔ اتنے میں سانپ نے اس پر حملہ کیا اور جوان مردہ ہو کر گر گیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ پہلے کس کی موت آئی' سانپ کی یا جوان کی؟ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں:

''پھر ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دے کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا فرما دیں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اِسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِكُمْ ۔

''اپنے ساتھی کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ جِنًّا قَدْ أَسْلَمُوْا' فَاِذَا رَأَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَآذِنُوْهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ' فَاِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاقْتُلُوْهُ' فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ ۔

''مدینے میں بعض جنات نے اسلام قبول کیا ہے جب تم کوئی سانپ دیکھو تو تین دن تک اسے زبانی تنبیہ کرو پھر بھی وہ نہ نکلے تو اسے قتل کر ڈالو کیونکہ وہ شیطان ہے''۔ (مسلم ۲۲۳۶' موطا امام مالک' کتاب الاستئذان' باب ۱۲)

(123)

ان خاک نشینوں کو ٹھوکر میں زمانہ ہے

حماد بن مومل ابو جعفر کلبی کہتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ نے بتایا:

''ایک مرتبہ میں نے حضرت سیّدنا وکیع علیہ الرحمہ سے پوچھا:

''حضور! کچھ عرصہ قبل خلیفہ ہارون الرشید علیہ الرحمہ نے آپ تینوں یعنی وکیع' ابن ادریس اور حفص بن غیاث رحمہم اللہ تعالیٰ کو شاہی دربار میں کیوں بلوایا تھا؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تم نے مجھ سے وہ سوال کیا ہے جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا' چلو میں تمہیں سارا واقعہ بتاتا ہوں:

''ہوا یوں کہ امیر المومنین ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے ہم تینوں کو اپنے دربار میں بلا کر شاہی مسندوں پر بٹھایا پھر مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا: ''اے وکیع!''

میں نے کہا: ''امیر المومنین! وکیع حاضر ہے''۔ خلیفہ نے کہا:

''تمہارے شہر والوں نے مجھ سے ایک قاضی طلب کیا ہے' انہوں نے مجھے جن لوگوں کے نام دیئے ان میں تمہارا نام بھی ہے' میں چاہتا ہوں کہ تجھے اپنی امانت اور رعایا کی بھلائی کے کاموں میں معاون بنالوں۔ میں تجھے قاضی بناتا ہوں' جاؤ! اور اپنا عہدہ سنبھالو''۔ میں نے کہا:

''اے امیر المومنین! میری ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو چکی ہے اور دوسری سے بہت کم دِکھائی دیتا ہے اب میری عمر بھی کافی ہو گئی ہے لہٰذا مجھے اس عہدے سے معافی دیں''۔ امیر المومنین نے کہا: ''تم یہ عہدہ قبول کرلو''۔ میں نے کہا:

Scanned with CamScanner

''اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! اگر میں اپنے بیان میں سچا ہوں تو چاہیے کہ میرا عذر قبول کیا جائے اور مجھے یہ عہدہ نہ دیا جائے اگر جھوٹا ہوں تو جھوٹا شخص اس لائق نہیں کہ اسے قاضی بنایا جائے''۔ خلیفہ نے جھنجھلا کر کہا: ''جاؤ! یہاں سے چلے جاؤ''۔

میں نے موقع غنیمت جانا اور فوراً چلا آیا۔

پھر عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس بلایا' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت دھیمی آواز میں خلیفہ کو سلام کیا۔ خلیفہ نے کہا: ''کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں کیوں بلایا؟'' فرمایا: ''نہیں''۔ خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''تمہارے شہر والوں نے مجھ سے ایک قاضی طلب کیا ہے اور جن لوگوں کے نام بھجوائے ہیں ان میں تمہارا نام بھی ہے۔ میں تمہیں تمہارے شہر کا قاضی بناتا ہوں جاؤ اور اپنا عہدہ سنبھالو''۔

حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''میں اس عہدہ کے لائق نہیں''۔ خلیفہ نے غضب ناک ہو کر کہا: ''چلے جاؤ! میں تمہارا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا''۔

خلیفہ کی یہ بات سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انتہائی جرأت مندی سے جواب دیا:

''اے خلیفہ میری بھی یہ خواہش ہے کہ میں تمہارا چہرہ نہ دیکھوں''۔

اتنا کہہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے چلے آئے۔

پھر حفص بن غیاث کو بلایا گیا تو انہوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا پھر ہم تینوں واپس اپنے شہر کی طرف چل دیئے۔ اتنے میں ایک خادم تین تھیلیاں لے کر آیا ہر تھیلی میں پانچ پانچ ہزار درہم تھے۔ خادم نے تھیلیاں ہمیں دیتے ہوئے کہا:

''امیر المومنین نے آپ تینوں کو سلام کہا ہے اور کہا ہے:

''آپ کو یہاں آنے تک سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں' یہ کچھ رقم لے لو تاکہ دورانِ سفر کام آ سکے''۔ حضرت سیّدنا وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے تھیلی واپس کرتے ہوئے کہا:

''میری طرف سے امیر المومنین کو سلام کہنا اور کہنا کہ آپ کا ہدیہ ہم تک پہنچ چکا ہے فی الحال مجھے ان درہموں کی ضرورت نہیں۔ آپ کی رعایا میں جو محتاج ہو یہ رقم اسے دے دیجئے''۔

جب خادم نے درہموں کی تھیلی عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کو دی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک زوردار چیخ ماری اور کہا:

''یہاں سے چلے جاؤ' مجھے یہ رقم نہیں چاہیے پھر حفص بن غیاث کو تھیلی دی گئی تو انہوں نے قبول کر لی۔

خادم نے ایک رقعہ حضرت سیّدنا عبداللہ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کو دیا جس میں یہ کلمات لکھتے تھے:

''اے عبداللہ بن ادریس! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو سلامت رکھے' ہم نے سوال کیا کہ ہمارے کاموں میں ہمارے معاون بن جاؤ لیکن تم نے انکار کیا پھر ہم نے مال بھجوایا تم نے وہ بھی قبول نہ کیا' میری ایک بات ضرور مان لینا جب تمہارے پاس میرا بیٹا مامون آئے تو اسے علمِ حدیث سکھانا''۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رقعہ پڑھ کر خادم سے کہا:

''خلیفہ سے کہہ دینا کہ اگر تمہارا لڑکا سب لوگوں کے ساتھ مل کر پڑھنا چاہے تو اسے بھیج دیں' میں علیحدہ سے اسے نہیں پڑھاؤں گا اگر دوسرے طالب علموں کے ساتھ مل کر پڑھے گا تو ان شاء اللہ اسے ضرور علمِ حدیث سکھاؤں گا''۔

پھر ہم وہاں سے چل دیئے ایک جگہ نماز کے لیے رُکے تو سپاہی کو سوتے ہوئے دیکھا جو سردی سے ٹھٹھرا جا رہا تھا۔ میں نے اپنی چادر اس پر ڈالتے ہوئے کہا:

''جب تک ہم وضو و نماز سے فراغت پائیں تب تک میری یہ چادر اس کے جسم کو سردی سے بچائے رکھے گی''۔

اتنے میں حضرت سیّدنا عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ بھی آ گئے انہوں نے حفص بن غیاث کو مخاطب کر کے کہا:

''اے حفص! اپنے شہر سے چلتے وقت جب تم اپنی داڑھی کو مہندی لگا کر حمام میں گئے تھے تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ عنقریب تمہیں قاضی کا عہدہ پیش کیا جائے گا اور تم اسے قبول کر لو گے۔ دیکھو ایسا ہی ہوا۔ خدا کی قسم! اب مرتے دَم تک میں تم سے کلام نہیں کروں گا''۔ حضرت سیّدنا وکیع علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''پھر واقعی حضرت سیّدنا عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے مرتے دَم تک حفص بن غیاث سے گفتگو نہ کی''۔ (عیون الحکایات)

(124)

عورت کا توکل علی اللہ اور مرد کی غفلت عن ذکر اللہ

کسی زاہد سے نقل ہے کہ میں حج کے واسطے اپنے گھر سے نکلا میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ بے توشہ اور سواری کے پیادہ پا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی اور اس کی ثنا وتعریف کرتی تھی چنانچہ میں اس سے قریب ہوا اور کہا: ''اے اللہ کی بندی! تو کہاں کا ارادہ رکھتی ہے؟'' اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کے بیت حرام کا قصد رکھتی ہوں''۔

میں نے کہا: ''تیرے ساتھ زادِ سفر اور سواری نہیں''۔

اس نے کہا: ''(سنو تو) اگر تم میں سے کوئی شخص دعوت کا سامان کرے اور لوگوں کو اس کی طرف بلائے تو کیا اس کے مہمانوں کے لیے یہ بات روا ہے کہ ہر شخص اپنا کھانا لے کر دعوت میں آئے؟''

میں نے کہا: ''نہیں!''

تو اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کی ضیافت اس سے زیادہ حق رکھتی ہے''۔

چنانچہ وہ ہمارے ساتھ آئی یہاں تک کہ ہم پتھریلی زمین میں اُترے اور وہ کہتی تھی:

''میرے رب کا مکان کہاں ہے؟''

اس سے کہا گیا: ''ابھی تو اس کو دیکھے گی''۔

حتیٰ کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوئی اس سے کہا گیا:

''تیرے رب کا یہی گھر ہے اس کے بعد وہ آئی اور اس نے اپنا سر آستانہ کعبہ پر رکھا اور یہ کہنے لگی کہ یہی میرے رب کا گھر ہے اور اس کلمہ کو بار بار کہتی تھی

یہاں تک کہ اس کی آواز بند ہوگئی اس کے بعد ہم نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مردہ ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے"۔

☆......ایک شخص نے تیس برس تک اللہ تعالیٰ کا کبھی ذکر نہ کیا۔ فرشتوں نے عرض کیا:

"اے ہمارے رب! تیرے فلاں بندہ نے اتنی مدت سے تیرا ذکر نہیں کیا"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اس کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ میری نعمت میں ہے اگر اس کو میری طرف سے مصیبت پہنچے تو وہ ضرور مجھے یاد کرے گا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کی حرکت کرنے والی رگوں میں سے ایک رگ کو چلنے سے روک دیں"۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا وہ شخص کھڑا ہو کر یارب یارب کہنے لگا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا:

"میں حاضر ہوں، میں موجود ہوں، اے میرے بندے! اتنی مدت تک تو کہاں تھا"۔

(نوادر القلیوبی)

(125)

کرامت حق ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صوفیاء اور اہل اللہ سے کرامت اور خرقِ عادت کا ظہور برحق ہے۔ کرامات کا برحق ہونا براہِ راست قرآن وسنت اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔ جمہور علماء اہل سنت وجماعت، فقہاء محدثین، متکلمین، اصولیین اور مشائخ صوفیاء سب ظہور کرامات کے قائل ہیں۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں ہے: كَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ ۔

"اولیاء کی کرامتیں برحق ہیں"۔ (شرح عقائد نسفی مع شرح نبراس ص۴۵۰)

حدیث نبوی ﷺ ہے: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله ۔

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ (ترمذی ص۴۴۷)

اور حدیث قدسی:

فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا ۔

"میں اپنے محبوب بندے کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے"۔

کے مطابق جب مومن اور مقرب الٰہی اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اس کی سماعت سے سنتا ہے اس کی عطا کردہ قوت بازو سے پکڑتا ہے تو کیا کچھ نہیں دیکھ سکتا، کیا نہیں سن سکتا اور کہاں تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

چنانچہ کرامات اولیاء پر علماء کی مستقل کتابیں مثلاً جامع کرامات الاولیاء للعلامہ

Scanned with CamScanner

یوسف نبہانی وغیرہ موجود ہیں۔

امام قشیری نے کرامات کے باب میں کوئی ۱۲۲ بزرگانِ دین کی مختلف کرامات لکھی ہیں۔ امام شعرانی نے الطبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ کرامات کے ثبوت میں آیات، احادیث اور اتنے آثار ہیں جن کا شمار ہی نہیں اسی طرح ابن تیمیہ نے متعدد صحابہ اور اولیائے کرام کی کرامات درج کی ہیں۔ (الفرق بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطٰن ص ۶۱ تا ۶۵)

کرامت کا اصطلاحی معنی ہے ایک خرق عادت انعام واکرام جس کو اللہ اپنے اولیاء کے حفظ وحمایت کا ذریعہ بناتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

یا ایسا خرق عادت یا خلاف عادت واقعہ جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اگر ایسا واقعہ کسی غیر متبع نبی سے صادر ہو تو وہ اصطلاح میں کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے، کوئی عادت کے خلاف واقعہ کرامت اسی وقت کہلائے گا جب اس کا محل صدور مومن، متبع سنت کامل التقویٰ ہو۔ (التکشف عن مہمات التصوف ص ۴۳)

مگر دیکھنا یہ ہے کہ جن کرامات کو بزرگانِ دین کی زندگیوں میں سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے، خود بزرگانِ دین کی نظر میں ان کا کیا مقام اور اہمیت ہے؟ راہِ سلوک اور تصوف وطریقت کی منازل میں اظہارِ کرامت کا کون سا درجہ ہے؟ اور صوفیاء نے اس چیز کو کن نگاہوں سے دیکھا ہے؟

کرامات کا اخفاء ہی بہتر ہے

معروف صوفی حضرت علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

الکمل یخافون من وقوع الکرامۃ علی ایدیھم و یزدادون وجلاو خوفاللاحتمال ان تکون استدراجا ۔

(الیواقیت والجواہر للشعرانی ج ۲ ص ۱۱۳ طبع مصر ۱۳۰۵ھ)

"باکمال لوگ اپنے ہاتھوں کرامت کے وقوع سے بہت خائف رہتے ہیں کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو"۔

صوفیاء نے کرامت کے اخفاء کو واجب قرار دیا ہے (بحوالہ حقائق بن التصوف للشیخ

عبدالقادر عیسیٰ ص ۲۶۵، طبع ناروے انگلینڈ رسالہ قشیریہ (اردو) ص ۶۱۶، باب نمبر ۵۰)

البتہ جب کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے یا ایسا سبب موجود ہو جو کرامت کا تقاضہ کرے تو اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(الف) الموافقات للشاطبی (اردو ترجمہ) ج ۲، ص ۳۵۰، مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور ۱۹۹۳ء التکشف عن مہمات التصوف از اشرف علی تھانوی ص ۴۵ طبع لاہور ۱۹۶۰ء)

مثلاً کفار و معاندین کے سامنے شریعت کی نصرت کا معاملہ ہو یا گمراہ اور جھوٹے جادوگروں کے جادو کو توڑنے کا مسئلہ ہو یا جہاں طالبین حق ومریدین کے ایمان ویقین میں مزید پختگی کا معاملہ ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد واختیار باقی نہ رہے وہاں صوفیاء نے اظہارِ کرامت کو جائز بھی رکھا ہے اور ایسے مواقع پر صوفیاء نے اپنے خداداد تصرفات اور طاقت کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر فتوحات مکیہ میں ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی کے سامنے جب ایک ملحد فلسفی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کے ٹھنڈا ہو جانے کا انکار کیا اور یہ اشکال پیش کیا کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آگ کے جلانے کی طبعی صلاحیت ختم ہو جائے تو آپ نے اس کے دامن میں انگارے ڈال دیئے، وہ خود کافی دیر تک انہیں اپنے دامن میں اُلٹا پلٹتا رہا مگر اس کے کپڑے کو آنچ تک نہ آئی تب جا کر وہ منکر معترف ہوا۔ (فتوحات مکیہ باب ۱۸۵ ج ۲ ص ۱۳ طبع مصر)

سب سے بڑی کرامت

صوفیاء کے نزدیک کسی ولی اللہ کی سب سے بڑی کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ صوفیاء کے امام ابوالقاسم قشیری نے فرمایا:

اعلم ان من اجل الکرامات التی تکون للاولیاء دوام التوفیق للطاعات والحفظ من المعاصی والمخالفات ۔

(الرسالہ قشیریہ ص ۱۶۰، طبع مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۳۰ھ ایضاً (اردو) ص ۶۲۳ طبع ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)

"جان رکھو اولیاء اللہ کی سب سے بڑی کرامت اطاعتِ الٰہی پر ہمیشگی اور معاصی ومنکراتِ شریعت سے محفوظ رہنا ہے"۔

Scanned with CamScanner

معروف صوفی ابوالعباس احمد بن محمد بن بکی کے قول کے مطابق تمام افعال واخلاق اوراوامر میں نبی اکرم ﷺ کی متابعت سے بڑھ کر کوئی افضل و برتر مقام نہیں۔

(شذرات الذہب ۳/ ۲۵۷ طبع قاہرہ)

امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نامور خلیفہ مولانا حسام الدین نے ایک دفعہ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں عرض کی:

''مخدوما! خلقت مجھ سے کرامت طلب کرتی ہے''۔

آپ نے فرمایا: **الکرامۃ ھی الاستقامۃ علی باب الغیب۔**

''دروازہ خدا پر استقامت سے کام لینا ہی کرامت ہے' تم اپنے کام میں لگے رہو' کرامت کے طالب کب تک بنو گے''۔ (سیر الاولیاء مترجم ص ۲۲۹۔۲۳۰)

اصل یہ ہے کہ قربِ الٰہی صرف ایمان وعمل صالح کا نتیجہ ہے اور قرب کی منازل صرف عقائد حقہ کی تحسین کے ساتھ اعمال صالح کی تعمیل وتکمیل سے طے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ ائمہ سلوک اور محقق صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ کشف وکرامات قرب ربانی کا قطعاً ذریعہ ونشان نہیں۔ مقاصد تصوف سے ان کا کوئی تعلق نہیں اگر یہ چیزیں کتاب وسنت کے مطابق ہوں تو محمود اور موہبت الٰہی ہیں لیکن مقصود ہر گز نہیں کہ اصل مقصد رضائے حق ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے روح المعانی میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں ان امور پر قابلِ دید بحث کی ہے اور محقق صوفیہ کے اقوال نقل کر دیے ہیں جن کا حاصل انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

ان تلک الغیوب والمکاشفات بل سائر ما یحصل للصوفیة من التجلیات لیست من المقاصد بالذات ولا یقف عندھا الکامل ولا یلتفت الیھا۔ (تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲۳)

''یہ تمام غیبی باتوں کی اطلاع اور مکاشفات بلکہ وہ تمام چیزیں جو کہ صوفیہ کو تجلیات کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں' اصلا مقاصد سلوک میں سے نہیں اور نہ

سالک کامل ان چیزوں کی طرف دھیان و پرواہ کرتا ہے''۔

حسّی کرامت افضلیت کی دلیل نہیں

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ کسی آدمی کے ہاتھ پر حسی کرامات کا ظہور اس کی افضلیت کی دلیل نہیں۔ (نشر المحاسن الغالیہ لعبداللہ یافعی ص ۱۱۹' مصر ۱۳۲۹ھ)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ علیہم الرضوان کے تذکروں مثلاً طبقات ابن سعد' اسد الغابہ' الاصابہ فی تمییز الصحابہ وغیرہ میں بے شمار ایسے صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں جن سے کسی حسی کرامت اور خرقِ عادت واقعہ کا ظہور نہیں ہوا اس کے باوجود پوری اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی صاحبِ کرامت بڑے سے بڑا تابعی' غوث' ولی' قطب کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے مقام کو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ معروف محدث اور فقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک سے جب پوچھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''قسم بخدا! وہ غبار جو حضور اکرم ﷺ کی معیت میں امیر معاویہ کے ناک میں داخل ہوا' عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ہزار درجہ زیادہ افضل ہے''۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان ۲/ ۲۳۸)

خیر یہاں عرض یہ کرنا ہے کہ خود صوفیاء کے نزدیک حسی کرامتوں کی اتنی اہمیت نہیں جتنی کہ ہم لوگوں نے سمجھ لی ہے اور کرامت کو ہی معیار ولایت ٹھہرالیا گیا ہے۔ آج جس آدمی کے دَم سے بیمار تندرست ہو جائے' جس آدمی کے تعویذ سے کسی کے گھر میں اولاد ہو جائے جس کی دعا سے قاتل پھانسی سے اور مجرم جیل سے چھٹکارا پا جائے وہ سب سے بڑا ولی اور ''پہنچا ہوا'' تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ دم جھاڑ پھونک اور تعویذ وغیرہ حتی کہ ہوا میں اُڑنا بھی ولایت کا معیار نہیں۔ بقول حضرت بایزید بسطامی ولایت کا معیار تو سراسر اتباع شریعت' اوامر ونواہی کی پابندی' حدود الٰہی کی محافظت اور اتباع سنت ہے اگر کوئی آدمی کسی ایک سنت کا بھی تارک ہے تو وہ ولایت کے درجہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔

(ایضاً ص ۲۱۳۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر مترجم ج ۱۱ ص ۱۲۴ شذرات الذہب رسالہ قشیریہ)

Scanned with CamScanner

خرقِ عادت اور دجال

بعض دفعہ بظاہر کوئی چیز کرامات کی طرح معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ کرامت نہیں ہوتی بلکہ شیطانی عمل ہوتا ہے مثلاً مشکوٰۃ شریف باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں نبی اکرم ﷺ نے فتنہ دجال کے متعلق اپنی اُمت کو پیش گی مطلع فرماتے ہوئے اس کذاب کے ہاتھوں کئی خرقِ عادات واقعات کے ظاہر ہونے کی تفصیل بیان فرمائی ہے حتیٰ کہ وہ مردوں کو بھی زندہ کرلے گا اب احیاءِ موتی سے بڑھ کر کون سا واقعہ خلاف عادت ہوسکتا ہے مگر اس کے باوجود پوری اُمت کا اجماع ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اسم بامسمیٰ، سب سے بڑا کذاب اور گمراہ ہوگا۔

اسی طرح شاطبی نے قاضی عیاض کے حوالے سے فقیہ ابومیسرہ مالکی کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ ایک رات اپنے محراب میں نماز ادا کررہے تھے اور دعا وگریہ زاری کررہے تھے کہ ان پر رقت طاری ہوگئی اسی وقت اچانک محراب پھٹ گئی جس سے بہت بڑی روشنی نکلی جو چاند کی طرح بن گئی اور اسے کہنے لگی:

''اے ابومیسرہ! میری طرف جی بھر کے دیکھ کیونکہ میں تمہارا بلند وبرتر پروردگار ہوں''۔ ابومیسرہ نے اس روشنی پر تھوک دیا اور کہا:

''اے لعین! یہاں سے چلا جا تجھ پر اللہ کی لعنت''۔

(الموافقات للشاطبی مترجم ج۲ ص۳۵۲)

اور جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ انہیں سخت پیاس لگی، اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی اور ان پر جیسے پھوار برسنے لگی حتیٰ کہ آپ نے پانی پیا پھر اس بدلی سے ندا آئی۔ اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں، میں نے تیرے لیے محرمات کو حلال کردیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا: ''اے لعین چل دُور ہو''۔

پھر وہ بدلی کھل گئی۔ لوگوں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ ابلیس تھا؟ فرمایا:

''اس کی اس بات سے کہ میں نے محرمات کو تیرے لیے حلال کردیا''۔ (ایضاً)

اب دیکھتے ہیں کہ خود صوفیاء جن کو ہم عام طور پر کرامات کے حوالے سے ہی جانچتے

ہیں، کے نزدیک کرامات کا کیا درجہ اور کیا حیثیت ہے۔ چنانچہ جناب اعجاز الحق قدوسی نے نفحات الانس کے حوالے سے معروف بزرگ ابوسعید ابوالخیر (م ۴۴۰ھ) کی زبانی کرامت کی حیثیت ووقعت یوں بیان کی ہے:

''آپ تصوف کے رموز ونکات کو نہایت دل آویز طریقے سے بیان کرتے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان سے کہا: فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ فرمایا یہ کوئی خاص بات تو نہیں، مرغ اور مولا بھی تو پانی پر چلتے ہیں پھر لوگوں نے کہا:

''فلاں شخص ہوا میں اُڑتا ہے''۔ فرمایا، یہ بھی کوئی خاص بات نہیں، چیل اور مکھی بھی ہوا میں اُڑتی ہے پھر لوگوں نے کہا: فلاں شخص ایک لمحے میں ایک شہر سے دوسرے شہر چلا جاتا ہے۔ فرمایا شیطان بھی ایک دَم میں مشرق سے مغرب چلا جاتا ہے، تصوف میں ایسی باتوں کی زیادہ قدر نہیں، مرد تو وہ ہے کہ لوگوں میں بیٹھے معاملات کرے، شادی کرے اور معاشرے میں ملا جلا رہے اور لمحے کے لیے بھی خدا سے غافل نہ ہو۔

(اقبال کے محبوب صوفیہ ص۴۶۔۴۷)

صوفیاء کے نزدیک کشف وکرامت کی کیا حیثیت ہے اس کا اندازہ ماضی قریب کے ایک نامور بزرگ اور اہل اللہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے اس بیان سے لگائیے کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا: کشف کوئی چیز نہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو جب کشف نصیب ہوا تو دعا مانگی کہ مولا کریم! یہ مجھ سے لے لے تو کشف جاتا رہا۔ فرمایا یہ تو ہندوؤں کو بھی مل جایا کرتا تھا بلکہ بعض جانور بھی جانتے ہیں چنانچہ گھوڑا سمجھ لیتا ہے کہ میرا مالک مرگیا ہے یا کہیں چلا گیا ہے۔ گدھا بھی یہ چیز معلوم کرلیتا ہے اسی بناء پر بزرگانِ عظام نے فرمایا: ''کشف برسر او کفش''۔ (انوار قمریہ ص۳۱۶)

کشف وکرامت حجاب راہ ہے

صوفیاء نے کرامت کے چھپانے کو فرض کے درجے میں قرار دیا ہے اور اس کے اظہار کو سخت ناپسند کیا ہے۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے فرمایا ہے: فرض اللہ تعالیٰ کتمان الکرامۃ علی اولیاء کما فرض علی انبیاء

Scanned with CamScanner

اظہار المعجزة ۔(فوائد الفواد مترجم ص ۲۵۱ سیر الاولیاء مترجم ص ۳۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر کرامت کا چھپانا اسی طرح فرض کیا ہے جیسے اپنے انبیاء پر معجزہ کا ظاہر کرنا فرض کیا ہے''۔

ٹھیک اسی مفہوم اور ان الفاظ سے ملتا جلتا ایک قول حضرت ابوعمرو دمشقی (م ۳۲۰ھ) کا شعرانی نے بھی نقل کیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ص ۱۰۱)

پس اگر کوئی ولی کرامت کو ظاہر کرتا ہے تو گویا وہ فرض کو ترک کرتا ہے۔ سو فرض کا چھوڑنا ایک بُرا فعل ہے۔ سلوک کے سو درجے ہیں جن میں سترواں درجہ کشف و کرامت کا ہے اگر سالک اسی میں رہے تو باقی کے تراسی کیونکر حاصل کرسکتا ہے۔ (سیر الاولیاء مترجم ص ۳۱۱)

اس لیے مشائخ اس بات کا بطورِ خاص خیال رکھتے تھے کہ ان کے خلفاء میں اظہارِ کرامت کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ کشف و کرامات ''حجاب راہ'' ہیں ان سے روحانی شخصیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ ایک دن مولانا حسام الدین نے اپنے پیر سے عرض کیا:

''مخدوم! خلق طالب کرامت ہے''۔ فرمایا:

''کرامت کے طالب نہ بنو تم اپنے کام میں ثابت قدم رہو استقامت ہی کرامت ہے''۔

(سیر الاولیاء فارسی ص ۲۶۲ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ۱:۱۷۳ طبع ادارہ ادبیات دلی)

(126)

عورت نمبر لے گئی

علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''المنتظم'' میں تحریر فرمایا: ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں برسرِ منبر یہ اعلان فرمایا: چونکہ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم تھا اس لیے کوئی شخص اس سے زیادہ عورتوں کا مہر مقرر نہ کرے اگر کسی نے اس سے زیادہ مہر مقرر کیا تو میں وہ رقم ضبط کر کے بیت المال میں جمع کر دوں گا۔ یہ فرمانِ فاروقی سن کر تمام حاضرین خاموش رہے مگر ایک علم والی عورت کھڑی ہوگئی اور اس نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا ۔

''اگر عورتوں کو تم لوگوں نے مہر میں کثیر مال دیا ہے تو اس میں سے کچھ نہ لو''۔

تو اے امیر المومنین! آپ کے لیے کس طرح حلال ہوسکتا ہے؟ کہ چار سو درہم سے زیادہ جو مہر ہوگا اس کو آپ ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیں۔ امیر المومنین نے عورت کی یہ تقریر سن کر فرمایا:

اِمْرَاَةٌ اَصَابَتْ وَرَجُلٌ اَخْطَاَ ۔

''ایک عورت نے ٹھیک کہا اور ایک مرد (میں) نے غلطی کی''۔

(مستطرف ج ۱ ص ۵۶)

اس حکایت نے دورِ حاضر کی جمہوریت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ ''خلفائے راشدین'' کے دورِ حکومت میں آزادی تقریر و اظہارِ خیال کی حریت کا یہ عالم تھا کہ ایک عورت مجمع عام میں حکومت کے سب سے بڑے سربراہ امیر المومنین کو اس کی غلطی پر ٹوک سکتی تھی اور

Scanned with CamScanner

خلفائے راشدین کی حق پسندی وحق پرستی کی یہ کیفیت تھی کہ ہزاروں لاکھوں عوام کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لینے کو وہ اپنے لیے اعزاز واکرام کی سربلندی تصور کرتے تھے اور خوش ہو کر بلا جھجک اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے تھے مگر افسوس کہ آج تو اسی بات کا رونا ہے کہ:

یہاں مرض کا سبب ہے ''غلامی و تقلید''
وہاں مرض کا سبب ہے ''نظام جمہوری''
نہ مشرق اس سے بَری ہے نہ مغرب اس سے بَری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی ''رنجوری''

(127)

جنت کی کھجور

یثرب کی بستی، کھجوروں کی بستی اب نبی کریم ﷺ کی آمد کے بعد مدینۃ النبی ﷺ کہلاتی تھی اس میں ہر طرف مختلف باغات تھے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے، ان کے مختلف مالکان تھے، انہی باغات میں ایک یتیم بچے کا باغ بھی تھا اس کے ساتھ ایک دوسرے آدمی کا باغ تھا، کھجوروں کے درخت اس طرح آپس میں ملے ہوئے تھے کہ آندھی اور بارش میں کھجوریں نیچے گر پڑتیں تو پھر تمیز کرنا مشکل ہو جاتی کہ یہ کس درخت سے گری ہیں۔ یتیم نے سوچا کہ کیوں نہ میں دیوار سے اپنے باغ کو علیحدہ کر لوں تاکہ ملکیت واضح ہو جائے، کسی قسم کا تنازع اور جھگڑا نہ کھڑا ہو چنانچہ اس نے دیوار بنانا شروع کی جب اس نے دیوار بنانا شروع کی تو اس کے ہمسائے کی کھجور کا درخت درمیان میں حائل ہو گیا، دیوار سیدھی اس صورت میں ہوتی تھی جب اس کو یہ درخت مل جاتا، وہ یتیم بچہ اپنے ہمسائے کے پاس گیا اور کہا:

''آپ کے باغ میں بہت ساری کھجوریں ہیں، میں دیوار بنا رہا ہوں، آپ کی ملکیت کی ایک کھجور راستے میں رکاوٹ بن رہی ہے، یہ کھجور مجھے دے دیں تو میری دیوار سیدھی ہو جائے گی'' اس شخص نے انکار کر دیا۔ اس بچے نے کہا: ''اچھا آپ مجھ سے اس کی قیمت لے لیں تاکہ میں اپنی دیوار سیدھی کر لوں''۔ اس نے کہا: ''میں اسے بیچنے پر بھی تیار نہیں''۔

یتیم نے خوب اصرار کیا، ہمسائیگی کا واسطہ دیا مگر اس پر دنیا سوار تھی، نہ یتیمی کا لحاظ نہ ہمسائیگی کا پاس۔ یتیم نے کہا: ''دیکھیں کیا میں اپنی دیوار نہ بناؤں، اس کو سیدھا نہ کروں؟''

ہمسائے نے کہا:

"یہ تمہارا معاملہ ہے، تم جانو تمہارا کام جانے تمہاری دیوار سیدھی رہے یا ٹیڑھی مجھے اس سے کوئی غرض نہیں مگر میں کھجور کو فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یتیم جب اس سے مکمل مایوس ہو گیا تو خیال آیا کہ ایک ایسی شخصیت ہیں اگر وہ سفارش کر دیں تو میرا کام بن سکتا ہے"۔

دل میں خیال آتے ہی قدم مسجدِ نبوی ﷺ کی جانب اُٹھ گئے۔

یہ قصہ باعثِ تعجب ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ علیہم الرضوان کو آپ ﷺ سے کس قدر محبت تھی اور آپ کے الفاظ کا کس قدر پاس تھا۔ وہ یتیم بچہ جب مسجدِ نبوی ﷺ میں آیا تو سیدھا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچا۔ عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میرا باغ فلاں آدمی کے باغ سے ملا ہوا ہے، میں ان کے درمیان دیوار بنا رہا ہوں مگر دیوار اس وقت تک سیدھی نہیں بنتی جب تک راستے میں آنے والی ایک کھجور میری ملکیت نہ بن جائے"۔ میں نے اس کے مالک سے عرض کیا:

"وہ مجھے فروخت کر دے، میں نے اس کی منت سماجت بھی کی مگر اس نے انکار کر دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ! میری اس سے سفارش کر دیں کہ وہ مجھے کھجور دے دے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ! اس آدمی کو بلا کر لے آؤ"۔ وہ یتیم اس شخص کے پاس گیا اور کہا:

"اللہ کے رسول ﷺ تمہیں بلا رہے ہیں"۔

وہ شخص مسجدِ نبوی ﷺ میں آیا، آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"تمہارا باغ اس یتیم کے باغ سے ملا ہوا ہے، یہ یتیم بچہ دیوار بنا کر اپنے باغ کو تمہارے باغ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے، تمہاری ایک کھجور اس کی راہ میں رکاوٹ ہے، تم ایسا کرو کہ اپنے بھائی کو یہ کھجور دے دو"۔ اس شخص نے کہا: "میں تو نہیں دوں گا"۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: "اپنے بھائی کو یہ کھجور دے دو"۔ اس نے کہا: "نہیں!" آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے بھائی کو کھجور دے دو اور میں تمہیں جنت میں کھجور کی ضمانت دیتا ہوں"۔ اس شخص نے اتنی بڑی پیشکش سننے کے باوجود کہا: "نہیں! میں کھجور نہیں دے سکتا"۔

آپ ﷺ اب خاموش ہو گئے اس سے زیادہ کچھ کہنا آپ ﷺ نے مناسب نہ جانا۔

حضراتِ صحابہ علیہم الرضوان خاموشی سے ساری گفتگو سن رہے تھے، حاضرینِ مجلس میں حضرت ابو دحداح ؓ بھی تشریف فرما تھے۔ مدینے میں ان کا بڑا خوب صورت باغ تھا، چھ سو کھجور کے درختوں پر مشتمل باغ اپنے پھل کے سبب بڑا مشہور تھا اس باغ کی کھجوریں اعلیٰ قسم کی شمار ہوتی تھیں، منڈی میں ان کی بڑی شہرت تھی۔ مدینے کے بڑے بڑے تاجر اس بات کی حسرت اور خواہش کرتے تھے کہ کاش! یہ باغ ان کی ملکیت ہوتا۔ ابو دحداح ؓ نے اس باغ کے وسط میں اپنا خوب صورت سا گھر تعمیر کر رکھا تھا، بیوی اور بچوں کے ساتھ وہیں رہائش پذیر تھے، میٹھے پانی کے کنویں نے اس باغ کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا۔

ابو دحداح ؓ نے جب اللہ کے رسول ﷺ کی پیش کش کو سنا تو دل میں خیال آیا کہ اس دنیا کا کیا ہے؟ آج نہیں تو کل مرنا ہے اور پھر ہمیشہ کی زندگی، عیش و آرام یا دُکھ و آلام کی زندگی اگر جنت میں ایک کھجور مجھے مل جائے تو کیا کہنے! آگے بڑھے اور کہا:

"اللہ کے رسول ﷺ! یہ جو پیش کش آپ نے کی ہے صرف اسی شخص کے لیے ہے یا اگر میں اس آدمی سے اس کھجور کو خرید کر اس یتیم بچے کو دے دوں تو مجھے بھی جنت میں کھجور ملے گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں تمہارے لیے بھی جنت میں کھجور کی ضمانت ہے"۔

اب ابو دحداح ؓ سوچنے لگے کہ ایسی کون سی چیز ہے جو میں اس شخص کو دے کر اس سے وہ کھجور خرید لوں اور پھر اس یتیم کو دے دوں پھر اچانک ہی ایک عجیب فیصلہ کیا اس آدمی سے مخاطب ہوئے کہا:

"سنو! تم میرے باغ سے واقف ہو؟ جس میں میرے چھ سو کھجوروں کے درخت، گھر اور کنواں ہے؟" اس نے کہا: "مدینے میں کون ہوگا جو اس باغ کو نہ جانتا ہو"۔ کہا: "تم ایسا کرو کہ میرا سارا باغ اس ایک کھجور کے بدلے میں لے لو"۔

اس آدمی کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا اس نے مڑ کر ابو دحداح ؓ کی طرف دیکھا پھر لوگوں کی طرف دیکھ کر گویا ہوا: "سن رہے ہو! ابو دحداح کیا کہہ رہا ہے؟"

Scanned with CamScanner

ابودحداح رضی اللہ عنہ نے پھر اپنی بات کو دہرایا' لوگوں کو اس پر گواہ بنایا چنانچہ اس ایک کھجور کے بدلے میں اپنا سارا باغ' کنواں اور گھر اس آدمی کے حوالے کر دیا جب اس کھجور کے مالک بن گئے تو اس یتیم بچے سے کہا:

''آج کے بعد وہ کھجور تمہاری' میں نے تم کو تحفے میں دے دی اب اپنی دیوار سیدھی بناؤ اب تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی''۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کی طرف رُخ کیا' عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! کیا اب میں جنت میں کھجور کا مستحق ہو گیا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: كَمْ مِنْ عَذْقٍ رَدَاحٍ لِأَبِي الدَّحْدَاحِ فِي الْجَنَّةِ ۔

''ابودحداح کے لیے جنت میں کتنے ہی کھجوروں کے جھنڈ ہیں''۔

(أحمد ۳/۱۴۶' الحاکم ۳/۲۰' مجمع الزوائد ۹/۳۲۴' الاصابہ ۹۸۶۷)

اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ نے یہ الفاظ ایک دو یا تین مرتبہ نہیں بلکہ خوشی کے ساتھ متعدد بار دہرائے حتیٰ کہ ابودحداح رضی اللہ عنہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ جنت میں ایک باغات کی خوش خبری پانے کے بعد باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ دل میں خیال آیا کہ ذاتی کپڑے' کچھ ضروری اغراض کی اشیاء تو وہاں سے لیتا آؤں۔ باغ کے دروازے پر آئے' اندر سے بچوں کی آوازیں سنائی دیں' بیوی گھریلو کام کاج میں مصروف' بچے کھیل رہے ہیں۔ خیال آیا کہ اندر جا کر بیوی کو خبر سناؤں مگر پھر دروازے ہی پر رُک گئے۔ آواز دی اے ام دحداح!''

اُم دحداح نے بڑا تعجب کیا کہ آج ابودحداح باغ سے باہر دروازے پر کیوں رُک گئے ہیں' اندر کیوں نہیں آتے؟ دوبارہ آواز آئی: ''اُم دحداح؟'' جواب دیا:

حاضر اے ابودحداح! فرمایا اس باغ سے بچوں سمیت باہر نکل آؤ میں نے اس کو فروخت کر دیا ہے۔ اُم دحداح رضی اللہ عنہا نے کہا:

''آپ نے اس کو بیچ دیا ہے' کس کو فروخت کیا ہے' کون خریدار ہے' کتنے

ہیں؟'' فرمایا: ''میں نے اس کو جنت میں ایک کھجور کے بدلے میں فروخت کر دیا ہے۔ ام دحداح رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اللہ اکبر!

رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا الدَّحْدَاحِ ۔

آپ نے بڑا ہی منافع بخش سودا کیا ہے اب باغ میں داخل نہ ہونا۔ بڑا ہی فائدہ مند سودا ہوا ہے' جنت میں ایک درخت جس کے نیچے گھڑسوار ستر برس چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو۔ ام دحداح رضی اللہ عنہا نے بچوں کو پکڑا' ان کی جیبوں کو ٹٹولا جو کچھ ان میں تھا ان کو نکالا' کہا: اب یہ رب کا ہو گیا ہے ہمارا نہیں اور خالی ہاتھ باغ سے باہر نکل آئیں۔

ابودحداح اور اُم دحداح رضی اللہ عنہما کا یہ قدم یہ کارنامہ کوئی معمولی نہیں' اللہ کے رسول ﷺ کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنی سب سے قیمتی چیز کو رب کی راہ میں لٹا دیا۔ اپنے آباد گھر' باغ' کنویں کو چھوڑا اور ہمارے لیے مثالیں قائم کر گئے کہ اس کو کہتے ہیں حقیقی محبت' محب صادق۔ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے۔ ابودحداح اور اُم دحداح رضی اللہ عنہما! تم پر اللہ کی رحمت کی بارش ہو' تم نے کتنی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کیا' بلاشبہ تمہارا یہ کارنامہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا گیا۔

(ماخوذ از سنہرے اوراق)

(128)

عدل وانصاف کا فیصلہ

حضرت سیدنا یحییٰ بن لیث رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

''ایک خراسانی شخص نے اُمِ جعفر (خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر جعفر بن یحییٰ کی ماں) کے مجوسی وکیل ''مرزبان'' کو اپنے اونٹ، تیس ہزار درہم کے بدلے بیچے۔ مجوسی وکیل نے رقم دینے میں لیت ولعل سے کام لیا۔ خراسانی جب بھی رقم کا مطالبہ کرتا مجوسی اسے ٹال دیتا۔ بار بار مطالبہ کرنے پر مجوسی نے صرف ایک ہزار درہم دیئے بالآخر پریشان ہو کر خراسانی اپنے ایک دوست کے پاس گیا اور سارا واقعہ کہہ سنایا اس کے دوست نے کہا:

''تم دوبارہ مرزبان مجوسی کے پاس جاؤ اور کہو کہ کل قاضی کی عدالت میں حاضر ہو جانا، میں نے اپنے مال کی وصولی کے لیے فلاں شخص کو وکیل بنا دیا ہے''۔

پھر جب مرزبان مجوسی قاضی کی عدالت میں آئے تو تم دعویٰ کرنا کہ اس پر میرا اتنا مال قرض ہے جب مرزبان قاضی کے سامنے اقرار کرلے گا اور رقم نہیں دے گا تو وہ اسے گرفتار کر کے تجھے تیرا مال دِلوادے گا''۔ خراسانی فوراً مرزبان کے پاس گیا اور کہا:

''کل قاضی کی عدالت میں حاضر ہو جانا میں اپنے مال کی وصولی کے لیے فلاں شخص کو اپنا وکیل بنا رہا ہوں''۔

صبح جب مرزبان اور خراسانی قاضی حفص بن غیاث کی عدالت میں پہنچے تو خراسانی نے کہا:

''قاضی صاحب! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ اس شخص پر میرے انتیس ہزار

درہم ہیں''۔ قاضی صاحب نے مجوسی سے کہا:

''اے مجوسی! تم کیا کہتے ہو؟ کیا اس کا دعویٰ درست ہے؟'' مجوسی نے کہا:

''قاضی صاحب! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اس شخص کا دعویٰ درست ہے''۔ قاضی صاحب نے کہا:

''اے خراسانی! اس نے تمہارے مال کا اقرار کرلیا ہے اب تم کیا چاہتے ہو؟''

کہا: ''حضور! اس سے میرا مال دِلوا دیجئے''۔

قاضی صاحب نے کہا: ''اے مجوسی! اس کا مال ادا کرو''۔

مجوسی نے کہا: ''مال کی ادائیگی تو وزیر (جعفر بن یحییٰ) کی والدہ کے ذمہ ہے''۔

قاضی صاحب نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:

''تو تو احمق ہے ابھی تو نے اقرار کیا ہے اور اب کہہ رہا ہے کہ وزیر کی والدہ کے ذمہ ہے۔ اے خراسانی! تم بتاؤ اب اس مجوسی کا کیا کیا جائے؟'' کہا: ''حضور! اگر یہ میرا مال ادا کرتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قید کر لیجئے''۔

قاضی صاحب نے کہا: ''تم کیا کہتے ہو؟''

اس نے پھر وہی جواب دیا کہ مال تو وزیر کی والدہ کے ذمہ ہے''۔

قاضی صاحب نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے قید کرلو۔

جب اُمِ جعفر کو مجوسی کی خبر ہوئی تو بڑی غضب ناک ہوئی اور جیلر کی طرف یہ پیغام بھیجا: ''قاضی نے مرزبان کو گرفتار کرلیا ہے اس کی طرف توجہ کرو اور اسے رہا کردو''۔

جیسے ہی جیلر کو اُمِ جعفر کا حکم ملا اس نے فوراً مرزبان مجوسی کو رہا کر دیا جب قاضی حفص بن غیاث کو معلوم ہوا کہ مجوسی کو رہا کر دیا گیا ہے تو اس نے کہا:

''میں قید کرتا ہوں اور جیلر آزاد کر دیتا ہے اب میں اس وقت تک عدالت نہ جاؤں گا جب تک مرزبان مجوسی دوبارہ قید میں نہ آجائے''۔

جیلر کو قاضی صاحب کی یہ بات معلوم ہوئی تو فوراً اُمِ جعفر کے پاس گیا اور کہا:

''میں تو بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں اگر امیر المؤمنین نے مجھ سے پوچھ لیا

Scanned with CamScanner

کہ تم نے کس کے حکم سے مرزبان مجوسی کو آزاد کیا ہے تو میں کیا جواب دوں گا؟ براہِ کرم مرزبان کو واپس جیل بھیج دیں"۔ چنانچہ مرزبان دوبارہ قید کر لیا گیا۔

اُمِ جعفر خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی اور کہا:

"آپ کا قاضی نادان ہے اس نے میرے وکیل کو گرفتار کر کے بہت ذلیل و رسوا کیا ہے۔ آپ قاضی کو حکم دیں کہ وہ یہ مقدمہ حضرت سیّدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں بھیج دے"۔

ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے اُمِ جعفر کے اصرار پر حکم جاری فرما دیا کہ تم یہ مقدمہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر دو اور مجوسی کا یہ مقدمہ سرکاری رجسٹروں میں درج نہ کیا جائے جب قاضی حفص بن غیاث کو معلوم ہوا کہ خلیفہ نے یہ حکم جاری کیا ہے اور قاصد میرے پاس پہنچنے ہی والا ہے تو فوراً عدالت گئے اور اس مجوسی کے خلاف تمام ریکارڈ سرکاری کاغذات میں لکھنے لگے۔ ابھی یہ کام جاری تھا کہ خلیفہ کا قاصد آ گیا اس نے آتے ہی کہا:

"امیر المومنین کی طرف سے آپ کو پیغام آیا ہے"۔ قاضی نے کہا:

"تھوڑی دیر رُک جاؤ میں ایک بہت اہم کام میں مصروف ہوں اس سے فارغ ہو کر خط پڑھوں گا"۔ قاصد نے کہا: "آپ پہلے یہ خط پڑھ لیں کہ اس میں امیر المومنین نے آپ کو کیا حکم دیا ہے"۔ لیکن قاضی حفص بن غیاث اپنے کام میں مصروف رہے۔ جب تمام ریکارڈ سرکاری کاغذات میں درج کر دیئے تو قاصد سے خط لے کر پڑھا اور کہا:

"امیر المومنین کو میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ آپ کا خط پڑھنے سے پہلے ہی میں تمام ریکارڈ درج کر چکا تھا"۔ قاصد نے کہا: "خدا کی قسم! آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا ہے' آپ نے امیر المومنین کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے"۔ کہا:

"جاؤ اور جو تمہیں پسند ہو وہی امیر المومنین سے کہہ دینا"۔

قاصد خلیفہ کے پاس آیا اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ قاصد کی بات سن کر امیر المومنین نے ہنستے ہوئے کہا: "کوئی ایسا شخص لے کر آؤ جو حفص بن غیاث کے پاس تیس ہزار درہم پہنچا دے"۔

پیغام ملتے ہی یحییٰ بن خالد حاضر ہوا اور رقم لے کر قاضی حفص بن غیاث کے پاس پہنچا' آپ عدالت سے واپس آ رہے تھے۔ یحییٰ نے کہا:

"قاضی صاحب! آج تو تم نے امیر المومنین کو خوش کر دیا ہے اور انہوں نے تمہارے لیے تیس ہزار درہم بھجوائے ہیں' آخر تم نے ایسا کون سا عمل کیا ہے؟" قاضی صاحب نے کہا:

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی خوشیاں دوبالا کرے اور ان کی حفاظت فرمائے۔ میں نے تو روزانہ کے معمولات سے زیادہ کوئی کام نہیں کیا"۔

یحییٰ بن خالد نے کہا: "ذرا سوچو! تم نے ضرور کوئی خاص کام کیا ہے"۔

قاضی صاحب نے غور و فکر کر کے کہا:

"اور تو کچھ خاص کام نہیں کیا' ہاں! اتنا ضرور ہے کہ آج میں نے مجوسی کے خلاف ریکارڈ سرکاری کاغذات میں درج کیا ہے کہ اس نے ناحق ایک خراسانی کی رقم دبائی ہوئی تھی"۔

یحییٰ بن خالد نے کہا: "بس تیرے اسی کام نے امیر المومنین کو خوش کیا ہے"۔

یہ سن کر قاضی صاحب نے اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا۔

جب اُمِ جعفر کو معلوم ہوا کہ خلیفہ نے قاضی صاحب کو انعام و اکرام سے نوازا ہے تو وہ خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی اور کہا: "امیر المومنین! آپ قاضی کو معزول کر دیں"۔

ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا' وہ اصرار کرتی رہی بالآخر خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ حضرت سیّدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی مقرر کر دیا اور آپ کو کوفہ کا قاضی بنا دیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ تیرہ سال تک کوفہ کے قاضی رہے۔ (عیون الحکایات)

(129)

اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت

بیان کرتے ہیں کہ ملازمین ہارون الرشید کی ایک جماعت نے اس کو اطلاع دی کہ انہوں نے ڈاکوؤں میں سے دس شخصوں کو گرفتار کرلیا ہے' آپ ان کے بارے میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ خلیفہ ہارون نے ان کو حکم دیا کہ وہ لوگ ڈاکوؤں کو ان کے پاس بھیج دیں چنانچہ ایک جماعت ان کو لے کر خلیفہ کی خدمت میں چلی اتفاقاً ان میں سے ایک آدمی راستہ سے بھاگ گیا۔ ان سپاہیوں کو سخت رنج اور تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا: اگر ہم نو آدمیوں کو لے کر خلیفہ کے پاس جائیں گے تو وہ کہے گا کہ بے شک تم لوگوں نے ایک آدمی سے مال لے لیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ وہ ہم کو سزا دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس کی جگہ ایک آدمی راستہ سے پکڑ لیں وہ سب یہی گفتگو کر رہے تھے کہ ناگاہ حاجیوں میں سے ایک شخص گزرا انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو ان نو ڈاکوؤں کے ساتھ کر دیا چنانچہ جب وہ خلیفہ کے پاس پہنچے تو خلیفہ نے ان کو قید خانہ میں بھجوا دیا۔ پس کارکنانِ جیل نے ان کو ایک مدت تک قید رکھا اس کے بعد داروغہ نے ان قیدیوں سے کہا: کیا تم لوگوں کے اعزاء و آشناؤں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو خلیفہ کے یہاں تمہاری سفارش کرے؟ انہوں نے کہا: ''ہاں!''

پھر انہوں نے اپنے آشناؤں اور احباب کے پاس آدمی بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے ہر قیدی کی طرف سے دس ہزار درہم خلیفہ کو دیا۔ خلیفہ نے ان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ پس وہ سب چلے گئے صرف وہ حاجی باقی رہ گیا اس کے بعد جیلر نے اس سے کہا: ''تیرا کوئی سفارشی ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں! لیکن اگر میں کوئی خط لکھوں تو آپ اس کو خلیفہ تک پہنچا دیں گے''۔

جیلر نے کہا: ''ہاں!'' حاجی قیدی نے کہا: ''میرے واسطے دوات اور کاغذ منگوا

دیجیے''۔ اس نے منگا دیا' اس کے بعد اس نے لکھا:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنَ الْعَبْدِ الذَّلِيْلِ اِلٰى رَبِّ الْجَلِيْلِ ...... بندۂ ذلیل کی طرف سے رب جلیل کی جانب! مخلوق بندوں کے جرم اور گناہ میں تیرے بندے سفارشی ہیں اور انہوں نے خلیفہ کے پاس ان کی سفارش کی اور خلیفہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ میں جیل میں تنہا باقی رہ گیا ہوں۔ اے میرے رب! تو میرا گواہ اور میرا سفارشی ہے اور میں وہ بندہ ہوں جس نے گناہ نہیں کیا ہے''۔ جیلر نے اس سے کہا:

''میں اس خط کو خلیفہ تک پہنچانے پر قادر نہیں ہوں۔ تم غور کر کے بتاؤ کہ میں اس خط کو کس مقام میں رکھ دوں''۔

قیدی نے اس سے کہا: (اچھا) اس کو جیل کی چھت پر رکھ دو جب اس نے اس کو رکھا تو وہ ہوا میں آسمان کی جانب اس تیزی سے اُڑا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر۔ ہارون رشید نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے فرشتے اُترے اور اس کو لیا اور ہوا میں اونچا کیا اور فرشتوں نے خلیفہ سے کہا:

''اے ہارون! مخلوقِ خدا نے تو قیدیوں کے بارے میں تیرے پاس سفارش کی اور تو نے ان کو قید سے رہا کر دیا اب خالقِ رب العزت ایک قیدی کے بارے میں تیرے پاس سفارش کرتا ہے تو اس کو فوراً رہا کر ورنہ تو ابھی ہلاک ہو جائے گا''۔ خلیفہ ڈر کر خواب سے بے دار ہوا اور داروغہ جیل کو بلایا اور اس سے کہا: ''تیرے پاس قید خانہ میں کون ہے؟'' اس نے خلیفہ سے قصہ بیان کیا۔ خلیفہ نے اس سے فرمایا: ''اس کو فوراً میرے پاس حاضر کرو''۔

چنانچہ جب جیلر نے اس کو خلیفہ کے سامنے حاضر کیا تو خلیفہ نے اس قیدی کے سامنے کچھ حلوہ پیش کیا اور خود اس کے منہ میں لقمے دینے لگا حتیٰ کہ وہ آسودہ ہو گیا اور حکم دیا کہ اس قیدی کو حمام لے جاؤ۔ خلیفہ نے اس کے لیے چمک دار اور عمدہ خلعت کا حکم دیا اور اس کو ستر سواریاں اور ستر غلام و لونڈیاں عطا کیں اور منادی کا حکم دیا کہ وہ پکار دے کہ جو شخص مخلوقات کے ذریعے سفارش چاہتا ہے وہ دس ہزار درہم دیتا ہے اور رہائی پاتا ہے اور جو شخص خالق کے ذریعہ سے سفارش طلب کرتا ہے اس کے لیے ہارون رشید کی جانب سے یہ بدلہ ہے۔ (نوادر قلیوبی)

(130)

کراماتِ اور صاحبانِ کرامات

امیر حسن علاء سجزی اور امیر خورد کرمانی دونوں نے حضرت محبوب الٰہی کی ایک مجلس کی گفتگو نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''کرامت دِکھانا کوئی بڑا کام نہیں' ایک راست رو مسلمان کو چاہیے کہ وہ گدائے بے چارہ ہو اس موقع پر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ خواجہ ابوالحسن نوری دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے وہاں انہوں نے ایک ماہی گیر کو مچھلیاں پکڑتے دیکھا' آپ نے اس سے کہا:

''جال پانی میں ڈال اور مچھلی پکڑ۔ اگر میں صاحبِ ولایت ہوں تو جال میں ایک مچھلی آئے گی جو پورے اڑھائی من کی ہوگی نہ اس سے کم اور نہ زیادہ ہوگی''۔ ماہی گیر نے جال پانی میں ڈالا اس میں ایک مچھلی آ گئی جب اسے تولا گیا تو ٹھیک اڑھائی من کی تھی۔ یہ خبر جب حضرت جنید بغدادی تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

''کاش! اس جال میں ایک سیاہ سانپ آ جاتا جو ابوالحسن کو کاٹ کھاتا اور اسے ہلاک کر دیتا''۔ لوگوں نے پوچھا: ''آپ ایسا کیوں فرما رہے ہیں؟''

فرمایا: ''اگر جال میں سانپ آتا اور اس کے کاٹنے سے وہ ہلاک ہو جاتے تو شہید مرتے چونکہ ایسا نہیں ہوا اب معلوم نہیں غرور کرامت کی وجہ سے ان کا انجام کیا ہو''۔ (فوائد الفواد مترجم ص ۳۷، ۳۳۶ سیر الاولیاء مترجم ص ۳۱۳)

☆ ...... خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نے بیان کیا ہے کہ شیخ سعید الدین حمویہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ شہر کا حاکم حاضر ہوا' آپ اُٹھ کر خندہ پیشانی سے پیش آئے اور

دونوں ایک جگہ اکٹھے بیٹھ گئے' پاس ہی ایک باغیچہ تھا۔ شیخ صاحب نے حکم دیا کہ سیب لاؤ جب دونوں صاحب کھانے لگے تو اس تھال میں ایک بڑا سیب دیکھ کر بادشاہ نے خیال کیا کہ اگر شیخ فی الواقعہ صاحبِ کرامت ہیں تو یہ سیب مجھے دیں گے۔ آپ اس خیال سے مطلع ہوتے ہی اس سیب کو اُٹھا کر فرمانے لگے کہ ایک دفعہ سفر کرتا ہوا جب میں ایک شہر میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک مداری تماشہ کر رہا ہے اس کے پاس ایک گدھا تھا جس کی آنکھیں کپڑے سے باندھ کر ناظرین کو کہا: ''تم میں سے کوئی صاحب یہ انگشتری لے لیں' میرا گدھا فوراً پہچان لے گا کہ کس کے پاس انگشتری ہے''۔

چنانچہ ایک شخص کو انگشتری دے دی اور گدھا چھوڑ دیا' گدھے نے ایک ایک کر کے سونگھنا شروع کیا۔ آخر جس آدمی کے پاس انگوٹھی تھی اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ صاحب نے یہ نظیر پیش کر کے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: آدمی اگر کرامت دِکھلائے تو اس گدھے کی طرح ہے اور اگر نہ دِکھلائے تو کہتے ہیں کہ اس شخص میں صفائی نہیں۔ یہ کہہ کر سیب بادشاہ کی طرف پھینک دیا۔ (سیر الاولیاء مترجم ص ۳۱۳-۳۱۴)

سلوک کے درجات

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ سلوک کے کل کتنے درجات ہیں اور ان میں کرامت کا کون سا درجہ ہے۔ چنانچہ خواجہ قطب صاحب نے ارشاد فرمایا: مشائخ و اولیائے طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجے رکھے ہیں لیکن اولیاء طریقہ جنیدیہ نے سو درجہ اور اولیاء طریقہ ذوالنون نے ستر درجے رکھے ہیں اور طبقہ ابراہیم اور بشر حافی میں کل پچاس درجے شمار کیے جاتے ہیں اور خواجہ بایزید بسطامی و عبداللہ مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہیں:

''سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں اور اولیائے طریقہ شاہ شجاع کرمانی و سمنون محب اور خواجہ مرتعش کے نزدیک سلوک میں بیس ہی درجے ہیں مگر ہمارے مشائخ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ دراصل سلوک میں پندرہ ہی درجے ہیں''۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

''ان درجات میں ایک درجہ کشف وکرامت کا ہے' چاہیے کہ اس درجہ میں اپنی ذات کو پوشیدہ رکھے جس نے اپنی ذات کو درجہ کشف وکرامت میں ظاہر کیا وہ آئندہ ترقی درجات سے بے بہرہ رہے گا۔ تفصیل درجہ کشف وکرامت اس طرح پر ہے جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں' ان میں اسی کا درجہ کشف وکرامت کا ہے۔ طبقہ جنیدیہ میں ستروں درجہ کشف وکرامت کا ہے' طبقہ بصریہ میں بیسواں درجہ اور طریقہ ذوالنون مصری میں پچیسواں درجہ کشف وکرامت کا ہے اور شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک دسواں درجہ کشف وکرامت کا ہے اور خواجگانِ چشت کے نزدیک پانچواں درجہ کشف وکرامت کا ہے۔ پس مرد وہی ہے کہ مرتبہ کشف وکرامت میں اپنی ذات کو ظاہر نہ کرے کہ سلوک کے کل درجات حاصل ہو جائیں۔ کشف وکرامت کے اظہار سے بقیہ درجات سے محروم رہنا پڑے گا''۔

اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اہلِ سلوک نے یہ درجات اس واسطے رکھے ہیں کہ رہرو راہِ سلوک کو آسانی ہو اور وہ اپنے حالات ومقامات سے واقف ہو کر اس کی ایزادی میں کوشش کرے جب حضرت خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ بقاءَہ یہ تمثیل بیان فرما چکے' آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا:

''اُمتِ محمدی ﷺ میں ایسے ایسے مرد ہو گزرے ہیں اور موجود ہیں کہ ان درجات کو حاصل کر کے اور ہزار ہا درجات انہوں نے حاصل کیے ہیں اور ایک ذرہ اسرار دوست کا باہر نہیں نکالا اور مطلق اس امر کا خیال نہیں کیا کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں''۔

(فوائد السالکین (ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مرتبہ بابا فرید گنج شکر) شامل در مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت ص ۱۲۰' طبع دہلی ۱۳۲۴ھ)

محبوبِ الٰہی کے ہاں کرامت کا درجہ

خواجہ نظام الدین نے ارشاد فرمایا:

''بعض مشائخ طبقات رحمہم اللہ تعالیٰ نے سلوک کے سو مرتبے مقرر کیے ہیں اور ان میں سترہواں درجہ کشف وکرامات کا قرار دیا ہے۔ پس جس نے اپنی ذات کو مرتبہ ہفت دہم میں کشف کیا وہ سعادت دیگر مراتب سے محروم ہوگا۔ مرد کامل وہ ہے جو اپنی ذات کو اس مرتبہ میں پوشیدہ رکھے کہ جو مراتب سلوک اس کو حاصل ہوں''۔

لیکن شاہ شجاع کرمانی اور خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس مرتبے سلوک کے قرار دیئے ہیں اور اس میں دسواں مرتبہ کشف وکرامت کا رکھا ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص نو مراتب طے کر کے دہم میں داخل ہوا وہ کرامت دکھا سکتا ہے مگر ہمارے خواجگان چشت رضی اللہ عنہم کے نزدیک سلوک کے پندرہ درجے ہیں اور اس میں پانچواں مرتبہ کشف وکرامت کا ہے جو شخص اپنی ذات کو پانچویں مرتبہ میں ہویدا کرے گا وہ بقیہ دس درجوں کو حاصل نہ کر سکے گا۔ ہمارے نزدیک مرد کامل وہ ہے جس کو جمیع مراتب ومدارج سلوک حاصل ہوں اور وہ اپنی ذات کو کشف نہ کرے۔ حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر یہ بیان فرما رہے تھے کہ خواجہ شمس الدین یحییٰ نے زمین ادب چوم کر اور اجازت لے کر عرض کی: مشائخ متقدمین نے سلوک کے جو سو درجے قرار دیئے ہیں اور ہمارے مشائخ نے پندرہ مراتب قرار دیئے ہیں اس کا کیا سبب ہے جب بات ایک ہی ہے تو اس تفاوت کا کیا باعث ہے؟ حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: اس کا جواب مجھ سے سنو۔ انبیاء علیہم السلام کی عمر دراز ہوتی تھی' ہزار برس کی بعض بعض کی عمر ہوئی ان کا مشاہدہ ومجاہدہ ان کی عمر کے اندازہ پر تھا البتہ نعمت کم حاصل ہوتی تھی مگر جس وقت آنحضرت ﷺ تولد ہوئے اور بعد گزرنے چالیس سال کے آپ کو نبوت عطا اور بے شمار معجزات آنحضرت ﷺ کو مرحمت ہوئے کہ اندازہ ان کا نہیں ہے اور عمر شریف آنحضرت کی کم ہوئی۔ فقط تریسٹھ برس کی عمر میں وصال ہوا۔ آپ کی نعمت تمام اُمتِ مرحومہ پر شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ خواجگان چشت رضی اللہ عنہم چونکہ

مشائخ متاخرین ہیں' ان کو نعمت زیادہ عطا ہوئی ہے۔ مجاہدہ اور مشاہدہ جو اولیاء متقدمین رحمہم اللہ کو حاصل تھا' اتنا ہمارے مشائخ رحمہم اللہ کو حاصل نہیں کیونکہ عمران کی اتنی نہیں ہوئی لیکن نعمت اور کرامت بے اندازہ حاصل ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جمیع مراتب سلوک کو انہوں نے طے کیا اس کے بعد ارشاد فرمایا: یہی حکایت دربارِ سلوک زمانہ خواجہ قطب الدین مودود چشتی میں آپ کے روبرو ہوئی۔ خواجہ قطب الدین نے ارشاد فرمایا: مرد کامل راہِ سلوک میں وہ ہے جو کل پندرہ مدارج طے کر جائے اور بالکل کشف و کرامت کا اظہار نہ کرے اس وقت اسے اس قدر استعداد حاصل ہوتی ہے کہ اگر اس کا سانس مرد کامل راہِ سلوک میں وہ ہے جو کل پندرہ مدارج طے کر جائے اور بالکل کشف و کرامت کا اظہار نہ کرے اس وقت اسے اس قدر استعداد حاصل ہوتی ہے کہ اگر اس کا سانس مردہ سے متصل ہو البتہ مردہ زندہ ہو جائے۔ بفرمانِ خدائے عزوجل حضرت خواجہ قطب الدین مودود یہ بیان فرما رہے تھے کہ اس وقت ایک بڑھیا زار و نالاں خدمتِ شریف میں حاضر ہوئی اور رو کر عرض کی: اس نحیفہ کے اکلوتے فرزند کو بادشاہ شہر نے بلاوجہ و بے مؤجب ناحق قتل کر ڈالا۔ اے خواجہ آپ میرا انصاف فرمائیں۔ حضرت خواجہ مودود یہ سنتے ہی مع جمیع یاران اُٹھ کر بر سر دار تشریف لے گئے اور اس لڑکے کی لاش سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: اگر تو بلاوجہ و بے خطا مارا گیا ہے۔ پس بحکم خدائے عزوجل کھڑا ہو جا' لڑکا اسی وقت زندہ ہو گیا اور آپ نے اسی وقت تمام خلق اللہ اور گفتگو کرنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ مرتبہ کمال مرد کا ہے جو تم نے دیکھا جب مرد جمیع مدارج تصوف و سلوک طے کر جاتا ہے اس کا مرتبہ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

(راحت المحبین (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء و تحریر خسرو) شامل در مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت ص ۳۱۲-۳۱۳' طبع دہلی ۱۳۲۴ھ (مجلس سیزدہم)

(131)

تنگ دستی کیسے ختم ہو؟

مشہور محدث ہدبہ بن خالد کو خلیفہ بغداد مامون رشید نے اپنے دستر خوان پر مدعو کیا' کھانے سے فارغ ہوئے جب دستر خوان اُٹھایا گیا تو طعام کے دو ٹکڑے جو زمین پر گر گئے تھے' محدیث موصوف نے اُٹھا کر کھانا شروع کر دیئے۔ مامون نے حیران ہو کر کہا:

''اے شیخ! کیا آپ ابھی آسودہ نہیں ہوئے؟'' آپ نے فرمایا:

''کیوں نہیں! لیکن مجھ سے حماد بن سلمہ نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے:

قال سمعت عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من التقط ماتحت مایدیہ امن الفقر .

''جو شخص دستر خوان کے نیچے گرے ہوئے ٹکڑوں کو چن چن کر کھائے گا وہ مفلسی و فاقہ کشی سے بے خوف ہو جائے گا''۔ میں اسی حدیث پر عمل کر رہا ہوں''۔

یہ سن کر مامون بے حد متاثر ہوا اور اپنے ایک خادم کی طرف اشارہ کیا تو وہ اچانک ایک ہزار دینار رومال میں باندھ کر لایا۔ مامون نے اس کو ہدبہ بن خالد کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیا۔ ہدبہ بن خالد نے فرمایا:

''اسی حدیث پر عمل کی برکت ہے''۔ (ثمرات الاوراق)

بعض وہ سنتیں ہیں جن کو مغرب زدہ ذہنیت والے مال دار اپنی فرعونیت سے خلاف تہذیب سمجھتے ہیں مثلاً کھانے کے بعد برتن صاف کرنا' انگلیاں چاٹنا' ڈھیلوں سے استنجاء کرنا۔ دین دار مسلمان خصوصاً علماء مشائخ کو چاہیے کہ وہ پابندی کے ساتھ ان سنتوں پر عمل کریں اور ہرگز ہرگز متکبرین سے مرعوب ہو کر ان سنتوں کو ترک نہ کریں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سنتوں پر عمل کرنے سے صرف آخرت کا ہی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب آخرت کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی خداوندِ عالم اس کو دنیاوی منفعت کا ذریعہ بھی بنا دیتا ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: ہدبہ بن خالد نے ایک بادشاہ کے دربار میں بھی ایک ایسی سنت پر عمل کرنے کو ترک نہیں فرمایا جس کو اہلِ دنیا اپنی جہالت وحماقت سے خلافِ تہذیب سمجھتے رہے ہیں۔ مولیٰ نے ان کے اس سنت پر عمل کو ان کی مال داری کا ذریعہ بنا دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار مل گئے۔ سچ ہے:

ہمیں کرنی ہے شہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

(132)

موت کی سختیاں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جاں کنی کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوا' اتنے میں ان کے صاحب زادے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا:

''عبداللہ! وہ صندوق لے لو''۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے اس صندوق کی ضرورت نہیں ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ صندوق مال وزر سے بھرا ہوا ہے''۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں''۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَيْتَهٗ مَمْلُوْءٌ بَعْرًا ۔ ''کاش! یہ صندوق مینگنیوں سے بھرا ہوا ہوتا''۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا:

''اے ابوعبداللہ! آپ کہا کرتے تھے میری خواہش ہے کہ میں کسی عقل مند شخص کو جاں کنی کے عالم میں دیکھوں اور اس سے پوچھوں کہ تم موت کو کیسے پا رہے ہو؟ پھر آپ ہمیں بتائیں کہ آپ موت کو کیسا پا رہے ہیں؟''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''كَأَنَّمَا أَتَنَفَّسُ مِنْ خَرْتِ إِبْرَةٍ ۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے میں سوئی کے ناکے سے سانس لے رہا ہوں''۔

پھر کہنے لگے: اَللّٰهُمَّ خُذْمِنِّیْ حَتّٰی تَرْضٰی ۔

''اے اللہ! مجھ سے جو چاہے لے لے یہاں تک کہ مجھ سے خوش ہو جا''۔

اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھایا اور کہنے لگے:

Scanned with CamScanner

اَللّٰهُمَّ اَمَرْتَ فَعَصَيْنَا وَنَهَيْتَ فَرَكِبْنَا، فَلَا بَرِیْءٌ فَاَعْتَذِرَ وَلَا قَوِیٌّ فَاَنْتَصِرَ وَلٰكِنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔

"اے اللہ! تو نے حکم دیا مگر ہم نے نافرمانی کی تو نے معصیت سے روکا مگر ہم نے اس کا ارتکاب کیا' تیرے سوا کوئی برأت دینے والا نہیں کہ میں اس کے سامنے عذر پیش کروں اور نہ ہی کوئی طاقت والا ہے جس سے مدد طلب کروں۔ ہاں اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں (اس لیے تیرے ہی سامنے ہم اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ تو ہمیں بخش دے"۔

یہ بات آپ نے تین دفعہ کہی پھر آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جان کنی کے وقت کی کیفیت علامہ ذہبی نے طبقات ابن سعد (۲۶۰/۴) کے حوالے سے نقل کی ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: عَجَبًا لِمَنْ نَزَلَ بِهِ الْمَوْتُ وَعَقْلُهُ مَعَهُ كَيْفَ لَا يَصِفُهُ؟

"تعجب ہے کہ جان کنی کے عالم میں مبتلا شخص سوجھ بوجھ رکھتے ہوئے بھی کیونکر موت کی کیفیت بیان نہیں کر پاتا ہے؟"

مگر جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی موت آن پہنچی اور جان کنی کے عالم میں ان سے ان کے صاحب زادے نے موت کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے فرمایا:

يَا بُنَيَّ، اَلْمَوْتُ اَجَلُّ مِنْ اَنْ يُّوْصَفَ، وَلٰكِنْ سَاَصِفُ لَكَ اَجِدُنِيْ كَاَنَّ جِبَالَ رَضْوٰى عَلٰى عُنُقِيْ، وَكَاَنَّ فِيْ جَوْفِي الشَّوْكَ، وَاَجِدُنِيْ كَاَنَّ نَفْسِيْ يَخْرُجُ مِنْ اِبْرَةٍ ۔

"صاحب زادے! موت کی کیفیت بیان سے باہر ہے پھر بھی میں تجھ سے بیان کروں گا ایسا لگتا ہے کہ رضوی کے پہاڑ (رضوی مدینے سے سات مراحل پر اور ینبع سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے) میری گردن پر رکھے ہوئے ہیں اور جیسے میرا پیٹ کانٹوں سے بھر گیا ہو اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے"۔ (سیر اعلام النبلاء ۳/۷۵)

(133)

لقمہ حلق سے نیچے نہ اُترا

حضرت سیدنا جنید بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

"میرے چچا حضرت سیدنا حارث رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ غمگین رہنے والے بزرگ تھے' ایک مرتبہ میں اپنے گھر کے دروازے کے قریب بیٹھا تھا کہ حضرت سیدنا حارث رحمۃ اللہ علیہ کا وہاں سے گزر ہوا' میں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں ہیں۔ میں نے فوراً قریب جا کر عرض کی:

"چچا جان! آپ ہمارے گھر تشریف لا کر خدمت کا موقع دیجیے"۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ میرے چچا کا گھر ہمارے گھر سے کافی بڑا تھا اور ان کے گھر ہر وقت انواع و اقسام کے کھانے موجود رہتے۔ میں فوراً وہاں سے قسم قسم کے کھانے لے آیا۔ حضرت سیدنا حارث رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ بڑھا کر ایک لقمہ لیا' میں نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ لقمے کو چباتے رہے لیکن حلق سے نیچے نہ اُتار پائے پھر لقمہ منہ سے باہر نکالا اور مجھ سے کوئی بات کیے بغیر تشریف لے گئے جب دوسرے دن ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کی: "چچا جان! کل آپ نے ہمارے گھر قدم رنجہ فرما کر ہمیں خوش کیا پھر اچانک کیا ہوا؟ کیوں تشریف لے گئے؟" فرمایا:

"اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص کرم ہے کہ جب کوئی ایسا کھانا میرے سامنے آتا ہے جس میں اس پاک پروردگار کی رضا شامل نہ ہو تو اس کھانے سے بُو نکلتی ہے اور میرا دل اسے قبول نہیں کرتا جیسے ہی میں نے تمہارے پیش کردہ کھانے سے ایک لقمہ لیا تو مجھے وہی بُو محسوس ہوئی لہٰذا میں نے وہ لقمہ نہ کھایا اور تمہارے گھر کے باہر پھینک کر واپس چلا آیا"۔ (عیون الحکایات)

Scanned with CamScanner

(134)

حسنِ نیت بسم اللہ کی برکت اور اللہ کی رحمت

بیان کرتے ہیں کہ چوروں کی ایک جماعت ابتدائے شب میں قافلہ پر ڈاکہ ڈالنے کے واسطے باہر نکلی جب رات کی تاریکی چھا گئی تو وہ سب میدان اور منزل کے مسافر خانہ میں آئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر مسافر خانہ کے لوگوں سے کہا: ہم لوگ غازیوں کی جماعت سے ہیں اور اس وقت تمہارے مسافر خانہ میں رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا وہ سب مسافر خانہ میں داخل ہوئے اور مالک مسافر خانہ ان کی خدمت کے واسطے کھڑا ہوا وہ اس خدمت سے تقربِ خداوندی کا ارادہ رکھتا تھا اور ان سے برکت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس ایک اپاہج لڑکا تھا جو کھڑا ہونے پر قادر نہ تھا۔ پس صاحبِ مسافر خانہ نے ان چوروں کا جوٹھا کھانا اور ان کا بچا ہوا پانی لیا اور اپنی بی بی سے کہا: اپنے اس لڑکے کے تمام اعضاء کو اس پانی سے مل دو۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان غازیوں کی برکت سے اس کو شفا دے چنانچہ ان میاں بی بی نے ایسا ہی کیا جب صبح ہوئی تو وہ چور نکل گئے اور ایک طرف کو متوجہ ہوئے' مال لوٹا اور شام کے وقت مسافر خانہ میں آئے تو اس لڑکے کو دیکھا کہ وہ سیدھا چلتا ہے ان چوروں نے صاحبِ مسافر خانہ سے کہا:

''کیا یہ وہی لڑکا ہے جس کو ہم نے کل اپاہج دیکھا تھا؟'' اس نے کہا:

''ہاں! میں نے تم لوگوں کا جوٹھا اور تمہارا بچا ہوا پانی پی لیا اور اس سے اس کے جسم کو مل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری برکت سے اس کو شفا عطا کی''۔

(یہ سن کر وہ سب رونے لگے اور اس سے کہا: اے مرد تم کو معلوم ہو کہ ہم غازی نہیں ہیں بلکہ ہم تو چور ہیں' ڈاکہ مارنے کے لیے نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے لڑکے کو تیری

حسنِ نیت سے عافیت دی اب ہم نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی۔ چنانچہ سب کے سب غازی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے بن گئے اور مرتے دَم تک یونہی رہے۔)

(نوادر قلیوبی)

☆.....منقول ہے کہ ایک یہودی ایک یہودیہ عورت پر عاشق ہوا' وہ اس کے عشق میں مجنون سا ہوگیا اور کھانا پینا اس کو اچھا نہ لگتا تھا۔ چنانچہ وہ عطاء اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور انہوں نے اس کا حال دریافت کیا اس کے بعد عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کاغذ میں بسم اللہ لکھ دی اور اس سے فرمایا: اس کو نگل جا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس سے تسلی دے یا اس عورت کو تیرے نصیب کر دے جب اس نے اس کو نگلا تو کہا:

''اے عطاء رحمۃ اللہ علیہ! بلاشک میں نے ایمان کی حلاوت پائی اور میرے دل میں نور ظاہر ہوا اور میں اس عورت کو بھول گیا اب آپ میرے سامنے ایمان پیش کیجیے''۔

چنانچہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایمان پیش کیا اور بسم اللہ کی برکت سے مسلمان ہوگیا اس کے بعد اس عورت نے اس کے اسلام کی خبر سنی وہ بھی عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور کہا:

''اے مسلمانوں کے امام! میں ہی وہ عورت ہوں جس کا اس یہودی نے آپ سے ذکر کیا تھا جو مسلمان ہوا ہے اور میں نے گزشتہ شب کو اپنے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھ سے کہا: اگر تو اپنا مقام جنت میں دیکھنا چاہتی ہے تو عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا اس لیے وہ تجھ کو وہ مقام دِکھا دے گا اب میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ پس آپ مجھ سے فرمائیے کہ جنت کہاں ہے؟'' عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا:

''اگر تو جنت دیکھنا چاہتی ہے تو پہلے تجھ پر لازم ہے کہ اس کا دروازہ کھول اس کے بعد اس میں داخل ہو''۔

اس عورت نے کہا: ''میں اس کا دروازہ کیونکر کھولوں؟''

عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہو''۔

Scanned with CamScanner

چنانچہ اس نے بِسْمِ اللہِ شریف پڑھی پھر اس عورت نے کہا:

''اے عطاء رحمۃ اللہ علیہ میں اپنے دل میں نور پاتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خدائی اور عالم آخرت دیکھتی ہوں' آپ مجھ پر اسلام پیش کیجیے''۔

چنانچہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اسلام پیش کیا اور وہ بسم اللہ کی برکت سے مسلمان ہوگئی پھر وہ اپنے گھر گئی اور اس رات سوئی پس اس نے اپنے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں داخل ہوئی اور محلات اور قبے دیکھے اور اس میں ایک قبہ دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا:

''بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ''۔

اس عورت نے اس کو پڑھا۔ ناگاہ ایک منادی کو سنا کہ وہ کہتا ہے:

''اے پڑھنے والی بی بی ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے تجھ کو وہ تمام چیزیں دیں جن کو تو نے پڑھا اور دیکھا ہے اس کے بعد وہ عورت بے دار ہوئی اور کہا:

اِلٰھِیْ کُنْتُ دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ فَاَخْرَجْتَنِیْ مِنْھَا اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْنِیْ مِنْ ھَمِّ الدُّنْیَا بِقُدْرَتِکَ ۔

''الٰہی! میں جنت میں داخل ہو چکی تھی پس تو نے مجھے اس سے باہر کر دیا۔ اے معبود! تو اپنی قدرت سے مجھے دنیا کے غم سے نکال دے جب وہ اپنی دعا سے فارغ ہوئی تو اس کا گھر اس پر گر پڑا اور وہ شہید ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور الحمد کی برکت سے اس پر رحم کیا''۔ (ایضاً)

☆......ایک صالح کی روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا تھا' میں نے یک بیک دیکھا کہ ایک شخص سجدہ میں ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے آقا! تو نے اپنے بندہ محروم کے حق میں کیا کیا اور جب میں اس کے اس سے گزرتا تھا تو سنتا تھا کہ وہ یہی الفاظ کہتا تھا جب میں طواف سے اور سجدہ سے فارغ ہوا تو میں نے اس سے اس جملہ کا حال پوچھا۔ اس نے مجھ سے کہا: تم کو معلوم ہو کہ ہم بلاد روم میں تھے اور رومیوں کے قلعوں پر ڈاکہ ڈالتے تھے۔ پس ہمارے افسر فوج نے ایک بڑی جماعت جمع کی اور رومیوں کے شہروں کی طرف نکلا۔ افسر فوج نے ہم سے دس سواروں کو چنا' ان میں میں بھی تھا اور ہم کو

بطور طلایہ مقدمۃ الجیش کے بھیجا۔ چنانچہ جب ہم میدان میں آئے تو ہم نے تقریباً ساٹھ کافروں کو دیکھا اس کے بعد ہم نے دوسرے میدان کی جانب دیکھا تو ناگاہ وہاں بھی قریب چھ سو آدمیوں کے نظر آئے۔ ہم نے اپنے امیر لشکر کو اطلاع دی اس نے کفار روم کی جانب مسلمانوں کا ایک لشکر بھیجا چنانچہ مسلمانوں نے ان سب کافروں کو گرفتار کر لیا اس کے بعد ہم سے ہمارے افسر نے کہا: تم لوگ بابرکت ہو اس لیے حسب عادت رات میں بطور طلایہ کے نکلو۔ چنانچہ ہم لوگ نکلے اور اتفاقاً ایک ہزار سواروں میں گھر گئے۔ انہوں نے ہم سب کو قید کر لیا اس کے بعد وہ ہم کو بادشاہ کے پاس لائے' اس نے ہم کو قید کرنے کا حکم دیا پھر اس کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں نے ان کے قیدیوں کو مار ڈالا' ان میں بادشاہ کا چچازاد بھائی بھی تھا اس خبر سے وہ بہت غمگین ہوا اور ہمارے قتل کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے ہماری آنکھوں پر پٹی باندھی' اس کے بعد ایک شخص جو بادشاہ کے سر پر کھڑا تھا اس نے کہا: بے شک ان کی آنکھوں میں پٹی باندھنے میں ان پر تخفیف ہے ان کی آنکھوں سے پٹی کھول دو تاکہ ان میں کا ایک دوسرے کے عذاب کو دیکھے۔ یہ ان پر زیادہ سخت اور ان کے لیے زیادہ رنجیدہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ہماری آنکھوں کی پٹیاں کھول دیں۔ میں نے اپنے پاس ایک کھڑے ہونے والے کی جانب دیکھا اور وہ شخص ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھا وہ سونے سے مرصع اور آراستہ تھا۔ یہ شخص مسلمان تھا اس کے بعد وہ مرتد ہو کر دارالکفر میں مل گیا تھا میں اس سے کلام کرنے پر قادر نہ ہوا پھر میں نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی میں نے دس عورتوں کو دیکھا کہ ہر ایک کے ساتھ ایک ایک رومال اور طباق ہے اور ان عورتوں کے اوپر آسمان میں دس دروازے کھلے ہیں اس کے بعد جلاد نے یکے بعد دیگرے ہم کو قتل کرنا شروع کیا پھر تو یہ حال ہوا کہ جب وہ ہم میں سے ایک کو قتل کرتا تو ان عورتوں میں اس کی عورت اس کی طرف اُترتی اس کی روح کو لیتی اس کو رومال میں لپیٹتی طباق پر رکھتی تھی اور اس کو ان دروازوں میں سے ایک دروازے سے اوپر لے جاتی تھی۔ میں ان سب میں اخیر تھا پس جب حکم مجھ تک پہنچا تو میری عورت میری جانب بڑھی تاکہ میری روح کے ساتھ وہ بھی وہی معاملہ کرے جو اس کی سہیلیوں نے کیا ہے جب جلاد نے میرے قتل کا ارادہ کیا تو اسی شخص نے جو بادشاہ کے سر پر

Scanned with CamScanner

کھڑا تھا کہا:

''اے بادشاہ! جب آپ ان سب کو قتل کر دیں گے تو مسلمانوں کو ان کے قتل کی اطلاع کون پہنچائے گا اس لیے اس کو چھوڑ دیجیے تا کہ یہ مسلمانوں کو خبر دے۔ چنانچہ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ میری عورت مجھ سے پھر گئی اور کہنے لگی: محروم۔ اسی لیے میں یہاں گریہ وزاری کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے میرے رب! تو نے محروم کے معاملہ میں کیا کیا؟ میں نے اس سے کہا: تم ناامید مت ہو اس لیے کہ اللہ کا فضل بہت بڑا ہے''۔ (ایضاً)

(135)

حضرت ابراہیم بن ادھم اور ایک شرابی گویا

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک بار راہ میں جاتے تھے' ایک مست جوان گھوڑے پر سوار سامنے آیا اور خواجہ کو زور سے کوڑا مار کر کہا' یہ شراب کا مٹکا سر پر اُٹھا لے۔ خواجہ صاحب سر پر مٹکا اُٹھا کر چل دیئے اور اس کے گھر پہنچا دیا وہاں ایک گویا سارنگی بجا رہا تھا جب خواجہ نے شراب کا مٹکا اُتارا تو اس جوان نے طنبورہ گویے کے ہاتھ سے لے کر خواجہ صاحب کے سر مبارک پر اس زور سے مارا کہ نہ صرف سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا بلکہ گوشہ طنبورہ بھی ٹوٹا۔ خواجہ صاحب باہر آئے اور دریائے دجلہ پر جا کر کپڑے اور سر خون آلودہ دھویا۔ درویشوں کی شان ہی نرالی ہوتی ہے' ان کی سوچ بھی دنیا سے الگ ہوتی ہے اور ان کے ذہن کی پرواز بھی عام ذہنوں سے بہت بلند ہوتی ہے اب خواجہ صاحب کو اپنے سر پھٹنے کی کوئی فکر یا غم نہ تھا بلکہ غم تھا تو یہ تھا کہ میری وجہ سے بے چارے گویے کا طنبورہ ٹوٹ گیا اور کچھ تھا نہیں۔ گھر آ کر اپنا مصلیٰ لیا اور بازار میں لے جا کر بیچا پھر اس جوان کے گھر جا کر نصف قیمت مصلیٰ اس کے نذر کی اور کہا تم نے جو طنبورہ میرے سر پر اُٹھا کر مارا مبادا تمہارے ہاتھ کو کچھ رنج پہنچا ہو۔ یہ اس کا شکرانہ قبول کیجیے جوان نے یہ خوش خلقی خواجہ صاحب کی دیکھی اپنی پگڑی گردن میں ڈال کر قدموں میں گر پڑا اور خالص دل سے توبہ کی پھر جناب خواجہ صاحب وہاں سے اس گویے کے گھر گئے اور باقی نصف قیمت مصلیٰ کی اس کے روبرو رکھی اور فرمایا:

''میرے سر کی وجہ سے تمہارا طنبورہ ٹوٹا یہ شکرانہ عوض اس کا قبول ہو''۔

اس نے بھی جب جناب خواجہ صاحب کا خلقِ حسن دیکھا' رویا اور آپ کے قدموں پر گر کر تائب ہوا۔ (خیر المجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی' ص ۱۷۴)

Scanned with CamScanner

(136)

ایک محدث اور ایک طفیلی کا قصہ

ایک مشہور محدث ابوعمرو جہضمی بیان فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک طفیلی رہتا تھا، میں جہاں بھی دعوتِ ولیمہ میں جاتا یہ شخص نہایت بہترین پوشاک پہن کر میرے ساتھ لگ جاتا۔ میرا خاص آدمی سمجھ کر لوگ اس کا بے حد احترام واکرام کرتے تھے۔

اتفاق سے ایک دن بصرہ کے گورنر جعفر بن قاسم ہاشمی کے یہاں ختنہ کی تقریب میں میری دعوت تھی جیسے ہی گورنر کا قاصد مجھے بلانے کے لیے آیا یہ طفیلی صاحب نہایت نفیس لباس پہن کر میرے ساتھ ساتھ چلنے لگے اس دن مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے عزم کرلیا کہ آج اس کو ذلیل کردوں تاکہ کسی طرح اس سے میرا پیچھا چھوٹ جائے۔ چنانچہ جب دسترخوان لگ گیا تو تمام علماء ومشائخ اور اکابر بصرہ تناول فرمانے لگے تو میں نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث پڑھ دی:

حدثنی درسة بن زیاد عن ابان بن طارق عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ مَنْ دَخَلَ دَارَ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ فَاَكَلَ طَعَامَهُمْ دَخَلَ سَارِقًا وَّخَرَجَ مُغِيْرًا ۔

''جو شخص بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہوا اور ان کا کھانا کھالیا تو وہ چور بن کر داخل ہوا اور ڈاکو بن کر نکلا''۔

یہ حدیث سن کر طفیلی ایک دم غصہ سے برہم ہوگیا اور مجھ پر بگڑ کر کہنے لگا:

''اے ابوعمرو! خدا کی قسم! یہ حدیث تو نے صرف مجھے رسوا کرنے کے لیے پڑھی ہے جس کا ایک راوی ''درسہ بن زیادہ'' ضعیف ہے اور ایک راوی ابان

بن طارق متروک ہے اور پھر یہ حدیث اجماع مسلمین کے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی امام کا بھی یہ مذہب نہیں ہے کہ بغیر دعوت اور بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہو کر اس کے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھالینے والے کو چور قرار دے کر اس کا ہاتھ کاٹا جائے یا اس کو ڈاکو کی سزا دی جائے۔ اے ابوعمرو! آخر تم کو اس وقت یہ حدیث کیوں نہیں یاد آئی؟''

حدثنا ابو عاصم عن ابن جریج عن الزبیر عن جابر قال قال رسول الله ﷺ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ ۔

''ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو اور چار آدمیوں کا آٹھ آدمیوں کو کافی ہوتا ہے اس حدیث کا متن اور سند بالکل صحیح ہے''۔ ابوعمر جہضمی فرماتے ہیں:

''اس طفیلی نے حاضر جوابی اور چرب زبانی سے مجھے حیران اور لاجواب کردیا مگر کھانے کے بعد جب ہم گورنر کے محل سے روانہ ہوئے تو میرے پیچھے پیچھے چلنے کے بجائے مجھ سے دُور دُور سڑک کی دوسری جانب چلنے لگا اور مجھے سنا سنا کر بار بار وہ یہ شعر پڑھتا رہا:

وَمَنْ ظَنَّ مِمَّنْ يُلَاقِي الْحُرُوْبَ
بِاَنْ لَا يُصَابَ فَقَدْ ظَنَّ عَجْزًا

''جو شخص یہ خیال کرکے جنگ میں کود پڑے کہ مجھے چوٹ نہیں لگے گی تو اس کا یہ گمان بہت بڑی کم عقلی کی بات ہے''۔ (ثمرات الاوراق ج ۱ ص ۱۵۵)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگلے مسلمانوں میں علم وحدیث کا چرچا اور ذوق تھا کہ معمولی کلاس کے مسلمان بھی سینکڑوں احادیث زبانی یاد رکھتے تھے اور معانی حدیث پر انہیں اس قدر عبور حاصل تھا کہ وہ برمحل احادیث پڑھ کر اس سے اپنے مدعا پر استدلال بھی کرتے تھے اور راویوں کے جرح وتعدیل کا بھی انہیں ملکہ حاصل رہتا تھا مگر افسوس کہ آج وہ

Scanned with CamScanner

دن آ گئے کہ عوام تو عوام' بعض علمائے کرام بھی حدیث کے اس نورانی ذوق سے محروم نظر آتے ہیں اور دورِ حاضر کے بعض عالم کہلانے والوں کے مبلغ علم کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آ جاتا ہے:

ہوا حریف مہ و آفتاب تو جس سے
رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی

(137)

نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کا ساتھی

عمرو بن مرۃ جہنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (قبیلہ قضاعہ کا) ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں نے کلمۂ شہادت کی گواہی دی' پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں' اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں' رمضان کے روزے رکھتے ہوں (میرے لیے اجر وثواب کتنا ہے؟)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَّاتَ عَلٰی هٰذَا كَانَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَنَصَبَ اُصْبَعَيْهِ مَا لَمْ يَعُقَّ وَالِدَيْهِ .

''جس کا انتقال ان (واجبات کی ادائیگی) کے ساتھ ہو' وہ قیامت کے دن انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ اس طرح ہوگا اور بات کو سمجھانے کے لیے آپ نے اپنی انگلیوں کو اُٹھایا جب تک وہ اپنے والدین کا نافرمان نہ ہو''۔

اس حدیث سے اندازہ کریں کہ والدین کا رُتبہ کس قدر عظیم ہے۔

(صحیح مسند احمد ۲۴۰۰۹/۸۱)

(138)

مجاہدِ اسلام

حضرت سیّدنا حبیب بن ضبہان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جنگِ قادسیہ میں شریک ہوا' ہمارے دشمن ''مدائن'' کی طرف بھاگے تو ہم نے ان کا تعاقب کیا۔ راستے میں دریائے دجلہ حائل تھا' دشمن نے پل توڑ دیا اور کشتیوں میں سوار ہو کر دریا عبور کر لیا جب ہم پل کے قریب پہنچے تو وہ پانی میں بہہ رہا تھا' کوئی راہ نظر نہ آئی۔ کشتیاں تھیں نہیں کہ ان کے ذریعے دریا عبور کرتے بالآخر لشکرِ اسلام میں سے ایک عظیم مجاہد نے اپنا گھوڑا لشکر سے نکالا اور دریا میں دوڑا دیا وہ مردِ مجاہد قرآنِ پاک کی یہ آیت پڑھتا جا رہا تھا:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (پ۴/آل عمران ۱۴۵)

''اور کوئی جان بے حکمِ خدا مر نہیں سکتی سب کا وقت لکھا ہوا ہے''۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس عظیم مجاہد نے دریا عبور کر لیا اس کے پیچھے پیچھے تمام لشکر نے اپنی سواریاں دریا میں اُتار دیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب لشکر بمعہ ساز و سامان صحیح و سالم دوسرے کنارے پر پہنچ گیا یہاں تک کہ کسی کی رسی یا ایک تیر بھی گم نہ ہوا جب دشمن نے ہمیں دیکھا تو ان کا پورا لشکر بغیر جنگ کیے بہت سارا مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لشکرِ اسلام میں سے ہر مجاہد کو تیرہ تیرہ جانور اور بہت سے سونے چاندی کے برتن ملے۔ بغیر جنگ کیے مسلمانوں کو یہ عظیم فتح حاصل ہوئی اور مالِ غنیمت بھی بے انتہا ملا۔

(عیون الحکایات)

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

(139)

شیطان کی دشمنی

نقل کیا گیا ہے کہ ابلیس (اس پر خدا کی لعنت ہو) ضحاک پسر علوان (بادشاہ فارس) کے پاس آدمی کی صورت میں آیا اور اس سے کہا: ''اے بادشاہ! میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ نفیس کھانے پکانے میں پوری مہارت رکھتا ہوں' مجھے اپنے کھانے پر مقرر کر دو''۔

چنانچہ ضحاک نے اپنے کھانے پکانے پر اس کو مقرر کر دیا اس سے پہلے لوگ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ ابلیس نے سب سے پہلے جو کھانا تیار کیا وہ مرغی کے انڈے تھے چنانچہ ضحاک نے اس کو کھایا اور بہت پسند کیا' اس کے بعد ابلیس نے ضحاک سے کہا:

''اب میں آپ کے واسطے اس سے کھانا تیار کروں گا جس سے یہ انڈے نکلتے ہیں''۔

جب دوسرا دن ہوا تو ابلیس نے اس کے لیے مرغ ذبح کیا اور اس کو پکا کر کھلایا۔ ضحاک نے اس کو بھی پسند کیا پھر تیسرے دن اس نے بکری اور بھیڑ اس کے واسطے ذبح کی پھر چوتھے دن میں اونٹ اور گائے ذبح کی اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ آدمیوں کے قتل تک نوبت پہنچے چنانچہ اس حالت پر ایک مدت گزر گئی اور بادشاہ ضحاک گوشتوں کے کھانے کا عادی ہو گیا اس کے بعد ابلیس لعین نے بادشاہ سے کہا:

''بے شک تو نے میری بزرگی کی اور میری تعظیم کی لہٰذا مجھے اجازت دے کہ میں تیرے دونوں شانوں کو بوسہ دوں''۔

چنانچہ ضحاک نے اس کو اجازت دی وہ اس سے قریب ہوا اور اس کے دونوں کندھوں کو بوسہ دیا جس کے اثر سے اس کے دونوں کندھوں میں اُبھرے ہوئے دو منہ دو سانپوں کی

Scanned with CamScanner

شکل کے نکل آئے اور ان دونوں کے منہ اور آنکھیں تھیں جب ضحاک نے یہ دیکھا تو معلوم کیا کہ یہ ابلیس ہے اس کے بعد اس نے کہا: ''تو نے مجھے مار ڈالا''۔ پھر اس سے کہا: ''اے ملعون ان سانپوں کی دوا کیا ہے؟'' ابلیس نے کہا: ''آدمیوں کے دماغ اس کی دوا ہیں''۔

اس کے بعد پیٹھ پھیر کر چلتا بنا اور ضحاک نے اس کو نہ دیکھا پھر تو ضحاک ہر روز اپنے وزیر کو حکم دینے لگا کہ چار شخص موٹے تازے خوب صورت ذبح کیے جائیں اور ان کے دماغ لائے جائیں ان سے ان سانپوں کو خوراک دی جائے چنانچہ اسی حالت پر وہ تین سو برس زندہ رہا اس کے بعد اس کا وزیر مر گیا اور دوسرا وزیر ہوا وہ بھی چار آدمیوں کو حاضر کراتا لیکن ان میں سے صرف دو کو ذبح کرتا تھا اور ان کے دماغ لیتا تھا اور ان دونوں میں دو مینڈھوں کے دماغ ملاتا تھا ان سے ان سانپوں کی خوراک دیتا تھا اور دوسرے دو آدمیوں کو یہ حکم دیتا تھا کہ وہ پہاڑ کی جانب چلے جائیں اور وہیں اقامت کریں اسی طریقہ پر سات سو برس تک انتظام قائم رہا حتیٰ کہ جو لوگ پہاڑ میں سکونت رکھتے تھے ان کی تعداد بڑھ گئی اور ان کے اولادیں ہوئیں، مرد وعورتیں جمع ہو گئیں اور انہوں نے بھیڑ بکریاں اور گائیں وغیرہ جمع کیں، یہی لوگ قوم کرد ہیں۔ (نوادر قلیوبی)

☆...... بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی ملک میں بہت سے انگور کے درخت اور بہت سے دیگر درخت تھے، اس کو خبر دی گئی کہ اولہ نے ان سب کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ چنانچہ شیطان نے اس کو وسوسہ میں ڈالا کہ تو اللہ کی عبادت کرتا تھا اور اس کی بندگی بجا لاتا تھا حالانکہ اس نے تیرے انگور کے درختوں اور تیرے دوسرے درختوں کو برباد کر دیا وہ شخص بہت ہی سخت غصہ ہوا اور باہر نکلا اور کنجی کو آسمان کی طرف پھینک دیا اور کہا:

''تو نے میرے پھلوں کو تباہ کر دیا، اپنی کنجی لے، وہ کنجی ہوا میں تھوڑی دیر تک اُڑی اس کے بعد اس کی جانب لوٹی اور سیاہ سانپ بن کر اس کی گردن میں لٹک گئی اور چالیس دن تک برابر اس کی گردن میں لٹکی رہی یہاں تک کہ وہ مر گیا جب لوگوں نے اس کے غسل کا ارادہ کیا تو وہ اس کی گردن سے الگ ہو گئی جب اس کو دفن کر دیا تو وہ اس کی طرف لوٹ آئی''۔ (ایضاً)

(40)

شیخ نجیب الدین سہروردی اور قیدی لوگ

حضرت شیخ نجیب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (عوارف المعارف میں ''ضیاء الدین ابوالنجیب'' نام ہے) ایک بار سفر میں تھے۔ اصفہان پہنچے ان کی میزبانی بہت بڑی سعادت تھی وہاں کے حاکم نے آپ کی تشریف آوری کا حال سن کر خوان کھانے کے، قیدیوں کے سروں پر بطریق دعوت بھیجے۔ اکیلے کھانا درویشوں کی صفت نہیں۔ آپ نے فرمایا:

''دستر خوان بچھا دیں اور سب حاضرین کو کھانا کھانے کو کہیں، سب کے بعد میرے ہاتھ دُھلائیں، میں بھی سب کے ساتھ کھاؤں گا۔ کیونکہ درویشوں کے نزدیک ''الہدایا مشترکہ'' تحفے اور ہدیئے مشترک ہوتے ہیں۔ یہ بات سنتِ اسلام اور راہِ سلوک کے منافی ہے کہ میں تنہا اور علیحدہ بیٹھ کر کھاؤں اور حاضرین میرے منہ کی طرف دیکھتے رہیں''۔ خادموں نے عرض کیا:

''حاضرین میں یہ مجرم گناہ گار اور قیدی لوگ ہیں جو کھانا اُٹھا کے لائے ہیں''۔ فرمایا:

''مجرم قیدی ہیں تو کیا انسان بھی نہیں۔ نفرت مرض سے ہوا کرتی ہے مریض سے نہیں۔ نفرت مرضِ گناہ سے ہونی چاہیے نہ کہ گناہ میں مبتلا مریض سے۔ مریض تو زیادہ ہمدردی اور توجہ کا مستحق ہے لہٰذا قیدیوں کو بھی ساتھ کھانے کے واسطے کہو۔ غرض دستر خوان آراستہ کیا گیا اور تمام حاضرین مع قیدیوں کے بیٹھ گئے۔ شیخ صاحب ہاتھ دھو کر جب آئے تو آپ کا گزر قیدیوں کی طرف سے ہوا۔ شیخ نے قیدیوں سے کوئی نفرت نہیں کی اپنے آپ کو ان سے بہتر تصور نہیں

Scanned with CamScanner

کیا، کمال محبت اور پیار سے انہی کے درمیان بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا۔ بھلا کوئی گیا گزرا انسان ایسا ہو سکتا ہے جو اس قسم کے اخلاق عالیہ دیکھنے کے بعد بھی متاثر نہ ہو اور اپنے رویے پر نظر ثانی نہ کرے"۔

۱) عوارف المعارف، ص ۲۴۱ طبع بیروت، لبنان)

۲) خیر المجالس نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمہ اللہ، ص ۱۷۵)

(141)

تقویٰ اور اس پر ملنے والا انعام

شام کے مشہور عالمِ دین شیخ طنطاوی نے اپنی یادداشتوں میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک لڑکا نیک وصالح تھا اس میں تقویٰ اور پرہیزگاری تھی البتہ حصولِ علم میں کوئی زیادہ دلچسپی نہ تھی وہ ایک دینی مدرسے میں پڑھتا تھا استاد جو کہتا اسی پر عمل کرتا جب اس نے اپنے استاد کی خدمت میں رہ کر ضرورت کے مطابق علم حاصل کر لیا تو استاد نے اسے اور اپنے دیگر شاگردوں کو نصیحت فرمائی:

لَا تَكُوْنُوْا عَالَةً عَلَى النَّاسِ، فَاِنَّ الْعَالِمَ الَّذِىْ يَمُدُّ يَدَهٗ اِلٰى اَبْنَاءِ الدُّنْيَا لَايَكُوْنُ فِيْهِ خَيْرٌ، فَلْيَذْهَبْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ وَلْيَشْتَغِلْ بِالصُّنْعَةِ الَّتِىْ كَانَ اَبُوْهُ يَشْتَغِلُ بِهَا وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِيْهَا ۔

"لوگوں کے محتاج نہ بنو کیونکہ دنیاداروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا عالم خیر و بھلائی سے محروم ہوتا ہے (اس لیے کہ جو کچھ دنیادار کہتے اور کرتے ہیں، عالم اس پر انکار کرنے کی جرأت نہیں کرے گا کیونکہ وہ ان کے احسان تلے دبا ہوتا ہے) لہٰذا تم میں سے ہر طالبِ علم جا کر اپنے باپ کا پیشہ اختیار کر لے (اور اس سے معاش پیدا کرے) اور اپنے پیشے میں اللہ کا خوف اور تقویٰ ملحوظِ خاطر رکھے"۔

لڑکے اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے، یہ لڑکا بھی استاد کی نصیحت سن کر اپنے گھر گیا اور اپنی ماں سے پوچھا:

"امی جان! ذرا مجھے بتائیں کہ میرے ابو جان کا پیشہ کیا تھا، وہ کیا کام کرتے

Scanned with CamScanner

تھے؟''

بیٹے کے اس سوال سے ماں گھبرا گئی اور پوچھا:

''بیٹے! تیرے والد کا مدت ہوئی انتقال ہو چکا ہے' تمہیں اپنے باپ کے پیشہ سے کیا لینا دینا جو یہ سوال کر رہے ہو؟''

بیٹے نے اب اصرار کے ساتھ اپنے باپ کا پیشہ جاننا چاہا اور ماں اس سے ٹال مٹول کرتی رہی جب بیٹے نے ضد کی تو ماں نہ چاہتے ہوئے بھی گویا ہوئی:

''بیٹے! جب تم بار بار مجھ سے اپنے باپ کے پیشے کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو مجبوراً زبان کھولنی پڑ رہی ہے اگر کوئی اچھا پیشہ تمہارے باپ کا ہوتا تو مجھے بتانے میں اس قدر تذبذب سے کام نہ لینا پڑتا لیکن جب تمہارا اصرار ہی ہے تو سنو! تمہارا باپ چور تھا! چوری ہی اس کا پیشہ تھا''۔ بیٹے نے ماں کا جواب سن کر کہا:

''امی جان! استادِ محترم نے تمام طلبہ سے کہا ہے کہ جاؤ اور اپنے اپنے باپ کا پیشہ اختیار کر لو اور اس میں تقویٰ کا خیال رکھنا''۔ ماں نے کہا:

''تیرا ناس ہو! بھلا چوری میں تقویٰ شعاری! یہ کیسی بات ہے؟''

بیٹے نے ماں سے کہا:

''لیکن امی جان! استادِ محترم نے یہی بات کہی ہے جو میں نے آپ کو بتائی ہے''۔

پھر نوجوان لڑکے نے چوری سے متعلق معلومات حاصل کرنا شروع کیں' باقاعدہ ٹریننگ لی کہ چوری کیسے کرتے ہیں اس کے لیے ضروری اوزار مہیا کیے اور وہ دن بھی آ گیا جب اس کی ٹریننگ مکمل تھی اور وہ چوری کر سکتا تھا۔

پھر اس نے خاصے غور وخوض کے بعد پروگرام بنایا کہ آج سے اپنے والد کے پیشے پر عمل کرنا ہے۔ عشا کی نماز پڑھ کر وہ لوگوں کے سونے کا انتظار کرتا رہا جب لوگ سو گئے اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا تو اس نے سب سے پہلے پڑوسی ہی کے گھر سے چوری کا آغاز

کرنے کا ارادہ کیا جب پڑوسی کے گھر میں داخل ہونا چاہا تو اسے اپنے استاد کی نصیحت یاد آ گئی کہ اپنے پیشے میں تقویٰ کا پاس ولحاظ رکھنا اس نے دل میں کہا' پڑوسی کے گھر میں چوری کرنا اور اسے تکلیف دینا تو سراسر تقویٰ کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوگا چنانچہ وہ پڑوسی کا گھر چھوڑ کر اگلے گھر کی طرف بڑھا۔ وہ یتیم بچوں کا گھر تھا اس نے کہا' یہ یتیم بچوں کا گھر ہے اس میں چوری کرنا تقویٰ کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے سے منع فرمایا ہے' وہ یہ گھر بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

اسی طرح جب کوئی گھر آتا اور یہ چوری کرنے کا ارادہ کرتا تو کوئی نہ کوئی بات اس کے ذہن میں آ جاتی جس کو تقویٰ کے خلاف کہہ کر وہ آگے بڑھتا چلا جاتا یہاں تک کہ ایک تاجر کا گھر آ گیا۔ یہ تاجر خاصہ امیر آدمی تھا اس کی صرف ایک ہی بیٹی تھی۔ چور نے کہا:

''ہاں! یہ گھر ہے جس میں چوری کی جا سکتی ہے''

پھر اس نے بہت سی چابیاں نکالیں جو پہلے سے بنوا رکھی تھیں اور دروازہ کھول لیا جب گھر کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ گھر تو بہت بڑا ہے اور کمرے بھی بہت زیادہ ہیں چنانچہ وہ گھر میں گھومنے لگا جیسے کوئی چور نہیں' مہمان ہو۔ بالآخر اس کی نگاہ اس جگہ پڑ گئی جہاں مال رکھا ہوا تھا اس نے تجوری کھولی تو وہ سونے چاندی اور روپے پیسے سے بھری پڑی تھی۔ چور نے تجوری سے مال نکالنا چاہا لیکن اسے اپنے استاد کی نصیحت یاد آ گئی اور کہنے لگا:

''استادِ محترم نے تو تقویٰ اختیار کرنے کی بات کہی تھی ہاں! پتہ نہیں اس تاجر نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی ہے یا نہیں کیوں نہ پہلے اس کی زکوٰۃ کا حساب کتاب کر لیا جائے۔ یہ سوچ کر اس نے حساب کتاب کے رجسٹروں کو نکالا' اپنے ساتھ لائی ہوئی چھوٹی سی لالٹین روشن کی اور اس کی روشنی میں رجسٹروں کی چھان بین کرنے لگا''۔

وہ حساب کتاب کا بہت ہی ماہر تھا چنانچہ اس نے جلدی جلدی پورے مال کا حساب کیا اور اس کی زکوٰۃ کا حصہ نکال کر الگ کر دیا پھر وہ حساب کتاب میں اس قدر مستغرق ہو گیا کہ وقت کا احساس ہی نہ رہا۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ فجر کا وقت ہو چکا ہے اس نے اپنے

Scanned with CamScanner

آپ سے کہا: ”تقویٰ کا تقاضہ ہے کہ پہلے نمازِ فجر ادا کی جائے اور بعد میں اپنا کام کیا جائے“۔

وہ گھر کے آنگن میں آیا اور اس سے پانی لے کر وضو کیا پھر نماز کے لیے اقامت کہنے لگا۔ گھر کے مالک نے جب اقامت کی آواز سنی تو گھبرا کر نیند سے بے دار ہوا' نیچے جھانکا' دیکھتا کیا ہے کہ ایک چھوٹی سی لالٹین روشن ہے' تجوری کھلی ہوئی ہے اور سامنے ایک نوجوان نماز کے لیے اقامت کہہ رہا ہے۔ مکان مالک کی بیوی بھی جاگ گئی اور دیکھ کر شوہر سے پوچھا: ”یہ سب کیا ہے؟“ مکان مالک نے بتایا: ”اللہ کی قسم! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے“۔

پھر وہ گھر کی دوسری منزل سے نیچے اُتر کر اس نوجوان کے پاس گیا اور کہا:

”تمہارا ناس ہو! آخر تم ہو کون؟ اور یہ کیا کر رہے ہو؟“ چور نے کہا:

اَلصَّلَاۃُ اَوَّلًا ثُمَّ الْکَلَامُ ۔

”پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں' بعد میں بات ہوگی“۔

مالک خاصہ گھبرایا ہوا تھا۔ نوجوان نے اسے حکم دیا' جلدی سے وضو کر کے آؤ۔ وہ وضو کر کے آیا تو نوجوان نے اس سے کہا: ”چلو تم جماعت کراؤ“۔ اس نے نوجوان سے کہا: ”نہیں! تم امامت کراؤ“۔ نوجوان نے کہا: ”تم گھر کے مالک ہو اور زیادہ حق دار ہو کہ امامت کراؤ“۔

مالک مکان کے لیے اس کی حکمِ عدولی کا کوئی تصور نہیں تھا' اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اس نے جماعت کرائی اب نماز اس نے کیسی پڑھی؟ اللہ ہی کو اس کی کیفیت کا علم ہے خوف اور رعب کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔

بہرحال جب نماز ختم ہوئی تو مالک مکان نے پوچھا:

”مجھے بتاؤ کہ تم ہو کون اور یہاں کس نیت سے آئے ہو؟“ نوجوان نے بتایا: ”میں چور ہوں اور چوری کرنے کے لیے آیا ہوں مگر تم بتاؤ کہ زکوٰۃ کیوں نہیں ادا کرتے؟“

میں نے تمہارے رجسٹروں کو چیک کیا ہے' تم نے چھ سالوں سے زکوٰۃ نہیں دی' یہ اللہ

کا حق ہے اور فرض ہے۔ میں نے حساب کر دیا ہے اور زکوٰۃ کا مال علیحدہ کر دیا ہے تاکہ تم اسے اس کے مستحقین تک پہنچا دو۔ یہ سننا تھا کہ مکان مالک جیسے تعجب سے بوکھلا گیا اور گویا ہوا: ”تیرا ناس ہو! تو یہ کیا کر رہا ہے کیا تو پاگل ہے؟“ اس نے کہا: ”میں پاگل نہیں بالکل تندرست' صحت مند اور توانا ہوں“۔

مکان مالک نے پوچھا: ”تو پھر تم چوری کیوں کر رہے ہو؟“

اس کے جواب میں نوجوان چور نے اپنی ساری داستان اس تاجر سے کہہ سنائی جب تاجر نے نوجوان کا بھولا پن اور اس کی بھولی بھالی' پیاری شکل وصورت اور حساب کتاب میں اس کی مہارت دیکھی تو اپنی بیوی کے پاس گیا اور نوجوان چور کے متعلق سب کچھ بتایا اور کہا: ”تم اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے پریشان تھیں' اللہ تعالیٰ نے رشتہ تمہارے گھر بھیج دیا ہے اس کی بیوی نے بھی موافقت کر لی“۔ اب وہ اس نوجوان کے پاس آیا اور کہا:

”دیکھو! چوری کرنا نہایت بُری بات ہے' تمہیں مال و دولت چاہیے اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے مال میں حصہ دار بنا سکتا ہوں“۔ نوجوان نے کہا: ”وہ کیسے؟“ تاجر کہنے لگا:

”میری ایک ہی بیٹی ہے' میں اس کی شادی تم سے کر دیتا ہوں۔ میں تمہیں اپنا چیف اکاؤنٹنٹ بھی بنانے کے لیے تیار ہوں' رہنے کے لیے تمہیں گھر بھی دوں گا اور مال بھی' تم اپنی والدہ سے مشورہ کر لو“۔

نوجوان نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی اس کی والدہ نے بھی اس رشتے کو سراہا اور اگلے دن اس تاجر نے گواہوں کی موجودگی میں اپنی بیٹی کی شادی اس نوجوان سے کر دی۔ (سنہرے اوراق)

(142)

ایک حیا والا نوجوان

حضرت سیّدنا احمد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والدِ محترم سے نقل کرتے ہیں:

''کوفہ میں ایک عبادت گزار، خوب صورت و نیک سیرت نوجوان رہتا تھا' وہ اپنا زیادہ تر وقت مسجد میں گزارتا اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتا۔ ایک مرتبہ ایک حسین وجمیل اور عقل مند عورت نے اسے دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی اس پر عاشق ہوگئی اور اسی کے خیال میں گم رہنے لگی۔ بالآخر جب اس کی محبت شدت اختیار کرگئی تو وہ راستے میں کھڑی ہوگئی۔ کچھ دیر بعد وہ عبادت گزار نوجوان مسجد کی طرف جاتا دِکھائی دیا' وہ اس کی طرف لپکی اور کہا:

''اے نوجوان! میں تجھ سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں' میری بات سن لو پھر جو چاہے کرنا''۔

اس شرم وحیا کے پیکر نوجوان نے جب ایک غیر محرم اجنبیہ عورت کی آواز سنی تو اس طرف بالکل متوجہ نہ ہوا اور نگاہیں جھکائے تیزی سے مسجد کی طرف بڑھ گیا۔ جب مسجد سے گھر کی طرف آنے لگا تو وہی عورت ملی اور کہنے لگی:

''اے نوجوان! میری بات سن! میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں''۔

نوجوان نے نگاہیں جھکائے جواب دیا:

''یہ تہمت کی جگہ ہے' میں نہیں چاہتا کہ لوگ مجھ پر تہمت لگانے میں مبتلا ہوں''۔

عورت نے کہا:

''واللہ! میں تیری حالت سے اچھی طرح خبردار ہوں لیکن میں اپنے نفس کے ہاتھوں مجبور ہوکر یہاں آئی ہوں اور میں خوب جانتی ہوں کہ اتنا معمولی سا تعلق بھی لوگوں کے نزدیک بہت بڑا ہے' تجھ جیسے نیک خصلت اور پاکیزہ لوگ آئینہ کی مثل ہوتے ہیں کہ ادنیٰ سی غلطی بھی ان کو عیب دار بنادیتی ہے لیکن کیا کروں میں اس معاملے میں بے بس ہوں' میرے دل کا حال یہ ہے کہ ہر وقت تیری یاد میں تڑپتا ہے اور میرے جسم کے تمام اعضاء تیری ہی طرف متوجہ ہیں''۔

نوجوان اس کی یہ گفتگو سن کر کچھ کہے بغیر اپنے گھر کی جانب چلا گیا۔ گھر جاکر اس نے نماز پڑھنا چاہی لیکن اسے خشوع وخضوع حاصل نہ ہوسکا۔ بالآخر اس نے ایک خط لکھا اور باہر آیا تو دیکھا کہ وہ عورت اسی جگہ کھڑی ہے۔ نوجوان نے جلدی سے خط اس کی طرف پھینکا اور واپس چلا گیا' عورت نے خط اُٹھایا اور بے تاب ہوکر پڑھنے لگی تو اس میں لکھا تھا:

''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اے عورت! یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اس سے درگزر فرماتا ہے جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے لیکن جب بندہ اتنا نافرمان ہوجاتا ہے کہ گناہوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو زمین وآسمان' پہاڑ' جانور' شجر وحجر کوئی بھی چیز برداشت نہیں کرسکتی پھر کس میں ہمت ہے کہ وہ اس کی ناراضگی کا سامنا کرے۔ اے عورت! اگر تو اپنے بیان میں جھوٹی ہے تو میں تجھے وہ دن یاد دِلاتا ہوں کہ جس دن آسمان پگھل جائے گا اور پہاڑ روئی کی طرح ہوجائیں گے اور تمام مخلوق اللہ جبار وقہار کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گی۔

اللہ کی قسم! میں تو اپنی اصلاح میں کمزور ہوں پھر بھلا میں دوسروں کی اصلاح کیسے کرسکتا ہوں؟ اور اگر تو اپنی باتوں میں سچی ہے اور واقع تیری کیفیت وہی

Scanned with CamScanner

ہے جو تو نے بیان کی تو میں تجھے ایک ایسے طبیب کا پتہ بتاتا ہوں جو ان دِلوں کا بہترین علاج جانتا ہے جو مرضِ عشق کی وجہ سے زخمی ہو گئے ہوں اور ان زخموں کا علاج کرنا بھی خوب جانتا ہے جو رنج والم کی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جان لے! وہ طبیبِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو سچی طلب کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جا۔ بے شک اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے میں تجھ سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِالْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ (پ۲۴، المؤمن:۱۸۔۱۹)

''اور انہیں ڈراؤ اس نزدیک آنے والی آفت کے دن سے جب دل گلوں کے پاس آ جائیں گے غم میں بھرے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے''۔

اے عورت! جب یہ معاملہ ہے تو خود سوچ لے کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے اور راہِ فرار کیونکر ممکن ہے؟ عورت نے خط پڑھ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ کچھ دنوں بعد پھر اسی راستے پر کھڑی ہو گئی جب نوجوان کی نظر اس پر پڑی تو وہ واپس اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ عورت نے پکار کر کہا:

''اے نوجوان! واپس نہ جا اس ملاقات کے بعد پھر کبھی ہماری ملاقات نہ ہو گی سوائے اس کے کہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری ملاقات ہو''۔

اتنا کہہ کر وہ زور زور سے رونے لگی اور روتے ہوئے کہنے لگی:

''جس پاک پروردگار کے دستِ قدرت میں تیرے دل کے اختیارات ہیں' میں اسی سے سوال کرتی ہوں کہ تیرے بارے میں مجھ پر جو معاملہ مشکل ہو گیا ہے' وہ اسے آسان فرما دے''۔

پھر وہ عورت نوجوان کے قریب آئی اور بولی:

''مجھ پر احسان کر اور کوئی ایسی نصیحت کر جس پر عمل کر سکوں''۔

باحیا نوجوان نے سر جھکائے نگاہیں نیچی کیے جواب دیا:

''خود کو اپنے نفس سے باز رکھ' نفس کی خواہشات سے بچ۔ میں تجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد دِلاتا ہوں''۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (پ۷، الانعام:۶۰)

''اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ''۔

یہ آیتِ کریمہ سن کر عورت نے اپنا سر جھکا لیا اور پہلے سے بھی زیادہ زور زور سے رونے لگی جب کچھ افاقہ ہوا تو دیکھا کہ نوجوان جا چکا تھا' وہ اپنے گھر چلی آئی اور پھر عبادت و ریاضت کو اپنا مشغلہ بنا لیا اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہنے لگی جب بھی نوجوان کی یاد آتی اس کا خط منگوا کر آنکھوں سے لگا لیتی۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا:

''تجھے اس طرح کرنے سے کیا ملتا ہے؟'' کہا: ''کیا کروں؟ کیا میرے لیے اس کے علاوہ بھی کوئی علاج ہے؟''

وہ دن بھر یادِ الٰہی میں مصروف رہتی جب رات ہو جاتی تو نوافل میں مشغول ہو جاتی اور بالآخر اسی طرح عبادت و ریاضت کرتے کرتے اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئی''۔

یہ بھی منقول ہے کہ وہ عورت ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گئی جس کی وجہ سے اس کے جسم سے متاثرہ حصہ کاٹ دیا جاتا ورنہ وہ بیماری پورے جسم میں پھیل جاتی۔ طبیب اس کے جسم سے گوشت کاٹتے تو عورت کو بہت تکلیف ہوتی اور وہ انہیں روک دیتی لیکن جب اس کے سامنے نوجوان کا ذکر کیا جاتا تو اسے تکلیف محسوس نہ ہوتی اور طبیب آرام سے اس کا گوشت کاٹ لیتے بالآخر اسی بیماری میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ (عیون الحکایات)

Scanned with CamScanner

(143)

ہر سختی میں پڑھی جانے والی دعا

زید بن اسلم سے نقل ہے، وہ کہتے ہیں کہ بیت المقدس کی کنجی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تھی، وہ اس پر کسی کو امین نہیں بناتے تھے چنانچہ ایک رات وہ کھڑے ہوئے تاکہ اس کو کنجی سے کھولیں ان پر اس کا کھلنا دشوار ہوا۔ انہوں نے جنوں سے مدد لی مگر وہ نہ کھول سکے اس کے بعد انہوں نے انسانوں سے مدد لی مگر پھر بھی کچھ نہ ہوا چنانچہ وہ رنجیدہ اور غمگین ہو کر بیٹھ رہے اور گمان کیا کہ ان کے رب نے ان کو بیت المقدس سے روک دیا، وہ اسی حالت میں تھے کہ یک بیک ایک بزرگ صورت شخص ان کی طرف متوجہ ہوئے اس حال میں کہ وہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ وہ بزرگ حضرت سلیمان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے مصاحبوں میں سے تھے۔ انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے نبی! میں آپ کہ غمگین دیکھتا ہوں''۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا:

''بے شک اس دروازہ کا کھلنا مجھ پر اور آدمیوں پر اور جنوں پر دشوار ہو گیا ہے''۔ اس بزرگ نے ان سے کہا: ''کیا میں آپ کو وہ کلمات نہ بتلاؤں جن کو آپ کے والد سختی کے وقت کہتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے سختی کو دور کر دیتا تھا''۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا:

''ہاں! ضرور بتلایئے''۔ چنانچہ اس بزرگ نے کہا:

اَللّٰهُمَّ بِنُوْرِكَ اهْتَدَيْتُ وَبِفَضْلِكَ اسْتَغْنَيْتُ وَبِكَ اَصْبَحْتُ وَاَمْسَيْتُ ذُنُوْبِيْ بَيْنَ يَدَيْكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ يَاحَنَّانُ يَا مَنَّانُ .

''اے میرے معبود! میں نے تیرے نور سے ہدایت پائی اور تیرے فضل سے مستغنی ہوا اور تیری مدد سے میں نے صبح و شام کی۔ میرے گناہ تیرے سامنے ہیں اور میں تیری جانب توبہ اور رجوع کرتا ہوں اے بڑے مہربان اور اے بڑے احسان کرنے والے''۔ (نوادر القلیوبی)

Scanned with CamScanner

(144)

حضرت فضیل بن عیاض اور ایک مسافر

ایک بار کوئی قافلہ ان کی حد میں جہاں (قبل توبہ) لوٹا کرتے تھے' گزرا۔ قریب شب کے ان کے خوف سے ہر شخص نے اپنا مال نکال کر اس جنگل میں جا بجا گاڑھ دیا۔ ایک جوان دُور تک گیا کہ مال کہیں جنگل میں چھپا آئے۔ دیکھا ایک درخت تلے چھپر ہے اور اس میں ایک شخص مصلیٰ بچھائے مشغول وظیفہ ہے اس نے دل میں کہا:

''یہ مرد پارسا معلوم ہوتا ہے اس سے بہتر کون ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ مال اس کے پاس امانت رکھ دوں''۔ غرض ان کے پاس جا کر کہا: ''خواجہ! یہ مری امانت رات بھر کے لیے رکھ لو کہ مجھ کو یہاں خوف راہ زنوں کا ہے''۔ انہوں نے کہا: ''تم اپنے ہاتھ سے میری اس چٹائی کے نیچے رکھ دو اور بے خوف جا کر رات گزارو''۔

جوان وہ زر ان کی چٹائی کے نیچے رکھ گیا' ادھر رات کو خواجہ فضیل کی جماعت کے ڈاکو آئے اور قافلہ لوٹا اور مال واسباب لے گئے مگر نقد مال جو جا بجا گڑا تھا' ان کے ہاتھ نہ آیا۔ صبح کے وقت جب قافلہ کے لوگ جمع ہوئے اور جا بجا اپنا گڑا ہوا مال نکال لائے تو وہ جوان بھی اپنا مال لینے کو جنگل میں ان بزرگ کے پاس گیا وہاں دیکھا کہ چند آدمی اور بیٹھے ہوئے ہیں اور قافلے کا لوٹا ہوا مال باہم بانٹ رہے ہیں۔ جوان نے افسوس کیا کہ میں نے خود اپنا مال چوروں کے افسر کو دے دیا ہے' بڑی بے وقوفی کی اب یہ میری امانت کب واپس دے گا۔ یہ سوچ کر ڈر سے لوٹنا چاہا' خواجہ نے لوٹتے دیکھ کر پکارا:

''اے جوان! کہاں جاتا ہے؟ خوف مت کر اور اپنی امانت اسی جگہ سے نکال کر لے جا''۔ جوان حیران ہو کر ان کے پاس گیا اور چٹائی کے نیچے سے اپنی امانت نکال لی۔ خواجہ

نے کہا:

''خوب دیکھ لے میں نے امانت میں خیانت نہیں کی' میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر تیری امانت بجنسہٖ نہ ہوتو میں خائن اور دروغ گو ہوں گا۔ (شاید ان کا یہی وصف اور حسنِ اخلاق ربِ کریم کو پسند آ گیا تھا کہ آگے چل کر انہیں توبہ کی توفیق ہوئی اور صوفیاء میں بلند مقام پایا۔)''

(خیر المجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی' ص ۲۱۲)

Scanned with CamScanner

(145)

قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

امام عمر نسفی تفسیر تیسیر اور منظومہ فی الفقہ کے مصنف جو مدرس الثقلین کے لقب سے مشہور ہیں جن کی درس گاہ میں انسان اور جن دونوں تعلیم حاصل کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد ایک بزرگ خواب میں ان کی زیارت سے مشرف ہوئے تو دریافت کیا کہ منکر نکیر کے جواب میں آپ کا کیا حال رہا؟ تو انہوں نے فرمایا: جب منکر نکیر میری قبر میں سوال کے لیے آئے تو میں نے ان سے پوچھا:

''تمہارے سوالوں کا جواب نثر میں دوں یا نظم میں؟'' تو انہوں نے فرمایا: ''نظم میں''۔ تو میں نے فوراً یہ دو شعر پڑھ دیئے:

رَبِّیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ سِوَاہُ   وَنَبِیٌّ مُحَمَّدٌ مُصْطَفَاہُ

''میرا رب اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں جو خدا کے برگزیدہ ہیں''۔

دِیْنِیَ الْاِسْلَامِ وَفِعْلِیْ ذَمِیْمٌ   اَسْئَلُ اللّٰہَ عَفْوَہٗ وَعَطَاہُ

''میرا دین اسلام ہے اور میرا عمل برا ہے میں اللہ تعالیٰ سے اس کے عفو اور اس کی عطا کا سائل ہوں''۔

یہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے تو یہ دونوں شعر اس کو یاد ہو گئے تھے۔

قبر میں منکر نکیر کے سوالات کا وقت درحقیقت میت کے لیے بہت ہی مشکل اور کٹھن امتحان کی گھڑی ہے مگر یہ سب کے لیے مشکل اور پریشان کن امتحان نہیں ہے اللہ والے جن کے سروں پر اللہ تعالیٰ نے لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ کا تاج پہنا کر انہیں امن و

امان اور بےخوفی و اطمینان کا سلطان بنا دیا ہے ان کے لیے منکر نکیر کا سوال گویا تفریح خاطر کا ایک دلچسپ سامان ہے۔ ان خاصان خدا کے لیے قبر میں نہ خوف ہے نہ دہشت اور گھبراہٹ۔ خداوند قدوس نے اپنے برگزیدہ بندوں کو نفسِ مطمئنہ کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے اس لیے ان لوگوں کو قبر میں حشر و نشر میں کہیں بھی بال برابر رنج و ملال کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا تو قبر کی تنہائی اور اس کی ظلمت و وحشت سے لرزہ براندام رہتی ہے مگر اللہ والے قبر کی انمول نعمتوں اور لذت بخش راحتوں کے تصور میں مگن ہو کر جلد سے جلد قبر کے جنتی باغ میں پہنچنے کی تمنائیں فرماتے رہتے ہیں۔ کفن کا لباس زیب تن فرما کر مسرت میں پھولے نہیں سماتے۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا:

آج کیوں پھولے سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: عالمِ ربانی عمر نسفی نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی قبر میں فی البدیہہ شاعری فرمائی اور نظم میں منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیا اب آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ کیا دہشت زدہ اور خوف و ہراس میں گھبرائے ہوئے حیران و پریشان انسان کو کہیں شعر و شاعری سوجھے گی؟

برادرانِ ملت! اس سے معلوم ہوا کہ مرتے سب ہیں اور مرنے والے قبر میں دفن کیے جاتے ہیں مگر ہر میت اور ہر قبر یکساں اور برابر نہیں ہے، قبر کسی میت کے لیے دہشت و گھبراہٹ کا خوفناک مکان ہے اور کسی مردہ کے لیے جسمانی و روحانی راحتوں کا نشان اور دائمی مسرتوں کا سامان ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔

''کسی کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور کسی کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا''۔

اللہ اکبر! کہاں جنت کا باغ اور کہاں جہنم کا گڑھا؟ کون کہہ سکتا ہے کہ سب مردے یکساں اور سب قبریں برابر درجے کی ہیں؟

Scanned with CamScanner

یہی وجہ ہے کہ حضرات اہلسنت قبرستان میں بزرگانِ دین کی قبروں پر پھول ڈال کر چادر چڑھا کر اظہار کرتے ہیں کہ قبرستان کی سب قبریں درجات و مراتب میں برابر نہیں جو لوگ اپنی بدعقیدگی یا جہالت کی وجہ سے تمام قبروں کو مٹی کا ڈھیر کہہ کر قبروں کی توہین و بے ادبی کرنے کو توحید کا نشان بنائے ہوئے ہیں خدا کرے انہیں ان احادیث اور حقیقت افروز واقعات کے نورانی ستاروں سے کچھ روشنی مل جائے اور وہ جہالت کی بھول بھلیوں سے نکل کر حق نما معرفت و ہدایت کے شاہراہ پر گامزن ہو جائیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ:

براہی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

(روحانی حکایات از علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی)

(146)

ایک وقت میں کاروبار دوسرے میں یادِ پروردگار

حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ جو کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کاتبین میں سے تھے، کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ میری ملاقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا:

كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ ''حنظلہ کیسے ہو؟'' میں نے عرض کیا: نَافَقَ حَنْظَلَةُ۔ ''حنظلہ منافق ہوگیا''۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: سُبْحَانَ اللهِ! مَا تَقُوْلُ؟ سبحان اللہ! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے کہا:

''جب ہم رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و جہنم کے بارے میں بتلا رہے ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جنت و جہنم ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہمیں اس کا عین الیقین حاصل ہے مگر جب ہم رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس سے اُٹھ جاتے ہیں تو بال بچے اور دنیاوی مشاغل (تجارت وغیرہ) میں اس قدر مگن ہو جاتے ہیں کہ اکثر باتیں بھول جاتے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! یہی حال میرا بھی ہے''۔

پھر میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہما دونوں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

میں گویا ہوا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! حنظلہ منافق ہوگیا''۔

رسولِ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: وَمَا ذَاكَ؟ ''بات کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمیں جنت و جہنم

کے بارے میں بتا رہے ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہمارے سامنے ہیں مگر جونہی آپ کی مجلس سے اُٹھ کر جاتے ہیں، بیوی بچوں اور دیگر مشاغل میں پھنس جاتے ہیں۔ نیز جو کچھ آپ بتاتے ہیں، ہم بہت کچھ بھول بھی جاتے ہیں"۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! اِنْ لَّوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ، وَفِی الذِّکْرِ، لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلَآئِکَۃُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ، وَلٰکِنْ یَاحَنْظَلَۃُ، سَاعَۃً وَّسَاعَۃً۔

"قسم ہے اس ذات کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم لوگ سدا ویسے ہی رہو جیسے میرے پاس رہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں مگر اے حنظلہ! ایک وقت کاروبار کے لیے اور ایک وقت یادِ پروردگار کے لیے"۔

یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی"۔

(مسلم: کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر والفکر ۲۷۵۰)

(147)

ایثار کی ایک یادگار مثال

حضرت سیّدنا ابوعیسیٰ محمد بن ابراہیم علیہ الرحمہ سے منقول ہے، میں نے ابوحنیفہ محمد بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"عید قریب تھی، میرے پاس ان دنوں صرف تین ہزار درہم تھے، میرے ایک بہت قریبی دوست حکم بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے پیغام بھجوایا کہ میرے پاس خرچ کے لیے رقم وغیرہ نہیں اگر تمہارے پاس کچھ رقم ہو تو بھجوا دو۔ پیغام ملتے ہی میں نے تین ہزار درہم ان کی طرف بھجوا دیے جب ان کے پاس رقم پہنچی تو انہیں خلاد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام ملا کہ مجھے عید کے خرچ کے لیے رقم کی ضرورت ہے، ہو سکے تو مجھے کچھ رقم بھجوا دو۔ پیغام ملتے ہی انہوں نے درہموں کی تمام تھیلیاں بغیر کھولے خلاد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھجوا دیں۔

اب میرے پاس بالکل بھی خرچہ وغیرہ نہ تھا۔ میں نے خلاد بن اسلم علیہ الرحمہ کو پیغام بھجوایا کہ اگر تمہارے پاس کچھ رقم ہو تو بھجوا دو تاکہ ہم عید کے موقع پر اہل و عیال کے لیے اشیاء خورد و نوش خرید سکیں۔ انہوں نے درہموں کی تھیلیاں بھجوائیں جب میں نے انہیں کھولنا چاہا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ تھیلیاں تو وہی تھیں جو میں نے حکم بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو بھجوائی تھیں۔ میں فوراً خلاد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، سارا واقعہ سنایا اور پوچھا: "آپ کے پاس یہ رقم کہاں سے آئی؟"

انہوں نے فرمایا: "مجھے حکم بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بھجوائی تھی"۔

Scanned with CamScanner

اب میں سارا معاملہ سمجھ چکا تھا کہ یہ درہموں کی تھیلیاں واپس مجھ تک کیسے پہنچیں۔ میں حکم بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور انہیں ایک ہزار درہم دیئے پھر خلاد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ہزار درہم بھجوائے اور بقیہ ایک ہزار درہم اپنے پاس رکھ لیے اس طرح ہم تینوں کو عید کے اخراجات کے لیے کچھ نہ کچھ رقم میسر آ گئی''۔ (عیون الحکایات)

(148)

سیّدنا سلیمان علیہ السلام کی کرسی

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ کے واسطے جلوس کا ارادہ کیا تو شیطانوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے لیے ایک نادر اور عمدہ کرسی بنائیں اور وہ اس طرح کی ہو کہ اگر اس کو جھوٹا مدعی یا جھوٹا گواہ دیکھے تو اس کے شانوں کا گوشت تھرانے لگے۔ چنانچہ شیاطین نے ہاتھی دانت کی کرسی بنائی اور اس کو جواہرات' یاقوت اور موتی اور زبرجد سے مزین کیا اور جواہرات سے انگور کے درخت بنا کر اس کو گھیر دیا' سونے کے چار درخت کھجور کے اور ان درختوں کی شاخیں چاندی کی بنائیں۔ کھجور کے دو درختوں کی چوٹی پر سونے کے دو طاؤس اور دوسرے دو درختوں کی چوٹی پر سونے کے دو گدھ تھے اور اس کرسی اور تخت کے دونوں گوشوں پر سونے کے دو شیر تھے۔ اور ان دونوں کے سروں پر سبز زمرد کے ستون تھے۔ ان شیاطین نے اس تخت کو ایک سخت پتھر پر رکھا اور اس پتھر کے نیچے سونے کا ایک اژدہا بنایا تاکہ وہ اس تخت کو گھمائے جب حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے نیچے کے درجے پر چڑھتے تھے تو وہ کرسی (تخت) تمام ان چیزوں کے ساتھ جو اس میں تھیں' چکی کی گردش کی طرح گھوم جاتی تھی اور گدھ اور مور اپنے بازو اور شیر اپنے ہاتھ پھیلائے اپنی دُموں کو زمین پر مارتے تھے اسی طرح ہر درجہ میں کرتے تھے جب حضرت سلیمان علیہ السلام اوپر کے درجے پر پہنچ جاتے تھے تو دونوں گدھ ان کے سر پر تاج رکھتے تھے اور ان پر مشک و عنبر کی خوشبو دیتے تھے جب وہ تخت پر بیٹھ جاتے تھے تو سونے کا کبوتر ان کو زبور دیتا تھا' وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے اور ان کے دائیں جانب سونے کی کرسیوں پر علمائے بنی اسرائیل بیٹھتے تھے اور چاندی کی کرسیوں پر جنوں کے معززین ان کی بائیں جانب بیٹھتے تھے اس کے بعد وہ

اسی طرح فیصلہ کے واسطے بیٹھتے تھے جب ادائے شہادت کے واسطے گواہان آتے تھے تو وہ کرسی معہ ان چیزوں کے جو اس میں تھیں، چکی کی طرح گردش کرتی تھی اور شیر و طاؤس وہی کرتے تھے جو پہلے کرتے تھے۔ پس گواہ ڈر جاتے تھے اور سوائے حق اور سچ کے جھوٹی گواہی نہ دیتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو اس کرسی کو بادشاہ بخت نصر نے لے لیا جب اس نے اس پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو ان دو شیروں میں سے ایک نے اپنے داہنے ہاتھ سے اس کی پنڈلی اور قدم پر مارا اس وجہ سے وہ اس پر چڑھنے پر قادر نہ ہوا اور اس ضرب سے وہ ہمیشہ درد میں مبتلا رہا یہاں تک کہ مر گیا اور وہ کرسی شہر انطاکیہ (دارالسلطنت روم و شام) میں باقی رہی حتیٰ کہ اہل انطاکیہ سے کراس بن سداس نے جنگ کی خلیفہ نے بختِ نصر کو شکست دی اس کے بعد کرسی بیت المقدس کی طرف واپس لائے پھر بادشاہوں سے کوئی شخص اس پر چڑھنے پر قادر نہ ہوا پھر اس کو صخرہ بیت المقدس کے نیچے رکھا گیا اس کے بعد اس کرسی کی کچھ خبر اور کچھ اثر معلوم نہ ہوا اور نہ یہ معلوم ہوا کہ وہ کہاں گئی۔ واللہ اعلم (نوادر قلیوبی)

(149)

مسلکِ محبت

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے یہ حکایت بیان کی کہ شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو فرقہ آتا وہ ان سے ایسا ملتے کہ وہ سمجھتے شیخ ہمارے دین و مذہب میں ہے مثلاً اگر قلندر آتے تو ان سے اس محبت سے موافق باتیں کرتے کہ وہ کہتے کہ شیخ صورت میں صوفی ہے لیکن درحقیقت قلندر ہے اور اگر جوالقی آتے وہ بھی ایسا ہی خیال کرتے اگر علماء آتے ان سے بھی یہی معاملہ ہوتا۔ وہ کہتے شیخ تو بڑا عالم ہے۔ صورتِ صوفیہ بنالی ہے سوداگر بھی مل کر یہی کہتے اور ہر قوم کا قبرستان جدا ہوا کرتا تھا۔ قلندر اگر مرتا تو اس کو مقابر قلندراں میں دفن کرتے اسی طرح صوفی صوفیوں میں جوالقی جوالقیوں میں اور عالم عالموں میں وعلیٰ ہذا القیاس اگر حاکم یا سوداگر یا طباخ یا قصاب مرتا تو اپنے جنس کے لوگوں میں دفن ہوتا جب شیخ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو فرزندوں کو بلا کر کہا:

''میرا آخری وقت ہے مگر میں نے اپنی زندگی اس خوش اخلاقی سے بسر کی ہے کہ ہر طائفہ آکر کہے گا، شیخ عبداللہ انصاری ہمارے گروہ سے تھا، تم اب لے کر کیا کرو گے''۔ صاحب زادوں نے کہا: ''جو شیخ فرما دیں ہم اس پر عمل کریں گے''۔ فرمایا: ''میری وفات کے بعد جنازہ اُٹھے میں اسی طائفہ سے ہوں اسی گروہ میں دفن کرنا غرض جب شیخ نے رحلت کی، سب گروہ حاضر ہوئے ہر گروہ شیخ کو اپنی جماعت سے بتاتا تھا''۔

شیخ کے فرزندوں نے جنازہ گھر سے باہر لا کر رکھ دیا اور کہا: ''ہر گروہ آکر اُٹھائے جس کے ہاتھوں سے جنازہ اُٹھے وہ قبرستان میں لے جا کر رکھے''۔

اوّل قلندروں نے آکر اُٹھایا مگر جنازہ نہ ہلا۔ گویا زمین سے سلا ہوا ہے۔ وہ لوٹ گئے جوالقی آئے پھر دولت مند اور سوداگر اہل کلاہ ہر ایک جدا جدا آئے مگر کسی سے جنازہ نہ اُٹھا۔ آخری گروہ صوفیاء کا آیا، ان کے ہاتھ لگاتے ہی جنازہ اُٹھا، وہ لے گئے۔

(خیر المجالس ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، ص ۱۰۲)

(150)

درسِ حدیث کی مجلس میں لوگوں کا ہجوم

احمد بن جعفر ناقل ہیں کہ جب ابو مسلم بصری محدث بغداد میں تشریف لائے اور رحبۂ غسان کے وسیع میدان میں انہوں نے حدیث کا درس شروع کیا تو ان کے درس میں حاضرین کی کثرت کا یہ حال تھا کہ سات مستملی کھڑے ہوتے جن میں سے ہر ایک دوسرے کو شیخ کی آواز پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے حدیثیں لکھنے میں مصروف تھے۔ آدمیوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لیے اس میدان کی پیائش کی گئی اور دوات گنی گئیں تو کچھ اوپر چالیس ہزار ہوئیں جو لوگ لکھتے نہیں تھے صرف حدیثیں سن رہے ہیں وہ اس گنتی سے الگ ہیں۔ ۲۹۲ھ میں تقریباً سو برس کی عمر پا کر وصال فرمایا اور لوگوں نے ان کے جنازہ کو بغداد سے بصرہ لا کر دفن کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۷۷)

محدثین سلف کی درس گاہوں میں کثرتِ ہجوم کی ہزاروں مثالوں میں سے اس مذکورہ بالا دو واقعات ناظرین کی عبرت کے لیے نقل کر دیے ہیں اس سے اندازہ لگائیے کہ جب مسلمانوں کے سینوں کے صندوق اور دِلوں کی تجوریاں ایمان اور اعمال صالحہ کی دولتوں سے بھری ہوئی تھیں اس وقت کے مسلمانوں کو علمِ دین اور حدیث کی درس گاہوں اور علمائے اسلام سے کتنا گہرا اور والہانہ عشق ولگاؤ تھا کہ شہر میں کسی نئے محدث کی آمد پر اتنی چہل پہل ہو جایا کرتی تھی اور لوگ پروانوں کی طرح اس محدث کی درس گاہ میں اپنا کام دھندا چھوڑ کر ٹوٹ پڑتے تھے مگر آج جب کہ مسلمانوں کی تجوریاں نوٹوں کی گڈیاں سے بھری ہوئی ہیں لیکن دِلوں کی دنیا میں عشقِ رسول ﷺ کا چراغ گل اور سینوں میں جذبات ایمان کی آگ بجھ چکی ہے تو اسی قوم مسلم کا یہ حال ہے کہ اندرا گاندھی اور دوسرے لیڈروں کے لیکچروں

میں تو ایک ایک لاکھ کے اجتماع کی رپورٹیں ملتی ہیں مگر وعظ کے جلسوں اور حدیث کی درس گاہوں میں بجز چند غرباء اور چند مفلس طلبہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔

اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے اسی صورتِ حال پر طنز کرتے ہوئے برسوں پہلے فرمایا تھا کہ

رونق اسلام کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

مگر اس انقلاب کا ثمرہ بھی یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں کو اپنے دین سے والہانہ تعلق تھا اور وہ خدا اور رسول کے عشق و محبت میں دیوانہ وار پروانوں کی طرح قرآن و حدیث کی شمع پر نثار و قربان رہتے تھے تو وہ تخت و تاج والے، سلطنت اور راج والے تھے۔ خداوند عالم کے حفظ و امان میں دونوں جہان کی دولت لازوال سے مالا مال تھے اور ہر قدم پر ان کی حمایت و نصرت کے لیے آسمان سے فرشتوں کی فوج فتح مبین کا تحفہ لے کر اُتر پڑتی تھی لیکن آج جب مسلمان علوم و اعمال اسلام سے برگشتہ اور اللہ و رسول سے منحرف ہو کر دنیاداری کی گندی سیاست کے طاغوت کا پجاری بن گئے ہیں اور علمائے حق کے دامنِ رحمت سے بچھڑ کر لیڈروں کی ٹھوکروں میں سربسجود ہو کر ان کے بوٹ چاٹ رہے ہیں تو خدا اور رسول ﷺ کی رحمت بھی مسلمانوں سے روٹھ گئی اور آسمانی فوج نے بھی مسلمانوں کی حفاظت اور ان کی نصرت و حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا اور آج مسلمان کا بچہ بچہ بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ہر طرف زبانِ حال سے یہ کہتا پھرتا ہے کہ:

شہر میں چین، نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھیے! قبر مسلمانوں کو کہاں ملتی ہے

مسلمانو! خدا کے لیے ہوش میں آؤ! خدارا خوابِ غفلت سے بے دار ہو جاؤ اور اپنے سلف صالحین کی طرح علمِ دین سے والہانہ عشق پیدا کرو، خود بھی علمِ دین پڑھو اور اپنی اولاد کو بھی علمِ دین پڑھاؤ اور اعمالِ صالحہ کی دولت کما کر دولتِ ایمان و اسلام کے سچے خادم بن جاؤ اور خدا اور رسول ﷺ کے دامانِ رحمت میں آ کر اپنی حفاظت اور فتح و نصرت کا سامان کر لو ورنہ یاد رکھو کہ تم سنو یا نہ سنو مگر وقت کا منادی چلا چلا کر یہ اعلان کر رہا ہے کہ:

نہ سنبھلو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو!
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اس ضمن میں ایک واقعہ اور ملاحظہ ہو اور یہ امام فریابی کے استقبال کا واقعہ ہے۔

مشہور امام الحدیث ابوبکر جعفر بن الحسین ترکی جو عام طور پر امام فریابی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، یہ ترکستان سے سفر کر کے تحصیلِ علم کے لیے مصر گئے اور فن حدیث کے امام بن گئے۔ ابوحفص زیات محدث کہتے ہیں کہ:

"جب امام فریابی بغداد میں تشریف لائے تو طبل وطنبورہ بجا کر عوام وخواص نے ان کا نہایت ہی پُرشکوہ اور شان دار استقبال کیا اور بغداد میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب شارع المنار نامی جگہ پر درس حدیث کے لیے بیٹھے تو ان کے حلقۂ درس میں روزانہ تقریباً تیس ہزار کا مجمع ہوتا تھا اور درس میں تین سو مستملی ہوتے تھے جو شیخ کی آواز کو حاضرین تک پہنچاتے رہتے۔ ۳۰۱ھ میں یہ فضل وکمال کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، اپنی زندگی ہی میں قبر تیار کرالی تھی اور اسی قبر میں مدفون ہیں"۔ (تذکرۃ الحافظ ج ۲ ص ۳۳۷)

(151)

ایک چرواہے کی پرہیزگاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے کسی کنارے کی طرف نکلے، آپ کے ہمراہ آپ کے چند ساتھی بھی تھے، ساتھیوں نے آپ کے کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا اسی دوران وہاں سے ایک چرواہے کا گزر ہوا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

هَلُمَّ يَا رَاعِيْ . هَلُمَّ، فَأَصِبْ مِنْ هٰذِهِ السُّفْرَةِ .

"چرواہے آؤ آؤ! اس دسترخوان سے تم بھی کچھ کھالو"۔

چرواہا بولا: اِنِّیْ صَائِمٌ . "میں روزے سے ہوں"۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

أَتَصُوْمُ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ الْحَارِّ شَدِيْدٌ سَمُوْمُهُ وَأَنْتَ فِيْ هٰذِهِ الْجِبَالِ تَرْعٰى هٰذَا الْغَنَمَ؟"

"اس طرح کے سخت گرم دن میں تم روزے کی مشقت برداشت کر رہے ہو جب کہ لُو نہایت تیز ہے جب کہ ان پہاڑوں میں تم بکریاں بھی چرا رہے ہو"۔ چرواہے نے جواب دیا:

"جی ہاں! میں ان خالی ایام کی تیاری کر رہا ہوں جن میں عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا اسی لیے دنیوی زندگی میں عمل بجالا رہا ہوں"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چرواہے کے تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا امتحان لینے کے ارادے سے اس سے کہا:

"کیا تم اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچ سکتے ہو، ہم تمہیں اس کی نقد قیمت

دیں گے، مزید تمہارے افطار کے لیے گوشت بھی دیں گے؟"

چرواہے نے جواب دیا:

"یہ بکریاں کوئی میری نہیں ہے جو بیچ دوں بلکہ میرے آقا کی ہیں اس لیے میں تصرف نہیں کرسکتا"۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تمہارا آقا اگر کوئی بکری کم پائے گا اور تم اس سے کہہ دو گے وہ بکری گم ہوگئی ہے تو وہ کچھ نہیں کہے گا کیونکہ ریوڑ سے ایک دو بکریاں پہاڑوں میں گم ہوتی ہی رہتی ہیں"۔

یہ سنتا تھا کہ چرواہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے چل دیا، وہ اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھا کر یہ جملہ کہے جا رہا تھا:

أین اللہ؟ پھر اللہ کہاں ہے، اللہ کہاں ہے؟"

جب چرواہا چلا گیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کا یہ جملہ بار بار دہرانے لگے:

أین اللہ؟ "اللہ کہاں ہے، اللہ کہاں ہے؟"

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو چرواہے کے آقا کے پاس انہوں نے اپنے آدمی بھیجے اور اس سے بکریاں اور اس چرواہے کو خرید کر اسے آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اسے ہبہ کر دیں۔

(شعب الایمان للبیہقی ۵۲۹۱، اسد الغابہ ۳۰۸۲، مجمع الزوائد ۹/۳۴۷، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۳۰۵۴ اس کی سند حسن ہے)

(152)

ایک لقمے سے چالیس سال ریورس

حضرت سیّدنا ابوعبداللہ بن خفیف علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ حضرت سیّدنا ابوطالب خزرج بن علی شیراز تشریف لائے، آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ بیمار تھے، میں ان کی خدمت کیا کرتا۔ ان دنوں میں بہت زیادہ ریاضت کیا کرتا تھا اور باقلاء (یعنی مٹر اور لوبیا) کی چند خشک پھلیاں چبا کر گزارہ کر لیتا۔ میں دانتوں سے باقلاء کی خشک پھلیاں کاٹنے لگا تو اس کی آواز حضرت سیّدنا خزرج بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے سن لی۔ انہوں نے پوچھا: "یہ کیا معاملہ ہے؟" میں نے انہیں بتایا: "ان دنوں میں ریاضت کر رہا ہوں اور افطار کے وقت صرف باقلاء کی چند پھلیاں کھا لیتا ہوں"۔ انہوں نے روتے ہوئے فرمایا:

"اے ابوعبداللہ! اپنے اس فعل پر ثابت قدم رہنا، پہلے میں بھی تمہاری طرح ریاضت کیا کرتا تھا۔ ایک رات اپنے دوستوں کے ساتھ کسی دعوت پر بغداد گیا وہاں ہماری ضیافت میں اونٹ کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا۔ سب کھانے لگے لیکن میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا جب میرے دوستوں نے دیکھا تو کہا تم کیوں نہیں کھاتے؟ بلا تکلف کھاؤ میں نے ان کے اصرار پر ایک لقمہ کھا لیا اس کے بعد سے میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے چالیس سال پیچھے چلا گیا ہوں"۔

ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "پھر حضرت سیّدنا خزرج بن علی علیہ الرحمہ باہر تشریف لے گئے اور ایک دیہات میں جا کر پرانے سے مکان میں رہائش اختیار کر لی اور پورے گھر کو اندر اور باہر سے سیاہ کر دیا اور فرمایا:

"مصیبت زدوں کی رہائش گاہیں ایسی ہی ہوتی ہیں پھر اسی مکان میں اپنی ساری زندگی گزار دی اور یہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا"۔ (عیون الحکایات)

Scanned with CamScanner

(153)

ماں باپ کی خدمت کا صلہ

حضرت سلیمان علیہ السلام آسمان اور زمین کے درمیان ہوا پر اُڑتے تھے چنانچہ ایک دن گہرے دریا پر گزرے تو آپ نے ہوا کی وجہ سے دریا میں ہولناک موجیں اُٹھتے ہوئے دیکھ کر اسے حکم دیا وہ ٹھہر گئی پھر آپ نے شیطانوں کو حکم دیا کہ وہ پانی میں غوطہ لگائیں تا کہ وہ نیچے کا حال دیکھیں اس کے بعد جنوں نے یکے بعد دیگرے غوطہ لگایا تو اس دریا میں نہایت چمک دار موتی کا ایک قبہ دیکھا لیکن اس میں دروازہ نہ تھا جنوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی خبر دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو نکالنے کا حکم دیا جنوں نے اس کو نکالا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس سے تعجب ہوا اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ وہ قبہ شق ہوا اور اس کا دروازہ کھلا۔ ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک جوان بحالتِ سجدہ الٰہی موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا: ''کیا تم فرشتوں سے ہو یا جنوں سے؟'' اس جوان نے کہا: ''نہیں! بلکہ میں انسانوں کی جنس سے ہوں''۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے فرمایا: ''تم نے کس وجہ سے یہ بزرگی پائی؟'' اس نے کہا:

''ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے سے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے مجھے یہ رتبہ عنایت ہوا ہے اس لیے کہ میری بڑھیا ماں تھی اور میں ان کو اپنی پیٹھ پر لادے رہتا تھا اور ان کی دعا یہ تھی:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْهُ سَعَادَةً وَّاجْعَلْ مَكَانَهٗ بَعْدَ وَفَاتِیْ لَا فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ .

''اے میرے معبود! اس کو تو سعادت عطا فرما اور میرے مرنے کے بعد اس کی جگہ ایسے مقام پر بنا کہ نہ تو وہ زمین میں ہو اور نہ آسمان میں ہو''۔

چنانچہ جب وہ مر گئی تو میں دریا کے کنارے گھومتا تھا۔ پس میں نے سفید موتی کا ایک قبہ دیکھا اور جب میں اس کے قریب ہوا تو وہ میرے لیے پھٹ گیا چنانچہ میں اس کے اندر چلا گیا اس کے بعد قدرتِ الٰہی سے مجھ پر وہ بند ہو گیا اب مجھے نہیں معلوم کہ میں زمین میں ہوں یا ہوا میں یا آسمان میں۔ اللہ تعالیٰ اس میں مجھے رزق دیتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''تیرے پاس تیری روزی اس میں کیونکر آتی ہے؟''

اس نے کہا: ''جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو درخت سے پھل نکلتا ہے اور اس سے دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ ٹھنڈا پانی نکلتا ہے۔ پس میں کھاتا ہوں اور پیتا ہوں چناچہ جب میں آسودہ اور سیراب ہو جاتا ہوں تو وہ غائب ہو جاتا ہے''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

''تم رات کو دن سے کیونکر پہچانتے ہو اور ان میں کیونکہ تمیز کرتے ہو؟''

اس نے کہا:

''جب صبح صادق طلوع ہوتی ہے تو یہ قبہ سفید ہو جاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو یہ قبہ اندھیرا ہو جاتا ہے۔ پس میں اس ذریعہ سے دن اور رات کو پہچانتا ہوں''۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ وہ قبہ بند ہو کر شتر مرغ کے انڈے کی طرح ہو گیا اور اپنے مقام کی طرف دریا کے قعر اور ہموار زمین میں لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (نوادر قلیوبی)

Scanned with CamScanner

(154)

حضرت بایزید بسطامی اور ایک بربط بردار

حضرت بایزید ایک مرتبہ قبرستان سے تشریف لا رہے تھے کہ ایک بسطامی نوجوان مستی میں بربط بجا رہا تھا' آپ نے اس شیطانی کام کو دیکھ کر لاحول پڑھی تو اس نوجوان نے اندھی جوانی میں بربط کو اتنی زور سے آپ کے سر پر دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور بربط ٹوٹ گیا۔

حضرت بایزید کو اتنا رنج اپنے سر کے پھٹنے کا نہ ہوا جتنا اس کے بربط ٹوٹ جانے کا ہوا۔ آپ نے گھر واپس آکر اس نوجوان کو بربط کی قیمت اور کچھ حلوہ وغیرہ بھیجتے ہوئے پیغام دیا کہ اس رقم سے دوسرا بربط خرید لو اور حلوہ وغیرہ خوب کھاؤ تا کہ شکستہ بربط کا غم دُور ہو جائے۔ وہ نوجوان بُرائی کے بدلے میں حضرت کی اس نیکی اور شر کے بدلے میں خیر اور بدی کے بدلے میں اس احسان اور حوصلے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ اپنے دل ہی دل میں ندامت اور پشیمانی سے گھلا چلا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں کس قدر سراپا شر اور وہ کس قدر سراپا خیر و بھلائی ہیں۔ حضرت کے اخلاقِ حسنہ کی تلوار اس پر چل چکی تھی' پرنم آنکھوں سے حاضرِ خدمت ہوا اور حاضر ہو کر معذرت طلب کی۔ حضرت تو پہلے ہی تہہ دل سے معاف کر چکے تھے۔ فرمایا' بیٹا کوئی بات نہیں اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ اور اس کا ایک ساتھی دونوں تائب ہو گئے اور اللہ کے پسندیدہ اور پاک بندوں میں شامل ہو گئے۔

(شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص ۹۴)

(155)

خوف ناک آگ اور ساتھ زلزلہ

۳ جمادی الاخرۃ ۶۵۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں ناگہاں ایک گھر گھبراہٹ کی آواز سنائی دینے لگی پھر خوفناک زلزلہ آیا اور اس زلزلے کے جھٹکے تھوڑے وقفہ کے بعد دو دن تک محسوس کیے جاتے رہے پھر اچانک قبیلہ قریظہ کے قریب سنگستان میں ایک ایسی خوف ناک آگ نمودار ہوئی جس کے بلند شعلے مدینہ سے ایسے نظر آ رہے تھے گویا یہ آگ مدینہ منورہ کے گھروں میں لگی ہوئی ہے پھر یہ آگ بہتے ہوئے نالوں کی طرح سیلاب کی مانند بہتی ہوئی پھیلنے لگی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ پہاڑیاں آگ بن کر بہتی چلی جا رہی ہیں اور پھر اس کے یہ شعلے اتنے بلند ہو گئے کہ آگ کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا اور آگ کے شرارے فضاؤں میں اُڑنے لگے یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی مکہ مکرمہ سے نظر آنے لگی اور تمام اہلِ مدینہ اس ہولناک منظر سے گھبراہٹ اور دہشت کے عالم میں توبہ و استغفار کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبرِ انور کے پاس مجتمع ہو گئے اور ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک یہ آگ جلتی رہی اور پھر خود بخود بجھ گئی کہ اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا۔

حجاز مقدس کی اس آگ کے بارے میں امام ذہبی نے ارشاد فرمایا:

''اس آگ کی خبر متواتر روایات سے ثابت ہے اور یہ وہی آگ ہے جس کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

''اس وقت تک قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ حجاز سے ایک ایسی آگ نکلے گی جس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں نظر پڑیں گی''۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۲۴)

Scanned with CamScanner

چنانچہ بہت سے لوگوں نے بصریٰ میں رات کو اسی آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنوں کو دیکھ لیا اس حکایت کا ایک ٹکڑا خاص طور پر قابلِ توجہ ہے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کو ملجا و ماویٰ سمجھ کر سب کے سب دربارِ رسول میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے کیوں نہ ہو کہ مدینہ منورہ کے علمائے اور عوام کے پیشِ نظر قرآن مجید کا یہ فرمان تھا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔

"اگر لوگ کوئی گناہ کر لیں تو انہیں چاہیے کہ اے محبوب! وہ لوگ آپ کے دربار میں حاضر ہو کر خدا سے مغفرت کی دعا مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے دعائے مغفرت فرما دیں تو یقیناً یہ گناہ گار لوگ اللہ کو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے"۔

الحمد للہ! ہم سنی مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ اور عمل ہے کہ ہر گناہ سے توبہ استغفار کے وقت حضورِ انور ﷺ کی ذاتِ اکرم کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ بنا کر ہم لوگ دربارِ رسول ﷺ ذاتِ اکرم کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ بنا کر ہم لوگ دربارِ رسول ﷺ کی حاضری کا شرف حاصل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: جَآءُوْكَ ۔

"لوگ رسول پاک (ﷺ) کے پاس آئیں"۔ پر عمل کر لیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ توفیق فرما دیتا ہے تو مدینہ منورہ حاضر ہو کر بھی جاؤک کی شرط مغفرت کو پوری کر لیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

مجرم بلائے آئے جاءوک ہے گواہ
پھر رد ہو کیا یہ شان کریموں کے در کی ہے
بد ہیں مگر انہیں کے ہیں باغی نہیں ہم
نجدی نہ آئے اس کو یہ منزل خطر کی ہے
بے ان کے واسطے جو خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے
ماوٗ شما تو کیا کہ خلیل و جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے
لب واہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے
آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں کی اے رضا
مشتاق طبع لذتِ سوز جگر کی ہے

Scanned with CamScanner

(156)

یا اللہ! خاتمہ بالخیر ہو

وہ دو بھائی تھے' ایک نہایت عبادت گزار اور دوسرا نہایت گناہ گار۔ دونوں ایک ہی گھر میں مقیم تھے' عبادت گزار اوپر والی منزل میں مقیم تھا اور وہیں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا' نیچے کم ہی اُترتا۔ دوسرا بھائی نیچے والی منزل میں مقیم تھا۔ اس کے پاس سامانِ عیش وعشرت تھا' وہ خوب رنگ رلیاں مناتا اور موج اُڑاتا۔ اس طرح دونوں کی اپنی اپنی زندگی تھی۔

ایک مرتبہ اس عابد کے نفس نے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ زندگی کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی میں گزرا ہے۔ کیوں نہ خواہشات وشہوات سے بھی کچھ لطف اندوز ہولیا جائے اور پھر توبہ کی درخواست لے کر دربارِ خداوندی میں حاضر ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ تو غفور ورحیم ہے ہی معافی کا پروانہ جاری کر دے گا۔

چنانچہ عابد نے دل میں پلان بنایا کہ گھر کی نچلی منزل میں اپنے گناہ گار بھائی کے پاس جاتا ہوں وہاں اس کے ساتھ لذات وخواہشات سے کچھ وقت من کو بہلاؤں گا' لطف اُٹھاؤں گا اور پھر بعد میں عمر کے بقیہ حصے میں اللہ کے دربار میں توبہ کرلوں گا اور معمول کے مطابق اطاعت وبندگی کرتا رہوں گا اس ارادے سے وہ سیڑھی کے ذریعے اُترنے لگا۔

ادھر اس کے گناہ گار بھائی کے دل میں آیا کہ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی میں بسر کیا ہے جب کہ میرا بھائی بڑا عبادت گزار ہے' وہ تو جنت کا مستحق ہے اور میں جہنم میں ڈالا جاؤں گا۔ اللہ کی قسم! میں ضرور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے گناہوں سے توبہ کروں گا' دوسری منزل پر اپنے عبادت گزار بھائی کی خدمت میں چلتا ہوں اس کے ساتھ بقیہ عمر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی میں گزاروں گا' ممکن ہے اللہ تعالیٰ

میری مغفرت وبخشش کا سامان کر دے۔

چنانچہ یہ گناہ گار اپنی خالص نیک نیتی سے اوپر والی منزل کی طرف چڑھا تاکہ کچھ نیکیاں کمالے اور ادھر اوپر سے عابد صاحب دل میں بدنیتی لیے نیچے اُترے تاکہ اپنے دل کو لذات وخواہشات سے بہلالیں۔ اتفاق کی بات کہ اس عابد کا پاؤں سیڑھیوں سے پھسل گیا اور نچلے بھائی کے اوپر دھڑام سے گرا جو اس سے ملنے کے لیے آرہا تھا' دونوں وہیں ڈھیر ہو گئے۔ پھر عابد کو معصیت کی نیت کے مطابق اُٹھایا گیا اور گناہ گار کو توبہ کی نیت کے مطابق اُٹھایا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَامَاتَ عَلَيْهِ ۔(مسلم:۲۸۷۸)

''ہر آدمی اسی نیت کے مطابق اُٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت ہوئی''۔

☆.....علامہ ابنِ جوزی ایک ثقہ آدمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس کے ایک دوست کا بھائی دین سے منحرف تھا' باطل اور کفریہ نظریات وعقائد کا پرچار کرتا تھا اس کے دوست نے اپنے گھر بھائی کو راہِ راست پر لانے کی بہت جدوجہد کی مگر کوئی بھی نتیجہ نہ نکلا بلکہ وہ مزید کفر والحاد کے گڑھے میں گرتا چلا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ منحرف کینسر کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور بسترِ مرگ پر پڑ گیا اس کا بھائی اس کی عیادت کو آتا اس سے باتیں کرتا اور اس کی رشد وہدایت کا خواہاں رہتا' اس کو تبلیغ کرتا کہ شاید اللہ تعالیٰ میرے بھائی کا خاتمہ بالخیر فرمادے۔ ایک دن مریض نے اپنے بھائی سے کہا: ''مجھے کلام پاک دو''۔ بھائی یہ سن کر مارے خوشی کے کھل اُٹھا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس کے مریض بھائی کو ہدایت عطا فرمادی ہے اور وہ اس کی تلاوت کا خواہاں ہے۔

جب وہ قرآنِ کریم لے کر اپنے مریض بھائی کی خدمت میں پہنچا تو اس نے دیکھتے ہی کہا: ''یہ قرآن ہے؟'' بھائی نے کہا: ''ہاں!''

اس بدبخت نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا:

''یہ بندہ اس قرآن کا منکر ہے''۔

پھر اسی وقت مر گیا۔ والعیاذ باللہ (ماخوذ از سنہرے اوراق)

(157)

اپنے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہ کرنے کی سزا

حضرت سیّدنا جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: ''حضرت سیّدنا خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

''آپ خیر النساج کے نام سے کیوں مشہور ہیں؟ کیا نساج (یعنی کپڑا بننا) آپ کا پیشہ رہا ہے؟'' انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں نے پوچھا:

''پھر یہ نام کیسے پڑا؟''

فرمایا: ''میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر رکھا تھا کہ کبھی بھی نفس کی خواہش پر تازہ کھجور نہیں کھاؤں گا کافی عرصہ میں اپنے عہد پر قائم رہا۔ ایک مرتبہ نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے کچھ کھجوریں خریدیں اور کھانے کے لیے بیٹھ گیا' ابھی ایک ہی کھجور کھائی تھی کہ ایک شخص میری طرف بڑی کڑی نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر میرے پاس آیا اور کہا: ''اے خیر! تو تو میرا بھاگا ہوا غلام ہے''۔

میں بہت حیران ہوا کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے پھر مجھے سمجھ آ گئی کہ اس شخص کا ایک غلام تھا جو بھاگ گیا تھا اور اس کے شبہ میں یہ مجھے اپنا غلام خیال کر رہا ہے اور واقعتاً میری رنگت اس غلام جیسی ہو گئی تھی۔ وہ شخص زور زور سے کہہ رہا تھا کہ تو تو میرا بھاگا ہوا غلام ہے۔

شور سن کر بہت سارے لوگ جمع ہو گئے جیسے ہی انہوں نے مجھے دیکھا تو بیک زبان بولے:

''واللہ (اللہ کی قسم!) یہ تو تیرا غلام ''خیر'' ہے''۔

میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ وہ شخص مجھے اپنا غلام سمجھ کر اپنی دُکان پر لے گیا وہاں اس کے اور بھی غلام موجود تھے جو کپڑے بنتے تھے۔ مجھے دیکھ کر دوسرے غلام کہنے لگے:

''اے بُرے غلام! تو اپنے آقا سے بھاگتا ہے؟ چل یہاں آ اور اپنا وہ کام کر جو تو کیا کرتا تھا''۔

پھر مالک نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور فلاں کپڑا بنو جیسے ہی میں کپڑا بننے لگا تو ایسا محسوس ہوا جیسے میں بہت ماہر کاری گر ہوں اور کئی سالوں سے یہ کام کر رہا ہوں۔ چنانچہ میں دوسرے غلاموں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا وہاں کام کرتے ہوئے جب کئی مہینے گزر گئے تو ایک رات میں نے خوب نوافل پڑھے اور ساری رات عبادت میں گزار دی پھر سجدے میں جا کر یہ دعا کی:

''اے میرے پاک پروردگار! مجھے معاف فرما دے اب کبھی بھی اپنے عہد سے نہ پھروں گا اسی طرح دعا کرتا رہا جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ میں اپنی اصلی صورت میں آ چکا تھا پھر مجھے چھوڑ دیا گیا بس اس طرح میرا نام ''خیر النساج'' پڑ گیا''۔ (عیون الحکایات)

(سبحان اللہ! ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کیسے کیسے مجاہدات کیا کرتے تھے' وہ حرام غذا سے تو ہر دَم بچتے ہی تھے' ساتھ ساتھ حلال چیزیں بھی رضائے الٰہی کے لیے ترک کر دیا کرتے' نفسانی خواہشات کی ہرگز اتباع نہ کرتے' ہر کام میں حکمِ خدا کو پیشِ نظر رکھتے۔)

Scanned with CamScanner

(158)

عظمت وشان حضرت سلیمان علیہ السلام

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واسطے چڑیوں کی جنس سے ستر ہزار قسم کے پرند جمع کیے گئے اور ان میں سے ہر قسم کا ایسا رنگ تھا جو دوسرے کے مشابہ نہ تھا۔ پس وہ سب ابر کی طرح ان کے سر مبارک پر سایہ کرتے اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے سوال کیا اور پوچھا کہ وہ کہاں انڈا اور کہاں بچہ دیتی ہیں۔ انہوں نے کہا: ہم میں سے بعض تو ہوا میں انڈا دیتی ہیں اور ہم میں سے بعض اپنے بازو پر انڈا دیتی ہیں حتیٰ کہ وہیں بچہ ہو جاتا ہے اور ہم میں کوئی اپنے انڈے چونچ میں روکے رہتی ہے یہاں تک کہ بچہ ہو جاتا ہے اور ہم میں سے بعض کی یہ حالت ہے کہ نہ تو وہ جفتی کھاتا ہے اور نہ انڈا دیتا ہے اور ہماری نسل ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرش حریر اور سونے کا تھا اور وہ فرش حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر ان کے چارپائے ان کے گھوڑوں، اونٹوں، تمام انسانوں جنوں وحشی جانوروں اور پرندوں کو اُٹھا لیتا تھا اور اس میں ان سب کی گنجائش ہو جاتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر دس لاکھ تھا اور دس لاکھ ان کے لواحقین اور تابع دار تھے اور وہ آسمان اور زمین کے درمیان ابر کے قریب تک سیر کرتے تھے جس مقام کا وہ ارادہ کرتے تھے ان کو ہوا وہیں لے جاتی تھی اور ان کے ارادہ کے موافق جلد یا بدیر ہوا کام کرتی تھی ہوا کی یہ حالت تھی کہ اپنے چلنے کے زور میں نہ تو کسی درخت کو نقصان پہنچاتی تھی اور نہ زراعت وغیرہ کو ضرر کرتی تھی جب کوئی کلام کرتا تھا تو ہوا اس کے کلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کان میں ڈال دیتی تھی اور ان کی ایک سونے کی کرسی تھی جو یاقوت اور موتیوں

سے جڑی ہوئی تھی اور اس کے گرد تین ہزار کرسیاں تھیں اور بعض کا قول ہے کہ علماء وزرا اور بڑے بڑے بنی اسرائیل کے رسم اور طریقہ پر چھ لاکھ کرسیاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر سو فرسخ (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے) زمین گھیر لیتا تھا، پچیس فرسخ انسانوں کے واسطے اور پچیس فرسنگ جنوں کے لیے اور پچیس فرسنگ وحشی جانوروں کے واسطے اور پچیس فرسخ پرندوں کے لیے مقرر ہوتے تھے۔ ان کے لیے جنات موتی اور جواہرات سمندروں سے نکالتے تھے اور ان کے باورچی خانہ میں ہر روز ایک ایک لاکھ بکریاں اور چالیس ہزار گائیں ذبح ہوتی تھیں اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھ ہی کا کام سے کھاتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ وہ جو کی روٹی کھاتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دن اپنے فرش پر سوار ہوئے اور سواروں کا بڑا گروہ ان کے ساتھ تھا چنانچہ انہوں نے اس کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا۔ پس اس شان وشوکت نے ان کو تعجب میں ڈال دیا اور اس وجہ سے ان کے نفس میں کوئی بات آ گئی جب ان کی یہ حالت ہوئی تو بساط کج ہو گیا۔ پس ان کے لشکر سے بارہ ہزار آدمی ہلاک ہو گئے اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بساط کو اس کوڑے سے مارا جو ان کے ہاتھ میں تھا اور اس سے فرمایا: بساط سیدھا ہو، بساط نے اپنے قول سے ان کو جواب دیا یہاں تک کہ آپ سیدھے رہیں اے سلیمان علیہ السلام! اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ بساط خداوندی حکم کا مامور ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سجدہ کرتے ہوئے گر گئے اور جو خیال ان کے دل میں قائم ہوا تھا اس سے معذرت کی۔ واللہ اعلم (قلیوبی)

Scanned with CamScanner

(159)

حضرت ابوعثمان حیری اور ایک شرابی

کوئی شرابی برہنہ پا بربط بجاتا ہوا چلا جا رہا تھا اچانک آپ سے ملاقات ہوگئی' آپ کو دیکھتے ہی احترام میں بربط تو بغل میں چھپا لیا اور سر پر ٹوپی اوڑھ لی۔ حضرت ابوعثمان حیری بھی اس کے اس احترام اور عقیدت مندی کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ قریب پہنچے تو دیکھا کہ اس کے منہ سے رالیں ٹپک رہی ہیں اور شراب کی بو آ رہی ہے۔ شیخ نے ذرہ بھر اس سے نفرت نہ کی' ناک بھوں نہیں چڑھائی بلکہ اس کی اس عقیدت مندانہ روش کی وجہ سے بہت خوش ہوئے اور کمال شفقت سے اپنے ہمراہ گھر لے آئے اور غسل کروا کے اپنا خرقہ پہناتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائی:

''اے اللہ! میں نے اپنا اختیاری کام تو انجام دے لیا اب جو تیرے اختیار میں ہے اس کی تکمیل فرما دے۔ اس کے دل کی دنیا تو پہلے ہی بدل چکی تھی وہ سچی توبہ کر چکا تھا' اس دعا کے ساتھ ہی اس شرابی میں ایسا کمال پیدا ہوا کہ آپ خود بھی متحیر رہ گئے''

اس وقت حضرت ابوعثمان حیری آپ کے یہاں پہنچے تو آپ نے فرمایا:

''آج میں رشک کی آگ میں عود کی طرح سلگ رہا ہوں اور اللہ کی کمال عطا اور بخشش پر حیران ہوں کہ جس کمال کے حصول میں میری اتنی عمر ختم ہوگئی وہ کمال بلا طلب ایسے شخص کو عطا کر دیا گیا جس کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی ہے اس سے اندازہ ہوا کہ فضلِ خداوندی کا انحصار صرف عمل پر نہیں بلکہ قلبی کیفیات سے متعلق ہے''۔ (شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص ۲۱۴)

(160)

صاحبانِ عہدۂ قضاء

قاضی یحییٰ بن اکثم کو خلیفۂ بغداد نے بیس برس کی عمر میں بصرہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا تو وہاں کے عوام نے ان کو کم عمر قاضی کہنا شروع کر دیا چنانچہ کسی منہ پھٹ نے بھرے مجمع میں ان سے سوال کر دیا: ''قاضی صاحب! آپ کی عمر کتنی ہے؟'' تو آپ نے فرمایا:

''حضرت عتاب بن اسید سے بڑا ہوں جن کو حضورِ اقدس ﷺ نے فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کا قاضی بنا دیا تھا اور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی عمر دراز ہوں جن کو حضور پاک ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا اور حضرت کعب بن مسور سے بھی میری عمر کچھ زیادہ ہی ہے جن کو امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی بصرہ کا قاضی بنایا تھا''۔

قاضی یحییٰ بن اکثم کا یہ جواب سن کر لوگوں نے آپ کو کم عمر قاضی کہنا چھوڑ دیا اور آپ اہلِ بصرہ کی نظروں میں معزز و مکرم ہوگئے۔ (ثمرات الاوراق ج ۱ ص ۱۴۲)

☆...... قاضی ایاس بن معاویہ نے کم سنی کی حالت میں قاضی دمشق کی کچہری میں ایک بڑے آدمی پر اپنے حق کا دعویٰ کر دیا اور قاضی دمشق کے سامنے یہ کہا:

''اس بوڑھے نے میرے اوپر ظلم کیا ہے اور میرا مال کھا ڈالا ہے''۔

قاضی دمشق نے ایاس بن معاویہ کو بڑے زور سے ڈانٹا:

''تم اتنے بوڑھے آدمی کے مقابلہ میں ایک کم عمر لڑکے ہو کر اس زور و شور سے کام کرتے ہو؟'' ایاس بن معاویہ نے عرض کیا:

''قاضی صاحب! میں اگرچہ چھوٹا ہوں مگر حق مجھ سے' ان سے' آپ سے' سب سے

Scanned with CamScanner

بڑا ہے''۔ قاضی دمشق نے کہا: ''تم چپ ہو جاؤ''۔ ایاس بن معاویہ نے کہا:

''حضرت والا! اگر میں چپ ہو جاؤں تو میں اپنے دعویٰ کو کس طرح پایہ ثبوت تک پہنچاؤں گا؟'' قاضی دمشق نے غصہ میں بھر کر کہا:

''اچھا! تم بولو مگر خدا کی قسم! تم کوئی اچھی بات نہیں کرو گے''۔

یہ سن کر ایاس بن معاویہ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ پڑھا اور کہا:

''قاضی صاحب! آپ کی قسم ٹوٹ گئی لیجیے جو بات بولا ہوں' یہ کلمہ حق ہے اس سے اچھی اور کون سی بات ہو سکتی ہے۔ آپ اپنی قسم کا کفارہ ادا کیجیے؟''

قاضی دمشق لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے جب خلیفۂ دمشق کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس نے قاضی دمشق کو معزول کر کے ایاس بن معاویہ کو ان کی جگہ قاضی مقرر کر دیا۔

(ثمرات الاوراق ج ۱ ص ۱۵۷)

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر آدمی میں علم اور دانائی کا کمال موجود ہو تو ایک کم عمر آدمی بھی بڑے بڑے عہدہ پر پہنچ سکتا ہے اور ترقی جاہ کی بڑی سے بڑی منزلیں بھی طے کر سکتا ہے:

طاقت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا! ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

(161)

وہ بدبخت جس کو زمین نے بھی قبول نہ کیا

امام بخاری ؒ حضرت انس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نصرانی دائرۂ اسلام میں داخل ہوا اور اس نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھی۔ وہ نبی کریم ﷺ کے لیے وحی وغیرہ لکھا کرتا تھا' کچھ دنوں بعد وہ اسلام سے مرتد ہو کر پھر نصرانی بن گیا۔ وہ کہتا تھا:

''محمد کو وہی کچھ معلوم ہے جو کچھ میں نے اس کے لیے لکھ چھوڑا ہے''۔

اس کی موت ہوئی تو نصرانیوں نے اسے سپردِ خاک کر دیا' صبح دیکھا تو وہ زمین سے باہر پڑا تھا۔ نصرانی کہنے لگے:

''یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے کہ ہمارا آدمی ان لوگوں میں سے بھاگ آیا تو (ان کے جذبات مجروح ہوئے اور) ان لوگوں نے (راتوں رات) آ کر ہمارے آدمی کی قبر کھود کر اسے باہر رکھ دیا''۔

پھر ان لوگوں نے گہری قبر کھودی اور اس میں اپنے ساتھی کو دفن کر دیا لیکن صبح ہوئی تو دیکھا کہ زمین سے پھر باہر ہے اس مرتبہ انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا یہ ساتھی انسان نہیں ہے (یعنی اچھا انسان نہیں بلکہ بُرا آدمی ہے اسی لیے اس کی یہ درگت ہو رہی ہے کہ زمین اسے باہر پھینک رہی ہے) چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھی کو یونہی پڑا چھوڑ دیا۔

(بخاری: کتاب المناقب' باب علامات النبوۃ فی الاسلام ۳۶۱۷)

☆...... امام احمد بن حنبل ؒ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کرتے ہیں' ہمارے درمیان ایک آدمی تھا جس کا تعلق بنونجار سے تھا اس نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ

Scanned with CamScanner

عمران پڑھی تھی وہ رسول اللہ ﷺ کا کاتب بھی تھا' کچھ دنوں بعد بھاگ کر اہلِ کتاب سے جاملا۔ انہوں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور بطورِ فخر کہنے لگے:

''ہمارا یہ ساتھی محمد کے لیے لکھا کرتا تھا اور وہ اس سے بڑے خوش تھے۔ کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے اس مرتد کو موت دے دی۔ اہلِ کتاب نے قبر کھود کر اپنے ساتھی کو دفن کر دیا۔ صبح کیا دیکھتے ہیں کہ زمین نے مردے کو منہ کے بل باہر پھینک دیا ہے۔ دوبارہ انہوں نے قبر کھود کر اس کی لاش چھپائی لیکن اگلے دن بھی صبح اس کی لاش زمین سے باہر نکلی ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے لاش یونہی پڑی ہوئی چھوڑ دی''۔ (مسلم ۲۷۸۱' مسند احمد ۳/۲۲۲)

(162)

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

حضرت سیّدنا محمد بن داؤد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''میں نے حضرت سیّدنا ابوبکر مصری رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا:

''ایک مرتبہ جب میں ''معسویہ'' سے ''رملہ'' کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں ایک ایسا شخص ملا جو ننگے پاؤں' ننگے سر تھا اس کے پاس دو چادریں تھیں ایک کا تہبند باندھا ہوا تھا اور ایک کندھوں تک اوڑھی ہوئی تھی۔ موسمِ گرما عروج پر تھا' میں اس شخص کو دیکھ کر بہت حیران تھا کہ اس قدر گرمی میں اس کی یہ حالت اس کے پاس نہ تو زادِ راہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسا برتن یا پیالہ وغیرہ جسے بوقتِ ضرورت استعمال کر سکے۔ میں نے اپنے دل میں کہا:

''اگر اس شخص کے پاس رسی اور ڈول ہوتا جس کے ذریعے یہ پانی نکال کر وضو وغیرہ کر سکتا تو یہ اس کے لیے بہتر تھا''۔ میں دوپہر کے وقت اس کے پاس گیا اور کہا:

''اے نوجوان! تو نے جو چادر اپنے کندھوں تک اوڑھی ہوئی ہے اگر اسے سر پر اوڑھ لیتا تو سورج کی تپش سے بچ جاتا۔ میری بات سن کر وہ خاموش رہا اور آگے چل دیا۔ کچھ دیر بعد میں نے پھر کہا:

''تم اتنی سخت گرمی میں ننگے پاؤں ہو' کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کچھ دیر میں جوتے پہن لوں اور کچھ دیر تم؟'' اس نے کہا:

''تم بہت فضول گو ہو' کیا تم نے کبھی حدیثِ پاک لکھی ہے؟'' میں نے کہا:

''ہاں!'' بولا: ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو بات کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے"۔

(جامع الترمذی' ابواب الزھد' باب من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ' الحدیث ۲۳۱۷' ص ۱۸۸۵)

یہ حدیث پاک سنا کر وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر آگے چل دیا اب میرے پاس پانی ختم ہو چکا تھا جب میں ساحلِ سمندر کے پاس پہنچا تو پیاس لگنے لگی۔ وہ میری طرف آیا اور کہا: "کیا تم پیاسے ہو؟"

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ دیکھ کر وہ آگے چل دیا' چلتے چلتے مجھے بہت زیادہ پیاس محسوس ہونے لگی۔ وہ پھر میری طرف آیا اور کہا: "کیا تمہیں بہت زیادہ پیاس لگی ہے؟"

میں نے کہا: "ہاں!" بولا:

میں نے کہا: "ہاں! لیکن تم یہاں میٹھا پانی کہاں سے لاؤ گے؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور میرا ڈول اُٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور اسے بھر کر میرے پاس لے آیا پھر کہا: "پانی پی لو"۔

میں نے پیا تو سمندر کا وہ کھارا پانی دریائے "نیل" کے میٹھے اور صاف پانی سے زیادہ شیریں اور عمدہ تھا اس ڈول میں تھوڑی سی گھاس پڑی تھی۔ میں نے کہا:

"یہ شخص اللہ تعالیٰ کا ولی معلوم ہوتا ہے۔ میں ضرور اس کی صحبت اختیار کروں گا"۔ چنانچہ منزل پر پہنچ کر میں نے اس سے کہا: "میں تمہارے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں"۔

کہا: "اچھا! تمہیں کیا پسند ہے' تم آگے چلو گے یا میں؟"

میں نے کہا: "اگر تم آگے چلو گے تو مجھے بہت پیچھے چھوڑ دو گے"۔

چنانچہ میں آگے آگے چلنے لگا۔ میں تھوڑی دُور چل کر آرام کے لیے رُک جاتا پھر چلنے لگتا۔ میں اسی طرح چلتا رہا جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے کہا:

"میں تمہارے ساتھ چلنا چاہتا ہوں' مجھے اپنے ساتھ رکھ لیجیے"۔ اس نے کہا:

"اے ابوبکر! اگر تم اس بات پر راضی ہو کہ تم چلتے رہو اور میں بعض جگہ بیٹھ جاؤں پھر تو ٹھیک ہے ورنہ تم میرے رفیق نہیں بن سکتے"۔

پھر وہ مجھے چھوڑ کر چل دیا اور منزل پر پہنچ کر قیام کیا وہاں میرے کچھ دوست رہتے تھے'

ان کے پاس ایک بیمار شخص تھا' میں نے ان سے کہا:

"اس بیمار پر ڈول میں موجود پانی کے کچھ چھینٹے ڈالو"۔

انہوں نے جیسے ہی پانی اس کے اوپر ڈالا وہ فوراً صحت یاب ہو گیا اور اس کی بیماری دُور ہو گئی پھر میں نے اپنے دوستوں سے اس شخص کے متعلق پوچھا:

"وہ کہاں ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا:

"ہمیں تو وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا' میں حیران تھا کہ نہ جانے وہ باکرامت بزرگ کہاں چلا گیا تھا"۔ (عیون الحکایات)

(163)

عیب کو دیکھنا بھی عیب ہے

بیان کرتے ہیں کہ شاہ بہرام گور ایک دن شکار کے واسطے نکلا' ایک جنگلی گدھا اس کے سامنے ظاہر ہوا۔ اس نے اس کا پیچھا کیا حتیٰ کہ بہرام گور اپنے لشکر سے چھٹ گیا بعدہ اس شکار پر کامیاب ہوا اس کو پکڑا اپنے گھوڑے سے اترا اور اس کو ذبح کرنا چاہا' اتنے میں ایک چرواہے کو دیکھا کہ میدان سے اس کے سامنے آرہا ہے۔ بہرام نے اس سے کہا:

''اے چرواہے! میرا یہ گھوڑا پکڑ لے کہ میں اس گدھے کو ذبح کروں''۔

چنانچہ اس نے اس کو پکڑا پھر بہرام گور گدھے کے ذبح میں مشغول ہوا لیکن اس پر نظر رکھی یہاں تک کہ بہرام گور پر ظاہر ہوا کہ چرواہا اس موتی کو کاٹ رہا ہے جو اس کے گھوڑے کی باگ ڈور میں تھا' یہ دیکھ کر بادشاہ نے اس سے اعراض کیا یہاں تک کہ چرواہے نے اس موتی کو لے لیا اور کہا:

''عیب کا دیکھنا بھی عیب ہے اس کے بعد اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے لشکر سے ملا''۔ پس وزیر نے کہا:

''اے بادشاہ! آپ کے گھوڑے کی باگ ڈور کا موتی کہاں ہے؟''

یہ سن کر بادشاہ نے مسکرا کر فرمایا:

''اس کو جس نے لیا ہے وہ واپس نہ کرے گا اور جس نے اس کو لیتے دیکھا ہے وہ اس کی چغلی نہ کھائے گا۔ اس لیے تم میں سے جو شخص دیکھے کہ وہ موتی کسی کے پاس ہے تو اس کی وجہ سے اس سے کچھ بھی مزاحمت نہ کرے''۔

(قلیوبی)

(164)

حضرت جنید اور دعوت کنندہ اور چند گویے

ایک شخص نے کچھ لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اس کے بیٹے نے بغیر اس کی اطلاع کے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کر لیا۔ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ آپ نے کمال محبت سے وعدہ کر لیا مگر جب آپ اس کے دروازے پر پہنچے تو اس (کے باپ) نے داخل ہونے سے روکا۔ بغیر اُلجھے چپکے سے واپس ہو لیے۔ لڑکے نے پھر بلایا لیکن باپ نے پھر نہ آنے دیا' آپ واپس آ گئے اس طرح متواتر چار بار آئے اور واپس ہوئے اس عمل سے ان کا مقصد اس لڑکے کو خوش کرنا تھا اور واپس اس لیے چلے گئے کہ لڑکے کا باپ خوش ہو کیونکہ دلوں کو خوش کرنا ہی اصل تصوف ہے۔ آپ ہر اقرار وانکار کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے لہٰذا خود کو تکلیف نہ ہوتی تھی۔ تسلیم ورضا ہی راہِ سلوک کی بنیادی تعلیم ہے۔

راضی برضا ہو تو مزہ دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے جنت کی فضا دیکھ

(کیمیائے سعادت' ص ۲۴۷)

☆...... حضرت جنید ایک روز مسجد میں تھے' ایک شخص آیا اور کہا:

''حضرت آپ کا وعظ شہر میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ اثر کرتا ہے؟''

آپ نے حال پوچھا اس نے عرض کیا: ''چند اشخاص فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروف رقص وسرود اور دَور شراب سے مخمور ہیں''۔

آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی جب آپ قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے' فرمایا:

''بھاگومت میں بھی تمہارا ہم مشرب ہوں' ہمارے لیے بھی لاؤ۔ شہر میں تو پی نہیں سکتے پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں''۔ ان لوگوں نے کہا:

''افسوس ہے کہ اس وقت شراب نہیں رہی فرمائیں تو شہر سے منگوا دی جائے''۔

حضرت جنید نے فرمایا:

''کیا تمہیں کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آجایا کرے''۔

وہ بولے: ''صاحب! یہ کمال تو ہم میں نہیں''۔

فرمایا: ''آؤ تم کو ایک ایسی بات سکھادوں کہ شراب خود بخود آجائے''۔

پھر شراب کا مزہ دیکھو وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتادیجیے''۔

کہا: ''کہ اچھا اوّل نہاؤ پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ''۔

سب نے غسل کیا' کپڑے بدلے' کپڑے دھوئے اور پاک وصاف ہو کر آموجود ہوئے۔ تب فرمایا: ''سب دو رکعت نماز پڑھو''۔

جب وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دعا مانگی:

''خدایا! میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور کھڑا کردیا۔ اب تجھے اختیار ہے خواہ ان کو گمراہ کر خواہ ہدایت بخش''۔

چنانچہ حضرت کی دعا منظور ہوئی اور سب ہدایت کامل سے مستفیض ہوئے۔

(مخزن اخلاق' ص ۳۰۸)

(165)

کنویں کے اندر سے خطبہ

ایک دن خلیفہ بغداد متوکل باللہ اپنے درباریوں سے کہنے لگا:

''امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چند باتیں ایسی ہوگئیں کہ عام مسلمان ان سے ناراض ہوگئے۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سیڑھی نیچے اُتر کر خطبہ پڑھا اور جب حضرت امیرالمومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے دو سیڑھی نیچے اُتر کر خطبہ ارشاد فرمایا مگر حضرت امیرالمومنین عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ یہ سن کر حاضرین میں سے ایک زندہ دل درباری عالم نے فرمایا:

''اے امیرالمومنین! درحقیقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا آپ پر تو ایک بڑا احسان ہے کیونکہ اگر وہ بھی منبر نبوی ﷺ میں نیچے ایک سیڑھی لگوا کر اس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے اور یہ دستور ہو جاتا کہ ہر پچھلا خلیفہ اپنے پہلے خلیفہ سے ایک سیڑھی نیچے اُتر جائے اور زمین کھود کر منبر کے نیچے ایک سیڑھی کا اضافہ کر کے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرے تو اب تک اتنے خلیفہ ہو چکے ہیں کہ آپ تو کنویں کے اندر سے خطبہ پڑھتے۔ یہ سن کر متوکل باللہ اور تمام مصاحبین ہنس پڑے اور قہقہوں کی آندھی میں متوکل باللہ کا اعتراض غبار بن کر اُڑ گیا۔ (ثمرات الاوراق ج ۱ ص ۱۵۳)

اس سوال کا تحقیقی جواب تو یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو اوپر والی سیڑھی پر حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اس میں ایک بڑا راز تھا جس کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود کسی موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

''منبر نبوی میں کل تین ہی سیڑھیاں تھیں اگر میں تیسری سیڑھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتا تو لوگوں کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید میں اپنے آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتا ہوں اور اگر میں درمیان والی سیڑھی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ بیان کرتا تو کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید میں اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہم مثل سمجھتا ہوں حالانکہ میں نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر ہوں نہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے۔ اس لیے میں اوپر والی سیڑھی پر حضور اقدس ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہو گیا کہ اب کسی کو یہ وہم ہی نہیں ہو سکتا کہ میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برابری کا مدعی ہوں۔ درباری عالم متوکل باللہ کے سامنے یہ جواب بھی پیش کر سکتے تھے مگر انہوں نے ظریفانہ رنگ میں نہایت ہی مختصر اور انتہائی دلچسپ جواب دے کر ہنسی ہنسی میں متوکل باللہ کی بات ہی کاٹ دی نہ کوئی تلخی پیدا ہوئی نہ ہی بحث وتکرار کی نوبت آئی۔ یہ درحقیقت ایک بہت ہی حکیمانہ طرز تکلم تھا جو صورتِ حال اور موقع کی نزاکت کے لحاظ سے انتہائی برمحل اور بے حد مناسب تھا کیونکہ ایک علم مجلسی کے ماہر متکلم کا یہ بہت ہی بڑا کمال ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں ''ہر سخن نکتہ، وہر نکتہ مقامے دارد'' کے انمول اصول کو مدنظر رکھے۔ کہیں سخت کلامی و تلخ نوائی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں نرم گفتاری وشیریں کلامی تلوار کی دھار سے بڑھ کر کام کرتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

یعنی نرمی اور سختی دونوں ساتھ ساتھ بہترین ہیں جیسے آپریشن کرنے والا زخم بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی رکھ دیتا ہے۔ دورِ حاضر کے علماء کو بھی اپنی گفتگو میں ہمیشہ یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیے:

گزر جا بن کے سیل تندرو کوہ بیاباں سے
گلستان راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں بن جا

(166)

بدبخت ایمان فروش کو پورا قرآن بھول گیا

مسلمان رومیوں کے ساتھ مختلف محاذوں پر برسرپیکار تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب اسلام پوری تیزی سے پھیل رہا تھا، مجاہدین کی صفوں میں ایک بدبخت عبدۃ بن عبدالرحیم نام کا شخص بھی شامل تھا اس نے قرآن پاک یاد کر رکھا تھا، خوب صورت آواز میں تلاوت بھی کرتا تھا۔

مسلمانوں نے روم کے کسی شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا، شہر فتح نہیں ہو رہا تھا اچانک عبدہ کی نظر ایک خوب صورت لڑکی پر جا پڑی۔ یہ لڑکی بھی دیگر عورتوں کے ساتھ قلعے میں محصور تھی، وہ اپنی ڈیوٹی بھول کر اس لڑکی کے حصول کی جدوجہد میں مصروف ہو گیا اس کو پیغام بھیجا تو اس نے اثبات میں جواب دیا اس نے پوچھا کہ ملاقات کی کیا صورت ہے؟ جواب ملا کہ اپنا مذہب چھوڑ دو اور دیوار پر چڑھ آؤ! میں تمہیں اُتار لوں گی چنانچہ اس بدبخت نے اپنا ایمان اور دین اس لڑکی کے لیے قربان کر دیا اور دوسرے کیمپ میں چلا گیا۔

مسلمانوں کو اس وقت اس سانحے کا پتہ چلا جب وہ فرار ہو چکا تھا اور اس لڑکی کے ساتھ عیش کر رہا تھا ادھر مجاہدین کا کسی طرح اس بدبخت سے دوبارہ رابطہ ہوا، انہوں نے اس کو آواز دی:

''او فلاں! تیرے قرآن، تیری تلاوت، تیری نماز، روزے اور جہاد کا کیا بنا؟''

اس نے جواب دیا:

''سنو! میں پورا قرآن بھول گیا ہوں، مجھے اس عرصے میں عیش وعشرت اور دولت نصیب ہوئی ہے اب مجھے صرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد ہے:

Scanned with CamScanner

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ○ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ○ (الحجر:۲،۳)

"وہ بھی وقت ہوگا کہ کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے۔ آپ انہیں کھاتا، نفع اُٹھاتا اور جھوٹی امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجئے، یہ خود جلد ہی جان لیں گے"۔ اس کی وفات ۲۷۸ھ میں ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۴/۶۴۰)

(167)

سخت گرمی اور نفلی روزہ

حضرت سعید بن ابی عروہ سے منقول ہے کہ "ایک مرتبہ" حجاج نامی شخص حج کے ارادے سے نکلا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً کے درمیان پانی کے قریب قیام کیا پھر دسترخوان بچھوا کر کھانا منگوایا اور اپنے خادم سے کہا:

"جاؤ دیکھو! آس پاس کوئی شخص نظر آئے تو اسے میرے پاس لے آؤ تاکہ وہ میرے ساتھ کھانا کھالے اور میں اس سے کچھ گفتگو کرلوں"۔

خادم کسی آدمی کی تلاش میں ادھر ادھر گھومنے لگا بالآخر پہاڑ کے قریب سے ایک اعرابی بکری کے بالوں کی چادر اوڑھے سویا ہوا نظر آیا اس نے پاؤں مار کر اعرابی کو جگایا اور کہا:

"چلو! تمہیں ہمارا امیر بلا رہا ہے"۔ وہ اعرابی حجاج کے پاس آیا تو اس نے کہا:

"اپنے ہاتھ دھولو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ"۔ اعرابی نے جواب دیا:

"تجھ سے پہلے میں ایک ہی ہستی کی دعوت قبول کر چکا ہوں جو تجھ سے بہتر ہے"۔

حجاج نے پوچھا: "وہ کون ہے؟" اعرابی نے کہا:

"وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اس نے مجھے روزہ رکھنے کی دعوت دی، میں نے اس کی دعوت قبول کرتے ہوئے روزہ رکھ لیا"۔

حجاج نے کہا: "اتنی شدید گرمی میں تونے روزہ رکھا ہے؟"

کہا: "ہاں! میں نے روزِ محشر کی گرمی کے پیشِ نظر روزہ رکھا ہے جو آج کے دن سے بہت زیادہ ہوگی"۔

حجاج نے کہا: "تو ابھی کھانا کھالے کل روزے کی قضا کرلینا"۔

اعرابی نے کہا: ''کیا تم اس بات کی ضمانت دیتے ہو کہ میں کل تک زندہ رہوں گا؟''

حجاج نے کہا: ''میں بھی اس بات کی ضمانت کیسے دے سکتا ہوں؟''

اعرابی نے کہا: ''اگر تم اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتے تو پھر مجھے ایسی مدت کی امید کیوں دِلاتے ہو جس پر تم قادر ہی نہیں؟''

حجاج نے کہا: ''کھاؤ! یہ کھانا بہت عمدہ ہے''۔

اعرابی نے کہا: ''نہ تو تو نے اسے عمدہ کیا ہے اور نہ ہی باورچی نے لیکن عمدہ تو یہ اس وقت ہوگا جب بُرائی سے بچائے''۔

اتنا کہہ کر اعرابی وہاں سے چلا گیا''۔ (عیون الحکایات)

(168)

نوشیرواں کا عدل وانصاف

بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ کسریٰ (لقب نوشیرواں وشاہانِ فارس) تمام بادشاہوں سے زیادہ منصف تھا' نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک گھر خریدا اور اس خریدار نے اس میں خزانہ پایا' وہ بیچنے والے کے پاس آیا اور اس کو اس کی اطلاع دی۔

بائع نے اس سے کہا:

''میں نے تیرے ہاتھ گھر فروخت کیا ہے' میں نہیں جانتا تھا کہ اس میں خزانہ ہے اور اگر اس میں خزانہ تھا تو وہ تیرا ہے''۔ اور مشتری نے کہا:

''تم کو اس کا لینا ضروری ہے اس لیے کہ وہ خزانہ اس گھر میں داخل نہیں ہے جس کو میں نے خریدا ہے''۔

چنانچہ ان دونوں کے درمیان نزاع نے طول کھینچا۔ پس ان دونوں نے بادشاہ کسریٰ کے پاس فیصلہ چاہا جب وہ دونوں اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس سے خزانہ کا حال بیان کیا تو اس نے تھوڑی دیر تک سر نیچا کر کے غور کیا پھر ان دونوں سے فرمایا:

''کیا تم دونوں کے کوئی اولاد ہے؟''

بائع نے کہا: ''میرے ایک جوان لڑکا ہے''۔

مشتری نے کہا: ''میرے ایک جوان لڑکی ہے''۔

اس کے بعد کسریٰ نے ان دونوں سے کہا:

''میں تم کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم دونوں اپنے لڑکے اور لڑکی کا باہم بیاہ کر دو تا کہ تم

دونوں میں رشتہ قرابت قریبی ہو جائے اور اس خزانہ کو لڑکے اور لڑکی کی مصلحتوں میں خرچ کرو"۔ چنانچہ ان دونوں نے شاہی حکم کی فرماں برداری کی وجہ سے ایسا ہی کیا۔

اور نقل ہے کہ نوشیرواں نے اپنے شہروں میں سے کسی شہر پر ایک شخص کو حاکم مقرر کیا۔ چنانچہ حاکم نے ہر سال جو خراج مقرر تھا اس سے کچھ زیادہ اس کے پاس بھیجا جب یہ خبر نوشیرواں کو پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ زیادہ روپیہ جن لوگوں سے لیا گیا ہے ان کو واپس کیا جائے اور اس حاکم کے لیے سولی کا حکم دیا پھر فرمایا: جو بادشاہ اپنی رعیت سے کچھ بھی ظلم سے لے گا وہ کبھی فلاح نہ پائے گا اور اس کی زمین سے برکت اُٹھ جائے گی اور یہ اس پر وبال ہوگا پھر فرمایا:

"بقائے ملک، بادشاہ سے ہے اور بقائے بادشاہ لشکر سے ہے اور بقائے لشکر مال سے ہے اور بقائے مال شہروں کی آبادی سے ہے اور شہروں کی آبادی رعیت میں انصاف سے ہے"۔ والسلام

بعض حکماء سے جب پوچھا گیا کہ بادشاہ کے واسطے بہادری افضل ہے یا انصاف؟ تو انہوں نے جواب دیا:

اِذَا عَدَلَ الْمَلِكُ لَا يَحْتَاجُ اِلَى الشَّجَاعَةِ

"جب بادشاہ نے انصاف کیا تو وہ بہادری کا محتاج نہ ہوگا۔ اللہ مددگار ہے"۔

(169)

حضرت مسلم بن زیاد اور ایک دعوتِ ولیمہ

حضرت مسلم بن زیاد ایک دعوتِ ولیمہ میں مدعو تھے، آپ کو دیر ہو گئی جب آپ گئے تو صاحبِ ولیمہ نے آپ کو دیکھ کر کہا: "آپ نے دیر کی لوگ کھا کر چلے گئے اب کھانا نہیں رہا"۔ مسلم نے لجاجت بھرے انداز میں کہا: "پیالوں میں شاید کچھ لگا ہو، میں وہی صاف کر لوں گا"۔ اس نے کہا: "برتن ہم نے دھوڈالے ہیں"۔ آپ نے فرمایا: "شاید دیگ میں کچھ لگا ہو"۔ صاحبِ خانہ نے کہا: "وہ بھی دھو چکے ہیں"۔ آپ نے کہا: "شاید روٹی کا ٹکڑا بچا ہو"۔

صاحبِ خانہ نے کہا: "وہ بھی فقراء میں تقسیم کیا جا چکا ہے اب ایک لقمہ بھی نہیں ہے"۔

مسلم بن زیاد ہنسے اور واپس چلے گئے۔ لوگوں نے کہا: "بڑے عجیب آدمی ہیں۔ اس بات سے رنجیدہ نہیں ہوئے بلکہ ہنس رہے ہیں"۔

آپ نے فرمایا: "اس نے نیک نیتی سے بلایا تھا، اب نیک نیتی سے واپس کیا ہے، خفگی کیوں ہو؟ اصل چیز تو انسان کا اخلاص، محبت اور چاہت ہے، کھانا پینا تو کوئی چیز نہیں"۔

لوگ آپ کے اس حسنِ اخلاق سے انتہائی متاثر ہوئے اور یقیناً اس وقت ملائک آسمانی بھی اس حلم و برداشت، محبت و مروت، بے نفسی اور حسنِ اخلاق پر رشک کر رہے ہوں گے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بنتا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

(مخزن اخلاق، ص ۲۴۲، اخلاق صالحین ترجمہ تنبیہ المغترین، ص ۹۵)

(170)

حصولِ علم کے لیے مشکلات کا سامنا

مسند العراق علی بن عاصم جب علمِ حدیث پڑھنے کے لیے چلے تو ان کے والد نے ایک لاکھ درہم دے کر فرمایا: نورِ نظر یہ ایک لاکھ درہم لے لو اور علم کی طلب پہ سب خرچ کر ڈالو مگر یاد رکھو کہ ان درہموں کا معاوضہ تم کو اس طرح ادا کرنا ہوگا کہ ان کے بدلے ایک لاکھ حدیثیں اپنے سینے میں محفوظ کر کے مجھے منہ دِکھانا۔ ہونہار اور اطاعت شعار بیٹے نے اپنے باپ کی امیدوں کو برباد نہیں کیا بلکہ اتنی محنت اور عرق ریزی سے علم حاصل کیا کہ ایک لاکھ سے زیادہ حدیثوں کو زبانی یاد کر لیا اور اپنے محدثانہ علمی کمال کی بدولت تمام دنیائے اسلام سے خراجِ تحسین حاصل کیا اور مسند العراق کے معزز لقب سے سرفراز ہوئے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۹)

اسی طرح ہشام بن عبداللہ محدث نے علمِ حدیث کی تحصیل میں بڑے لمبے لمبے سفر کیے اور مشہور مشہور درس گاہوں کے شیوخ سے علمِ حدیث پڑھا اور اپنی طالب علمی میں سات لاکھ درہم خرچ کیے اس طرح حافظ کبیر الدین بن سنجر نے نو ہزار اشرفیاں اور حافظ ابن رستم نے تین لاکھ درہم اور امام ذہبی نے ڈیڑھ لاکھ درہم علمِ حدیث کی طلب میں صرف کیے۔

(تذکرۃ الحفاظ وغیرہ)

علمِ دین کی طلب میں علماء سلف کی مالی قربانی کا یہ ریکارڈ زمانہ حال کے مسلمانوں کے لیے قابلِ عبرت ہے جو مال دار ہونے کے باوجود یہی چاہتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ میں ان کے بچوں کو خورد ونوش کا بار مدرسہ ہی کے سر ڈالا جائے اور درسی کتابیں بھی مدرسہ ہی کی طرف سے فراہم کی جائیں اور مدارسِ اسلامیہ میں یہ ساری سہولتیں فراہم ہونے کے باوجود

بھی مسلمان اپنے بچوں کو علمِ دین پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہائے افسوس! مسلمانو! میں تمہاری ذہنیت کے اس انقلاب عظیم پر رونے کے لیے کہاں سے آنسو لاؤں؟ اور کس کس طرح سے ماتم کروں؟ تم کل کیا تھے اور آج کیا ہو گئے؟ آہ:

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمہیں پاس نہیں

☆......حافظ الحدیث حجاج بغدادی جب حضرت شبابہ محدث کے یہاں علمِ حدیث پڑھنے کے لیے جانے لگے تو ان کی پونجی کی کل کائنات اتنی ہی تھی کہ ان کی غریب ماں نے ایک سو کلچے پکا دیئے تھے جن کو وہ ایک مٹی کے گھڑے میں بھر کر اپنے ساتھ لے گئے۔ روٹیاں تو ماں نے پکا دی تھیں، ہونہار طالبِ علم نے سالن کا خود انتظام کر لیا اور سالن بھی اتنا کثیر و لطیف کہ سینکڑوں برس گزرنے کے باوجود کبھی کچھ نہیں ہوا اور ہمیشہ ہی تازہ ہی رہا۔ وہ کیا؟ دریائے دجلہ کا پانی۔ روزانہ ایک کلچہ دریا کے پانی میں تر کر کے کھا لیتے اور شبابہ روز انتہائی محنت کے ساتھ سبق پڑھتے رہتے یہاں تک کہ جب کلچے ختم ہو گئے تو مجبوراً استاد کی درس گاہ کو خیر باد کہنا پڑا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۳۰)

(171)

سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو ان کی زمین کا محصول (خراج) وصول کرتا تھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کا وصول کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے۔ایک روز کی بات ہے کہ اس نے کوئی چیز لا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رکھی اور انہوں نے اس میں سے تناول فرمالیا۔غلام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: أَتَدْرِيْ مَا هٰذَا؟

''آپ کو خبر ہے کہ یہ کیا ہے جو آپ نے کھایا ہے؟''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں، کیا ہے؟''

غلام نے بتایا:

كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا أُحْسِنُ الْكِهَانَةَ إِلَّا أَنِّي خَدَعْتُهُ فَلَقِيَنِي فَأَعْطَانِي بِذٰلِكَ، فَهٰذَا الَّذِي أَكَلْتَ مِنْهُ.

''میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک آدمی کے لیے کہانت کی تھی حالانکہ کہانت کرنے کا مجھے ڈھنگ نہیں تھا۔میں نے اسے دھوکہ ہی دیا تھا اب جب کہ اس سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی جو آپ نے تناول فرمائی ہے''۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ منہ میں داخل کیا اور پیٹ میں جو کچھ تھا، اسے قے کر کے باہر نکال دیا۔(بخاری ۳۸۴۲)

(172)

نصیحت سے بھرپور کلام

حضرت سیّدنا ابوھیثم خالد بن ابوصقر سدوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سیّدنا داؤد بن نصر طائی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حضرت سیّدنا ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے قریب بیٹھ گئے پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے لوگو! بے شک دنیا سے رغبت رہنے والے دنیا میں بھی آرام وسکون سے رہتے ہیں اور کل بروزِ قیامت ان پر حساب وکتاب بھی آسان ہوگا اور دنیا میں رغبت کرنے والے دنیا دار لوگ یہاں بھی تھکن سے چُور چُور ہیں اور کل قیامت میں ان پر حساب وکتاب بھی سخت ہوگا، دنیا سے بے رغبتی دنیا اور آخرت میں راحت وسکون کا باعث اور اس میں رغبت کرنا دنیا وآخرت میں تھکاوٹ اور پریشانی کا باعث ہے''۔پھر کہنے لگے:

''اے ابوسلمان! اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تیرا مرتبہ کتنا بلند ہے کہ تو نے اپنے نفس پر صبر کو لازم کرلیا یہاں تک کہ نفس تیرا تابع ہوگیا تو نے نفس کو بھوکا پیاسا رکھا اگر تو چاہتا تو اسے کھلا پلا سکتا تھا تو نے اپنا کھانا انتہائی سادہ رکھا اگر تو چاہتا تو عمدہ کھانا کھا سکتا تھا تو نے کھردرا لباس پہنا اگر چاہتا تو نرم لباس پہن سکتا تھا۔

اے ابوسلمان! تو نے نہ تو ٹھنڈا پانی طلب کیا نہ ہی کبھی نرم وعمدہ لباس اور عمدہ کھانے کی خواہش کی تو نے یہ تمام چیزیں آخرت کے لیے ذخیرہ کرلیں۔میں

Scanned with CamScanner

تو یہی خیال کرتا ہوں کہ تو اپنی طلب میں کامیاب ہو گیا جو تو نے چاہا تجھے مل گیا ایسا کون ہے جس نے تیرے جیسا عزم کیا اور تیری طرح صبر کیا؟ تو نے احادیثِ مبارکہ سنیں اور لوگوں کو حدیث بیان کرتا ہوا چھوڑ آیا تو نے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کی اور لوگوں کو فتویٰ دیتا ہوا چھوڑ آیا۔ حرص وطمع تجھے تیرے راستے سے نہ بہکا سکے نہ تو تو نے لوگوں کے کاروبار میں دلچسپی لی نہ اچھے لوگوں سے حسد کیا نہ عمدہ لوگوں کو عیب لگایا اور نہ ہی بادشاہوں اور دوستوں کے تحائف وغیرہ قبول کیے تو نے اپنے آپ کو اپنے گھر میں قید رکھا نہ کوئی تجھ سے گفتگو کرنے والا تھا اور نہ ہی تیرے لیے کوئی نیا واقعہ رونما ہوا۔ تیرے گھر کے دروازے پر پردہ تک نہ تھا نہ تو تیرے پاس پانی ٹھنڈا کرنے کے لیے مٹکا تھا نہ ہی رات کا کھانا ٹھنڈا کرنے کے لیے کوئی بڑا پیالہ تھا اگر تو اپنے جنازہ میں شرکت کرنے والوں اور اپنی پیروی کرنے والوں کو دیکھ لیتا تو تجھے معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے تیری کتنی تعظیم وتوقیر کی تو نے ہمیشہ زُہد کی چادر اوڑھے رکھی۔

اے لوگو! تم میں سے کوئی شخص بھی دنیا میں رہنے کی رغبت نہ کرے مگر اس جیسے لوگوں سے محبت کرے یقیناً بڑا فرماں بردار وہ ہے جو حقیقی زاہد اور امورِ آخرت کے لیے خوب کوشش کرنے والا ہو۔ پاکی ہے اس پاک پروردگار کے لیے جو فرماں برداروں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کے عمل کو بھولتا ہے۔ میرا پروردگار بڑی عظمتوں والا ہے''۔

اتنا کہنے کے بعد ابن سماک لوگوں کے ہمراہ قبرستان واپس چلے آئے۔

(عیون الحکایات)

(173)

عیسیٰ علیہ السلام اور ایک ہرنی

بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام میدان میں ایک شکاری سے ملے اس شکاری نے اپنا جال قائم کیا تھا اس میں ایک ہرنی پھنس گئی تھی جب اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قوتِ گویائی دی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا:

''اے روح اللہ! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میں اس جال میں تین دن سے پھنس گئی ہوں۔ آپ میرے واسطے شکاری سے اجازت مانگیے یہاں تک کہ میں بچوں کو دودھ پلا آؤں اور واپس آؤں''۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شکاری کو اس کی خبر کی۔ شکاری نے کہا: ''وہ واپس نہ آئے گی''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہرنی کو شکاری کی بات کی اطلاع دی اس کے بعد ہرنی نے کہا: ''اگر میں واپس نہ آؤں تو میں ان لوگوں سے بھی زیادہ شریر ہوں جنہوں نے جمعہ کے دن پانی پایا اور غسل نہ کیا''۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہرنی سے اقرار لیا' وہ گئی اور فوراً اقرار توڑنے کے خوف سے واپس آئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے پس اپنی راہ میں سرخ سونے کی ایک اینٹ پائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اس اینٹ کو ہرنی کے بدلہ شکاری کے حوالہ کریں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ اینٹ لے کر شکاری کے پاس گئے لیکن ان کے شکاری کے پاس پہنچنے کہ پہلے ہی وہ اس کو ذبح کر چکا تھا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو بد دعا دی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کے کام سے برکت دُور کرے''۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (قلیوبی)

Scanned with CamScanner

(174)

حضرت عزرائیل علیہ السلام کی تحریر

مشہور حافظ حدیث اسلم علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ایک رات مجھے یہ حدیث یاد آئی کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنا وصیت نامہ لکھ کر رکھ دے چنانچہ میں نے قلم دوات اُٹھایا کہ وصیت نامہ تحریر کروں لیکن مجھ پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں سو گیا اور وصیت نامہ نہیں لکھ سکا اچانک خواب میں مجھے یہ نظر آیا کہ ایک سفید پوش نہایت ہی خوب صورت بزرگ جن کے جسم سے خوشبو اُڑ رہی تھی میرے مکان میں داخل ہو گئے۔ یہ سن کر مارے ڈر کے لرزہ براندام ہو گیا تو انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا:

''تم بالکل نہ ڈرو اس وقت میں تمہاری روح قبض کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں''

میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے یہ گزارش کی کہ آپ میری نجات کا ایک پروانہ ہی تحریر فرما دیجیے تو انہوں نے فرمایا: ''بہت اچھا قلم دوات اور کاغذ لاؤ''۔

چنانچہ وہی قلم دوات اور کاغذ میں سرہانے رکھ کر سو گیا تھا' ان کے سامنے پیش کر دیا تو انہوں نے: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔

استغفر اللہ پورے کاغذ پر نیچے اوپر تحریر فرما کہ مجھے یہ کہہ کر عطا فرمایا کہ،

''یہ تمہاری نجات کا پروانہ ہے''۔

یہ خواب دیکھ کر میں گھبرایا ہوا بے دار ہوا اور فوراً ہی چراغ منگا کر میں نے دیکھا تو وہی کاغذ میرے سرہانے پڑا ہوا تھا اور اس کے دونوں طرف پورے کاغذ پر استغفر اللہ لکھا ہوا تھا۔

بلاشبہ بزرگوں کا خواب سچا ہوتا ہے اور حضرت ملک الموت علیہ السلام کی تحریر میں اس طرف صاف صاف اشارہ ہے کہ توبہ واستغفار نجات کا پروانہ ہیں اور اللہ ہم سب کو ہر دَم توبہ واستغفار کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

اے مرے معبودِ حق اے کردگار
سارے عالم کا تو ہے پروردگار
ناز ہے اتنی سی نسبت پر مجھے
میں ہوں مجرم اور تو آمرزگار
بخش دے یارب خطائیں سب مری
تو غفار اور میں عصیاں شعار
تیری رحمت پر بھروسہ ہے مجھے
فضل کا تیرے ہوں میں امیدوار
خاک پائے مصطفیٰ ہے اعظمی
حشر میں یارب نہ ہو یہ شرمسار

(علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی)

(175)

حضرت ابوسعید ابوالخیر اور شرابیوں کی توبہ

حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک سے خواہ وہ کسی مذہب و مسلک سے تعلق رکھتا ہو' نہایت خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آتے تھے اور ان کو نہایت شفقت و محبت سے اسلام کی خوبیاں سمجھاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اپنے مریدوں کے ساتھ عیسائیوں کے ایک گرجے میں گئے' عیسائیوں کو آپ کی آمد سے نہایت مسرت و حیرت ہوئی اور آپ کا یہ طریقہ کار اتحاد و اُلفت کا سبب بنا۔

اس زمانے میں کہ شیخ ابوسعید نیشاپور میں تھے' ایک روز حیرہ کے قبرستان میں اپنے مریدوں کے ساتھ تشریف لے گئے' ایک شیخ کی قبر پر دیکھا' لوگ شراب پی رہے ہیں اور دَف بجا رہے ہیں۔ آپ کے مریدوں کو سخت غصہ آیا اور ان کے مارنے کے لیے دوڑے لیکن شیخ نے اس سے ان کو روکا اور خود ان کے پاس گئے اور ان کو لیے دعائے خیر کی کیونکہ نفرت مرض سے ہوا کرتی ہے نہ کہ مریض سے۔ مریض تو اُلٹا زیادہ پیار توجہ محبت اور خیال کا مستحق ہوتا ہے۔ شیخ کا یہ خلوص اور انوکھا اندازِ تبلیغ اپنا کام کر چکا تھا' وہ لوگ آپ کے اس طرزِ عمل سے بے حد متاثر ہوئے اور دوڑ کر آپ کے گھوڑے کے قدموں میں گرے اور تائب ہو کر تمام شراب گرا دی' دَف توڑ دیئے اور تمام لوگوں کی زندگی کا رُخ بدل گیا:

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

(اقبال کے محبوب صوفیہ ص ۴۷۔۴۸' بحوالہ تاریخ ادبیات ایران ص ۱۱۷)

(174)

نماز سب سے بڑی سفارش ہے

ایک دن ایک خاتون کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

''میرے بیٹے کو محافظ دستے نے پکڑ لیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ پولیس سٹیشن یہ سفارش بھیج دیں کہ وہاں میرے بیٹے کی پٹائی نہ ہو۔ یہ سن کر وہ صاحب کھڑے ہوئے اور نماز میں لگ گئے اور لمبی نماز پڑھی اِدھر خاتون یہ دیکھ کر کڑھتی رہی کہ میں نے سفارش کا کہا اور یہ نماز پڑھنے لگے!

جب بزرگ نماز سے فارغ ہوئے تو خاتون گویا ہوئی:

''میں سفارش کے لیے حاضر ہوئی تھی اور آپ نے سفارش کی بجائے نوافل ادا کرنے شروع کر دیئے''۔ انہوں نے جواب دیا:

''بی بی! میں تیری سفارش ہی تو کر رہا تھا۔ میں نے رب العزت کے حضور تیرے بیٹے کی جان بخشی کی دعا کی ہے اور یہی سب سے بڑی سفارش ہے''۔

ابھی یہ بزرگ اپنی جائے نماز سے اُٹھے بھی نہیں تھے کہ ایک دوسری عورت اس خاتون کو آواز دیتے ہوئے آئی اور کہا:

''بہن! تمہیں مبارک ہو! تیرے لڑکے کو پولیس نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ گھر آچکا ہے''۔

یہ سنتے ہی وہ خاتون فوراً گھر واپس چلی گئی۔ جی ہاں! مشکلات کے اندر' پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے نماز سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں! کیا نماز میں اللہ سے تعلق و قربت اور بندے کی سرگوشی نہیں ہوتی ہے؟ سجدہ ہی تو وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے

پروردگار سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

دینی بھائیو! پھر سوچنا کیا ہے، دیر کس بات کی ہے؟ کائنات کا مالک اللہ ہے، وہ دعا قبول کرنے والا آقا ہے اور تم اس کی عبادت کرنے والے بندے وغلام۔ پس یہ تمہارا سجدہ ہے اور اوپر سے قبولیتِ دعا کا پروانہ جاری ہونے والا ہے تو پھر آؤ اور سجدے میں کثرت سے دعائیں مانگو شاید کہ تمہاری دعائیں رنگ لائیں اور تم اپنے پروردگار کی بخشش ومغفرت کے حق دار بن جاؤ جس بندے کو ضروریات وحاجات نے گھیر لیا ہو اس کے لیے اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے قضائے حاجات کے لیے گڑگڑا کر سرگوشی کرے تا کہ اللہ اس کی حاجات پوری کرے کیونکہ تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں اور مخلوق کے دل بھی اسی کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جیسے چاہتا ہے اُلٹتا پلٹتا رہتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ، كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ، يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَآءُ .

''بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے اسے اُلٹتا پلٹتا رہتا ہے''۔

اور اس لیے بھی بندۂ مسلم کو نماز کے ذریعے اپنی تمام تر مشکلات کو حل کروانا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر اس کی تعلیم دی ہے۔ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا ہے تو آپ ﷺ نماز ہی کا رُخ کرتے حدیث پاک میں آتا ہے: كَانَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى .

''نبی ﷺ کو جب بھی کوئی مشکل درپیش آتی آپ نماز شروع کر دیتے''۔

(ابوداؤد ۱۳۱۹، مسند ابی عوانہ ۶۸۳۲، مسند احمد ۵/۳۸۸)

(177)

قبولیتِ دعا کے اوقات

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی کتاب سہام الاصابۃ فی الدعوات المستجابۃ سے چند احادیث ان بابرکت لمحات کے بارے میں جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سَاعَتَانِ تُفْتَحُ لَهُمَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَقَلَّ دَاعٍ تُرَدُّ عَلَيْهِ دَعْوَتُهُ حِيْنَ يَحْضُرُ النِّدَاءُ وَالصَّفُّ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ .

''دو وقت ایسے ہیں جن میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ (اس میں) دعا کرنے والے کی دعا کو رد کر دیا جائے۔ (اور وہ دو وقت یہ ہیں)''

(۱) اذان کا وقت (۲) راہِ خدا میں صف بستہ ہونے کا وقت

(مؤطا الامام مالک، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی النداء، ص ۷۰، رقم ۷، الادب المفرد للبخاری، باب الدعا عند الصف فی سبیل اللہ، ص ۲۲۸، رقم ۶۶۱، المصنف لابن ابی شیبۃ، ج ۱۰، ص ۳۱، رقم ۲۹۷۳۰، کنز العمال للمتقی، ج ۲، ص ۱۵۷، رقم ۳۳۳۱، موارد الظمآن للهیثمی، ج ۱، ص ۴۴۹، رقم ۲۹۸)

(۲) حضرت سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ الدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ حِيْنَ يُلْحِمُ

بَعْضُهُمْ بَعْضًا .

''دو وقتوں میں دعائیں رد نہیں کی جاتیں:

۱) اذان کے وقت (۲) میدانِ جہاد میں اس وقت کی دعا جب (مسلمان و کافر) ایک دوسرے سے لڑائی میں مصروف ہوں۔

(سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب الدعاء عند اللقاء ص۲۲۷ رقم ۲۵۴۰ مستدرک للحاکم ج۲ ص۱۲۷ رقم ۲۵۹)

۳) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّعَاءُ مُسْتَجَابٌ مَابَیْنَ النِّدَاءِ وَالْاِقَامَةِ .

''اذان اور اقامت کے درمیان مانگی ہوئی دعا مقبول ہوتی ہے''۔

(سنن الترمذی کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب ماجاء ان الدعا لایرد بین الاذان والاقامۃ ص۶۲ رقم ۲۱۲ مستدرک للحاکم ج۱ ص۳۰۱ رقم ۷۱۶ کنز العمال للمتقی ج۲ ص۱۶۲ رقم ۳۳۴۶)

۴) حضرت سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا نَادَی الْمُنَادِیْ فُتِحَتِ (اَبْوَابُ) السَّمَاءُ وَاسْتُجِیْبَ الدُّعَاءُ فَمَنْ نَزَلَ بِهٖ كَرْبٌ اَوْ شِدَّةٌ فَلْیَتَحَرَّ (وَفِی نسخة فلیتحین) الْمُنَادِیْ فَیُجِیْبُهٗ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الصَّادِقَةِ الْمُسْتَجَابَةِ الْمُسْتَجَابِ لَهَا، دَعْوَةِ الْحَقِّ، وَكَلِمَةُ التَّقْوٰی، اَحْیِنَا عَلَیْهَا، وَابْعَثْنَا عَلَیْهَا، وَاَمِتْنَا عَلَیْهَا، وَاجْعَلْنَا مِنْ خِیَارِ اَهْلِهَا اَحْیَاءً وَاَمْوَاتًا ثُمَّ یَسْاَلُ اللّٰهَ حَاجَتَهٗ .

''جس وقت مؤذن اذان دیتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعائیں قبول کی جاتی ہیں لہٰذا جو کوئی کسی تکلیف و پریشان میں مبتلا ہو تو اسے چاہیے کہ مؤذن کی آواز کو دھیان سے سنے اور اس کا جواب دے پھر (اذان ختم ہونے کے بعد) یہ پڑھے:

''اے اللہ! اے اس سچی و مقبول شدہ پکار کے رب! ہمیں دعوتِ حق اور تقویٰ

کے راستے پر ثابت قدمی نصیب فرما اور اسی پر ہماری زندگی اور اسی پر ہمیں موت نصیب فرما اور اسی پر کل بروزِ قیامت ہمارا حشر فرما اور ہمیں زندوں اور مردوں میں سے اچھوں کے ساتھ فرما پھر اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے۔

(مستدرک للحاکم ج۱ ص۷۴۱ رقم ۲۰۵۶ کنز العمال للمتقی ج۷ ص۶۸۶ رقم ۲۰۹۲۰ تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ للہیثمی ج۱ ص۲۲۷ رقم ۵۶۷)

۵) حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِی اللَّیْلِ لَسَاعَةً لَا یُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ یَسْاَلُ اللّٰهَ خَیْرًا مِنْ (اَمْرِ) الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَیْلَةٍ .

''بے شک رات کے لمحات میں ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کسی بھی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتا ہے اور یہ وقت ہر رات میں ہوتا ہے''۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب فی اللیل ساعۃ مستجاب الخ ص۳۴۱ رقم ۷۵۷ مسند امام احمد ج۲۲ ص۲۵۵ رقم ۱۴۳۵۵ مسند ابی یعلی موصلی ج۴ ص۱۸۹ رقم ۲۲۸۱ صحیح ابن حبان مع الاحسان ج۶ ص۳۰۱ رقم ۲۵۶۱ کنز العمال للمتقی ج۷ ص۸۵۷ رقم ۲۱۴۰۲)

۶) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے رات کے آخری تہائی حصے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّهَا سَاعَةٌ مَشْهُوْدَةٌ وَّالدُّعَا فِیْهَا مُسْتَجَابٌ .

''یہ حاضری کی گھڑی ہوتی ہے (یعنی اس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں) اور اس وقت مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے''۔

(سنن الترمذی کتاب الدعوات باب دعاء الحفظ ص۸۱۱ رقم ۳۵۷۰)

۷) حضرت سیّدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تُفْتَحُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّیْلِ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ هَلْ مِنْ دَاعٍ

فَيُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطَى؟ هَلْ مِنْ مَكْرُوْبٍ فَيُفَرَّجُ عَنْهُ؟ فَلَا يَبْقَى مُسْلِمٌ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ إِلَّا زَانِيَةً تَسْعَى بِفَرْجِهَا أَوْ عَشَّارًا .

’’آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی سوال کرنے والا جسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی پریشان حال جس کی پریشانی دُور کی جائے؟ لہٰذا جو کوئی مسلمان بندہ اس لمحے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے سوائے اس بدکار عورت کے جو اس لمحے بھی بُرائی کے لیے گھوم رہی ہو اور ٹیکس لینے والا (ان دو افراد کی دعا کو ان لمحات میں بھی قبول نہیں فرماتا)

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج۹، ص۵۱، رقم ۸۳۹۱، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، ج۱۰، ص۲۳۵، رقم ۱۷۲۴۵)

۸) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

’’ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

’’رات کا وہ کون سا حصہ ہے جس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں؟‘‘

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَللَّيْلُ الْآخِرُ .

’’رات کا آخری حصہ (یعنی اگر رات کے دو حصے کر لیں تو دوسرا آخری والا حصہ‘‘

(المعجم الصغیر للطبرانی، ج۱، ۲۲۲، رقم ۳۵۵، مسند ابی یعلی موصلی، ج۱۰، ص۳۸، رقم ۵۶۸۲، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، ج۱۰، ص۲۳۸، رقم ۱۷۲۵۲)

۹) حضرت سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِيْ أَرْبَعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ الْتِقَاءِ الصُّفُوْفِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعِنْدَ نُزُوْلِ الْغَيْثِ وَعِنْدَ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَعِنْدَ رُؤْيَةِ الْكَعْبَةِ .

’’چار وقتوں میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔

۱) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے جب لڑائی میں مصروف ہوں۔

۲) بارش کے وقت

۳) نماز کے لیے اقامت کہے جانے کے وقت

۴) خانہ کعبہ کی زیارت کے وقت

(المعجم الکبیر للطبرانی، ج۸، ص۱۹۹، رقم ۷۷۱۳.....۷۷۱۹، کنز العمال للمتقی ج۲، ص۱۵۸، رقم ۳۳۴۴، مجمع الزوائد مع بغیۃ الرائد للھیثمی، ج۱۰، ص۲۳۸، رقم ۱۷۲۵۳)

۱۰) حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثُ سَاعَاتٍ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ مَادَعَا فِيْهِنَّ إِلَّا اسْتُجِيْبَ لَهُ مَا لَمْ يَسْأَلْ قَطِيْعَةَ رَحِمٍ أَوْ مَأْثَمًا حِيْنَ يُؤَذِّنُ الْمُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ حَتّٰى يَسْكُتَ وَحِيْنَ يَلْتَقِي الصَّفَّانِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا وَحِيْنَ يَنْزِلُ الْمَطَرُ حَتّٰى يَسْكُنَ .

’’تین لمحات ایسے ہیں کہ بندۂ مسلم اس میں جو بھی دعا کرتا ہے، قبول کی جاتی ہے بشرطیکہ وہ قطع رحمی اور کسی گناہ کی دعا نہ کرے۔

۱) جب مؤذن نماز کے لیے اذان کہے حتیٰ کہ وہ مکمل ہو جائے۔

۲) جس وقت (مسلمان اور کافر) جہاد میں مصروف ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ فرمادے۔

۳) جس وقت بارش برس رہی ہو حتیٰ کہ وہ رُک جائے۔

(تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ للھیثمی، ج۳، ص۴۱۹، رقم ۴۲۳۶، کنز العمال للمتقی، ج۲، ص۱۵۸، رقم ۳۳۳۵، فیض القدیر للمناوی، ج۳، ص۳۰۳، رقم ۳۴۶۲)

۱۱) حضرت سیّدنا عطا علیہ الرحمہ سے روایت ہے:

ثَلَاثُ خِلَالٍ تُفْتَحُ عِنْدَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَتَحَرَّوا الدُّعَاءَ

عِنْدَهُنَّ: عِنْدَ الْاَذَانِ وَعِنْدَ نُزُوْلِ الْغَيْثِ وَعِنْدَ اِلْتِقَاءِ الزَّحْفَيْنِ ۔

''تین لمحات ایسے ہیں جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تو ان لمحات میں بطورِ خاص دعائیں مانگا کرو۔

۱) اذان کے وقت (۲) بارش برسنے کے وقت (۳) جہاد کے دوران دو گروہوں (مسلمان اور کافر) کے لڑائی میں مصروف ہونے کے وقت

(اسے امام سعید بن منصور علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے)

۱۲) حضرت سیّدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا فَاءَتِ الْاَفْيَاءُ وَهَبَّتِ الْاَرْوَاحُ فَارْفَعُوْا اِلَى اللهِ حَوَائِجَكُمْ فَاِنَّهَا سَاعَةُ الْاَوَّابِيْنَ ۔

''جس وقت سائے لپیٹ لیے جائیں اور ہوائیں چلنے لگیں (اس سے مراد بعد زوال یا عصر کا وقت ہے) تو اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتوں کو طلب کرو کہ بے شک یہ توبہ (قبول) کیے جانے والوں کی گھڑی ہے''۔

(المصنف لامام الرزاق الصنعانی' ج ۳' ص ۶۷' رقم ۴۸۱۸' کنز العمال للمتقی' ج ۲' ص ۱۶۳' رقم ۳۳۴۹' تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ للہیثمی' ج ۳' ص ۴۱۹' رقم ۴۲۳۵)

۱۳) حضرت سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ (ایک نسخہ میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما لکھا ہے) سے روایت ہے:

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ كَبِدِ السَّمَاءِ قَدْرَ مِنْ اَفْضَلِ الدُّعَاءِ اَلدُّعَاءُ يَوْمُ عَرَفَةَ ۔

''دعاؤں میں سب سے افضل ترین ''یومِ عرفہ'' کی دعا ہے (یعنی حاجی ایامِ حج میں وقوفِ عرفہ کے وقت جو دعائیں مانگتے ہیں وہ مراد ہیں یا پھر جو بھی شخص عرفہ کے دن کہیں بھی دعا مانگے وہ مراد ہے)

(الموطا لامام مالک' کتاب الحج' باب جامع الحج' ج ۱' ص ۴۲۲' رقم ۲۴۶' المصنف لامام عبدالرزاق

الصنعانی' ج ۴' ص ۳۷۸' رقم ۸۱۲۵' شرح السنۃ للبغوی' ج ۷' ص ۱۵۷' رقم ۱۹۲۹' الاستذکار لابن عبدالبر' ج ۸' ص ۱۵۵' رقم ۴۷۴)

۱۴) حضرت سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَمْسُ لَيَالٍ لَا تُرَدُّ فِيْهَا دَعْوَةٌ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَجَبٍ وَلَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلَيْلَةُ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتَا الْعِيْدَيْنِ ۔

''پانچ راتیں ایسی ہیں کہ ان میں دعائیں رد نہیں ہوتیں:

۱) ماہِ رجب کی پہلی رات

۲) پندرہ شعبان کی رات

۳) جمعہ کی رات

۴) عیدالفطر کی رات

۵) عیدالاضحیٰ کی رات

اسے امام دیلمی علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے نیز حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مرفوع حدیث کو امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ نے اپنی مصنف میں اور بیہقی علیہ الرحمہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

(مسند الفردوس للدیلمی' ج ۲' ص ۱۹۶' رقم ۲۹۷۵' فیض القدیر للمناوی' ج ۳' ص ۴۵۴' رقم ۳۹۵۲' تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر' ج ۱۰' ص ۴۰۸' رقم ۲۶۰۴)

۱۵) حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اِنَّ الدُّعَاءَ يُسْتَجَابُ فِيْ خَمْسِ لَيَالٍ ۔

''پانچ راتیں ایسی ہیں کہ ان میں دعائیں قبول ہوتی ہیں''۔

اس کے بعد آپ نے مذکورہ حدیث کی مثل بیان فرمایا اسے امام بیہقی علیہ الرحمہ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ (ایضاً)

۱۶) حضرت سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے

رمضان میں ایک دن ارشاد فرمایا:

أَتَاكُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ شَهْرُ بَرَكَةٍ فِيْهِ تَنْزِلُ الرَّحْمَةَ وَتَحُطُّ الْخَطَايَا وَيُسْتَجَابُ الدُّعَاءَ .

''تمہارے پاس رمضان برکتوں والا مہینہ آ گیا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس مہینے میں (اپنی رحمتوں سے) نوازتا ہے اس لیے وہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے تمہارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور تمہاری دعائیں قبول کرتا ہے''۔

(مجمع الزوائد للہیثمی، کتاب الصیام، باب فی شھور البرکۃ، ج ۳، ص ۳۴۴، رقم ۴۷۸۳، الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب الصوم، ج ۱، ص ۴۲۸، رقم ۱۴۳۶، تفسیر الدر المنثور للسیوطی، ج ۲، ص ۲۲۷، تحت آیت: البقرۃ: ۱۸۵)

۱۷) حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ذَاكِرُ اللّٰهِ فِيْ رَمَضَانَ مَغْفُوْرٌ لَهٗ وَسَائِلُ اللّٰهِ فِيْهِ لَا يَخِيْبُ .

''رمضان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اس مہینے میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والوں کو نامراد نہیں لوٹایا جاتا''۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، ج ۶، ص ۱۹۵، رقم ۶۱۷۰، مجمع البحرین للہیثمی، ج ۳، ص ۹۴، رقم ۱۴۸۳، مسند الفردوس للدیلمی، ج ۲، ص ۲۴۲، رقم ۱۳۴۱، تفسیر الدر المنثور للسیوطی، ج ۲، ص ۲۲۵، تحت آیت: البقرۃ ۱۸۵)

۱۸) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَعَ كُلِّ خَتْمَةٍ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ (واخرجه بلفظ آخر) عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْآنِ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَشَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ .

''ختم (قرآن) کے وقت ایک مقبول دعا ہوتی ہے (ایک اور روایت میں الفاظ یوں ہیں) کہ ہر ختم قرآن پر ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور جنت میں ایک درخت (اس کے لیے لگایا جاتا) ہے (یعنی تلاوتِ قرآن پاک کا ختم مکمل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو ایک دعا کی اجازت دی جاتی ہے

اس میں وہ جو بھی بھلائی مانگے قبول کی جاتی ہے)''

(شعب الایمان للبیہقی، ج ۳، ص ۴۳۴، رقم ۱۹۱۹/۱۹۲۰، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم، ج ۷، ص ۲۶۰، تقریب البغیۃ بترتیب احادیث الحلیۃ للہیثمی، ج ۲، ص ۴۱۰، رقم ۲۵۹۵)

۱۹) حضرت سیّدنا (ابوبکر) ایوب (بن ابی تمیمۃ کیسان) سختیانی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا: ہمیں بیان کیا گیا ہے: ''(سورۂ رحمٰن کی) اس آیت: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ . کی تلاوت کے وقت کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے''۔

اسے امام ابوبکر بن ابیض علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے۔

۲۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (ایک نسخہ میں سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا فُتِحَ عَلَى الْعَبْدِ الدُّعَاءُ فَلْيَدْعُ رَبَّهٗ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَسْتَجِيْبُ لَهٗ .

''جب بندے کو دعا کرنے کا موقع ملے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے رب جل جلالہ سے دعا مانگے بے شک اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول فرمائے گا''۔

(نوادر الاصول لحکیم الترمذی، ج ۱، ص ۶۲۷، رقم ۸۸۰، جمع الجوامع للسیوطی، ج ۱، ص ۴۵۳، رقم ۲۲۳۴، کنز العمال للمتقی، ج ۲، ص ۸۸، رقم ۳۱۳۱)

۲۲) حضرت سیّدنا (ابوالمنازل) خالد الحذاء (بن مہران تابعی) علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

إِذَا وَجَدْتُمْ قُشَعْرِيْرَةً وَدَمْعَةً فَادْعُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ .

''جب تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور آنسو بہنے لگیں تو اس لمحے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو''۔

(کتاب الزہد للامام احمد، باب من مواعظ عیسیٰ علیہ السلام، ص ۵۲، رقم ۳۳۴)

۲۳) حضرت سیّدنا ابورہم سمعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ مِمَّا يُسْتَجَابُ (بِهٖ) عِنْدَهُ الدُّعَاءَ الْعُطَاسُ .

Scanned with CamScanner

''چھینک کے وقت دعا قبول ہوتی ہے''۔

اسے امام طبرانی علیہ الرحمۃ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۴) حضرت ابوادریس خولانی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّكَ تُجَالِسُ قَوْمًا لَا مُحَالَةَ يَخُوْضُوْنَ فِي الْحَدِيْثِ فَاِذَا رَأَيْتَهُمْ غَفَلُوْا فَارْغَبْ اِلٰى رَبِّكَ عِنْدَ ذٰلِكَ رَغَبَاتٍ ۔

''بے شک تم ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہو جو فضول گوئی میں غرق ہوتے ہیں۔ پس جب تم انہیں غفلت میں دیکھو تو اپنے رب جل جلالہ کی طرف دعا میں رغبت کرو''۔ ولید نے کہا:

''میں نے یہ بات حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا:

''ہاں ایسا ہی ہے اور مجھ سے حضرت ابوطلحہ حکیم بن دینار نے بیان کیا کہ انہیں بیان کیا گیا تھا اس لمحے کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے اور کہا گیا کہ جب تم لوگوں کو غفلت میں دیکھو تو اپنے رب کی طرف دعا میں رغبت کرو''۔

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لامام ابی نعیم ج ۱ ص ۲۳۶)

۲۵) حضرت سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ اِلَى اللّٰهِ حَاجَةٌ فَلْيَدْعُ بِهَا دُبُرَ (كُلِّ) صَلَاةٍ مَفْرُوْضَةٍ ۔

''جسے کوئی حاجت درپیش ہو تو اسے چاہیے کہ وہ فرض نماز کے بعد دعا مانگے''۔

(تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۵ ص ۴۱۵ رقم ۱۳۲۵ ج ۱۲ ص ۱۱۴ رقم ۲۹۱۴ کنز العمال للمتقی ج ۲ ص ۱۷۴ رقم ۳۳۷۹)

۲۶) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا وَسَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِيْهِ مِنَ الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ ۔

''مجھے رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا رکوع کی حالت میں تم اپنے رب کی کبریائی بیان کرو اور سجدے کی حالت میں بکثرت دعا مانگا کرو پس یہ دعائیں اس لائق ہیں کہ مقبول ہو جائیں''۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب النھی عن قرأۃ القرآن فی الرکوع والسجود، ص ۲۲۰، رقم ۴۷۹، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الدعا فی الرکوع والسجود، ۱۵۴، رقم ۸۷۶)

(178)

مال و دولت کا بہترین استعمال

حضرت سیّدنا ابو حسین احمد بن حسین واعظ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

''ابو عبداللہ بن ابو موسیٰ ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک یتیم بچے کے دس ہزار دینار امانت رکھے گئے انہیں تنگ دستی نے آلیا اور نوبت فاقوں تک پہنچنے لگی بالآخر مجبور ہو کر امانت رکھی ہوئی رقم اپنے استعمال میں لے آئے جب یتیم بچہ بڑا ہو گیا تو سلطان نے حکم دیا کہ اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے''۔

حضرت سیّدنا ابو موسیٰ ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب مجھے یہ حکم ملا تو میں بہت پریشان ہوا' زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہونے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کہاں جاؤں اور کس طرح رقم کی ادائیگی کروں۔ اسی پریشانی کے عالم میں صبح صبح گھر سے نکلا اور اپنے خچر پر سوار ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں ''کرخ'' جاؤں شاید کوئی راہ نکل آئے۔ میں بے خیالی کے عالم میں اپنے خچر پر سوار نہ جانے کس سمت جا رہا تھا بالآخر میرا خچر ''سلولی'' کی سمت جانے والے راستہ پر چلتا ہوا حضرت سیّدنا دعلج بن احمد علیہ الرحمہ کی مسجد کے دروازے کے پاس رُک گیا۔ میں نیچے اُترا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ فجر کی نماز میں نے حضرت سیّدنا دعلج بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں ادا کی۔ نماز کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ میری طرف آئے' مجھے خوش آمدید کہا اور اپنے گھر لے گئے۔ ہم ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ایک لونڈی بہترین دستر خوان لے آئی پھر ہریسہ (یعنی گوشت اور کوٹی ہوئی گندم ملا کر پکایا ہوا

سالن) لے آئی۔ حضرت سیّدنا دعلج بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''کھائیے! میں نے بجھے بجھے دل سے چند لقمے کھائے''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے میری یہ حالت دیکھی تو فرمایا:

''آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہے اور اتنے پریشان کیوں ہیں؟''

میں نے انہیں سارا واقعہ بتا دیا اور کہا:

''اب میں پریشان ہوں کہ اتنا مال کہاں سے لاؤں؟''

میری روداد سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''آپ بے فکر ہو کر کھانا کھائیں' آپ کی حاجت پوری کر دی جائے گی''۔

پھر انہوں نے میٹھا منگوایا ہم نے مل کر کھانا کھایا پھر ہاتھ دھوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لونڈی سے فرمایا: ''فلاں کمرے کا دروازہ کھولو''۔

جیسے ہی دروازہ کھلا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں بہت سے تھیلے اور دیناروں سے بھرے ہوئے کافی سارے ٹوکرے رکھے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے کچھ تھیلے لے آئے' میرے سامنے لا کر کھولے تو وہ دیناروں سے بھرے ہوئے تھے پھر غلام کو حکم دیا کہ ترازو لے آؤ۔ غلام ترازو لے آیا اور دس ہزار دینار وزن کر کے تھیلیوں میں بھر دیئے گئے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''رقم لے جائیے اور اپنا قرض ادا کیجئے''۔

میں نے احسان مندانہ انداز میں کہا: ''آپ کی یہ رقم مجھ پر قرض ہے' میں یہ ضرور واپس کروں گا''۔

پھر میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے چلا آیا۔ گھر پہنچ کر سبز عمدہ چادر اوڑھی' خچر پر سوار ہوا اور بادشاہ کے دربار پہنچ کر بڑے پُروقار انداز میں کہا:

''میرے متعلق لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ میں یتیم کا مال کھا کر بھاگ گیا ہوں۔ یہ دیکھیے یہ سارا مال حاضر خدمت ہے''۔

یہ دیکھ کر بادشاہ نے قاضی' گواہ اور تمام ریکارڈ طلب کیے پھر تمام مال اس یتیم کو ادا کر دیا پھر میری تعریف کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور مجھے گھر آنے کی اجازت دے دی۔

Scanned with CamScanner

جب میں گھر پہنچا تو ایک رئیس زادے نے مجھے بلایا اور کہا:

''میں اپنی زمین تجھے ٹھیکے پر دیتا ہوں اس سے جو فصل ہوگی، ہم ایک مقررہ مقدار میں آپس میں تقسیم کرلیں گے، کیا تم راضی ہو؟''

میں نے ہاں کردی اور زمین کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ایک سال پورا ہوا تو میں نے فصل اس کے حوالے کردی اسے اس سال کافی نفع ہوا، میں نے تین سال کے لیے اس کی زمین لی تھی، تین سال بعد جب میں نے حساب لگایا تو میرے حصے میں تیس ہزار دینار آئے۔ میں نے دس ہزار دینار لیے اور حضرت سیّدنا دعلج بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف چل دیا۔

صبح کی نماز ان کی اقتداء میں ادا کی۔ نماز کے بعد وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، دسترخوان بچھایا گیا اور ہمارے سامنے ''ہریسہ'' رکھ دیا گیا۔ میں نے اطمینان اور خوش دِلی سے کھانا کھایا جب فراغت پاچکے تو حضرت دعلج بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''آپ کا کیا حال ہے اور کیا خبر ہے؟''

میں نے کہا: ''اللہ کے فضل و کرم اور آپ کے تعاون سے میں نے تمام قرضہ اُتار دیا اور اس وقت میری ملکیت میں تیس ہزار دینار ہیں جو دس ہزار دینار میں نے آپ سے قرض لیے تھے وہ واپس کرنے آیا ہوں''۔

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''سبحان اللہ! اللہ کی قسم! جس وقت میں نے رقم دی تھی تو اس نیت سے نہ دی تھی کہ واپس لوں گا۔ جائیے! اور یہ تمام رقم اپنے بچوں پر خرچ کیجیے''۔

میں نے حیران ہوکر پوچھا: ''اے شیخ رحمۃ اللہ علیہ! آخر اتنا مال آپ کے پاس کہاں سے آیا کہ آپ دس ہزار دینار مجھے ہدیہ دے رہے ہیں؟''

فرمایا: ''بات دراصل یہ ہے کہ میں نے چھوٹی عمر میں قرآنِ کریم حفظ کرلیا تھا پھر احادیثِ کریمہ یاد کیں اس طرح میں مشہور ہوگیا پھر مجھے ایک بہت مال دار بحری تاجر ملا اس نے مجھ سے پوچھا: ''کیا تم ہی دعلج بن احمد ہو؟'' میں نے کہا: ''ہاں!'' تو وہ کہنے لگا:

''میں چاہتا ہوں کہ اپنا مال تمہیں دوں تاکہ تم اس کے ذریعے تجارت کرو۔ اللہ رب العزت ہمیں جو بھی نفع دے گا وہ ہم دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا پھر میرے مال سے مزید تجارت کرتے رہنا''۔

پھر اس نے ہزار ہزار درہم کی تھیلیاں دیتے ہوئے کہا:

''یہ سارا مال اپنے پاس رکھو اور تجارت شروع کردو اور یہ مزید کچھ رقم رکھو جہاں تم دیکھو کہ خرچ کرنا مناسب ہے بلاجھجک خرچ کرنا اور جو تمہیں مستحق نظر آئے اسے دے دینا''۔

چنانچہ میں نے تجارت شروع کردی۔ جتنا نفع ہوتا میں اس میں سے نصف اسے بھجوا دیتا اور وہ اتنا ہی مال مزید اس میں شامل کرکے واپس میری طرف بھیج دیتا اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ معاہدے کا آخری سال آیا تو وہ تاجر میرے پاس آیا اور کہا:

''میں اکثر سمندری سفر میں رہتا ہوں۔ بے شک مجھے بھی موت آنی ہے جو وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے وہ ضرور مجھ پر بھی آئے گا۔ یہ سارا مال تم رکھ لو اس میں سے صدقہ کرو، مساجد بناؤ اور خیر کے کاموں میں خرچ کرو''۔

اتنا کہا اور بے انتہا مال چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ بس اس طرح میرے پاس یہ سارا مال آیا اور میں اسے ایسے ہی نیک کاموں میں خرچ کرتا ہوں۔ سارا واقعہ سنانے کے بعد حضرت سیّدنا دعلج بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے ابوموسیٰ! جب تک میں زندہ ہوں تب تک یہ بات کسی کو نہ بتانا''۔

(عیون الحکایات)

Scanned with CamScanner

(179)

دربارِ رسالت مآب ﷺ میں تین طلبہ

امام طبرانی، علامہ ابن المقری امام ابوالشیخ یہ تینوں شیخ آسمان حدیث پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں، ان تینوں پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی زمانہ میں مدینہ منورہ کی درس گاہ حدیث میں پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان تینوں ہونہار طلبہ پر مفلسی کا ایسا حملہ ہوا کہ ایک دانہ بھی کھانے کے لیے ان تینوں کے پاس نہیں رہا۔ روزہ پر روزہ رکھتے رہے مگر جب بھوک کی شدت نے بالکل ہی مضطرب کر دیا اور طاقت جواب دینے لگی تو ان تینوں نے رحمتِ عالم ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر فریاد کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ بھوک سے بے تاب ہیں۔ یہ عرض کر کے امام طبرانی تو آستانہ مبارک پر ہی بیٹھ رہے اور کہا: اس در پر یا موت آئے گی یا روزی۔ اب یہاں سے نہیں اُٹھوں گا مگر ابن المقری اور ابوالشیخ لوٹ کر اپنا قیام گاہ پر چلے آئے تھوڑی دیر کے بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، دونوں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو یہ نظر آیا کہ علوی خاندان کے ایک برگزیدہ بزرگ دو غلاموں کے ساتھ کھانا لے کر تشریف فرما ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ آپ لوگوں نے دربارِ رسول ﷺ میں بھوک کی شکایت کی تو رحمتِ دوعالم ﷺ نے ابھی ابھی مجھے خواب میں اپنی زیارت سے مشرف فرما کر حکم فرمایا: آپ لوگوں کے پاس کھانا پہنچا دوں چنانچہ جو کچھ بروقت ہو سکا حاضر ہے اس کو آپ لوگ قبول فرما لیجیے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۷۲)

مذکورہ بالا واقعہ میں چند نہایت ہی عبرت خیز اور رقت انگیز نتائج کی تجلیاں ہیں:

۱) علماء سلف تحصیلِ علم میں اس طرح پروانہ وار جدوجہد فرماتے تھے کہ فقر و فاقہ اور بھوک و پیاس کی حوصلہ شکن مصیبتیں بھی ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہیں کر سکتی تھیں نہ

جیب میں ایک پیسہ ہوتا تھا نہ جھولی میں روٹی کا ایک ٹکڑا فاقہ کرتے تھے مگر علم کی تلاش میں پاپیادہ سفر کرتے رہتے تھے۔ بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑتے بلکہ بعض اوقات بے ہوش بھی ہو جاتے مگر پھر بھی کسی سے سوال نہیں کرتے تھے اور احادیث لکھتے اور یاد کرتے رہتے تھے۔ اللہ رے تشنگان علم کی پیاس اور عاشقانِ علم کا جوش و خروش اے زمین بتا دے؟ اے آسمان بول؟ کیا تم نے اس دور میں بھی کسی طالبِ علم کے اندر جوش و خروش اور ہوشربا جدوجہد کا یہ جذبہ دیکھا ہے:

دو قدم چلنے کی بھی نہیں طاقت مجھ میں
عشق کھینچے لیے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

اس واقعہ نے اس مسئلہ کو بھی حل کر دیا کہ علمِ دین کے ان پہاڑوں اور ملتِ اسلامیہ کے ان مضبوط ستونوں نے جن کے علم و عمل صالح کی مثال دورِ حاضر کے مولویوں نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ حل مشکلات کے لیے رحمتِ عالم کے مقدس دربار سے بڑھ کر کسی در کو نہیں سمجھا اسی لیے بھوک پیاس کی مصیبت کو ٹالنے کے لیے ان برگزیدہ بزرگوں نے یارسول اللہ ﷺ! کا نعرہ لگا کر دربارِ رسالت میں استغاثہ پیش کیا اور دفع بلیات و حل مشکلات کے لیے رحمتِ عالم ﷺ سے استعانت کی اور مدد مانگی۔ روضۂ اقدس پر کھڑے ہو کر دونوں عالم کے داتا سے کھانا طلب کیا کہاں ہیں؟ وہ بدعقیدہ ملا جو اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ راگ الاپتے پھرتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگانا اور رسولِ خدا ﷺ سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگنا شرک ہے للہ! وہ ہمیں بتائیں کہ امام طبرانی، ابن المقری، ابوالشیخ نے جو مسجد نبوی میں مصلّٰی پر بیٹھ کر خدا سے کھانا پانی مانگا تو کیا ان علم و عمل کے قدسی صفت بزرگوں نے مدینۃ الرسول میں مسجد نبوی کے اندر شرک کیا توبہ نعوذ باللہ! اگر آسمان اُمت کے ان ستاروں کو شرک کا مرتکب کہا جائے تو پھر وہ کون لوگ ہوں گے جنہیں ہم مسلمان کہہ سکیں گے؟

پھر غور کیجیے کہ دربارِ رسول ﷺ میں فریاد و استعانت کرتے ہی رحمتِ عالم کا دریائے رحمت اس طرح جوش میں آ گیا کہ اپنے ایک فرزند کو خواب میں حکم دے کر فوراً ہی کھانا عطا

فرمادیا۔ یہ کھلی ہوئی دلیل ہے کہ رحمتِ عالم باذن اللہ اپنی اُمت کے حاجت روا' مشکل کشا' دافع البلاء ہیں اسی لیے علمائے حق کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باذن اللہ اپنا حاجت روا جان کر دین و دنیا کی تمام حاجتیں اور مرادیں طلب کرنا' استمعداد و استعانت کرنا یقیناً جائز اور درست ہے اور یہی اکابر علمائے اُمت اور صوفیائے ملت کا معمول ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ ''لا'' ہے نہ حاجت ''اگر'' کی ہے

درحقیقت ایمان کی بات بھی یہی ہے کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب کے دستِ کرم میں عطا فرمادی ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے:

اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ ۔

''زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کردی گئی ہیں''۔ اور

اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ ۔

''اللہ تعالیٰ ہر نعمت کا دینے والا ہے اور میں ہر نعمتِ خداوندی کا تقسیم کرنے والا ہوں''۔

پھر بھلا وہ کون سی نعمت اور دولت ہے جو در رسول سے نہیں مل سکتی؟ راز آلہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

در رسول سے اے رازؔ کیا نہیں ملتا
کوئی پلٹ کے نہ خالی گیا مدینے سے

(180)

مرحومین کو ثواب پہنچانا

منقول ہے کہ سمرقند میں ایک آدمی تھا' وہ بیمار ہوگیا اس نے نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ اس کو شفا دے تو وہ جمعہ کے دن کے اپنے تمام کاموں کو اپنے ماں باپ کے واسطے صدقہ کرے گا چنانچہ وہ مدت دراز تک زندہ رہا اور ایسا ہی کرتا رہا حسب اتفاق ایک جمعہ کو وہ تمام دن پھرا لیکن اس کو کوئی چیز ایسی نہیں ملی کہ صدقہ کرے اس نے کسی عالم سے فتویٰ پوچھا۔ عالم نے اس سے کہا: ''گھر سے نکلو اور تربوز کا چھلکا تلاش کرو پھر اس کو پانی سے دھو اور جس راستہ سے گاؤں والے آتے جاتے ہیں اس چھلکے کو ان کے گدھوں کے سامنے ڈال دو اور ان کا ثواب اپنے ماں باپ کو بخشو۔ پس تم نذر سے بری الذمہ ہو جاؤ گے''۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اس نے شب شنبہ کو اپنے والدین کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے معانقہ کیا اور کہا:

''اے ہمارے لڑکے نیکی کے جتنے طریقے تھے' تم نے ہمارے ساتھ ان سب کو برتا یہاں تک کہ تم نے ہم کو تربوز بھی کھلایا۔ ہم اس کی خواہش رکھتے تھے۔ خدا تم سے راضی ہوا امیر خراسان نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا تو اس سے کہا:

''اے میرے پیارے بیٹے! جب تم گوشت کھاؤ تو اس میں سے ہم کو بھی کھلاؤ اس کی صورت یہ ہے کہ گوشت کو بلیوں اور کتوں کے سامنے ڈال دیا کرو اور اس کا ثواب ہمارے واسطے بخشو کیونکہ میں اس کی خواہش رکھتا ہوں اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہر جمعرات میں روحیں اپنی منزل میں جمع ہوتی ہیں اور زندہ لوگوں کی دعا اور ان کے صدقوں کی امید رکھتی ہیں۔ (قلیوبی)

(181)

دشمن کی دُور اندیشی

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک لشکر ان کی سپہ سالاری میں روانہ ہوا اور سب مجاہدینِ اسلام اسکندریہ میں خیمہ زن ہوئے۔ اسکندریہ کے بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ اپنے لشکر سے کوئی سمجھ دار آدمی بھیجیں جو مجھ سے گفتگو کر سکے۔ میں نے تبادلہ خیال کے لیے خود ہی جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ گفتگو کے بعد بادشاہ نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''تمہارے پیغمبر کا کہنا بالکل سچ ہے' تمہارے پیغمبر ہی کی طرح ہم لوگوں میں بھی پیغمبروں کی بعثت ہوتی رہی تھی۔ ہم ان کی تعلیمات پر برابر گامزن رہے لیکن آگے چل کر ہمارے درمیان ایسے ایسے بادشاہوں کا ظہور ہوا جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو فرسودہ قرار دے کر نفسانی خواہشات کو بروئے کار لانا اپنا شیوہ اور مقصدِ زندگی بنا لیا۔ نتیجتاً ہم ثریا کی بلندی سے ذلت و رسوائی کے عمیق گڑھے میں جا گرے اور دوسری قومیں ہم پر چڑھ دوڑیں لہٰذا اگر تم لوگ اپنے پیغمبر (محمد ﷺ) کی روشن تعلیمات کو گلے سے لگائے رکھو گے تو تم سے جنگ مول لینے والا ہر کوئی شکست و ریخت سے دوچار ہوگا اور تم اس پر ہمہ وقت فتح و کامرانی کا پرچم لہراتے رہو گے اور جو کوئی بھی تم سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا اس کا تاج تمہارے جوتوں کی ٹھوکروں کی زینت بنے گا لیکن جب تم بھی اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو فراموش کر کے ہماری فہرست میں شامل ہو جاؤ گے اور ہماری ہی طرح اپنی خواہشات کے پجاری بن جاؤ

گے تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان راستہ خالی ہو جائے گا اور اس وقت تم مسلمان لوگ ہم سے نہ تو تعداد میں زیادہ ہو گے اور نہ ہی قوت و سطوت میں''۔ مسلمانوں کے سالار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ گفتگو سن کر کہا:

فَمَا كَلَّمْتُ رَجُلًا أَذْكَرَ مِنْهُ . أَيْ أَدْهٰى مِنْهُ .

''میں نے اس سے بڑھ کر معاملہ فہم و ہوشیار آدمی سے کبھی بات نہیں کی''۔

(حیات الصحابہ ۵/۳۷۶)

(182)

حضرت احمد حضرویہ اور ایک چور

رات میں آپ کے یہاں چور آ گیا۔ درویش کی کٹیا میں کیا رکھا ہوتا ہے جب کوئی ظالم کسی شریف آدمی کے زندگی بھر کے اندوختہ اور خون پسینہ کی کمائی اور پونجی پر ہاتھ صاف کرنے لگے تو کون اسے معاف کرتا ہے' کون اسے گلے لگاتا ہے' کون اس کے ساتھ شفقت و نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ شریف سے شریف آدمی کا بھی بس چلے تو اسے زندہ نہ جانے دے مگر صوفیاء نے اپنے بدخواہوں' اپنے ساتھ زیادتی کرنے والوں اور گھر کی چیزوں کو اُڑا لے جانے والوں کے ساتھ بھی انتہائی نرمی اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے زرخرید غلاموں کی مانند بن گئے۔

کافی تلاش کے بعد جب خالی ہاتھ جانے لگا تو آپ نے فرمایا: ''خالی ہاتھ نہ جاؤ' کسی کو خالی ہاتھ لوٹانا درویش کی شان کے خلاف ہے۔ میرے ساتھ رات بھر عبادت کرو اور اس کا جو صلہ مجھے ملے گا وہ میں تمہیں عطا کر دوں گا''۔

چنانچہ وہ رات بھر آپ کے ہمراہ مشغولِ عبادت رہا اور صبح کو جب کسی دولت مند نے بطورِ نذرانہ سو دینار بھیجے تو آپ نے اس چور کو دیتے ہوئے فرمایا:

''یہ تو صرف ایک شب کی عبادت کا معاوضہ ہے۔ چور کے دل کی کایا پہلے ہی پلٹ چکی تھی''۔

یہ سن کر اس نے کہا: ''صد حیف میں نے آج تک اس خدا کو فراموش کیے رکھا جس کی ایک رات عبادت کرنے کا یہ صلہ ملتا ہے پھر توبہ کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گیا اور بہت بلند مراتب حاصل کیے''۔ (شیخ عطار: تذکرۃ الاولیاء (اردو) ص ۱۶۸)

(183)

ایک عارفہ کا عارفانہ کلام

حضرت سیّدنا احمد بن محمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت سیّدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ایک مرتبہ دورانِ سفر ایک عورت نے مجھ سے پوچھا:

''تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟'' میں نے کہا: ''میں پردیسی ہوں''۔ بولی:

''افسوس ہے تم پر! اللہ رب العزت کے ہوتے ہوئے بھی تمہیں اجنبیت محسوس ہو رہی ہے' وہ پاک پروردگار تو کمزوروں اور غریبوں کا مونس و مددگار ہے''۔ یہ سن کر میں رونے لگا اس نے کہا: ''تمہیں کون سی چیز رُلا رہی ہے؟''

میں نے کہا: ''میرے زخمی دل پر مرہم رکھ دی گئی ہے اب میں جلدی نجات پا جاؤں گا''۔

کہا: ''اگر تو اپنی بات میں سچا ہے تو پھر رویا کیوں؟''

میں نے کہا: ''کیا سچا شخص روتا نہیں؟''

کہا: ''نہیں! کیونکہ آنسو بہہ جانے کے بعد دل کو سکون مل جاتا ہے''۔

اس کی اس بات نے مجھے تعجب میں ڈال دیا پھر وہ کہنے لگی:

''تم اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو؟''

میں نے کہا: ''مجھے تمہاری باتوں سے بہت تعجب ہو رہا ہے''۔

کہا: ''کیا تم اپنے زخم کو بھول گئے؟''

میں نے کہا: ''نہیں! میں اپنے زخموں کو نہیں بھولا۔ تم مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ

Scanned with CamScanner

جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے"۔

کہا: "جو فائدہ تجھے حکماء کی باتیں سن کر ہوا کیا وہ تمہارے لیے کافی نہیں؟"

میں نے کہا: "نہیں! میں ابھی نیک باتوں کی طلب سے بے نیاز نہیں ہوا"۔

کہا: "تو نے سچ کہا پس اپنے رب سے سچی محبت کر' اس کا سچا عاشق بن جا' کل بروزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام رحمہم اللہ کو اپنی محبت کے جام پلائے گا تو پھر وہ کبھی بھی پیاس محسوس نہیں کریں گے"۔

میں رونے لگا اور میرے سینے سے گھٹی گھٹی سی آواز آنے لگی پھر وہ عورت مجھے وہیں روتا چھوڑ کر یہ کہتی ہوئی چلی گئی:

"اے میرے آقا! تو کب تک مجھے ایسے گھر میں باقی رکھے گا جہاں میں کسی بھی ایسے شخص کو نہیں پاتی جو رونے میں میرا مددگار ثابت ہو"۔

(184)

قوتِ حافظہ کے واقعات

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں امام محمد کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرا میں تو رات میں نماز پڑھتا رہا اور امام محمد رات بھر بستر پر لیٹے رہے۔ مجھے ان کا یہ طریقہ پسند نہیں آیا پھر وہ صبح کو اُٹھے تو بغیر وضو کیے فجر کی سنتیں پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں نے حیران ہو کر تعجب سے دریافت کیا:

"آپ رات بھر سوتے رہے اور بغیر وضو کے نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے؟" امام محمد نے فرمایا:

"کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں رات بھر سوتا رہا ہوں؟ استغفراللہ میں نے رات ایک ہزار سے زیادہ مسائل قرآن مجید سے استنباط کیے ہیں۔ تم نے رات بھر میں جو نمازیں پڑھی ہیں ان کا فائدہ صرف تمہاری ہی ذات کو پہنچے گا اور میں نے جو عملِ خیر کیا ہے اس کا نفع ساری اُمت کو پہنچے گا اور میں رات بھر بستر پر لیٹا اس لیے رہا کہ مجھے لیٹ کر مسائل کے سوچنے میں زیادہ دلجمعی حاصل رہتی ہے"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حقیقت حاصل سے مطلع ہو کر اپنی بدگمانی پر شرمندہ ہو گئے۔

(روح البیان ج ۵ ص ۱۴۰)

اس تاریخی واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ مجتہدین اُمت وفقہائے ملت نے مسائل کے سوچنے' حل کرنے' ان کی ترتیب وتدوین میں کتنی محنت شاقہ اُٹھائی ہے؟ تب جا کر فقہ کا انمول ذخیرہ ہمارے ہاتھوں میں پہنچا ہے مگر افسوس کہ ہم بدشوق اور کم ہمت طلبہ وعلماء آج

مسائل کو اچھی طرح پڑھ لینے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ نہ علم کا جذبہ، نہ عمل کا شوق، آرام طلبی، تن پروری کا عفریت ہر ایک کے سر پر سوار ہے اور سب کے سب خوش پوشاکی اور تن آسانی کے نشہ میں مست الست بنے بیٹھے ہیں جب طلبہ اور علماء کا یہ حال ہے تو پھر عوام الناس کی غفلت شعاری اور بدکرداری کا کیا عالم ہوگا؟ افسوس! قوم مسلم کا کیا حال ہوگیا؟:

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

☆......منقول ہے کہ جب امام محمد بن حسن شیبانی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں علمِ فقہ پڑھنے کے لیے گئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تم پہلے قرآن مجید حفظ کرلو پھر میرے پاس آجاؤ''۔

چنانچہ امام محمد ایک ہفتہ غائب رہے پھر آٹھویں دن ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی درس گاہ میں حاضر ہوگئے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے تم سے قرآن مجید حفظ کر لینے کو کہا تھا تو پھر یہاں کیوں چلے آئے؟'' امام محمد نے عرض کیا:

''حضورِ والا! میں نے آپ کے حکم کے مطابق قرآن مجید حفظ کرلیا ہے اس لیے حاضر ہوگیا ہوں''۔ (روح البیان ج ۵، ص ۱۴۰)

اس خداداد قوتِ حافظہ کو فضلِ خداوندی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

علمائے سلف میں بہت سے ایسے خوش نصیب ہوئے ہیں جن کی قوتِ حافظہ کو کرامت کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

امام اصمعی کی یادداشت

خلیفہ مامون رشید کا وزیر حسن بن سہیل جب عراق آیا تو اس نے عراقی علماء و ادباء سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی چنانچہ اصمعی، ابوعبیدہ، ابوبکر نحوی وغیرہ بارگاہِ وزارت میں حاضر کیے گئے۔ وزیر نے پہلے تو حاجت مندوں کی پچاس عرضیوں پر دستخط کیے پھر ان علماء کی

طرف متوجہ ہوا۔

جب گفتگو چلی تو دورانِ گفتگو امام زُہری، ابوقتادہ وغیرہ کی بے پناہ قوتِ حافظہ کا ذکر چھڑ گیا کہ لاکھوں احادیث اور لاکھوں اشعارِ عرب ان کو زبانی یاد تھے اور یہ لوگ ایک مرتبہ جو مضمون پڑھ لیتے یا سن لیتے تھے تو وہ عمر بھر کے لیے ان لوگوں کو یاد ہو جاتا تھا۔ یہ سن کر ابوعبیدہ نے کہا:

''وزارتِ مآب! یہ تو ان علمی جواہر پاروں کے تذکرے ہیں جو خزانہ زمین بن چکے اس وقت یہاں اور اسی مجلس میں ایسے ایسے قوتِ حافظہ کے بادشاہ موجود ہیں کہ کسی کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد عمر بھر دوبارہ انہیں اس کتاب کو دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑی اور ایک مرتبہ جو بات ان کی قوتِ حافظہ کے خزانے میں محفوظ ہوگئی پھر کبھی نہیں نکلی''۔ اتنے میں اصمعی بول اُٹھے:

''عزت مآب! یہ میری طرف اشارہ کررہے ہیں، میں بڑے بول کا عادی نہیں لیکن ابوعبیدہ نے میرا پردہ فاش کردیا ہے تو میں اس مجلس میں ان کے دعوے کو اس طرح ثابت کرتا ہوں کہ اگر اجازت ہو تو وزارت مآب نے اب تک جتنی عرضیوں پر دستخط فرمائے ہیں، میں ان سب عرضیوں کا مضمون لفظ بہ لفظ زبانی سنادوں''۔

چنانچہ سب عرضیاں واپس لوٹائی گئیں اور اصمعی نے ایک ایک عرضی کا ترتیب وار پورا پورا مضمون لفظ بہ لفظ زبانی سنانا شروع کردیا اور بتانے لگا کہ فلاں عرضی کے سائل کا نام یہ ہے، کام یہ ہے اور اس پر وزارتِ مآب کا حکم یہ ہے اسی طرح جب وہ چالیس عرضیوں کا مضمون سنا چکے تو حاضرین میں سے ابونصر نے کہا:

''اصمعی! کیا کرتے ہو بس کرو اپنی جان پر رحم کرو کہیں نظر نہ لگ جائے''۔

یہ سن کر وہ چہکتا بلبل خاموش ہوگیا اور حسن بن سہل حیرت و استعجاب کا مجسمہ بن کر بڑی دیر تک اصمعی کا منہ تکتا رہا۔ (علماء سلف ص ۴۴)

Scanned with CamScanner

اعلیٰ حضرت کی قوتِ حافظہ کا کمال

مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس بیان کرتے ہیں:

''میں بریلی میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ مزاج ناساز ہے اور ڈاکٹر نے زیادہ ملاقات کا اور بات کرنے سے منع کر دیا ہے لیکن میں جب پہنچا تو مجھے ملاقات کا شرف بخشا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت نمازِ مغرب پڑھ کر اپنے پلنگ پر رونق افروز ہوئے اور ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے پھر مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اور جناب مولانا حشمت علی صاحب بریلوی اور ایک کوئی اور صاحب تشریف لائے اور پلنگ کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے خطوط کی ایک گڈی حضرت مولانا امجد علی صاحب کو دے کر یہ فرمایا: ''آج تیس خطوط آئے تھے، ایک میں نے کھول لیا ہے۔ یہ انتیس خطوط ہیں، گن لیجیے''۔

انہوں نے گن کر ایک لفافہ کھولا جس میں کئی ورق پر چند سوالات تھے۔ وہ سب کو پڑھ کر انہوں نے اعلیٰ حضرت کو سنائے۔ اعلیٰ حضرت نے پورا خط سن کر جواب تحریر کرنا شروع فرما دیا اور پہلے سوال کے جواب میں ایک فقرہ فرما دیا وہ لکھنے لگے اور لکھ کر کہا: ''جی حضور!''

اعلیٰ حضور نے اس کے آگے کا فقرہ فرما دیا، وہ لکھ کر پھر بولے: ''جی حضور!'' کہتے اور اعلیٰ حضرت اس کے آگے کا فقرہ فرما دیا کرتے اسی جی حضور کہنے کے درمیان ایک دوسرے صاحب نے اپنا خط سنانا شروع کر دیا جب یہ جی حضور کہتے وہ رُک جاتے اور جب یہ فقرہ سن کر لکھنے لگتے تو وہ اپنا خط سنانے لگتے۔ اسی طرح انہوں نے اپنا خط ختم کیا اور ان کو بھی ان کے پہلے سوال کے متعلق جو فقرہ مناسب تھا وہ ارشاد فرما دیا اب دونوں صاحب اپنا اپنا فقرہ لکھ لینے کے بعد جی حضور، جی حضور کہتے اور جواب ملنے پر لکھنا شروع کر دیتے اسی حالت میں ان دو، جی حضور، جی حضور کے درمیان جتنا وقت بچتا اس میں

تیسرے صاحب نے اپنا خط سنانا شروع کر دیا اب چوتھے صاحب نے ان تین جی حضور، جی حضور کے درمیان جو وقت بچتا اس میں اپنا خط سنانا شروع کر دیا اور اس طرح خط سنا کر انہوں نے بھی جواب لکھنا شروع کر دیا اب اسی حالت میں جب کہ چار چار آدمیوں کو مختلف مسائل کے جوابات اعلیٰ حضرت تحریر کرا رہے تھے۔

اتنے میں ایک صاحب نے زبانی کچھ مسائل پوچھنے شروع کر دیئے۔ مجھے ان پر بڑا غصہ آیا کہ اس حالت میں بھلا سوال پوچھنے کا کیا موقع تھا؟ مگر اعلیٰ حضرت کو ذرہ برابر بھی ملال نہیں ہوا اور بہت اطمینان سے ان کے سوالات کا جواب دیتے رہے اس طرح انتیس خطوط کے جوابات اعلیٰ حضرت نے تحریر کرائے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے پسینہ آ گیا کہ میں نے تمام عمر میں کبھی ایسے قوی حافظہ کا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ص ۴۸)

قوتِ حافظہ علم کی جان اور علم کی آفت نسیان ہے۔ جس کا حافظہ جس قدر قوی ہو گا، ظاہر ہے کہ وہ علمی کمال میں بھی اتنا ہی بلند پایہ ہو گا اور جو نسیان کا مریض ہو گا وہ جو کچھ پڑھے گا بھولتا جائے گا پھر اس کو بھلا علمی ترقی کہاں سے نصیب ہو گی اب ان اکابر ملت کی قوتِ حافظہ کے کمال کو دیکھ کر ان کے علمی تبحر اور وسعت معلومات کا اندازہ لگایئے کہ اگر ان بزرگوں کو علوم و معارف کا سمندر کہا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہو گا جو آفتاب سے کہیں زیادہ روشن و تابناک ہے مگر افسوس کہ اس دورِ جہالت میں ان نفوسِ قدسیہ کا دیدار بھلا کب ممکن ہے؟ ہائے رے انقلاب!

رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماویٰ
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ مُلا!

(روحانی حکایات)

نسیان کا علاج

حضرت وکیع بن الجراح محدث سے کسی نے عرض کیا:

''حضرت میرا حافظہ بے حد خراب ہے جو کچھ پڑھتا ہوں، بھول جاتا ہوں۔ میں نسیان کی بیماری سے تنگ آ چکا ہوں اس کا کوئی علاج بتایئے؟''

Scanned with CamScanner

آپ نے فرمایا:

"تم چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے بچو، تمہارا نسیان جاتا رہے گا اور قوتِ حافظہ قوی ہو جائے گی"۔

اس شخص نے فوراً ہی وکیع کی اس نصیحت کو دو شعروں میں قلم بند کر دیا ہے:

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِىْ
فَاَوْصَانِىْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ
وَذٰلِكَ اَنَّ حِفْظَ الْعِلْمِ فَضْلٌ
وَفَضْلُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِىْ

"میں نے حافظہ خراب ہونے کی حضرت وکیع سے شکایت کی تو انہوں نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ تم گناہوں کو چھوڑ دو کیونکہ علم کو حفظ کرنا یہ فضلِ خداوندی ہے اور اللہ کا فضل نافرمان کو نہیں عطا کیا جاتا"۔ (مستطرف ج ۱ ص ۲۱)

قوتِ حافظہ کے لیے دعائیں

اس موقع پر قوتِ حافظہ کی چند مجرب دعائیں بھی تحریر کر دیتا ہوں تا کہ علماء اور طلبہ اس سے فیض یاب ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ سب کو اپنے فضل سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

قرآن مجید یا کتاب پڑھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کریں:

بِسْمِ اللّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ عَدَدَ كُلِّ حَرْفٍ كُتِبَ وَيُكْتَبُ اَبَدَ الْاٰبِدِيْنَ وَدَهْرَ الدَّاهِرِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ . بعض بزرگوں نے فرمایا ہے:

"اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنا پڑھا ہوا ایک حرف بھی فراموش نہ کرے تو وہ اپنا سبق پڑھنے یا کتاب کا مطالعہ شروع کرتے وقت ایک مرتبہ یہ دعا پڑھ لے:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا حِكْمَتَكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ يَاذَاالْجَلَالِ

وَالْاِكْرَامِ .

سیدی شہاب الدین احمد بن موسیٰ بن عُجیل علیہ الرحمہ نے دریافت فرمایا: قوتِ حافظہ کے لیے ہر نماز کے بعد دس مرتبہ یہ دعا پڑھ لے:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ يَارَبَّ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ يَارَبَّ اِبْرَاهِيْمَ يَارَبَّ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلْزِمْنِىْ الْفَهْمَ وَارْزُقْنِىْ الْعِلْمَ وَالْحِكْمَةَ وَالْعَقْلَ بِرَحْمَتِكَ يَااَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ . (مستطرف ج ۱ ص ۲۲)

(185)

پڑھ کر کلمہ مسلماں ہو گیا

بیان کرتے ہیں کہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں دو آتش پرست تھے' ایک دن چھوٹے بھائی نے اپنے بڑے بھائی سے کہا:

"اے بھائی! تم نے آگ کو تہتر برس پوجا ہے اور میں نے اس کو پینتیس برس پوجا ہے۔ آؤ ہم تم دیکھیں کہ آیا یہ ہم کو بھی اسی طرح جلاتی ہے جس طرح ہمارے علاوہ دوسرے کو جلاتی ہے جس نے اس کو نہیں پوجا ہے۔ اگر اس نے ہم کو نہ جلایا تو ہم اس کی پوجا کریں گے ورنہ نہیں"۔

چنانچہ اس نے آگ جلائی' اس کے بعد چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا:

"اب تم اپنا ہاتھ مجھ سے پہلے آگ میں رکھو گے یا تم سے پہلے میں رکھوں؟"

بڑے بھائی نے کہا: "تم ہی رکھو"۔

چنانچہ چھوٹے نے اپنا ہاتھ رکھا اور اس کی انگلی جل گئی اس کے بعد اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا: "آہ! میں نے تجھے اتنے برس پوجا اور تو نے ایذاء دی"۔

پھر اس نے کہا: "اے بھائی! آؤ ہم ایسی ذات کی عبادت کریں کہ اس کا گناہ کریں اور پانچو برس تک اس کو چھوڑ دیں تو وہ ایک گھڑی کی عبادت کے عوض اور ایک مرتبہ استغفار کے بدلہ ہم سے درگزر فرمائے چنانچہ اس کے بھائی نے اس کی استدعا کو منظور کیا اور سوچنے لگے کہ ایسے شخص کے پاس چلیں جو ہم کو راہِ راست بتلائے"۔

چنانچہ دونوں کی رائے نے اتفاق کیا کہ وہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

جائیں۔ پس انہوں نے اس کا قصد کیا' اس کے بعد ان دونوں نے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو بصرہ کے دیہات میں دیکھا کہ وہ عام لوگوں کے گھیرے میں بیٹھے ہیں اور ان کو وعظ و نصیحت کر رہے ہیں جب دونوں کی نظر ان پر پڑی تو بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا:

"میں خیال کرتا ہوں کہ میں مسلمان نہ ہوں کیونکہ میری زیادہ عمر آگ کی پرستش میں گزر گئی ہے بس جب میں مسلمان ہوں گا تو میرے گھر والے مجھے ملامت کریں گے اور مجھے ان کے ملامت کرنے کے بالمقابل آگ زیادہ محبوب ہے"۔ یہ سن کر چھوٹے بھائی نے اس سے کہا:

"تم ایسا نہ کرو اس لیے کہ لوگوں کا ملامت کرنا ایک وقت زائل ہو جائے گا اور آتشِ دوزخ کبھی دُور نہ ہوگی"۔

لیکن بڑے بھائی نے اس دانائی کی بات کو نہ سنا۔ پس چھوٹے بھائی نے اس سے کہا:

"اے بدنصیب بھائی! تو اپنے حال اور ارادہ کا مختار ہے جو چاہے کر"۔

اس کے بعد بڑا بھائی لوٹ گیا اور چھوٹا اپنے لڑکوں اور بی بی کے ساتھ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور سب ان کے پاس بیٹھے حتیٰ کہ وہ مجلس وعظ سے فارغ ہوئے پس یہ شخص ان کے پاس کھڑا ہوا اور ان سے سارا قصہ بیان کر کے درخواست کی کہ اس پر اور اس کی اولاد اور اس کی بی بی پر اسلام پیش کریں۔ چنانچہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مشرف بہ اسلام کیا اس کے بعد اس جوان نومسلم نے چاہا کہ اپنے اہل و عیال کو لے کر واپس جائے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: اس وقت تک ٹھہر کہ میں تیرے واسطے اپنے شاگردوں سے کچھ جمع کر دوں۔ اس کے جواب میں اس نے کہا: "میں کچھ نہیں چاہتا"۔

پھر واپس آیا اور ایک ویران مقام پر پہنچا جہاں اس نے ایک آباد گھر پایا۔ وہ اس میں اُترا جس وقت صبح ہوئی تو اس کی بی بی نے اس سے کہا: بازار جاؤ اور کوئی کام تلاش کرو تا کہ گزر اوقات ہو۔ چنانچہ وہ دوسرے روز ویرانہ میں داخل ہوا اور اس میں مغرب تک نماز پڑھتا رہا پھر وہ خالی ہاتھ اپنی جائے سکونت کی طرف گیا اس کی بی بی نے پوچھا:

"کیا تم ہمارے لیے کچھ لائے ہو؟" اس نے کہا:

"میں نے آج بادشاہ کا کام کیا ہے لیکن اس نے آج مجھے کچھ نہیں دیا۔ اور فرمایا ہے کہ کل دوں گا"۔

چنانچہ وہ سب بھوکے سو رہے جب صبح ہوئی تو وہ پھر بازار گیا اس دن بھی کوئی کام نہ ملا اس نے وہ دن بھی عبادت میں گزار کر شام کو واپس آ کر بیوی سے کہا:

"بادشاہ نے مجھ سے جمعہ کے دن تک کا وعدہ کیا ہے"۔

پھر جب جمعہ کا دن ہوا تو وہ بازار گیا لیکن کوئی کام نہ ملا۔ مجبوراً وہ عبادت میں مصروف ہوا جب دن ڈھلا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور عرض کیا:

"اے میرے پروردگار! بے شک تو نے مجھے اسلام سے بزرگی بخشی اور مجھے ہدایت کا تاج پہنایا۔ پس اس دین کی عزت اور اس روز مبارک کی حرمت سے بال بچوں کے نفقہ کا غم میرے دل سے دُور فرما کیونکہ مجھے اپنے اہل و عیال سے شرم آتی ہے اور ان کے حال کو بدلنے سے خوف کھاتا ہوں اس لیے کہ ان کے اسلام کا زمانہ جدید ہے"۔

جب نمازِ جمعہ کا وقت آیا تو وہ جامع مسجد گیا ادھر اس وقت اس کے بچوں پر بھوک کا غلبہ تھا' ناگاہ ایک شخص اس کے گھر پر آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ سن کر اس کی بی بی نکلی۔ پس وہ کیا دیکھتی ہے کہ ایک خوب صورت جوان ہے جس کے ہاتھ پر سونے کا طباق ہے اور سونے کے رومال سے ڈھکا ہے اس جوان نے عورت سے کہا:

"اس کو لو اور اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ یہ تمہاری دو دن کے کام کی مزدوری ہے اگر تم زیادہ کرتے تو ہم بھی تم کو مزدوری زیادہ دیتے"۔

چنانچہ اس نے وہ طباق لے لیا اور دیکھا کہ اس میں ایک ہزار اشرفیاں ہیں' اس کے بعد وہ ایک اشرفی لے کر صراف کے یہاں گئی۔ یہ صراف نصرانی تھا پس جب اس اشرفی کو تولا تو ایک مثقال (ساڑھے چار ماشہ) یا دو مثقال سے زیادہ ہوئی اس کے بعد جب اس نے اس کے نقش کی طرف نظر کی تو معلوم کیا کہ یہ آخرت کے ہدیوں میں سے ہے۔ یہ دیکھ کر

صراف نے عورت سے کہا: "یہ کہاں سے ملی اور تم نے اس کو کس جگہ سے پایا؟"

عورت نے اس سے سارا قصہ بیان کیا۔ پس صراف نے اس سے کہا:

"مجھ پر اسلام پیش کرو"۔

چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اس کے بعد اس نے اس کو ہزار درہم دیئے اور کہا:

"اس کو خرچ کرو اور جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھے اطلاع دو"۔

اس عورت نے اس سے درہم لیے اور کھانا تیار کیا جب اس کا شوہر مغرب کی نماز پڑھ چکا اور خالی ہاتھ اپنے گھر کی واپسی کا ارادہ کیا تو اس نے رومال بچھایا اور دو رکعت نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی اور رومال کو مٹی سے بھر لیا اور اپنے جی میں کہا:

"جب مجھ سے بی بی پوچھے گی تو اس سے کہوں گا کہ یہ آٹا ہے اور یہی میرے کام کی مزدوری ہے"۔

پھر جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اسے فرش سے آراستہ پایا اور کھانے کی خوشبو سونگھی اس وقت اس نے رومال دروازہ کے پاس رکھ دیا تاکہ اس کی بی بی کو اس کی خبر نہ ہو اس کے بعد اس نے بی بی سے اس کا حال پوچھا اور جو کچھ گھر میں دیکھا تھا اس کی بھی کیفیت دریافت کی۔ پس بی بی نے پورا قصہ اس سے بیان کیا' اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کا سجدہ شکر ادا کیا پھر بی بی نے اس سے اس کی کیفیت پوچھی جو وہ رومال میں لایا تھا' اس نے اس سے کہا:

"اس کا حال مجھ سے نہ پوچھو"۔

اس کے بعد وہ رومال کی طرف گیا اور چاہا کہ جو مٹی اس میں ہے اس کو پھینک دے جب اس کو کھولا تو دیکھا کہ وہ بحکمِ الٰہی آٹا ہے۔ پس وہ اللہ بزرگ و برتر کے واسطے دوسرا سجدہ شکر بجا لایا اور برابر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کی اور وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ (قلیوبی)

Scanned with CamScanner

(186)

شیخ احمد نہروانی اور ایک چور

ایک رات ایک چور شیخ احمد نہروانی علیہ الرحمہ والرضوان کے گھر میں چوری کرنے کے لیے گیا' یہ شیخ احمد کپڑے بننے کا کام کرتے تھے۔ چور ان کے پورے گھر میں گھوما پھرا لیکن اسے کوئی چیز نہ ملی' وہ واپس جانا چاہتا تھا' شیخ نے چور کے خالی ہاتھ لوٹنے کو خلاف مروت جانا' اسے آواز دی اس کی پیٹھ پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور دل موہ لینے والے انداز میں اس سے فرمایا:

''بھئی! خدارا ذرا ٹھہر جایئے''۔

اس وقت شیخ احمد نے کپڑا بننے کی ''کھڈی'' میں ہاتھ ڈالا اس میں سوت کی وہ تانی تھی جس میں کپڑا بن رہے تھے' کوئی سات گز کپڑا بنا ہوا رکھا تھا' شیخ احمد نے وہ سات گز کپڑا سوت سے کاٹ کر چور کی طرف بڑھایا اور اسے کہا:

''یہ لے جاؤ اس وقت فقیر کے پاس کل دنیا یہی ہے اگر مزید ہوتا تو دینے سے دریغ نہ کرتا۔ سر دست یہی حقیر نذرانہ میری طرف سے قبول کرلو''۔

چور نے وہ کپڑا لیا اور بوجھل قدموں سے گھر کی طرف چل پڑا مگر شیخ کے حسن اخلاق کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی۔ وہ شیخ کے کریمانہ اخلاق کے مقابلے میں اپنے رویے اور غلط کردار پر انتہائی نادم تھا اس کی آنکھوں سے آنسو موتی بن کر بہہ رہے تھے' اپنی ندامت کے آنسوؤں سے دل کی طہارت حاصل ہوا کرتی ہے۔ دوسرے روز چور اس کی ماں' اس کا باپ سب آئے' انہوں نے شیخ کے قدموں پر سر رکھے اور اس کام سے توبہ کی:

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

(فوائد الفواد' ص ۴۷۲' سیر العارفین (مترجم) ص ۲۱۵)

(187)

گر کر قدموں پہ قربان ہو گیا

زید بن سعنہ ایک یہودی عالم تھے' انہوں نے جب رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو تمام علامات نبوت پہچان لیں البتہ دو اوصاف باقی تھے۔ ایک یہ کہ آپ کی بردباری آپ کے غصہ پر غالب آئے گی۔ دوسرا یہ کہ آپ کے ساتھ جس قدر نادانی کی جائے گی' آپ اتنی ہی زیادہ نرمی و بردباری اختیار کریں گے جب زید بن سعنہ نے دونوں اوصاف کا مشاہدہ کر لیا تو کلمہ شہادت پڑھ لیا اور سچے مسلمان بن گئے۔ انہوں نے تبوک کے سفر سے واپسی پر مدینہ منورہ کے راستہ میں وفات پائی۔

ایک روز رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ یہی زید بن سعنہ آپ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی صفوں کو چیرتا ہوا آپ ﷺ تک پہنچ گیا اس نے رسول اکرم ﷺ کا گریبان پکڑ کر بڑی سختی کے ساتھ کھینچا اور درشت لہجے میں کہنے لگا:

''اے محمد! جو قرض تم نے (مجھ سے) لے رکھا ہے ادا کرو' تم بنو ہاشم کے لوگ قرض کی ادائیگی میں بڑی ٹال مٹول سے کام لیتے ہو''۔

رسول اکرم ﷺ نے اس یہودی سے چند درہم بطور قرض لے رکھے تھے لیکن ابھی ادائیگی قرض کا وقت باقی تھا۔ یہودی کی یہ گستاخانہ حرکت دیکھ کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اپنی تلوار لہراتے ہوئے یوں گویا ہوئے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں؟''

Scanned with CamScanner

رسولِ رحمت ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

مُرْهُ بِحُسْنِ الطَّلَبِ، وَمُرْنِي بِحُسْنِ الْأَدَاءِ .

''عمر! اس (یہودی قرض خواہ) سے کہو کہ وہ بہتر طریقے سے اپنا قرض طلب کرے اور مجھے حسنِ ادائیگی کا حکم دو''۔ یہ سن کر یہودی کہنے لگا:

''اے محمد! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق سے نواز کر مبعوث فرمایا ہے، میں آپ سے اپنا قرض وصول کرنے نہیں بلکہ اس لیے آیا تھا کہ آپ کے اخلاق کا امتحان لوں۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ ابھی ادائیگی قرض کا وقت نہیں آیا ہے لیکن میں نے آپ کے جملہ اوصاف کے متعلق جو کچھ تورات میں پڑھا تھا، ان کو بالکل برحق پایا البتہ دو صفات کا اب تک تجربہ نہیں کیا تھا ایک یہ کہ آپ غصے کے وقت حلیم و بردبار ہیں اور دوسرا یہ کہ جو کوئی جتنا زیادہ آپ کے ساتھ نادانی کرے گا آپ اتنا ہی زیادہ اس کے ساتھ بردباری و نرمی سے پیش آئیں گے۔ آج میں نے ان صفاتِ حمیدہ کا بھی بچشم خود مشاہدہ کر لیا۔

فَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ .

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور آپ اللہ کے رسول محمد ﷺ ہیں''۔

جہاں تک آپ کے قرض کی بات ہے تو اب میں نے اسے غریب و محتاج مسلمانوں پر صدقہ و خیرات کر دیا۔

(اس واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے اسد الغابۃ ۱۸۴۱، سنن بیہقی ۶/۵۲، مستدرک حاکم ۲/۳۲ وغیرہ)

(188)

صبر کا پھل میٹھا

حضرت سیّدنا علاان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

''حضرت سیّدنا سری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مریدنی کا لڑکا مدرسے جاتا تھا، ایک دن استاذ نے آٹا پسوانے کے لیے اسے چکی پر بھیجا، راستے میں نہر تھی جب وہ نہر سے گزرنے لگا تو اس میں ڈوب گیا جب استاذ کو اس کے ڈوبنے کی اطلاع ملی تو وہ بہت پریشان ہوا اور حضرت سیّدنا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہو کر سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت سیّدنا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''آؤ میرے ساتھ چلو!''

ہم چل دیے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں پہنچ کر اس عورت کو صبر کے فضائل بتائے پھر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کی ترغیب دلائی۔ عورت نے کہا:

''حضور! آج آپ مجھے صبر و رضا کے متعلق خاص طور پر نصیحت کر رہے ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مریدنی سے فرمایا: ''تمہارا بیٹا نہر میں ڈوب گیا ہے''۔ اس نے متعجب ہو کر پوچھا: ''میرا بیٹا؟''

فرمایا: ''ہاں!''

عورت نے کہا: ''بے شک میرے رب نے ایسا نہیں کیا ہوگا''۔

حضرت سیّدنا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اسے صبر و رضا کی تلقین کرنے لگے۔ عورت نے کہا: ''آؤ! میرے ساتھ چلو''۔

چنانچہ تمام لوگ اس عورت کے ساتھ چل دیے جب نہر پر پہنچے تو عورت نے

لوگوں سے پوچھا: ''بتاؤ! وہ کہاں ہے؟''

لوگوں نے بتایا: ''تمہارا لڑکا فلاں جگہ ڈوبا ہے''۔

عورت نے بلند آواز سے پکارا: ''اے میرے بیٹے محمد!''

فوراً نہر سیاس کے بیٹے نے پکار کر کہا: ''امی جان! میں یہاں ہوں' امی جان! میں یہاں ہوں''۔

عورت فوراً نہر میں اُتری' اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی اور خوشی خوشی اپنے گھر چلی گئی''۔

حضرت سیّدنا علان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت سیّدنا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیّدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور پوچھا یہ کیا معاملہ ہے اور ایسا کیونکر ہوا؟ حضرت سیّدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیّدنا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''کہو قل''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''قل'' کہا۔

پھر حضرت سیّدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بات دراصل یہ ہے کہ وہ عورت احکاماتِ الٰہیہ کو پورا کرنے والی تھی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہوا سے کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آتا جسے وہ نہ جانتا ہو جب اس عورت کا بیٹا ڈوبا تو اسے معلوم نہ تھا اس لیے اسے یقین نہ آیا اور اس نے کہا:

''بے شک میرے رب نے ایسا نہیں کیا' اسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل تھا اس لیے اس کا بیٹا اسے واپس کر دیا گیا''۔ (عیون الحکایات)

(189)

حضرت ابوعثمان حیری اور ایک دعوت

صوفیاء حلم و برداشت کے پہاڑ اور عجز و انکساری کے مجسمے ہوا کرتے ہیں' بُرائی کا بدلہ ہمیشہ بھلائی سے دینا ان کا عام معمول اور اپنے آپ کو تمام مخلوقات سے کمتر درجے کا تصور کرنا ان کی پہچان ہوتی ہے' اپنے ساتھ زیادتی پر غصہ تو ان کے نزدیک سے بھی نہیں گزرتا۔ ایک اور دوسرا آپ کو تمام مخلوقات سے کمتر درجے کا تصور کرنا ان کی پہچان ہوتا ہے' اپنے ساتھ زیادتی پر غصہ تو ان کے نزدیک سے بھی نہیں گزرتا۔ ایک صوفی کا حوصلہ دیکھیے حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شخص نے محض آزمائش کے لیے دعوت کی جب آپ اس کے دروازے پر پہنچے تو بے رخی سے کہنے لگا کہ اب کھانے کو کچھ نہیں رہا فرمایا کوئی بات نہیں اور خوشی سے واپس لوٹ آئے جب کچھ دور نکل آئے تو وہ پیچھے پیچھے گیا اور پھر بلایا' بڑی محبت سے ساتھ چل پڑے اور جب پھر دروازے پر پہنچے تو اس نے دوبارہ روک دیا اسی طرح اس نے چند مرتبہ یہ عمل کیا' آپ جاتے اور واپس ہوتے رہے اور چہرے پر کوئی ملال نہ آیا۔ آخر میں وہ شخص کہنے لگا:

''اے بزرگ! دعوت دینا مرا مقصود نہیں تھا' میں تو آپ کا امتحان لے رہا تھا' واقعی آپ انتہائی بامروت انسان ہیں''۔ فرمایا:

''یہ کوئی کمال نہیں جو کچھ میں نے کیا یہ تو کتے بھی کرتے ہیں کیونکہ کتوں کی عادت بھی یہ ہی ہے کہ جب للکار دو' بھاگ جائیں گے اور جب بلاؤ گے تو آ جائیں گے۔ یہ تو کوئی اونچا اخلاق نہیں ہے''۔

اب وہ آدمی آپ کی اس مروت اور اخلاق کریمانہ کا معترف ہو چکا تھا' ہمیشہ کے لیے آپ کے عقیدت مندوں و نیاز مندوں میں شامل ہو گیا۔ (کیمیائے سعادت' ص ۴۰۸)

Scanned with CamScanner

(190)

شہید کی زندگی

حضرت طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو تیمی رضی اللہ عنہ ان دس خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری عطا فرمادی تھی، اسلام میں آپ سابقین اولین میں سے ہیں اور ان پانچ اشخاص میں سے ایک جنھوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت کے نتیجہ میں اسلام قبول کیا۔ آپ چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ دونوں کو نوفل بن خویلد نے جو "شیر قریش" کے لقب سے ملقب تھا، پکڑا اور لے جا کر ایک ہی رسی سے باندھ دیا۔ نوفل کے دبدبہ کے پیش نظر بنوتیم نے کوئی اعتراض نہ کیا اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کو قید کے ساتھی کہا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ان کی رہائی عمل میں آئی جب نبی ﷺ ہجرت کے سفر میں مدینہ کی طرف رواں تھے تو راستے میں طلحہ بن عبیداللہ شام سے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ آتے ہوئے ملے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے شام سے درآمد شدہ چادریں نبی ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنائیں اور بتلایا کہ مدینہ کے لوگ آپ کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے مدینہ کی جانب اپنی رفتار تیز کر دی اور طلحہ مکہ آگئے، ضروری کاموں سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ بعد یہ بھی ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ سے آملے۔

طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی تجارت میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی تھی۔ یہ شام اور عراق سے غلہ اور دیگر اشیاء کی لاکھوں کی خرید و فروخت کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مال کی فراوانی کے ساتھ سخاوت اور جود و کرم کی صفات سے بھی بدرجہ اتم نوازا تھا۔ نبی ﷺ نے آپ کو جواد اور فیاض کے لقب عطا کیے یہ اپنی آمدنی سے حاجت مندوں پر بے پناہ خرچ

کرتے۔ قبیصہ بن جابر کہتے ہیں میں نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر لوگوں کو بن مانگے عطا کرنے والا کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔

ایک بار حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے قطعہ زمین سات لاکھ درہم میں فروخت کیا، رقم لے کر گھر آئے تو کہا: "میں یہ رقم لے کر کیسے آرام سے سو جاؤں جب کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں صبح تک زندہ بھی رہوں گا یا نہیں"۔ اپنے کارندوں سے کہا:

"یہ رقم لے جاؤ اور مدینہ میں جو ضرورت مند نظر آئے اس کی ضرورت پوری کرو"۔

صبح ہونے سے پہلے یہ ساری رقم تقسیم ہو چکی تھی۔

غزوۂ اُحد میں نبی کریم ﷺ سے ان کی جاں نثاری، محبت اور اخلاص کے لازوال مناظر چشم فلک نے دیکھے جب نبی ﷺ کے سامنے والے دو دانت شہید ہو چکے تھے، چہرہ زخمی تھا اور آپ پر غشی کی کیفیت تھی۔ طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی کمر پر پیغمبر کو اُٹھائے ہوئے دشمن کی تلواروں کا مقابلہ کر رہے تھے یہاں تک کہ آپ کو ایک محفوظ گھاٹی میں پہنچا دیا اس جنگ میں آپ کو پچھتر زخم آئے، ہاتھ شل ہو گیا، پیشانی زخمی ہو گئی اور ٹانگ کی ایک نس کٹ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أَوْجَبَ طَلْحَةُ۔ "طلحہ نے اپنے اوپر جنت واجب کر لی"۔ (ترمذی ۱۶۹۲)

آپ نے اپنی زبان مبارک سے یہ بھی ارشاد فرمایا:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى شَهِيدٍ يَمْشِي عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ۔

"جو کسی چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے"۔

(ایضاً ۳۷۳۹)

(تفصیل کے لیے دیکھیے طبقات ابن سعد ۳/۱۶۰، اسد الغابۃ ۳/۸۴ وغیرہ)

Scanned with CamScanner

(191)

سفید بالوں کا عنداللہ اعزاز

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ محمد بن صالح خواص نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو دریافت کیا:

''کہیے خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' تو قاضی یحییٰ نے جواب دیا: ''میں جب دربارِ خداوندی میں حاضر کیا گیا تو تین مرتبہ میرے مولا نے مجھ سے یہ فرمایا:

''اے بدکار بڈھے! اگر تیرے بال سفید نہ ہوتے تو میں تجھ کو جہنم میں جلا دیتا''۔

یہ سن کر میرا وہی حال ہوا جو ایک خطاکار غلام کا اپنے ناراض مولا کے سامنے ہوا کرتا ہے۔ خوف و دہشت سے میرے ہوش اُڑ گئے لیکن جب میرے ہوش و حواس بحال ہوئے تو میں نے عرض کیا:

''اے پروردگار! تیرا یہ کلام تو دنیا میں کبھی کسی سے میں نے نہیں سنا تھا''۔

تو میرے رب نے باوجودیکہ اس کو سب علم ہے، مجھ سے دریافت فرمایا:

''تو نے دنیا میں کیا سنا تھا؟'' تو میں نے اپنی سند سے یہ حدیث پڑھ دی:

''مجھ سے عبدالرزاق نے بیان کیا' انہوں نے معمر بن راشد سے سنا۔ انہوں نے زُہری سے روایت کی' انہوں نے انس سے روایت کی' انہوں نے تیرے نبی ﷺ سے سنا' انہوں نے جبریلؑ سے' انہوں نے اے عظمت والے رب تجھ سے روایت کی ہے کہ تو نے یہ ارشاد فرمایا: ''جو میرا بندہ اسلام میں بوڑھا ہو گیا مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ میں اس کو جہنم میں عذاب دوں''۔ میری زبان سے میرے رب کریم نے یہ حدیث سن کر یہ ارشاد فرمایا:

''عبدالرزاق نے سچ کہا' معمر نے سچ کہا' زُہری نے سچ کہا' انس نے سچ کہا' میرے نبی ﷺ سچے ہیں' جبریل سچے ہیں۔ بے شک میں نے یہی فرمایا ہے:

''اے فرشتو! قاضی یحییٰ کو جنت میں لے جاؤ''۔ (شرح الصدور ص ۱۱۸)

کسی مسلمان کا اسلامی زندگی بسر کرتے ہوئے اتنی طویل عمر پا جانا کہ اس کے بال سفید ہو جائیں بلاشبہ یہ مومن کے لیے سرمایۂ سعادت اور عظمت و وقار کا باعث ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص کا بال سفید ہوا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چند بالوں کو سفید دیکھ کر باری تعالیٰ میں عرض کیا:

''اے میرے پروردگار! یہ کیا ہے؟'' ارشادِ ربانی ہوا: ''اے ابراہیم! یہ وقار ہے''۔ آپ نے یہ دعا مانگی: رَبِّ زِدْنِیْ وَقَارًا۔ ''اے میرے پروردگار! تو میرے وقار کو بڑھا دے''۔

جوانوں کو لازم ہے کہ بوڑھوں میں کوئی خاص کمال نہ ہونے کے باوجود بھی سفید بالوں کا اعزاز کرتے ہوئے ان کا اکرام و احترام کرتے رہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص کسی بوڑھے مسلمان کا اس کے بڑھاپے کی بناء پر اعزاز و احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کچھ ایسے لوگوں کو پیدا فرما دے گا جو اس کے بڑھاپے کے وقت اس کا احترام و اکرام کریں گے۔

جو بوڑھوں کا اکرام کرتے رہو گے
رہو گے بڑھاپے میں تم بھی مکرم

(192)

جنت کے سردار

بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں پانچ آدمی تھے۔ حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسن و حسین اور حارث رضی اللہ عنہم۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو تین دن تک کچھ کھانے کو نہیں ملا۔ حضرت فاطمہؓ کا ایک تہبند تھا، انہوں نے اس تہبند کو حضرت علیؓ کے حوالے کیا تا کہ وہ اس کو فروخت کریں چنانچہ آپ نے اس کو چھ درہم میں فروخت کیا اور ان داموں کو فقراء پر صدقہ کر دیا اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام ان سے آدمی کی صورت میں ملے اور ان کے ساتھ جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے کہا:

''اے ابوالحسن (کنیت حضرت علیؓ) اس اونٹنی کو مجھ سے خرید لو''۔

حضرت علیؓ نے کہا: ''کتنے کو اسے فروخت کرتے ہو؟''

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ''سو درہم کو''۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے سو درہم کو وہ اونٹنی ان سے خرید لی اور اس کی مہار پکڑی اور چلے۔ پس حضرت میکائیل علیہ السلام ایک بدو کی صورت میں ان کے سامنے آئے اور کہا:

''یا اباحسن! کیا تم اس اونٹنی کو بیچتے ہو؟''

حضرت علیؓ نے کہا: ''ہاں!

حضرت میکائیل علیہ السلام نے کہا: ''تم نے اس کو کتنے کو خریدا ہے؟''

آپ نے جواب دیا: ''سو درہم کو''۔

میکائیل علیہ السلام نے کہا: ''میں ساٹھ درہم نفع پر اس کو خریدتا ہوں''۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے اس کو ان کے ہاتھ اسی قیمت پر بیچ ڈالا اور میکائیل علیہ السلام نے ایک سو ساٹھ درہم ان کے حوالے کیے اور اونٹنی لی اور وہاں سے چلے گئے اس کے بعد حضرت علیؓ سے پہلا بائع یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام ملے اور ان سے کہا:

''یا اباالحسن تم نے اونٹنی بیچ دی؟''

آپ نے کہا: ''ہاں!''

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے میرا حق دو''۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے ایک سو درہم ان کے حوالے کیے اور ان کے پاس ساٹھ درہم بچ رہے اس کے بعد وہ ان درہموں کو لے کر اپنے مکان کی طرف حضرت فاطمہؓ کے پاس گئے اور ان درہموں کو ان کے آگے ڈال دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا:

''آپ کو یہ کہاں سے مل گئے؟''

حضرت علیؓ نے فرمایا: ''میں نے چھ درہموں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت کی پس اس نے مجھ کو ساٹھ درہم عطا فرمائے۔ ہر ایک درہم کے عوض دس درہم عنایت کیے اس کے بعد حضرت علی رسولِ اکرم ﷺ کے حضور میں آئے اور آپ کو قصہ کی اطلاع دی''۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''اے علیؓ بائع جبرائیل علیہ السلام تھے اور مشتری میکائیل علیہ السلام تھے اور وہ اونٹنی قیامت کے دن فاطمہؓ کی سواری ہوگی''۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''اے علیؓ! تم کو تین چیزیں حق تعالیٰ نے ایسی عطا کی ہیں کہ تمہارے علاوہ اور کسی کو نہیں ملیں۔ ایک تمہاری بی بی جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہے اور دوسرے تمہارے دو لڑکے جو جنتیوں کے جوانوں کے سردار ہیں اور تیرے خسر جو تمام رسولوں کے سردار ہیں۔ پس تم ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو جو اس نے تم کو عطا کی ہیں۔ واللہ اعلم (نوادر قلیوبی)

Scanned with CamScanner

(193)

ستائیس سال مسلسل جہاد کرنے والا

حضرت سیّدنا عبدالوہاب بن عطاء خفاف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

''مجھے مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً کے مشائخ نے بتایا کہ حضرت سیّدنا ابوعبدالرحمٰن فروخ رحمۃ اللہ علیہ بنواُمیہ کے دورِ خلافت میں سرحدوں کی حفاظت کے لیے خراسان گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا امید سے تھیں اور آپ کا بیٹا ربیعہ ماں کے پیٹ میں تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زوجہ کے پاس تیس ہزار دینار چھوڑ کر گئے۔ ستائیس سال بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ واپس مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً آئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور آپ گھوڑے پر سوار تھے، گھر پہنچ کر نیزے سے دروازہ اندر دھکیلا تو حضرت سیّدنا ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ باہر نکلے جیسے ہی انہوں نے ایک مسلح شخص کو دیکھا تو بڑے غضب ناک انداز میں بولے:

''اے اللہ کے بندے! کیا تو میرے گھر پر حملہ کرنا چاہتا ہے؟''

حضرت سیّدنا فروخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''نہیں! میں حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں میرے گھر میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟''

پھر دونوں میں تلخ کلامی ہونے لگی۔ قریب تھا کہ دونوں دست وگریبان ہو جاتے لیکن ہمسائے بیچ میں آ گئے اور لڑائی نہ ہوئی جب حضرت سیّدنا مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگ حضرات کو خبر ہوئی تو وہ فوراً چلے آئے۔ لوگ انہیں دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

حضرت سیّدنا ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا:

''خدا کی قسم! میں اس وقت تک تمہیں نہ چھوڑوں گا جب تک تمہیں سلطان کی

عدالت میں نہ لے جاؤں''۔

حضرت سیّدنا فروخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''خدا کی قسم! میں بھی تجھے سلطان کی عدالت میں لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ ایک تو تم میرے گھر میں بلا اجازت داخل ہوئے اور پھر مجھی سے جھگڑا کر رہے ہو''۔

حضرت سیّدنا مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوعبدالرحمٰن فروخ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

''اے شیخ! یہ گھر تمہارا نہیں ہے''۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میرا نام فروخ ہے اور یہ میرا ہی گھر ہے''۔

یہ سن کر آپ کی زوجہ محترمہ جو دروازے کے پیچھے ساری گفتگو سن رہی تھیں باہر آئیں اور کہا: ''یہ میرے شوہر ہیں اور ربیعہ اِن کا بیٹا ہے جس وقت یہ جہاد پر گئے تھے تو ربیعہ میرے پیٹ میں تھا''۔

یہ سن کر دونوں باپ بیٹے گلے ملے اور ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے۔ حضرت سیّدنا ابوعبدالرحمٰن فروخ رحمۃ اللہ علیہ خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئے اور خوش ہوتے ہوئے اپنی زوجہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا: ''یہ میرا بیٹا ہے؟''

انہوں نے فرمایا: ''الحمدللہ! یہ تمہارا ہی بیٹا ہے''۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''اچھا وہ تیس ہزار دینار کہاں ہیں جو میں چھوڑ کر گیا تھا؟''

عرض کی: ''وہ میں نے ایک جگہ دفنا دیئے تھے، کچھ دن بعد نکال لوں گی''۔

پھر حضرت سیّدنا ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد چلے گئے اور اپنے حلقۂ درس میں بیٹھ گئے۔ حضرت سیّدنا مالک بن انس، حسن بن زید، ابن ابی علی لھبی، مساحقی اور مدینہ شریف کے دوسرے معزز حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اردگرد بیٹھ گئے پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ درسِ حدیث دینے لگے۔

حضرت سیّدنا فروخ رحمۃ اللہ علیہ گھر ہی میں تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا:

"آپ مسجد نبوی شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جا کر نماز ادا فرمالیں"۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں گئے تو دیکھا کہ ایک حلقہ لگا ہوا ہے اور لوگ بڑے ادب و توجہ سے علمِ دین سیکھ رہے ہیں اور ایک خوبرو نوجوان انہیں درس دے رہا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ قریب گئے تو لوگوں نے آپ کے لیے جگہ کشادہ کی، آپ بیٹھ گئے۔ حضرت سیّدنا ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر تھوڑا نیچے کرلیا۔ حضرت سیّدنا ابو عبدالرحمٰن فروخ رحمۃ اللہ علیہ کو پہچان نہ سکے تو آپ نے لوگوں سے پوچھا: "یہ کون صاحب ہیں جو علم کے موتی لٹا رہے ہیں؟"

لوگوں نے بتایا: "یہ ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن ہیں"۔

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ خوشی خوشی گھر تشریف لائے اور اپنی زوجہ سے فرمایا:

"میں نے تمہارے لختِ جگر کو آج ایسے عظیم مرتبے پر فائز دیکھا کہ اس سے پہلے میں نے کسی علم والے کو ایسے مرتبے پر نہیں دیکھا، وہ تو علم کے موتی لٹانے والا سمندر ہے"۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے کہا:

"آپ کو اپنے تیس ہزار دینار چاہئیں یا اپنے بیٹے کی یہ عظمت و رفعت"۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"خدا کی قسم! مجھے تو اپنے بیٹے کی اس عظیم نعمت کے بدلے کچھ بھی نہیں چاہیے"۔

آپ کے زوجہ محترمہ نے کہا:

"تو پھر سنیے! میں نے وہ تمام مال تمہارے بیٹے پر خرچ کر کے اسے علمِ دین سکھایا"۔

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! تم نے مال ضائع کیا بلکہ بہت اچھی جگہ خرچ کیا ہے"۔

(عیون الحکایات)

(194)

دیکھیے کس شان سے اُمت امام آتا ہے

شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے بہادر سپہ سالاروں میں سے ایک تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی فتح میں آپ کو بھیجا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے چوتھائی مالِ غنیمت پر آپ کو نگران بنایا۔ آپ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما دونوں ایک ہی دن طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ آپ کی وفات طاعونِ عمواس کے سبب ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال تھی۔

ہجرت کے پندرہویں سال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کے قائدین حضرت عمرو بن عاص، شرجیل بن حسنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کو مقدس سرزمینِ فلسطین کے حکمران کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ شہر کی کنجیاں ان قائدین کے سپرد کر دے لیکن حکمران پادری جعفرو ینوس نے شہر کی کنجیاں ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا:

"ہم نے اپنی مذہبی کتاب میں وہ اوصاف پڑھے ہیں جن کا حامل شخص اس شہر کی کنجیوں کا مالک بنے گا لیکن ہم وہ اوصاف تمہارے اندر نہیں پا رہے ہیں اس لیے شہر کی کنجیاں تمہارے حوالے نہیں کی جاسکتیں"۔

یہ جواب سن کر عمائدینِ اسلام نے عمر بن خطاب الفاروق رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا:

"اے امیر المومنین! آپ خود تشریف لائیں کیونکہ سرزمینِ مقدس کے حکمران نے شہر کی کنجیاں ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا اجازت نامہ ملے بغیر اس سے کسی قسم کی نوک جھونک کریں"۔

حالات سے واقفیت کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے غلام کے ہمراہ سفر پر

روانہ ہوگئے' راستے میں باری باری کبھی خود سوار ہوتے اور کبھی غلام کو سواری کے جانور پر بٹھاتے اور کبھی دونوں پیدل چلنے لگتے تاکہ سواری کا جانور تھکاوٹ سے آرام پالے۔

دورانِ سفر شام کی سرحد کے قریب پہنچے تو راستے میں دُور دُور تک کیچڑ تھا' ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا کہ اس کیچڑ کو پیدل عبور کرتے۔

امام حاکم' طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملکِ شام کی طرف روانہ ہوئے ادھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے جو کیچڑ نما سمندری راہ پر امیر المومنین کے استقبال کے لیے تشریف لائے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار تھے جب یہ کیچڑ نما سمندری راہ حائل ہوئی تو اونٹنی سے اُترے' اپنے جوتے نکال کر کندھے پر رکھے اور اونٹنی کی لگام اپنے ہاتھ میں تھامی پھر اونٹنی کو پکڑے ہوئے کیچڑ نما سمندری راستے پر خود کو ڈال دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر عرض کیا:

''امیر المومنین! کیا آپ یہ کام کر رہے ہیں؟ جوتے کندھے پر' زمامِ سواری ہاتھ میں اور اونٹنی کے ساتھ اس کیچڑ نما زمین میں؟ مجھے اچھا نہیں لگ رہا کیونکہ ملکِ شام کے باشندگان سے آپ کا سامنا ہونے والا ہے''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

أَوَّهْ! لَمْ يَقُلْ ذَا غَيْرُكَ أَبَا عُبَيْدَةَ إِلَّا جَعَلْتُهُ نَكَالًا لِأُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ، إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ، فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللهُ.

''آہ! اے ابوعبیدہ! اگر آپ کے علاوہ کسی اور نے ایسا کہا ہوتا تو میں اسے اُمتِ محمد ﷺ کے لیے نشانِ عبرت بنا دیتا۔ ہم ذلیل و خوار لوگ تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ہمیں عزت و شان سے نوازا اب اگر ہم اسلام کو چھوڑ کر کسی اور ذریعے سے عزت و شان کے متلاشی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں پھر ذلیل و خوار کر دے گا''۔ (مستدرک للحاکم: ۱/۶۱-۶۲ اس کی سند صحیح ہے)

خود تو پیدل ہے سواری پہ غلام آتا ہے

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سواری پر بیٹھے اور تھوڑی دُور جا کر اپنی باری ختم ہوتے ہی اُتر گئے اور غلام سوار ہو گیا۔ لشکرِ اسلامی کے قائدین کی خواہش تھی کہ جب وہ فلسطین کے حکمران کے پاس پہنچیں تو اس وقت سواری کی باری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہو لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور سفر کے آخری حصے میں سواری کی باری غلام کی آ پڑی چنانچہ غلام نے سوار ہو کر اور امیر المومنین نے پیدل چل کر آخری منزل طے کی۔

جب یہ مبارک قافلہ مقدس سرزمینِ فلسطین کے حاکم کے دربار میں جلوہ افروز ہوا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑے بڑے غور سے دیکھے اور نہایت اطمینان سے شہر کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

''ہاں! تم ہی وہ شخص ہو جس کے اوصاف ہم نے اپنی کتابِ مقدس میں پڑھ رکھے ہیں' ہماری کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ وہ شخص جو مقدس سرزمینِ فلسطین کی کنجیوں کا مالک ہوگا اس ملک میں پیدل داخل ہوگا جب کہ اس کا غلام سوار ہوگا اور اس کے کپڑے میں سترہ پیوند لگے ہوئے ہوں گے''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب کنجیوں کو اپنے ہاتھ میں لیا تو سجدے میں گر گئے اور کافی دیر تک روتے رہے' آپ سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

أَبْكِي لِأَنَّنِي أَخْشَى أَنْ تُفْتَحَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا فَيُنْكِرَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَيُنْكِرَكُمْ أَهْلُ السَّمَاءِ عِنْدَ ذٰلِكَ.

''میں اس لیے رو رہا ہوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ دنیا تمہارے لیے سرنگوں ہو جائے گی تو تم ایک دوسرے کو اجنبی سمجھنے لگو گے (تمہارے اندر سے اسلامی اخوت و مودت ختم ہو جائے گی) اس وقت آسمان والے بھی تمہیں نظر انداز کر دیں گے''۔ (سنہرے اوراق) اس واقعہ پر کسی کا کتنا خوب صورت شعر ہے:

دیکھیے کس شان سے اُمت کا امام آتا ہے
خود تو پیدل ہے سواری پہ غلام آتا ہے

(195)

علی رضی اللہ عنہ کا گھر بھی کیا گھر ہے

ایک شخص نے کرسی پر بیٹھ کر نہایت گھمنڈ کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ فرش سے عرش تک جس چیز کے بارے میں تم لوگ چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ اتفاق سے وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو آپ نے اس کے غرور کو توڑنے کے لیے فرمایا:

''اچھا بتا تیری داڑھی میں جو بال ہیں وہ طاق ہیں یا جفت؟''

وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا پھر لوگوں نے دریافت کیا:

''اے امام! آپ ارشاد فرمائیے؟'' تو آپ نے فرمایا: داڑھی کے بال جفت ہیں''۔

مغرور نے کہا: ''اس کی دلیل؟'' حضرت امام نے فرمایا:

''اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ ''ہر مخلوق زوج یعنی جفت ہے اور اللہ تعالیٰ طاق ہے''۔ یہ سن کر وہ گھمنڈی بے حد شرمندہ ہوا۔

(نزہۃ المجالس)

اس واقعہ سے جہاں یہ نکلا کہ مغرور اور گھمنڈی شخص کا انجام ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذہانت و دانائی کا قرآن فہمی و قوتِ استنباط کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سبحان اللہ! مولیٰ کائنات کے سینۂ ولایت سے اکتساب فیض اور نبی رحمت کے مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس نور کرنے والے فرزند بتول کے علوم و معارف کا کیا کہنا۔ سچ ہے:

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ جس گھر کا ہر اک بچہ
جہاں پیدا ہوا شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

(196)

والدین اور ان کی خدمت واحترام ودعا

ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں ایک ایسا مقبرہ دیکھا جس کی قبریں شق ہو گئی تھیں اور ان کے مردے باہر نکل آئے تھے اور قبروں کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک کے سامنے نور کا ایک ایک طباق تھا اور انہوں نے ان میں اپنے ہمسائیوں میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سامنے نور کا طباق نظر نہیں آتا۔ ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا اور فرمایا: ''کیا بات ہے کہ میں تیرے سامنے نور نہیں دیکھتا ہوں؟''

اس نے کہا: ''ان لوگوں کی اولاد اور احباب ہیں جو ان کے واسطے دعا کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور یہ نور انہیں صدقات اور دعاؤں کی وجہ سے ہے اور میرا بھی اگرچہ ایک لڑکا ہے لیکن وہ نیک بخت نہیں ہے وہ نہ تو میرے واسطے دعا کرتا ہے اور نہ میرے لیے صدقہ دیتا ہے اس وجہ سے میرے واسطے نور نہیں ہے اور میں اپنے ہمسایوں سے شرمندہ ہوتا ہوں۔ پس جب ابوقلابہ رضی اللہ عنہ خواب سے بے دار ہوئے تو انہوں نے اس مردہ شخص کے لڑکے کو بلایا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا اس سے بیان کیا۔ اس کے بعد اس لڑکے نے ان سے کہا: آپ گواہ رہیے بے شک میں نے توبہ کی اور جس حالت پر میں پہلے تھا اب اس کی طرف نہ پھروں گا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اپنے باپ کے واسطے دعا اور اس کے لیے صدقہ کی طرف متوجہ ہوا پھر ایک مدت کے بعد ابوقلابہ رضی اللہ عنہ نے اس مقبرہ کو اس کی پہلی حالت پر دیکھا اور اس شخص کے

سامنے نور دیکھا جو آفتاب سے زیادہ روشن تھا اور دوسروں کے نور سے زیادہ کامل تھا پس اس شخص نے کہا: ''اے ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ! اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے خیر عطا کرے''۔

آپ کے کہنے سے میرے بیٹے نے آگ سے مجھے نجات دی اور میں اپنے ہمسایوں میں شرمندگی سے چھوٹ گیا اور اللہ کے واسطے سب تعریفیں ہیں۔ (نوادر القلیوبی)

☆ اوس یمنی سے نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار لڑکے تھے پس جب وہ بیمار ہوا تو ان لڑکوں میں سے ایک لڑکے نے دوسرے بھائیوں سے کہا:

''یا تو تم باپ کی تیمارداری کرو اور تمہارے لیے ان کی میراث میں سے کچھ نہ ہوگا اور یا میں ان کی تیمارداری کرتا ہوں اور ان کی میراث میں سے کچھ نہ لوں گا''۔ ان لڑکوں نے کہا: ''اچھا تم ہی باپ کی تیمارداری کرو''۔

چنانچہ اس نے اسی شرط پر باپ کی تیمارداری کی۔ ایک دن خواب میں اس سے کہا گیا کہ تم فلاں جگہ جاؤ اور وہاں سے سو اشرفیاں لے لو لیکن اس میں برکت نہیں ہے۔ اس نے صبح اُٹھ کر اپنی بی بی سے اس خواب کا تذکرہ کیا' اس کی بی بی نے اس سے کہا: ''اس کو لے لو''۔ لیکن اس نے انکار کیا پھر دوسری رات میں اس سے کہا گیا:

''تم فلاں جگہ جاؤ اور وہاں سے سو اشرفیاں لے لو لیکن اس میں برکت نہیں ہے''۔ اس نے صبح اُٹھ کر اپنی بی بی سے اس خواب کا تذکرہ کیا' اس کی بی بی نے اس سے کہا: ''اس کو لے لو''۔

لیکن اس نے انکار کیا پھر اگلی رات میں اس سے کہا گیا کہ فلاں جگہ جاؤ اور وہاں سے دس اشرفیاں لے لو مگر اس میں بھی برکت نہیں ہے۔ اس نے اپنی بی بی سے مشورہ لیا اس عورت نے اشرفیوں کے لینے پر اس کو ترغیب دی لیکن اس نے پھر بھی انکار کیا۔ اگلی رات پھر اس سے کہا گیا:

''فلاں مکان میں جاؤ اور وہاں سے ایک اشرفی لو اور اس میں برکت ہے''۔

چنانچہ وہ وہاں گیا اور اس اشرفی کو لیا پس جب اس کو لے کر نکلا تو دیکھا کہ ایک شخص دو

مچھلیاں بیچ رہا ہے اس نے اس سے کہا: ''ان دونوں مچھلیوں کو کتنے میں بیچتے ہو؟''

اس نے کہا: ''ایک اشرفی میں''۔

چنانچہ وہ ان میں سے ایک کو بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے اس کو اس موتی کے بدلہ میں بہت سے روپے دیئے اور کہا:

''یہ موتی اپنے جوڑے بغیر ٹھیک نہ ہوگا' تم اس کا جوڑہ مجھے دو اور میں تم کو اس کے بدلے اس قدر روپے دوں گا''۔

اس کے بعد وہ گیا اور دوسرا موتی بھی حاضر کر دیا۔ بادشاہ نے جو کچھ قیمت دینے کا اس سے وعدہ کیا تھا اس کو دے دی۔ پس اس کو اپنے باپ کی خدمت کی برکت سے یہ دولت ملی' اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ (ایضاً)

سات سو سالہ عبادت گزار

بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک دن زبور کی تلاوت کی۔ پس ان کا دل زبور پڑھتے وقت نرم ہوا اور اپنے جی میں خیال کیا کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اے داؤد! فلاں پہاڑ پر چڑھو تا کہ تم ایک کاشت کار کو دیکھو کہ وہ سات سو برس سے میری عبادت کرتا ہے اور پھر بھی اپنی ایک خطا پر نادم ہے جو اس سے ہو چکی ہے حالانکہ وہ میرے نزدیک گناہ نہیں ہے اور وہ خطا یہ ہے کہ وہ ایک دن چھت پر گزرا اور اس کی ماں چھت کے نیچے تھی پس اس کے چلنے کی وجہ سے کچھ مٹی اس کی ماں پر گری اور وہ شخص تم سے زیادہ عبادت گزار ہے اس لیے تم اس کے پاس جاؤ اور میری طرف سے مغفرت کی اس کو بشارت دو۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام پہاڑ کی جانب گئے' ناگاہ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص بہت ہی زار ونزار اور لاغر وہاں موجود ہے اور عبادت کی مشقت سے اس کی ہڈیاں ظاہر ہو رہی ہیں اور داؤد علیہ السلام نے اس کو دیکھا کہ وہ نماز میں مشغول ہے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو داؤد علیہ السلام نے اس کو سلام کیا اس نے ان کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا:

''تم کون ہو؟'' انہوں نے فرمایا: ''میں داؤد ہوں''۔ اس نے کہا:

Scanned with CamScanner

"اگر میں جانتا کہ آپ داؤد علیہ السلام ہیں تو آپ کے سلام کا جواب نہ دیتا کیونکہ مجھ سے لغزش واقع ہوئی اور میں پہاڑ پر چڑھنے کے واسطے فارغ ہوا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے میرے لیے استغفار نہ طلب کی پس بخدا میں چھت پر گزرا اور میری ماں اس کے نیچے تھی اور چھت پر چلنے سے چھت کی مٹی سے کسی قدر ان کے اوپر گری اس وجہ سے میں گھر سے نکلا اور مجھے سات سو برس ہو گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے ناخوش ہے یا خوش ہے اور باوجود اس کے میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں کیونکہ میرا گمان ہے کہ وہ مجھ سے ناخوش ہے تاکہ میرا رب مجھ سے راضی ہو اور میری ماں مجھ سے خوش ہو اور میں اس حالت میں سات سو برس سے ہوں اور خدا کے عذاب کے خوف سے خورد و نوش پر راغب نہیں ہوں۔ پس آپ میرے پاس سے جائیے اس لیے کہ آپ نے مجھے عبادتِ الٰہی سے باز رکھا"۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

"بے شک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تجھے بشارت دوں کہ اس نے تیرا قصور معاف کیا اور وہ تجھ سے راضی ہے اور تیری ماں دنیا سے کوچ کر گئی حالانکہ وہ تجھ سے راضی تھی اور وہ اس چھت کے نیچے نہ تھی جس پر تو چلا تھا اور نہ اس پر مٹی گری"۔

جب اس شخص نے یہ بات سنی تو کہا: خدا کی قسم! اس کے بعد میں زندگی کو محبوب نہیں رکھتا ہوں۔ پس اس نے سجدہ کیا اور کہا:

"اے میرے رب! میری روح قبض کر کے اپنے پاس بلا لے"۔

چنانچہ وہ اسی وقت مر گیا' اللہ اس پر رحم کرے۔ (ایضا)

☆ عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک جماعت نے سفر کیا اور ایک میدان میں اُتری پس یہاں اس جماعت کے لوگوں نے متواتر گدھے کی آواز سنی جس سے وہ بے دار ہو گئے اور تحقیق کے لیے چلے تاکہ اس کو دیکھیں۔ ناگاہ انہیں ایک ایسا گھر نظر آیا جس

میں ایک بڑھیا موجود تھی۔ پس ان لوگوں نے اس سے کہا:

"ہم نے گدھے کی آواز سنی جس نے ہم کو بے دار کیا لیکن ہم تیرے یہاں گدھا نہیں دیکھتے ہیں"۔ اس بڑھیا نے اسے کہا: "میرا لڑکا تھا اس کی یہ حالت تھی کہ مجھ سے کہتا تھا: یا حمارۃ (گدھیا) آ اور یا گدھیا جا اور یہ اس کی عادت تھی۔ میں نے اس کے حق میں بددعا کی کہ یا اللہ! اس کو گدھا کر دے چنانچہ اب وہ ہمیشہ رات میں صبح تک گدھے کی بولی بولتا ہے اس کے بعد ان مسافروں نے اس سے کہا:

"ہم کو اس کے پاس لے چلو تاکہ ہم اس کو دیکھیں"۔

پس یہ لوگ اس کے پاس گئے وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ قبر میں ہے اور اس کی گردن گدھے کی گردن کی طرح ہے۔ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ! (ایضا)

Scanned with CamScanner

(197)

خواجہ نظام الدین اولیاء اور ادائیگی حقوق العباد

حضرت خواجہ صاحب کو شیخ کبیر (خواجہ فرید الدین گنج شکر) نے ارادت وخلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا اور اہلِ حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھنا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے بیس جیتل ایک شخص کے دینے ہیں اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی، وہ کھو گئی ہے۔ میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا کہ میں جب پہنچوں گا تو ان اہلِ معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے میں نے بیس جیتل دینے تھے، وہ بزاز تھا۔ میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا، کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اس کو پہنچا دیتا۔ معاش کی بڑی تنگی تھی، کبھی پانچ جیتل ہاتھ آئے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیتل ملے، میں اس بزاز کے دروازے پر پہنچا اس کو آواز دی وہ باہر آیا تو میں نے اسے کہا:

"تمہارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں۔ ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی طاقت نہیں۔ یہ دس جیتل لایا ہوں اس کو لے لو۔ دس ان شاء اللہ اس کے بعد پہنچا دوں گا"۔ اس شخص نے یہ بن کر کہا:

"ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو"۔

اس نے وہ دس جیتل تو لے لیے اور کہا: "میں نے دس جیتل معاف کیے"۔

اس کے بعد میں اس کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی اس نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں نے کہا: "صاحب! میں نے آپ سے ایک کتاب لی تھی، وہ کھو گئی ہے اب میں

اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا۔ میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہنچا دوں گا"۔

اس شخص نے کہا: "ہاں! تم جہاں سے آرہے ہو، وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے"۔

اس کے بعد اس نے کہا: "میں نے وہ کتاب تم کو بخشی"۔

(بحوالہ فوائد الفوائد، ص ۲۱۴، تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ سوم، ص ۷۰، شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص ۲۲۲، طبع فیروز سنز)

Scanned with CamScanner

(198)

میں نثار تیرے کلام پر......

ایک دن رسولِ اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ تشریف فرما تھے' اتنے میں ایک نوجوان نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے زنا کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

دربارِ نبوی ﷺ میں موجود صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جب نوجوان کی گفتگو سنی تو سخت ناراض ہوئے' غصے سے ان کی رگوں میں خون تیز ہو گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور خود نوجوان کو اپنے قریب کیا اور اس سے فرمایا:

''بتاؤ! تم کیا چاہتے ہو؟''

نوجوان کہتا ہے: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت مرحمت فرمائیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نوجوان! جس کام کی اجازت تو مانگ رہا ہے کیا تو چاہے گا کہ تیری ماں کے ساتھ بھی کام کیا جائے؟''

نوجوان نے کہا: ''قربان جاؤں اے اللہ کے رسول ﷺ! ہر گز نہیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ یہ کام نہیں چاہتے۔ کیا تو پسند کرے گا کہ تیری بیٹی کے ساتھ یہ کام ہو؟'' نوجوان نے کہا:

''نہیں اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم میں ایسا نہیں چاہتا میں آپ ﷺ پر قربان ہو

جاؤں''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے یہ کام نہیں چاہتے۔ کیا تو اپنی بہن کے ساتھ اس کام سے راضی ہے؟''

اسی طرح آپ ﷺ نے پھوپھی اور خالہ کا بھی نام لیا۔ نوجوان ہر ایک کے جواب میں کہتا رہا: ''قربان جاؤں' ہر گز نہیں''۔

پھر نبی کریم ﷺ نے نوجوان کو سمجھایا کہ بالکل اسی طرح کوئی بھی آدمی اسے گوارا نہیں کرے گا کیونکہ جب کسی بھی عورت سے زنا کا ارتکاب کیا جائے گا تو وہ کسی کی ماں' بہن' بیٹی' پھوپھی یا خالہ ہی ہو گی۔

اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے نوجوان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اس کے لیے تین دعائیں فرمائیں: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَ حَصِّنْ فَرْجَہٗ ۔

''الٰہی! اس کی مغفرت فرما دے' اس کا دل پاک کر دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما''۔ راوی کا بیان ہے:

فَلَمْ یَکُنْ بَعْدَ ذٰلِکَ الْفَتٰی یَلْتَفِتُ اِلٰی شَیْءٍ ۔

''اس کے بعد نوجوان کسی برائی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا بھی نہ تھا''۔

(مسند احمد ۵/۲۵۶' مجمع الزوائد للہیثمی ۱/۱۲۹)

اعلیٰ حضرت امام عشق و محبت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے:

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ زباں ہے جس کا بیاں نہیں

Scanned with CamScanner

(199)

جنت کے تمام دروازوں سے بلاوا

نبی کریم ﷺ نے ایک روز نمازِ ظہر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:
''آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟''
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا:
''اللہ کے رسول ﷺ! میں روزے سے ہوں''۔
نبی کریم ﷺ نے پوچھا:
''آج تم میں سے کس نے کسی مسکین پر صدقہ وخیرات کیا ہے؟''
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے''۔
نبی کریم ﷺ نے پوچھا:
''آج تم میں سے کس سے کسی مریض کی بیمار پرسی کی ہے؟''
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''یا رسول اللہ ﷺ! میں نے مریض کی بیمار پرسی کی ہے''۔
نبی پاک ﷺ نے پوچھا:
''آج تم میں نے کسی نے جنازے میں شرکت کی ہے؟''
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''اللہ کے رسول ﷺ! میں نے ایک جنازہ میں شرکت کی ہے''۔
نبی کریم ﷺ نے پوچھا:

''تم میں کوئی ہے جس نے دو آدمیوں کے مابین صلح کرائی ہو؟''
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
''اللہ کے رسول ﷺ! میں نے صلح کرائی ہے''۔
رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:
''جس شخص میں بھی مذکورہ نیک اعمال جمع ہو جائیں گے اس کا انعام سوائے جنت کے کچھ نہیں''۔ (صحیح مسلم ۱۰۲۸)
نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ متعدد نیک اعمال کا ذکر فرما کر بتلایا:
''ہر شخص کو اس کے عمل کی مناسبت سے جنت کے ایک خاص دروازے سے داخل ہونے کے لیے بلایا جائے گا''۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھ لیا:
''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہوگا جس کو جنت کے تمام دروازوں سے داخل ہونے کے لیے بلایا جائے گا''۔
آپ ﷺ نے فرمایا: نَعَمْ وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ ۔
''ہاں اور مجھے امید ہے اے ابوبکر! کہ تم ایسے ہی خوش نصیبوں میں سے ہوگے''۔

(ترمذی ۳۶۷۴، مسند احمد ۲/ ۲۶۸، صحیح ابن حبان ۳۴۱۹)

Scanned with CamScanner

(200)

بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد ﷺ کے غلام اکثر

ایک بار ایک عرب حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: ''میں لکھنؤ جانا چاہتا ہوں' مجھ کو زادِ راہ اور کپڑے دیجیے''۔

اسی وقت ایک مرید طشت بھر کر مصری تحفہ میں لایا' حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت نے عرب سے کہا: ''تم لے لو''۔

اس نے لے لیا پھر کپڑے کا طلب گار ہوا۔ جسم پر جو کپڑا تھا وہ کسی نے عاریتاً پہنا دیا تھا کہ تبرک ہو جائے اس لیے عرب سے فرمایا: ''یہ کپڑے میرے ہوتے تو میں تم کو دے دیتا''۔ لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا' خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار کیا۔ عرب نے کہا: ''اے مخدوم! آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں''۔ فرمایا: ''اگر وہ تمہیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا' میں نے اپنا خون تجھے معاف کر دیا اور اپنی گردن جھکا دی''۔

عرب یہ اخلاق دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور قدموں پر گر پڑا۔ حضرت سید جلال الدین نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا۔ (تو اس طرح ایک عربی عجمی سید کے حلقۂ غلامی میں آ گیا)

(ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں' ص ۱۴۳)

دنیا کے گدا دیکھے ہیں زمانے کے امام اکثر
بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد ﷺ کے غلام اکثر